

کشف المصاب

شرح اردو

کافیہ ابن حاجب

تفہیم

حضرت مولانا عتیق الرحمن قاسمی بہرائچی
استاد جامعہ عربیہ تھورا بانڈہ، یونانی

مکتبہ علوم اسلامیہ

کشف المصاب

شرح اردو

کافیہ ابن حاجب

تصحیح

حضرت مولانا عتیق الرحمن تقاسمی بہرائچی

استاد جامعہ عربیہ ہتھورا بازہ، یوپی

مکہ عظیمہ بیوم اسلامیہ

اقرا سنٹر، عرفی سسٹمز، اردو بازار، لاہور
فون: 042-7224228-7355743



مکہ عظیمہ کی تاریخ اسلامیت

کشف المصابیح

کافیہ ابن حاجب

حضرت ابو عتیق الرحمن کاسمی ہراچی
استاد جامعہ عربیہ اسلامیہ، لاہور، بمبئی

مکہ عظیمہ کی تاریخ اسلامیت

الگل سٹار پرنٹرز لاہور

نام کتاب:

مصنف:

ناشر:

مطبع:

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت و طباعت صحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

﴿ نذر عقیدت ﴾

☆ میں اپنی اس حقیر کاوش کو عالم ربانی محبوب گرامی فخر زماں حضرت الاستاذ مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی کی طرف منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جن کے فیضِ محبت نے ایک ظلوم و جہول کو علم و آگہی کا شعور بخشا۔

☆ اور مخدوم و مطاع حضرت الاستاذ مولانا قاری سید حبیب احمد صاحب مدظلہ تاظم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ خلف اکبر حضرت باندوی کی جانب کہ جن کے حضور زانوئے تلمذتہ کرتے ہوئے اسرار ابن الحاجب سے کچھ مناسبت پیدا ہوئی۔

☆ اور اپنے محسن اور کریم استاذ حضرت مولانا قاری عبدالوحید صاحب ثوری رحمۃ اللہ علیہ استاذ نور العلوم بہرائچ کے نام کہ جن کی توجہ سے کچھ لکھنے پڑھنے کی عادت پڑی۔

العبد

عتیق الرحمن قاسمی بہرائچی

استاذ جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿مبادیات﴾

لغوی معنی: علم نحو کے لغوی معنی راستہ، جیسے بولا جاتا ہے، ہذا النحو السوئی نیز ارادہ کے معنی میں ہے جیسے فنوٹ ہذا میں نے یہ ارادہ کیا اور بھی معنی ہیں۔

اصطلاحی تعریف: علم نحو وہ علم ہے جس کے ذریعہ معرب اور منی ہونے کی حیثیت سے تینوں کلموں کی آخری حالت معلوم ہو جائے اور بعض کلمات کو بعض کے ساتھ مرکب کر نیکی کیفیت معلوم ہو جائے۔

علم نحو کا موضوع: علم نحو کا موضوع کلمہ اور کلام ہے، کیوں کہ علم نحو میں انھیں کے احوال سے بحث کی جاتی ہے، البتہ من حیث الاعراب والبناء کلمہ اور کلام موضوع ہیں۔

غرض: کلام عرب میں ذہن کو لفظی غلطی سے بچانا ہے۔

مدون: اس فن کے مدون اول امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، کیوں کہ ابوالاسود، جو کبار تابعین میں سے ہیں، کو اس طرف آپ ہی نے توجہ دلائی اور رہنمائی فرمائی۔ چنانچہ صاحب درایۃ النحو ابوالاسود سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک آدمی کو ”إن لله بوءی من المشرکین ورسولہ“ بکسر اللام پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے اس کو ٹوکا اور کہا کہ یہ تو کفر ہے، پھر امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا ”نحو ان اضع میزانا للعرب لیقوموا بہ لسانہم“ میں نے ارادہ کیا کہ عرب کے لیے ایک ضابطہ بناؤں تاکہ وہ اس کے ذریعہ اپنی زبان درست کریں اور غلطیوں سے بچیں۔ حضرت علیؑ نے یہ سن کر فرمایا ”اقصد نحوہ“ اس کی طرف توجہ کر لیں چون کہ حضرت علیؑ نے ابتداءً اس علم کی طرف توجہ دلائی تھی، اس لیے سیدنا حضرت علیؑ ہی اس فن کے مدون اول قرار پائیں گے اور چون کہ حضرت علیؑ نے اقصہ نحوہ فرمایا تھا اس لیے اس علم کا نام بھی پڑ گیا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابوالاسود کو متوجہ کرنے والے حضرت عمر ہیں اسی طرح بعض حضرات نے علم نحو کا مدون اول عبدالرحمن بن ہرمل الاعرج کو مانا ہے اور بعض حضرات نصر بن عاصم کے واضع اول ہونے کے قائل ہیں مگر یہ سب کچھ صحیح نہیں ہے۔

نحو کے مدون اول حضرت علیؑ ہی ہیں، ابوالاسود نے آپ کے ہی چند اصول سامنے رکھ کر قواعد نحو جمع کیے ہیں، اس کے بعد ان کے تلامذہ نے بتدریج اس علم کو ترقی دی پھر کچھ عرصہ کے بعد ابو عمرو بصری اور ان کے شاگرد ظلیل بن احمد نے اس کو باضابطہ مرتب اور مہذب کیا ظلیل کے شاگرد سیبویہ نے اس علم میں ایک جامع کتاب ”الکتاب“ لکھی جو بعد کے تمام نحوویوں کا ماخذ ہے۔ (تلخیص از ابتداء الیسبیل السامی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مصنف کے مختصر حالات

عثمان نام، ابو عمر و کنیت، جمال الدین لقب اور والد کا نام عمر ہے، حافظ ذہبی نے لکھا ہے کہ آپ کے والد امیر غزالدین موسک صلاتی کے یہاں دربان تھے جس کو عربی میں حاجب کہتے ہیں، اس لیے آپ ابن الحاجب سے مشہور ہیں۔ سلسلہ نسب یوں ہے جمال الدین ابو عمر و عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس الدویعی۔ ملک مصر میں مسجد اعلیٰ کے اعمال قوصیہ میں آشنا نامی ایک چھوٹی سی بستی ہے شیخ موصوف او اخریہ ۵۷۵ھ میں یہیں پیدا ہوئے۔

ابتداءً آپ نے قاہرہ میں تعلیم پائی، صغریٰ میں قرآن پاک حفظ کیا، علامہ شاطبی سے قرأت کی تحصیل اور ”اتیسیر“ کا سماع کیا علامہ ابوالجود سے قرأت سب سے پڑھی اور شیخ ابونصور ایباری وغیرہ سے علم فقہ علامہ شاطبی اور ابن البناء سے علم ادب حاصل کیا علامہ بویصری وغیرہ سے بھی سماع حاصل ہے۔

علامہ ابن حاجب بلند پایہ فقیہ اعلیٰ مناظر، بڑے دین دار متقی اور پرہیزگار معتمد وثقہ نہایت متواضع اور تکلفات سے قطعاً نا آشنا تھے، تجربہ علمی میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔ مورخ ابن خلکان کا بیان ہے کہ ادائے شہادت کے سلسلے میں آپ بارہا میرے پاس تشریف لائے میں نے علوم عربیہ کے مختلف مسائل مشککہ آپ سے دریافت کیے آپ نے نہایت سکون اور وقار کے ساتھ ہر ایک کا تسلی بخش اور معقول جواب دیا۔ آپ کی ذہانت و ذکاوت کی تعریف میں ابن خلکان ہی رقم طراز ہیں کان من احسن خلق اللہ ذہناً۔ اللہ کی مخلوق میں سب سے زیادہ روشن ذہن تھے۔

جامع دمشق میں ایک زمانہ درس و تدریس کے بعد آپ اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام مصر تشریف لائے اور مدرسہ فاضلیہ میں صدر مقرر ہوئے اخیر میں آپ اسکندریہ منتقل ہو گئے تھے اور یہیں مستقل قیام کا ارادہ تھا، مگر یہاں آپ کو کچھ زیادہ دن نہ ہوئے تھے کہ راہی ملک بقاء ہو گئے۔ چنانچہ ۱۶ شوال ۶۳۶ھ میں جمرات کے روز دن چڑھے اسکندریہ میں وفات پائی اور باب البحر سے باہر شیخ صالح ابن ابی اسامہ کی تربت کے پاس مدفون ہوئے۔ یوں تو آپ کی ہر تصنیف بے بہا موتیوں کا خزانہ ہے، لیکن نحوی ولایتوں میں کافیہ کی شہرت کا جو سکہ جما ہوا ہے وہ محتاج بیان نہیں جس میں آپ نے علم نحو کے تمام قواعد نہایت عمدہ اسلوب کے ساتھ جمع کئے ہیں علم نحو کا یہ جامع اور مستند ذخیرہ سات سو سال سے مدارس میں داخل درس ہے، آپ کی تصانیف کی عمدگی اور افادیت کے بارے میں ابن خلکان کہتے ہیں وکل تصانیفہ فی نہایۃ الحسن والافادہ۔ آپ کی کل تصانیف نہایت عمدہ اور مفید ہیں۔ (احوال المصنفین)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ حرفِ چند ﴾

لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے اس رب کائنات کا جس نے ایک مشت خاک کو "کافیہ" جیسی شہرہ آفاق اور مشہور زمانہ کتاب پر کچھ نوٹس تیار کرنے کی توفیق دی ورنہ - شعر -

کہاں میں اور کہاں یہ نکلت گل نسیم صبح تیری مہربانی

آج سے کوئی سات سال پہلے کا واقعہ ہے، مدرسہ احیاء العلوم گوراچوکی گونڈہ میں کافیہ کا سبق اس بے ماہیہ اور کم سواد سے متعلق ہوا۔ اثناء درس اندازہ ہوا کہ طلبہ سبق میں کی گئی تقریر عموماً فراموش کر دیتے ہیں اس لیے ضروری نوٹس کے املاء کا معمول بنا لیا۔

چند سالوں کے بعد طلبہ عزیز کو لکھائے گئے نوٹس کی ترتیب کا شوق چرکایا اور ذوق خود نمائی نے جیسے تیسے یہ کام مہنیا تک کراہی لیا۔ اب طباعت کی سوجھی تو اسباب ندرار۔

اللہ جزائے خیر دے مولوی نور الدین بہراچی صاحب (شریک دورہ حدیث دارالعلوم دیوبند) کو کہ ان کی کاوشوں سے جناب مولانا ندیم الواجدی صاحب مدظلہ مالک مکتبہ دارالکتاب دیوبند سے رابطہ ہوا اور انھوں نے اس مشکل کام کو آسان بنانے کی حامی بھری پھر انھیں کے مشورہ سے پوری کتاب نئے نوٹس کی تیاری کا عزم بھی ہو گیا ورنہ سچی بات یہ ہے کہ دور دور تک اس کا کوئی خیال تھا اور نہ ہی اس کام کی اہلیت۔

زیر نظر کتاب "کشف المطالب" اپنی ہی کوشش کا مجموعہ ہے۔ حل عبارت کی حتی المقدور سعی کی گئی ہے۔ سہولت پسندی کے اس دور میں طلبہ کی آسانی کے لیے عبارت کا ترجمہ بھی لکھ دیا گیا ہے۔

"کتاب" جیسی بھی ہے آپ کے سامنے ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول عام عطا فرمائے اور طلبہ عزیز کے لیے نافع بنائے۔ معاونین اور دوستوں کو بالخصوص مولانا حفیظ اللہ صاحب بہراچی استاذ جامعہ عربیہ کو اپنے شایان شان بدلہ عطا فرمائے کہ موصوف نے مسودہ کے صاف کرنے میں بڑا تعاون دیا۔

العبد

عتیق الرحمن قاسمی بہراچی

استاذ جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

۱۴۲۶/۲/۱۷ھ

﴿ دعائیہ کلمات ﴾

مخدوم گرامی قدر حضرت الاستاذ مولانا قاری سید حبیب احمد صاحب ناظم جامعہ عربیہ ہتورا
و جانشین عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی

”کافیہ“ نحو کی اہم ترین اور جامع کتاب ہے صدیوں سے پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔
فاضل مصنف نے نچے تلے الفاظ میں اصول نگاری کا نازک فریضہ انجام دے کر شہرت دوام حاصل
کی۔

کافیہ کے متن کی جامعیت نے خود اسے حل طلب بنا دیا چنانچہ بہت سے طالع آزماؤں نے
اسے اپنے فکر و محنت کا میدان بنایا اور شروع و حواشی کے نام سے بہت کچھ لکھا گیا بعض بڑی قابل
قدر اور لائق ستائش کاوشیں منصفہ شہود پر آئیں اور تاہنوز اس کا سلسلہ جاری ہے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی ”کشف المطالب“ نامی یہ شرح ہے جسے عزیزم مولانا عتیق الرحمن
بہرا بھٹی نے ترتیب دیا ہے، موصوف جامعہ عربیہ ہی کے ساختہ پر داختہ ہیں، چنانچہ انھوں نے کافیہ
احقر سے ہی پڑھی اور اب جامعہ کے اچھے اور باصلاحیت اساتذہ میں سے ہیں۔

زیر نظر کتاب تسہیل و تفہیم کے اعتبار سے دوسری شروع سے امید کہ ممتاز سمجھی جائے گی اور طلبہ
کے حق میں قریب الی الفہم ثابت ہوگی۔

میری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے نفع کو عام فرمائے اور عزیز مولف کے لیے صدقہ
جاریہ بنائے۔ آمین۔

حبیب احمد باندوی

خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

۱۳۲۶/۲/۱۸ھ

﴿ تقریظ ﴾

محدث جلیل فقیہیہ عصر استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبید اللہ صاحب الاسعدی مدظلہ
استاذ حدیث و صدر شعبہ افتاء جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

”کافیہ“ فن نحو کی معروف و متداول کتاب ہے اور برصغیر میں مدارس عربیہ کے نصاب کا ایک اہم جزء،
جس پر ہر عہد میں خصوصی توجہ دی جاتی رہی، درس و تدریس کے اعتبار سے بھی اور شرح و توضیح کے اعتبار سے
بھی۔ برصغیر میں اس کی بہت سی شروح لکھی گئیں۔ حتیٰ کہ بعض صوفیانہ ذوق کے حاملین حضرات نے اپنی
شرح میں اس کو تصوف کی ایک کتاب کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

قریبی عہد میں بزبان اردو بھی اس پر کام ہوا ہے اور اچھا کام ہوا ہے مگر ایسی کتابیں برابر اور مسلسل کام
کی متقاضی رہتی ہیں۔

مسرت کی بات ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور جامعہ عربیہ ہتورا باندہ کے فیض یافتہ (سابقاً) اور
بانیض مدرس (حالاً) مولانا عتیق الرحمن بہراپنچی زادہ اللہ تعالیٰ علما و فضلاء نے اس پر قلم اٹھایا ہے اور مفید شرح
تحریر فرمائی۔

احقر نے اس شرح کے بعض اجزاء کو پڑھا، اسلوب و انداز بیان مناسب و مفید ہے۔ امید ہے کہ کافیہ
سے شغف رکھنے والے لشوق و ذوق سے اس گراں قدر علمی تحفہ سے پورے طور پر مستفیض ہوں گے۔
حق تعالیٰ مصنف و ناشر دونوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

محمد عبید اللہ الاسعدی

جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

۱۴۲۶/۲/۲۷ھ

﴿تقریظ﴾

مخدوم محترم استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید نفیس اکرم صاحب قاسمی مدظلہ العالی
شیخ الحدیث و صدر المدرسین جامعہ عربیہ ہتوراباندہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حمد و صلاۃ کے بعد۔ علم نحو و علم صرف۔ علم بیان۔ علم معانی وغیرہ لغت عربیہ کے لیے بنیادی علوم ہیں ان علوم کے حصول کے بغیر آدمی عربی زبان پر عبور و قدرت حاصل نہیں کر سکتا۔ تکلم، کتابت، قراءت بلا ان علوم کے حصول کے بڑا دشوار ہوتا ہے۔ علامہ ابن حاجب نے علم نحو میں الکافیہ لکھ کر اہل علم کے لیے قواعد نحو کے افہام و تفہیم کو بڑی حد تک آسان بنا دیا ہے۔

الکافیہ ابن حاجب کی مشہور و مقبول کتاب ہے، اس پر بہت سے حضرات نے محنت کی ہے اور اس کی شرح عربی اور اردو میں لکھی گئی ہیں۔ اس کی ایک نہایت مقبول شرح شرح جامی (نوائذ ضیائیہ) کے نام سے لکھی گئی جو مدارس عربیہ میں داخل درس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابن حاجب کی اس خدمت کو قبولیت بخش ہے۔ عزیزم مولانا عتیق الرحمن بہراچھی مدرس عربی جامعہ ہتوراباندہ نے بڑی محنت و کاوش سے کافیہ کی اردو شرح لکھی ہے اس شرح کا نام کشف المطالب عن اسرار ابن الحاجب رکھا ہے۔ آج کل میری آنکھ کا آپریشن ہوا ہے، جس کی وجہ سے لکھنے پڑھنے سے معذوری ہو گئی ہے۔ تاہم میں نے اس کو دیکھا اور پسند کیا۔ کافیہ کے مضامین کو عمدہ طرز پر سمجھانے کے لئے اچھی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ عزیزم موصوف کی اس کتاب کو قبول عام عطا فرمائے اور طلبہ و اساتذہ کے لیے مفید بنائے۔ اور مزید علمی خدمات اور علوم عربیہ دینیہ کی اشاعت کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین

والسلام

نفیس اکرم قاسمی

۱۸ صفر ۱۴۲۶ھ بروز شنبہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الكلمة لفظ وضع لمعنى مفرد مصنف نے اپنی کتاب ”کافیہ“ بسم اللہ سے مندرجہ ذیل حدیث پر عمل کرتے ہوئے شروع کیا کل امر ذی بال لم یبدأ بسم اللہ فهو ابتر، ہم کام جس کو بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ادھورا رہتا ہے۔

اعترض مصنف نے بزرگوں کے طریقے کی مخالفت کیوں کی اس طور پر کہ مصنف نے اپنی کتاب کافیہ کو حمد سے شروع نہیں کیا؟ جواب مصنف نے اس طرح تو اضعاً اور کسر نفسی کی وجہ سے کیا کہ چھوٹوں کو بڑوں کی رئیس نہیں کرنا چاہیے۔

سوال: حمد عبادت ہے اور تواضع عبادت کے کرنے میں ہے؟ جواب ترک حمد کی دو قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ عبادت کو من حیث العبادۃ چھوڑ دیا جائے جو بلاشبہ تواضع کے خلاف ہے اور دوسری قسم یہ ہے کہ ترک حمد اس اعتبار سے ہو کہ چھوڑنے والا بزرگوں کا ہم پلہ نہیں ہے، لہذا اسے ان کے طرز نگارش اور طریقہ تصنیف کی نقل نہیں اتارنی چاہیے تو یہ تواضع کے خلاف نہیں ہے۔

سوال: اس جواب سے یہ اعتراض تو ختم ہو جاتا ہے کہ مصنف نے بزرگوں کے طریقے کی مخالفت کیوں کی، لیکن ایک دوسرا سوال بدستور باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ حدیث تمہید کی مخالفت کیوں کی، حدیث میں ہے کل امر ذی بال لم یبدأ بحمد اللہ فهو اقطع واجزم یعنی جو ہم کام اللہ کی حمد سے شروع نہ ہو وہ ناقص اور نامکمل ہوتا ہے پس مصنف نے ایک حدیث پر عمل کیا اور دوسری کو چھوڑ دیا۔ جواب: ابتداء کی دو قسمیں ہیں ابتداء بالتلفظ اور ابتداء بالکتابۃ۔ پس ابتداء بالکتابۃ کی نفی سے ابتداء بالتلفظ کی نفی نہیں ہوتی، لہذا عین ممکن ہے کہ مصنف نے ابتداء بالتلفظ کی صورت میں الحمد للہ کی حدیث پر عمل کر لیا ہو۔

الكلمة لفظ وضع لمعنى مفرد

ترجمہ:- کلمہ ایسا لفظ ہے جو مفرد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو۔

توضیح:- یہاں سے مصنف کلمہ کی تعریف بیان کر رہے ہیں اس پر ایک اعتراض ہے کہ علم نحو کا مقصود کلمہ اور کلام سے معرب اور مبنی کی حیثیت سے گفتگو کرنا ہے، لہذا کلمہ اور کلام کی تعریف کے ساتھ مشغول ہونا اصل بحث سے فرار ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ شی کے احوال سے گفتگو شی کے احوال کے جاننے پر موقوف ہے اور قاعدہ ہے کہ مقصود کا موقوف علیہ مقصود ہی کے درجہ میں ہوتا ہے اور چوں کہ کلمہ اور کلام کی تعریف کلمہ اور کلام کے احوال کے جاننے کے لیے موقوف علیہ ہے، لہذا کلمہ اور کلام کی تعریف مقصود ہی ہوئی پس اس کے ساتھ مشغول ہونا مقصود سے انحراف نہیں ہے۔

البتہ ایک خلیجان اور ہے اور وہ یہ ہے کہ جب نحو کا موضوع کلمہ اور کلام دونوں ہیں تو کلمہ کو کلام پر کیوں مقدم کیا جب کہ بہتر اس کے برعکس تھا، اس لیے کہ کلام مضمون مفید کا فائدہ دیتا ہے اور کلمہ غیر مفید کا اور مفید غیر مفید سے اولیٰ ہے تو جواب یہ ہے کہ کلمہ کلام کا جزء ہے اور جزء وجود میں کل پر طبعاً مقدم ہوتا ہے، لہذا کلمہ کو کلام پر وضعاً مقدم کر دیا، تاکہ وضع طبع کے مطابق ہو جائے۔

دوسری بات جو جاننے کی ہے وہ یہ ہے کہ کلمہ اور کلام مستقل لفظ ہیں یا کسی سے مشتق ہیں تو بعض نحوویوں کا خیال ہے کہ یہ مستقل لفظ ہیں جو کسی سے مشتق نہیں ہے، لیکن جمہور کی رائے یہ ہے کہ الکلمۃ الکلمۃ بسکون اللام سے مشتق ہے البتہ جمہور کے قول پر ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مشتق اور مشتق منہ کے درمیان کم از کم معنی مطابقت تو ضروری ہوتی ہے ورنہ تو ترتیب اور مادہ تک میں یکسانیت ہوتی ہے اور یہاں تو ترتیب اور مادہ تو دور کی بات معنی بھی مطابقت نہیں ہے، اس لیے کہ کلمہ کے معنی ہیں جو مفرد معنی کے لیے وضع کیا گیا ہو اور کلام کے معنی ہیں جو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ شامل ہو اور کلمہ کے معنی زخمی کرنے کے ہیں پس معلوم ہوا کہ یہ کلمہ سے مشتق نہیں ہیں۔

جواب مشتق اور مشتق منہ کے درمیان مطابقت کی تین صورتیں ہیں مطابقتہ تفسیراً، التزاماً اور یہاں پر مطابقت مشتق اور مشتق منہ کے درمیان معنی التزامی کے اعتبار سے پائی جاتی ہے اور وہ اس طرح کہ جس طرح بھالے اور برچھے سے زخم ہوتا ہے اسی طرح بات سے بھی زخم ہوتا ہے، بلکہ اس کا زخم بھالے اور برچھے سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

مشہور شعر ہے: جراحات السنان لها التیام ☆ ولا یلتام ما جرح اللسان
یعنی نیزوں کا زخم مندمل اور بھر جاتا ہے، لیکن زبان کا زخم بھرنے کا نام نہیں لیتا، بلکہ سدا ناسور بن کر رہتا رہتا ہے۔

جب آپ کلمہ کے مشتق ہونے یا نہ ہونے کی بحث و تحقیق سے فارغ ہو چکے تو اب ”الکلمۃ“ کے الف لام کی طرف آئیے، تو معلوم ہونا چاہیے کہ الکلمۃ کے الف لام میں بنیادی طور پر دو احتمال ہیں کہ الکلمۃ کا الف لام یا تو اسمی ہوگا یا حرفی، پہلا احتمال باطل ہے، اس لیے کہ الف لام اسمی اسم فاعل یا اسم مفعول میں ہوتا ہے جو الذی کے معنی میں ہوتا ہے جیسے الضارب والمضروب اور الکلمۃ نہ اسم فاعل ہے اور نہ ہی اسم مفعول پس معلوم ہوا کہ الکلمۃ کا الف لام حرفی ہے پھر اس میں دو احتمال ہیں الف لام حرفی زائد اور الف لام حرفی غیر زائد، پہلا احتمال درست نہیں اس لیے الکلمۃ جو کہ مبتدأ ہے اور مبتدأ کے لیے معرف ہونا ضروری ہے اس کا کمرہ ہونا لازم آئے گا جو کہ صحیح نہیں، لہذا دوسرا احتمال متعین ہو گیا یعنی الف لام حرفی غیر زائد اس میں چار احتمال ہیں، جنسی، استغراقی، عہد خارجی، عہد ذہنی۔

الف لام جنسی کہتے ہیں ایسے الف لام کو جس کے مدخول سے مراد قطع نظر افراد کے ٹی کی حقیقت ہو جیسے الرجل خیر من المرأة کا الف لام۔ اور الف لام استغراقی ایسے الف لام کو کہتے ہیں جس کے مدخول سے مراد اس کے تمام افراد ہوں جیسے ان الانسان لفی خسو میں الانسان کا الف لام۔ اور الف لام عہد خارجی کہتے ہیں ایسے الف لام کو جس کے مدخول سے مراد ایسا کوئی فرد خاص ہو جو متکلم اور مخاطب کے درمیان متعین ہو جیسے فعضی فرعون الرسول میں الرسول کا الف لام۔ اور الف لام عہد ذہنی کہتے ہیں ایسے الف لام کو جس کے مدخول سے کوئی فرد خاص اور متعین مراد نہ ہو جیسے انی اخاف ان یا کله الذئب کا الف لام۔

اب سینے الکلمة میں الف لام جنسی ہے، کیوں کہ کلمہ موقع تعریف میں واقع ہے اور تعریف جنس کی ہوتی ہے اسی سے معلوم ہو گیا کہ الف لام استغراقی نہیں ہو سکتا ورنہ تعریف افراد کی لازم آئے گی جو کہ ٹھیک نہیں ہے۔ اچھا الف لام عہد ذہنی کا بھی نہیں ہو سکتا، کیوں کہ الف لام عہد ذہنی نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، لہذا عہد ذہنی مراد لینے کی صورت میں مبتدا کا نکرہ ہونا لازم آئے گا جب کہ مبتدا کے لیے معرفہ ہونا ضروری ہے۔ البتہ الف لام عہد خارجی کا ہو سکتا ہے، لیکن اس صورت میں کلمہ سے وہ کلمہ مراد لینا ہوگا جو نحو یوں کی زبان پر جاری ہوتا ہے، اس لیے الف لام جنسی کا مراد لینا زیا۔ بہتر ہے، کیوں کہ اس میں کسی قسم کا کوئی تکلف نہیں ہاں الف لام جنسی مراد لینے پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ الکلمة میں تاء وحدت کی ہے اور الف لام جنسی ہے جو کہ کثرت پر بھی دلالت کرتا ہے جب کہ وحدت اور کثرت میں تضاد ہے پس معلوم ہوا کہ الف لام جنسی مراد لینا غیر صحیح ہے ورنہ تضاد لازم آئے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ تاء وحدت کی چار قسمیں ہیں وحدت جنسی، نوعی، صنفی اور فردی پس الف لام جنسی اور تائے وحدت فردی میں تو تضاد ہے۔ لیکن الف لام جنسی اور بقیہ وحدتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، اس لیے کہ جس طرح الف لام جنسی کثرت پر دال ہوگا اسی طرح تاء وحدت جنسی، نوعی اور صنفی بھی کثرت پر دال ہوں گی، لہذا مذکورہ بالا اعتراض غیر مناسب ہے۔

قولہ لفظ: لفظ کے لغوی معنی پھینکنا خواہ لفظ کا پھینکنا منہ سے ہو جیسے بول چال اور خواہ غیر لفظ کا پھینکنا منہ سے ہو جیسے اکلتم التمرۃ ولفظت النواة کھجور کھا لیا اور کھنصل پھینک دیا اور خواہ غیر لفظ کا غیر منہ سے پھینکنا ہو جیسے لفظت الروحی الدقیق چکی نے آٹا پھینکا۔

اصطلاح میں لفظ کہتے ہیں ما ینلفظ بہ الانسان قليلاً کان او کثیراً مهلاً کان او موضوعاً حقیقتاً کان او حکماً مفرد کان او مرکباً یعنی لفظ ہر وہ چیز ہے جس کو انسان بولے خواہ کم ہو یا زیادہ، مہمل ہو یا موضوع، حقیقتاً ہو یا حکماً، مفرد ہو یا مرکب۔ حکماً کی مثال جیسے اضرب میں انت اور

ضرب میں ہو۔

یہاں ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ لفظ کی مذکورہ بالا تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں، اس لیے کہ اس میں انسان کے بول چال کو لفظ کہا گیا ہے معلوم ہوا کہ فرشتوں اور جناتوں کا کلام لفظ نہیں ہے، حالاں کہ وہ بھی از قبیل الفاظ ہیں، جواب یہ ہے کہ لفظ ہر وہ چیز ہے جس کا انسان تلفظ کر سکے خواہ کسی کا بھی کلام ہو پس یہ تعریف فرشتوں، جناتوں کے کلام اور کلام الہی سب کو عام ہے، لہذا تعریف جامع ہے۔ فرشتوں کا کلام: ان فی الجنة نہراً من اللبن ÷ لعلی و فاطمة و حسین و حسن اور جناتوں کا کلام قبر حروب بمکان قف ÷ و لیس قبر حروب قبر یعنی حرب کی قبر چٹیل میدان میں ہے اور حرب کی قبر کے پاس کوئی قبر نہیں۔

لفظ یہاں ملفوظ کے معنی میں ہے جیسے خلق مخلوق کے معنی میں ہے پس یہ اعتراض رفع ہو گیا کہ لفظ الکلمة کی خبر نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اب یہ مفعول کے معنی میں ہونے کے وجہ سے ذات مع الوصف ہو گیا مصدر ہونے کی وجہ سے وصف محض نہیں رہا اور ذات مع الوصف کا حمل ذات محض پر درست ہے۔ البتہ ایک سوال باقی ہے کہ مصنف نے بجائے لفظ کے لفظ کیوں نہیں کہا، حالاں کہ کافیہ مفصل سے ماخوذ ہے اور صاحب مفصل نے لفظ کہا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صاحب مفصل کے نزدیک کلمة میں وحدت ملحوظ ہے جب کہ مصنف کے نزدیک ایسا نہیں ہے، چنانچہ لفظ عبد اللہ حالت علیت میں صاحب مفصل کے نزدیک مرکب ہوگا، جب کہ مصنف کے نزدیک مفرد ہے پس اس لیے مصنف نے لفظ کہا۔ لفظ نہیں کہا۔

لیکن اس جواب کے باوجود بھی لفظ کہنا صحیح نہیں ہے، اس لیے کہ لفظ خبر ہے الکلمة کی اور مبتدأ اور خبر میں تذکیر و تانیثاً مطابقت ضروری ہوتی ہے اور وہ یہاں نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مبتدأ اور خبر کے درمیان مطابقت کا ضروری ہونا پانچ شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ خبر صفت کا صیغہ ہو جیسے زید ضارب اور دوسری شرط یہ ہے کہ مبتدأ اور خبر دونوں اسم ظاہر ہوں جیسے عمیر صالح لہذا اگر دونوں اسم ظاہر نہ ہوں تو مطابقت ضروری نہیں ہوتی جیسے ہی اسم تیسری شرط یہ ہے کہ خبر میں مبتدأ کی طرف لونے والی کوئی ضمیر ہو جیسے عثمان ابوہ مؤمن، لہذا اگر مبتدأ کی ضمیر خبر میں نہ ہو تو مطابقت ضروری نہ ہوگی جیسے زینب و سقر و ماہ جنور ممنوع اور چوتھی شرط یہ ہے کہ خبر ایسا صفت کا صیغہ نہ ہو جو مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے مساوی طور پر استعمال ہوتا ہے جیسے الرجل صبور اور المرأة صبور پانچویں شرط یہ ہے کہ خبر ایسا لفظ نہ ہو جو عورت کے ساتھ مخصوص ہو جیسے المرأة حائض اور یہاں شرائط مطابقت معدوم ہیں کیوں کہ لفظ لفظاً مصدر ہونے کی وجہ سے مذکر اور مؤنث دونوں کی خبر بن سکتا ہے، اس لیے کہ مشہور قاعدہ ہے المصدر لا یدگر ولا یؤنث۔

قولہ وضع وضع کے لغوی معنی ہیں التعمین متعین کرنا اور بعض لوگوں نے کہا ہے جعل الشئی فی حیز مکان کسی جگہ کے تحت شئی کا ذکر کرنا اور اصطلاح میں معنی ہیں تخصیص شئی بشئی بحیث متنی أطلق وأحس الشئی الاول فہم منہ الشئی الثانی یعنی کسی ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ اس طرح خاص کرنا کہ جب پہلی چیز بولی یا سمجھی جائے تو دوسری چیز بھی اس سے سمجھ میں آجائے۔

لمعنی اس کے لغوی معنی القصد ارادہ کرنا اور اصطلاحی معنی ما یقصد بالشئی ہیں، یعنی وہ چیز جس کا کسی چیز سے ارادہ کیا جائے۔ معنی اصل میں معنوی تھا، واویاء جمع ہو گئے پہلا ان میں ساکن تھا واو کو یاء کر دیا اور یاء کا یاء میں اوغام کر دیا۔ نون کے ضمہ کو کسرہ سے بدل دیا معنی ہو گیا پھر تخفیفاً یاء کو حذف کر دیا اور ضمہ کو خلاف قیاس فتح سے بدل دیا معنی ہو گیا یہ تفصیل اسم مفعول ہونے کے امکان کی صورت میں ہے۔ یوں مصدر یہی بھی جو مفعول کے معنی میں ہو مراد ہو سکتا ہے۔ نیز ظرف کا بھی احتمال ہے۔

البتہ معنی سے متعلق ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ وضع کے ذکر کے بعد معنی کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں، کیوں کہ معنی کے معنی وضع میں پہلے موجود ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ معنی میں لام تجربید کے لیے ہے۔ تجربید کا مطلب یہ ہے کہ معنی کے جوہری وضع میں پائے جاتے تھے وضع سے اس معنی کو لام کے واسطے سے خالی کر لیا گیا پھر معنی کو ذکر کیا، اس لیے کہ اب اس کے ذکر کی ضرورت پیدا ہو گئی جیسے سبعن الذی اسری بعیدہ لینلا میں اسری کورات کے معنی سے خالی کر لیا اس کے بعد لینلا کو لے آئے۔

مفرد: مفرد کے لغوی معنی الفرد آتے ہیں اور اصطلاحی معنی ہیں مالا یدل جزء لفظہ علی جزء معنہ یعنی مفرد وہ لفظ ہے جس کے لفظ کا جزء اس کے معنی کے جز پر دلالت نہیں کرتا۔

مفرداً میں ترکیباً تین احتمال ہیں رفع، نصب، جر۔ جب رفع یعنی مفرد پر نہیں گے تو مفرد لفظ کی صفت ثانی واقع ہوگا اور وضع لمعنی کو صفت ثانی قرار دیا جائے گا۔ پر اس صورت میں ایک سوال ہے کہ مصنف لفظ کی پہلی صفت مرکب اور دوسری صفت مفرد کیوں لائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف نے ایسا اس بات پر تشبیہ کرنے کے لیے کیا ہے کہ لفظ کی وضع پہلے ہوتی ہے اور اس کا مفرد یا مرکب ہونا بعد میں ہوتا ہے۔

اور مفرد مجرد پڑھنے کی صورت معنی کی صفت قرار پائے گا اور مطلب ہوگا کہ معنی مفرد وہ معنی ہیں کہ اس کے لفظ کا جزء خود اس کے جز، پر دلالت نہ کرے، لیکن یہ احتمال بھی سوال سے پاک نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب مفرد معنی کی صفت قرار پائے گا تو مطلب ہوگا کہ لفظ مفرد یا مرکب پہلے ہوتا ہے اور وضع بعد میں ہوتی ہے، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ جب کوئی لفظ کسی صفت کے ساتھ موصوف ہو اور اس کا تعلق کسی فعل یا شبہ فعل سے ہو تو وہ لفظ فعل یا شبہ فعل سے متعلق ہونے سے پہلے اس صفت کے ساتھ مقید ہوتا ہے اور ظاہر ہے

کہ جب ایسا ہے تو مفرد معنی کے ساتھ وضع سے متعلق ہونے سے پہلے مقید ہو جائے گا، حالانکہ ابھی تھوڑی دیر پہلے یہ طے ہو چکا ہے کہ لفظ کی وضع پہلے ہوتی ہے اور اس کا مفرد یا مرکب ہونا بعد میں ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ کا مفرد یا مرکب پہلے ہونا اور وضع کا بعد میں ہونا مجاز مایۃ ول کے اعتبار سے ہے۔ مجاز مایۃ ول کا مطلب یہ ہے کہ جو چیز مستقبل میں ہونے والی ہو اس کے ہونے کا حکم اس کے ہونے سے پہلے ہی لگا دیا جائے جیسے کسی کی شادی کسی خاتون سے طے ہو تو نکاح سے پہلے ہی اس خاتون کو ان کی دہن کہہ دیا جائے تو ایسے ہی یہاں پر کہ جس کو آگے چل کر مفرد ہونا تھا اس کو پہلے ہی مفرد کہہ دیا گیا پس یہ اعتراض رفع ہو گیا۔

تیسرا احتمال مفرد انصب کے ساتھ ہے اور نصب حال ہونے کی وجہ سے ہوگا اور حال یا تو معنی سے یا پھر وضع کی ضمیر سے ہوگا، اگر مفرد کو معنی سے حال قرار دیا جائے تو اس صورت میں ایک غلطجان ہے وہ یہ ہے کہ حال فاعل یا مفعول سے ہوتا ہے اور معنی نہ تو فاعل ہے اور نہ ہی مفعول، پس مفرد کو معنی سے کیسے حال قرار دیا جاسکتا ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ بلاشبہ حال فاعل یا مفعول سے ہی واقع ہوتا ہے، لیکن فاعل یا مفعول ہونا عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً پس معنی اگرچہ حقیقتاً مفعول نہیں ہے لیکن وہ لام کے واسطے سے حکماً مفعول بہ ہے، لہذا مفرد کا اس سے حال واقع ہونا درست ہے۔

اور اگر مفرد کو وضع کی ضمیر سے حال قرار دیا جائے تو اس صورت میں بھی ایک سوال ہے کہ سابق میں طے ہو چکا ہے کہ کلمہ کی وضع پہلے ہوتی ہے اور اس کا مفرد یا مرکب ہونا بعد میں ہوتا ہے، لہذا اب اگر مفرد کو وضع کی ضمیر سے حال قرار دیا جائے جس کا مفرد سے پہلے ہونا مان لیا گیا ہے تو حال اور ذوالحال کا زمانہ متحد نہ رہ سکے گا، حالانکہ کسی چیز کے حال واقع ہونے کے لیے ضروری ہے کہ حال اور ذوالحال دونوں کا زمانہ ایک ہو پس مفرد کا وضع کی ضمیر سے حال واقع ہونا درست نہیں، تو اس کا جواب ہے کہ تقدم ذاتی اقتران زمانی کے مخالف نہیں ہے، یعنی مقدم بالذات کے زمانہ کا اقتران مؤخر بالذات کے زمانہ سے ہو سکتا ہے جیسے باپ، وجود میں بیٹا سے مقدم ہوتا ہے اس کے باوجود دونوں ایک زمانہ میں موجود ہوتے ہیں پس اسی طرح وضع کے مقدم ہونے کے باوجود مفرد سے زمانا اتحاد ہو سکتا ہے۔ لہذا مفرد کا وضع کی ضمیر سے حال واقع ہونا درست ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ہر چیز کی تعریف جنس اور فصل سے مرکب ہوتی ہے، چنانچہ کلمہ کی تعریف بھی جنس اور فصل سے مرکب ہے پس لفظ بمنزلہ جنس کے ہے اور وضع لمعنی مفرد بمنزلہ فصل کے ہے، جب کلمہ کو لفظ کہا تو اس میں مہمل، موضوع، مفرد اور مرکب نیز حروف ہجاء سب شامل ہو گئے تھے، لیکن وضع کہنے کی وجہ سے مہمل نکل گیا نیز وہ الفاظ نکل گئے جو بالطبع دلالت کرتے ہیں، اس لیے کہ ان کی وضع نہیں ہوتی اور معنی کی

قید سے حروف ہجاء نکل گئے، اس لیے کہ حروف ہجاء کی وضع معنی کے لیے نہیں بلکہ ترکیب کے لیے ہوتی ہے اور مفرد کی قید سے مرکب مفید اور غیر مفید نکل گئے۔

فائدہ: دو الیٰ اربعہ یعنی خطوط و عقود اور اشارات اور نصب پہلے سے ہی کلمہ میں داخل نہیں تھے، کیوں کہ کلمہ کے لیے لفظ ہونا ضروری ہے اور یہ چاروں لفظ کے قبیل سے ہے ہی نہیں اس لیے کلمہ سے ان کے اخراج کے لیے کوئی قید نہیں لگائی، کیوں کہ خارج کرنے کے لیے داخل ہونا ضروری ہے اور یہ کلمہ سے پہلے ہی سے خارج ہیں۔

وهی اسم وفعل وحرف لانها اما ان تدل علی معنی فی نفسها اولا الثانی الحرف والاول اما ان یقترون باحد الازمنة الثلاثة اولا الثانی الحرف والاول الفعل وقد علم بذلك حد کل واحد منها.

ترجمہ:- اور وہ اسم ہے فعل ہے، حرف ہے، اس لیے کہ یا تو وہ کلمہ معنی مستقل پر دلالت کرے گا یا نہیں، ثانی حرف ہے اور یا تو تینوں زمانوں میں سے کسی زمانہ کو شامل ہوگا یا نہیں، ثانی حرف ہے اور اول فعل ہے اور بلاشبہ معلوم ہوگئی اس کے ذریعے ان میں سے ہر ایک کی تعریف۔

توضیح:- یہاں سے مصنف کلمہ کی تقسیم کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ کلمہ کی تین قسمیں ہیں، اسم، فعل، حرف، ہی ضمیر کا مرجع کلمہ ہے اور اس کی خبر منقسمہ محذوف ہے اور اسم کا مبتدأ محذوف ہے، تقدیر عبارت ہے اجد ہا اسم وثانیہ فعل، وثالثہا حرف پس ضمیر لانے میں خبر کی ہی رعایت کی گئی ہے اور قاعدہ اذا دار الضمیر بین المرجع والخبر فرعاية الخبر اولیٰ کو پیش نظر رکھا گیا ہے کہ جب ضمیر مرجع اور خبر کے درمیان لائی جائے تو ضمیر کو خبر کے مطابق لانا بہتر ہوتا ہے۔

قوله لانها اما ان تدل علی معنی فی نفسها الخ مصنف مذکورہ عبارت سے کلمہ کے اسم و فعل اور حرف میں منحصر ہونے کی دلیل بیان کر رہے ہیں۔ دلیل کہتے ہیں مایستدل بہ یعنی جس کے ذریعہ کسی چیز پر استدلال کیا جائے اور حصر کہتے ہیں تخصیص شیء بشیء بطریق مخصوص یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ مخصوص طریقے کے ذریعہ خاص کرنا پس معلوم ہوا کہ دلیل حصر کہتے ہیں اس چیز کو کہ جس کے ذریعے کسی چیز کے کسی چیز کے ساتھ مخصوص ہونے کو جانا جائے۔

جب اتنا سمجھ گئے تو سنیے کہ یہاں ایک اعتراض ہے کہ بیان دلیل حصر فرع ہے اور دعوائے حصر اصل کے درجے میں ہے پس اصل کے بیان کے بغیر دلیل یعنی فرع کا بیان غیر مناسب ہے، لہذا مصنف کو پہلے حصر کا دعویٰ کرنا چاہیے پھر بیان دلیل کی طرف متوجہ ہوتے، تا کہ فرع کا بلا اصل کے بیان ہونا لازم نہ آتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ مصنف نے دلیل حصر بیان کرنے سے پہلے دعوائے حصر کیا ہے جو کہ مقدر ہے اور وہ

ہے منحصرۃ فی هذه الاقسام الثلاثة لہذا بیان دلیل حصر بلا دعویٰ کے لازم نہیں آتا ہے۔
اب دلیل حصر یعنی کہ کلمہ یا تو معنی مستقل پر دلالت کرے گا یا نہیں دوسری قسم حرف ہے، پہلی صورت پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ معنی مستقل تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کو شامل ہو گیا کسی کو بھی شامل نہ ہوگا۔ دوسری قسم اسم ہے اور پہلی قسم فعل ہے۔

اب آئے تھوڑی تھوڑی لفظی گفتگو کرتے چلیں تو معلوم ہونا چاہیے کہ دلیل حصر میں الثانی کلمہ کی صفت ہے اور ملکہ القسم کی تاویل میں ہے پس موصوف و صفت کے درمیان عدم مطابقت کا غلبان ختم ہو گیا۔
اب وجہ تسمیہ جاننا چاہیے۔ تو حرف کو حرف اس لیے کہتے ہیں کہ حرف کے معنی طرف کے ہیں یعنی کنارہ کے اور حرف، اسم اور فعل کے مقابلہ میں مسند اور مسند الیہ ہونے کے اعتبار سے کنارے ہی میں ہوتا ہے یعنی نہ تو وہ مسند الیہ ہوتا ہے اور نہ مسند۔

اور اسم کو اسم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ سمو سے مشتق ہے جس کے معنی بلندی کے ہیں اور اسم کی حیثیت فعل اور حرف کے مقابلہ میں زیادہ بلند ہے، کیوں کہ اسم مسند الیہ اور مسند دونوں بن سکتا ہے، جب کہ فعل صرف مسند ہو سکتا ہے اور حرف تو کچھ بھی نہیں، مذکورہ بالا وجہ تسمیہ علماء بصرہ کے اعتبار سے ہوئی۔ علمائے کوفہ کے نزدیک اسم و ضم سے مشتق ہے جس کے معنی علامت کے ہوتے ہیں اور اسم اپنے مسلمی کے لیے علامت ہوتا ہے اس لیے اسم کو اسم کہا جاتا ہے، لیکن یہ رائے کمزور ہے، اس لیے کہ اسم اس تفصیل کے اعتبار سے فعل اور حرف سے ممتاز نہ ہو سکے گا، کیوں کہ فعل اور حرف بھی اپنے مسلمی کے لیے علامت ہوتے ہیں۔

اور فعل کو فعل اس لیے کہتے ہیں کہ فعل لفظ مصدر کا نام ہے اور مصدر چون کہ فعل کے مفہوم کے اجزاء میں سے ایک جزء ہیماش لیے جو جزء کا نام تقادہ کل کا نام رکھ دیا گیا تسمیہ الكل باسم الجزء کے مطابق۔
لگے ہاتھ ایک بات اور سمجھ لیں کہ دلیل حصر کے ضمن میں جو فعل کی تعریف آئی ہے اس پر ایک اعتراض ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ فعل تینوں زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ کو ضرور شامل ہوگا ورنہ زمانہ کا زمانے کے ساتھ اقتران لازم آئے گا، کیوں کہ فعل زمانے کا جزء ہی ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں فعل سے مراد معنی مصدری ہے یعنی فعل وہ معنی مصدری کہا جاتا ہے جو نسبت الی فاعل ما کے ساتھ تینوں زمانوں میں سے کسی ایک کو شامل ہو، لہذا اب زمانہ کا زمانے کو شامل ہونا لازم نہیں آئے گا۔

قوله وقد علم بذلك الخ اس عبارت کا ما حاصل صرف اتنا ہے کہ کلمہ کی تینوں اقسام کی تعریف کو اس دلیل حصر کے ذریعہ سے جانا جا سکتا ہے۔ باضابطہ علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔
اب چند لطائف پر بھی مطلع ہوتے چلیں، مصنف نے یہاں بجائے عُوف کے عُلم کہا، حالانکہ دونوں کے معنی ایک ہیں، اس لیے کہ علم کا استعمال کلیات کے لیے ہوتا ہے جب کہ عرف کا استعمال جزئیات

کے لیے ہوتا ہے اور کلمہ کے اقسام کی تعریف از قبیل کلیات ہے۔ نیز ذالک اسم اشارہ بعید کا مشار الیہ دلیل حصر ہی ہے جو الہذکور کی تاویل میں ہے۔ اسی طرح مشار الیہ کے قریب ہونے کے باوجود اور غیر محسوس بحاسہ بصر ہونے کے باوجود اس کی طرف ذالک سے اشارہ اس لیے کیا گیا کہ دلیل حصر کو رفعت مقام کی وجہ سے مکان بعید کے حکم میں کر لیا گیا، کیوں کہ ایسا ہوتا ہے کہ کبھی کبھی ہندرتی کو بعد مکانی کا درجہ دے دیا جاتا ہے اور دلیل حصر کو غایت وضوح کی وجہ سے محسوس سا مان لیا گیا ہے، کیوں کہ کبھی کبھی غایت درجہ واضح ہونے کی وجہ سے غیر محسوس کو محسوس کے درجہ میں لے لیا جاتا ہے پھر اسم اشارہ جو محسوس کے لیے استعمال ہونا چاہیے وہ غیر محسوس کے لیے کر دیا جاتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ مصنف نے ابھی دلیل حصر بیان کی ہے اور پھر وقد علم سے یہ جتا رہے ہیں کہ اس دلیل حصر کے ذریعے کلمہ کی تینوں اقسام کی تعریف معلوم ہو گئیں تو یہ اسلوب نگارش مصنف کے اعلیٰ ذہانت کی بات ہے کہ انھوں نے ہر طرح کے ذہن کے لوگوں کی رعایت کی اس لیے کہ لوگ تین طرح کی طبیعت کے ہوتے ہیں پہلی کوالٹی کے لوگ وہ ہیں جو باتوں کو محض اشاروں سے سمجھ لیتے ہیں۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو محض اشاروں سے تو نہیں البتہ اشارہ کرنے کے بعد تشبیہ کرنے پر بات کو سمجھ لیتا ہے اور تیسرا گروہ وہ ہے جو نہ اشاروں اور نہ تشبیہ کی زبان سمجھتا ہے، بلکہ اس کو صاف صاف سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے، تو مصنف نے تینوں طرح کے لوگوں کی رعایت کی۔ چنانچہ پہلی قسم کے لوگوں کے لیے دلیل حصر کے ضمن میں کلمہ کی تینوں اقسام کی تعریف کی طرف اشارہ کر دیا اور دوسری قسم کے لیے وقد علم سے توجہ دلائی اور تیسرے گروہ کے لیے موقع بہ موقع تینوں اقسام کی صاف صاف الگ الگ تعریف بیان کی۔

ایک بات اور سمجھ لیں کہ یہاں حد سے مراد حد اصطلاحی نہیں ہے، بلکہ حد سے جامع اور مانع تعریف مراد ہے۔

الكلام ماتضمن كلمتين بالاسناد ولا يتأتى ذالك الا في اسمين او اسم وفعل.

ترجمہ :- کلام وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ شامل ہو اور کلام حاصل نہیں ہوتا ہے، مگر دو اسموں سے یا ایک اسم اور ایک فعل سے۔

توضیح :- کلام میں الف لام جنس کا ہے اور ما موصولہ اور ما موصوفہ دونوں ہو سکتا ہے اور ما سے مراد لفظ ہے، شی یا کلمہ یا کلام نہیں مراد ہو سکتا ہے، کیوں کہ شی مراد لینے کی صورت میں کلام کی تعریف نقوش پر اور کلمہ مراد لینے کی صورت میں جزء کا حاصل کل پر اور کلام مراد لینے کی صورت میں اخذ الحمد ودنی الحد لازم آئے گا، جو کہ صحیح نہیں ہے۔

کلمتین عام ہے خواہ دو کلمے حقیقتاً ہوں یا حکماً، اول کی مثال زید قائم اور ثانی کی مثال جیسے اضرب۔

اسناد کہتے ہیں ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کی طرف اس طرح نسبت کرنا کہ اس پر سکوت درست ہو اور مخاطب کو فائدہ تامہ حاصل ہو۔

خلاصہ یہ کہ کلام وہ لفظ ہے جو دو کلموں کو اسناد کے ساتھ شامل ہو۔ کلام کی اس تعریف میں ماہِ بمنزلہ جنس کے ہے جو مہملات اور موضوعات، مفردات اور مرکبات خواہ مفید ہوں یا غیر مفید سب کو شامل ہے۔ اور تفسیر کلمتین بالاسناد بمنزلہ فصل کے ہے پس تفسیر کلمتین سے مہملات اور مفردات نکل گئے اور بالاسناد کی قید سے مرکبات غیر مفیدہ نکل گئے خواہ مرکب اضافی ہو یا توصیفی، ہنائی ہو یا منع صرف، صوتی ہو یا عددی۔ اب کلام کی تعریف میں صرف مرکبات مفیدہ باقی رہے خواہ وہ خبریہ ہوں یا انشائیہ اول کی مثال محمود تقی اور تلوٹ القرآن اور ثانی کی مثال جہاد فی سبیل اللہ، لا تلعب فی المسجد۔

کلام کی مذکورہ بالا تعریف پر ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ کلام کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے زید ابوہ مجاہد اور زید مجاہد ابوہ اور زید صلی ابوہ کلام سے نکل گئے، اس لیے ان میں سے ہر ایک دو سے زائد کلموں کو شامل ہے پس معلوم ہوا کہ کلام کی مذکورہ تعریف درست نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کلمتین سے مراد عام ہے خواہ دو کلمے حقیقتاً ہو یا حکماً پس خبریں ان مثالوں میں اگرچہ مرکب ہیں، لیکن وہ مفرد کی تاویل میں ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ کلام کے ثبوت کے لیے کم از کم دو کلموں کا ہونا ضروری ہے، لہذا اگر کلام دو سے زائد کلموں سے مرکب ہو تو کوئی حرج نہیں۔

ایک سوال اور ہے کہ کلام کی مذکورہ تعریف درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے کلام وہ ہے جو دو کلموں کو شامل ہے اور وہ دو کلمے عین کلام ہیں۔ لہذا مضمین اسم فاعل اور مضمین اسم مفعول دونوں ایک ہو گئے، حالاں کہ دونوں میں تغایر ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مضمین اسم فاعل کلام کا پورا مجموعہ کہلاتا ہے اور مضمین اسم مفعول اس کے دونوں علیحدہ علیحدہ جزء ہیں اور ظاہری بات ہے کہ مجموعہ من حیث المجموع اپنے ہر جزء سے مغایر ہے پس مضمین اسم فاعل اور مضمین اسم مفعول دونوں ایک نہیں ہوئے۔

قولہ ولا یتانی معلوم رہے کہ لایتانی یہاں اپنے اصلی معنی میں نہیں ہے بلکہ لایحصل کے معنی میں ہے، جو کہ جاندار اور غیر جاندار سب کو عام ہے۔

لا یتانی ذالک میں ذالک سے اشارہ کلام کی طرف ہے تفسیر اور اسناد کی طرف نہیں ہے ایسا دو وجہوں سے ہے، ایک تو یہ کہ لایتانی سے تقسیم کلام کی ہے، لہذا ضروری ہے کہ اس کی طرف اشارہ کیا جائے دوسری بات یہ ہے کہ ذالک اسم اشارہ بعید ہے اور بعید کلام ہے نہ کہ تفسیر اور اسناد کیوں کہ یہ دونوں بلحاظ الکلام قریب ہیں۔

یاد رہے کہ مصنف لایتانی سے کلام کی تقسیم بیان کر رہے ہیں یعنی کلام کے حصول کی کتنی صورتیں ہیں

چنانچہ فرمایا کہ کلام کے حصول کی صرف دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ کلام کے دونوں جزء اسم ہوں جیسے زید فاضل اور دوسرے یہ کہ کلام کا ایک جزء فعل اور دوسرا اسم ہو جیسے صلی الیاس۔

کلام کے حصول کی دو ہی صورتیں اس لیے ہیں کہ کلام کے ثبوت کے لیے بیک وقت مسند الیہ اور مسند کا ہونا ضروری ہے اور انھیں دو صورتوں میں بیک وقت مسند الیہ اور مسند کا تحقق ہوتا ہے، لہذا کلام ان ہی دو صورتوں سے حاصل بھی ہو سکتا ہے۔

یوں عقلاً حصول کلام کی چھ صورتیں ہیں (۱) کلام کے دونوں جزء اسم ہوں (۲) کلام کے دونوں جزء فعل ہوں (۳) دونوں جزء حرف ہوں (۴) ایک جزء اسم اور دوسرا فعل ہو (۵) ایک جزء اسم دوسرا حرف ہو (۶) ایک جزء فعل اور ایک حرف ہو۔

اب ان چھ صورتوں میں دو ہی صورتیں کہ کلام کے دونوں جزء اسم یا ایک جزء اسم اور دوسرا فعل ہو ایسی ہیں کہ ان سے حصول کلام کا ثبوت ہو سکتا ہے تفصیل گزر چکی ہے۔ بقیہ چار صورتوں سے کلام اس لیے نہیں حاصل ہوتا کہ اگر کلام کے دونوں جزء فعل ہوں تو صرف مسند کا تحقق ہوگا، کیوں کہ فعل مسند الیہ نہیں بن سکتا، لہذا اتہام مسند سے کلام کی بنیاد کیسے رکھی جاسکتی ہے۔ رہی بات اگر کلام کے دونوں جزء حرف ہوں تو یہاں اثبات کلام کی کوئی گنجائش ہی نہیں، اس لیے کہ حرف سرے سے مسند الیہ اور مسند ہونے کی دوڑ میں شامل ہی نہیں اب جہاں تک معاملہ کلام کے ایک جزء اسم اور دوسرے کے حرف ہونے کا ہے تو یہاں لے دے کے اسم ہی ہے چاہے مسند الیہ اور چاہے مسند بنا دو، لیکن دوسرے کا انتظار کرنا ہی پڑے گا اور ظاہر ہے کہ دوسرا کوئی کلمہ حرف کے سوا ہے نہیں اور حرف بے چارے سے کچھ ہونے کو رہا جب کہ ثبوت کلام کے لیے بیک وقت مسند الیہ اور مسند دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ صورت بھی مفید للكلام نہیں، اب رہا معاملہ کہ کلام کا ایک جزء فعل ہو تو دوسرا حرف ہو تو یہاں پر بھی صرف مسند ہوگا اور اکیلے مسند سے کسی کلام کی ترکیب نہیں ہو سکتی۔

الاسم ما دلّ علی معنی فی نفسه غیر مقترن باحد الأزمینة الثلاثة۔

ترجمہ: اسم وہ کلمہ ہے جو دلالت کرے معنی مستقل پر درآں حالیکہ وہ تینوں زمانوں میں سے کسی کو شامل نہ ہو۔

توضیح: مصنف یہاں سے تیسرے درجے کے لوگوں کے ذہن کی رعایت کرتے ہوئے اسم کی صاف صاف تعریف بیان کر رہے ہیں، اسم کی تعریف ترجمہ سے ظاہر ہے۔ ما دلّ میں ہو ضمیر کا مرجع ما ہے جس سے مراد کلمہ ہے، لیکن اس صورت میں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہو ضمیر کا مرجع اگر ما کو قرار دیا جاتا ہے تو یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ ما سے مراد کلمہ ہے اور اس صورت میں کلمہ مؤنث

ہونے کی وجہ سے ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہ ہوگی؟ تو جواب یہ ہے کہ ذل کی ضمیر ما کی طرف ہی لوٹ رہی ہے اور ضمیر کا مذکر لانا لفظ ما کے اعتبار سے ہے اور ظاہر ہے کہ ما کا لفظ مذکر ہے پھلے اس سے مراد کلمہ ہے، لہذا مطابقت ہے۔

قولہ علی معنی فی نفسه: فی نفسه میں ہو ضمیر معنی کی طرف راجع ہے، البتہ اس صورت میں ظرفیۃ الشئ لنفسہ لازم آتا ہے، حالاں کہ ظرف اور مظروف میں تغایر ہوتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ فی، معنی میں اعتبار کے ہے اصل عبارت ہے علی معنی باعتبار فی نفسه لہذا اعتبار کے ملحوظ ہوتے ہوئے ظرفیۃ الشئ لنفسہ لازم نہیں آئے گا۔

غیر مقنون: غیر مقنون میں اعراب کے لحاظ سے تین احتمال ہیں۔ اول جر کے ساتھ دوسرے نصب کے ساتھ اور تیسرے رفع کے ساتھ، جر کے ساتھ ہونے کی صورت میں غیر معنی کی صفت ہوگا اور منصوب ہونے کی صورت میں غیر معنی سے حال واقع ہوگا، کیوں کہ معنی حکماً مفعول بہ ہے نیز منصوب ہونا ماذل سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور رفع کی صورت میں غیر یا تو خبر بعد الخبر ہے یا مبتداً محذوف کی خبر ہے۔

اب اسم کی مذکورہ تعریف کے جامع اور مانع ہونے پر ایک ایک سوال اور ان کے جواب سمجھ لیجیے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ اسم کی مذکورہ تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں، کیوں کہ مذکورہ تعریف کی رو سے اسماء افعال جیسے رُوید، ہلہ وغیرہ اسم سے خارج ہو گئے، اس لیے کہ اسمائے افعال میں ماضی یا امر کے معنی میں ہونے کے وجہ سے زمانہ پایا جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسم کی مذکورہ تعریف اپنے افراد کے لیے جامع ہے، کیوں کہ اس تعریف کا ما حاصل یہ ہے کہ اسم ایسا کلمہ ہے جو معنی مستقل پر دلالت کرتا ہے اور وضع اول کے اعتبار سے اس میں کوئی زمانہ نہیں پایا جاتا ہے، تو اسماء افعال میں وضع اول کے اعتبار سے کوئی زمانہ نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ ان کا استعمال ماضی یا امر کے معنی میں ہوتا ہے، لہذا وہ اسم کی تعریف میں داخل رہیں گے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اسم کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں، اس لیے کہ افعال مقار بہ بھی اسم کے زمرہ میں داخل ہو جاتے ہیں، کیوں کہ ان میں زمانہ نہیں پایا جاتا ہے، حالاں کہ ان کا فعل ہونا جگ ظاہر ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ یہاں پر بھی وضع اول کی قید ملحوظ ہے اور افعال مقار بہ میں وضع اول کے اعتبار سے زمانہ موجود ہے پھلے ان کا استعمال بغیر زمانے کے ہوتا ہے، اسی لیے ان کا دوسرا نام افعال منسلحہ عن الزمان ہے پس اسم کی تعریف دخول غیر سے مانع بھی ہے۔

ترجمہ: - اسم کے خواص میں سے لام، جرادرتون کا داخل ہونا ہے۔ مضاف اور مسند الیہ ہونا ہے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف اسم کے خواص بیان کر رہے ہیں، یہاں پر ایک سوال ہے کہ نحو یوں کا مقصد کلمہ اور کلام کے احوال سے بحث کرنا ہے نیز مقصود کے موقوف علیہ کی تعریف کرنا، لیکن اسم کے خواص بیان کرنا یہ نہ تو اسم کے احوال میں سے ہے اور نہ ہی اسم کے لیے موقوف علیہ ہے لہذا اسم کے خواص بیان کرنا یہ خروج عن البحث ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسم کے وجود کی دو قسمیں ہیں وجود ذہنی اور وجود خارجی، تو اسم کے وجود ذہنی کو تو اسم کی تعریف سے ہی جان لیا جائے گا لیکن اس کے وجود خارجی کو بغیر بیان کی جانے والی علامتوں کے نہیں جانا جاسکتا، لہذا اس کے ساتھ اشتغال یہ اصل موضوع سے ہٹنا نہیں ہے۔

خاصہ کے معنی آتے ہیں خاصۃ الشئ، یوجد فیہ ولا یوجد فی غیرہ یعنی شئی کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو صرف اسی شئی میں موجود ہو، اس کے علاوہ میں نہ ہو۔

واضح ہو کہ یہاں خاصہ سے مراد مطلق خاصہ ہے قطع نظر شاملہ وغیر شاملہ کے۔

من خواصہ: من خواصہ میں من جمعیہ ہے، اس سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہاں اسم کے کچھ خواص بیان کیے جائیں گے اور خواص جمع کثرت لاکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسم کے خواص بہت ہیں پر بیان بعض کا ہی ہوگا۔ اور انہی کا بیان ہوگا جو خواص میں بڑے اور اہم ہیں۔

اچھا جو خواص بیان ہو رہے ہیں ان کا بھی ایک خاص پس منظر ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسم کا خاصہ یا تو لفظی ہوگا یا معنوی، اگر لفظی ہو تو اسم کے شروع میں لاحق ہوگا یا آخر میں، اگر شروع میں لاحق ہوتا ہے تو وہ لام ہے۔ اور آخر میں لاحق ہوتا ہے تو وہ جرادرتون ہے۔ اور اگر خاصہ معنوی ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں کہ وہ اسم کو کلام تام کے ضمن میں لاحق ہوگا یا کلام ناقص کے اگر پہلا ہے تو مسند الیہ اور اگر دوسرا ہے تو وہ مضاف۔

دخول اللام: اسم کے خواص میں سے لام تعریف کا داخل ہونا ہے تعریف کی قید سے لام امر اور لام ابتداء خارج ہو گیا، اس لیے کہ یہ دونوں اسم کے خواص میں سے نہیں ہیں، لام تعریف اسم کے خواص میں سے اس لیے ہے کہ لام تعریف معنی مستقل بالمفہوم کی تعیین کے لیے ہوتا ہے کہ جس پر کلمہ اسم مطابقتہ دلالت کرتا ہے جب کہ حرف معنی مستقل پر سرے سے دلالت ہی نہیں کرتا ہے اور فعل کرتا تو ہے لیکن تضمناً۔

تعریف کے لیے میم بھی استعمال ہوتی ہے جیسے لبس من مبر مصیام فی سفر، نیز حرف ندا بھی اس معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود ان کے حرف تعریف ہونے کے بیان کو مصنف نے اس لیے چھوڑ دیا کہ میم تعریف کے معنی میں مشہور نہیں ہے اور حرف ندا اس کا اسم کے ساتھ خاص ہونا سب پر عیاں ہے، کیوں کہ منادی اسم ہی ہوتا ہے۔

ایک بات اور دھیان رہے کہ مصنف نے اسم کے خواص میں دخول اللام کہا دخول حرف التعلیف

نہیں کہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حرف تعریف کے بارے میں تین مذہب ہیں ایک مذہب سیبویہ کا دوسرا غلیل اور تیسرا مبرد کا۔

تو سیبویہ کا مذہب یہ ہے کہ حرف تعریف تنہا لام ہے ہمزہ کا اضافہ ابتداءً بالساکن سے بچنے کے لیے کیا گیا ہے اور غلیل کا خیال ہے کہ الف لام دونوں کا مجموعہ حرف تعریف ہے، جب کہ مبرد کا کہنا ہے کہ تنہا ہمزہ مفتوحہ حرف تعریف ہے اور لام ہمزہ کی تعریف اور ہمزہ استفہام میں فرق کے لیے لایا گیا ہے۔ پر پسندیدہ مذہب مصنف کے نزدیک سیبویہ کا ہے، اس لیے کہ ہمزہ وسط کلام میں گر جاتا ہے پس غلیل کے مذہب پر جزء حرف تعریف اور مبرد کے مذہب پر پورے حرف تعریف کا حذف لازم آئے گا معلوم ہوا کہ ہمزہ نہ تو تنہا اور نہ ہی لام کے ساتھ حرف تعریف ہے۔

و الجوز: اور اسم کے خواص میں سے جر کا داخل ہونا ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ جر خواہ حرف جر لفظاً یا تقدیراً کی وجہ سے ہو وہ اسم کے خواص میں سے ہے۔ جراسم کے ساتھ اس لیے مخصوص ہے کہ وہ حرف جر کا اثر ہے اور حرف جراسم کے ساتھ مخصوص ہے، کیوں کہ حرف جر فعل کے معنی کو اسم تک پہنچانے کے لیے ہوتا ہے، لہذا حرف جر کے اثر کو بھی اسم کے ساتھ خاص کر دیا گیا تاکہ اثر کا بلا مؤثر کے ہونا لازم نہ آئے۔

والتنوين: اور اسم کے خواص میں سے تنوین کا داخل ہونا ہے تنوین ترنم کو چھوڑ کر بقیہ تنوینات تمکن، تنکیر، عوض، مقابلہ اسم کا خاصہ ہیں، لہذا للاكثر حکم الكل کے تحت مطلق تنوین کو اسم کا خاصہ قرار دے دیا گیا۔

والإضافة: اور اسم کے خواص میں سے اضافت کا ہونا ہے، اضافت اسم کے خواص میں سے اس لیے ہے کہ اضافت کے لوازم یعنی تعریف، تخصیص اور تخفیف سب اسم کے ساتھ مخصوص ہیں، لہذا اضافت بھی اسم کے ساتھ مخصوص ہوگی۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اضافت سے مراد مضاف ہے، کیوں کہ مضاف الیہ اسم کے خواص میں سے نہیں ہے، اس لیے کہ قرآن پاک میں ہے یوم ینفع الصادقین پس ینفع فعل ہے جو مضاف الیہ واقع ہے، معلوم ہوا مضاف الیہ اسم کے خواص میں سے نہیں ہے۔ جب کہ دوسرے کچھ لوگوں کی رائے ہے کہ مضاف الیہ بھی ہے اسم کے خواص میں داخل ہے، اس لیے کہ مضاف، مضاف الیہ میں جر کا عمل کرتا ہے اور جراسم کے خواص میں سے ہے، لہذا مضاف الیہ بھی اسم کے خواص میں سے ہوگا، رہی بات یوم ینفع الصادقین کی تو وہ یوم نفع الصادقین کی تاویل میں ہے۔

وهو معرب ومبنى فالمعرب المركب الذى لم يشبهه مبنى الأصل.

ترجمہ:- اور اسم، معرب اور مبنى ہوتا ہے۔ پس معرب وہ مرکب ہے جو مبنى اصل کے مشابہ نہ ہو۔

توضیح:- یہاں سے مصنف اسم کی پہلی تقسیم شروع کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اسم دو حالت سے خالی نہیں یا معرب ہوگا یا مبنی اس لیے کہ اسم یا تو اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہوگا یا نہیں، دوسری صورت مبنی کی ہے جیسے اسمائے معدودہ وغیرہ اور پہلی صورت میں پھر دو احتمال ہیں یا تو وہ مبنی اصل کے مشابہ ہوگا یا نہیں، پہلا مبنی ہے اور دوسرا معرب۔

معرب کو مبنی پر اس لیے مقدم کیا کہ اسماء میں اصل معرب ہوتا ہے اس لیے کہ الفاظ مافی الضمیر کے اظہار کے لیے وضع کیے گئے ہیں اور یہ معنی صرف معرب میں ہیں مبنی میں نہیں۔

فالمعرب المركب: اسم معرب کی جامع اور مانع تعریف یہ ہے کہ معرب وہ اسم ہے کہ جو اپنے غیر کے ساتھ مرکب ہو در انحالیکہ اس کا عامل بھی اس کے ساتھ تحقق ہو نیز وہ مبنی اصل کے اس طرح مناسب نہ ہو جو اعراب کے روکنے میں مؤثر ہو۔

ان قیود کا اعتبار کرنے سے متعدد سوالات ختم ہو جاتے ہیں مثلاً اسم مرکب کی قید سے ضرب زید کا، ضرب معرب کی تعریف سے خارج ہی رہے گا، کیوں کہ وہ بجائے اسم کے فعل ہے اور تذکرہ منظور ہے اس معرب کا جو اسم ہو۔ اسی طرح ترکیب معرب الغیر سے مبتداء اور خبر معرب کی، جماعت سے باہر نہ ہوں گے کیوں کہ یہاں ترکیب سے ترکیب مع الغیر مراد ہے ترکیب مع العامل مراد نہیں ہے کہ لفظی کا معنوی کے ساتھ مرکب ہونا لازم آئے جو کہ محال ہے۔ دراصل اعتراض یہ ہوتا تھا کہ متبادر من ترکیب، ترکیب مع العامل ہے اور مبتداء اور خبر عامل کے ساتھ مرکب نہیں ہوتے اس لیے کہ ان دونوں کا عامل عامل معنوی ہے اور لفظی کی ترکیب معنوی کے ساتھ محال ہے پس معرب کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے پس جواب دیا کہ ترکیب سے مراد ترکیب مع الغیر ہے خواہ وہ عامل کے ساتھ ہو یا نہ ہو۔ اور اسم مرکب مع الغیر کے ساتھ اس کے عامل کے بھی تحقق ہونے کی قید سے غلام حسن کا غلام معرب میں جگہ نہ پاسکے گا، اس لیے کہ یہ بھلے مرکب مع الغیر ہے، نیز مبنی الاصل کے مشابہ بھی نہیں ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کا عامل نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح لم یشبہہ کو لم یناسب کے معنی میں کرنے کی وجہ سے یا زید میں زید معرب نہ ہو سکے گا، کیوں کہ وہ بھلے مبنی اصل کے مشابہ نہیں لیکن مناسب تو ہے۔ نیز منع اعراب کے روکنے کے سلسلہ میں مؤثر ہونے کی قید سے غیر منصرف معرب ہی میں رہے گا، اس لیے کہ وہ اگرچہ مبنی الاصل، فعل ماضی کے دو فریعتوں کے ہونے میں مشابہ اور مناسب ہے پر اس طرح نہیں ہے کہ وہ غیر منصرف پر اعراب کے آنے کو روک دے۔

اب ایک سوال اور اس کا جواب اور سمجھ لیں۔ سوال یہ ہے کہ مصنف نے معرب کی مشہور زمانہ تعریف سے عدول کیوں کیا۔ جواب یہ ہے کہ مصنف نے جمہور کی تعریف سے اس لیے عدول کیا کہ جمہور کی

تعریف سے دور لازم آتا ہے تو اس سے بچنے کے لیے نئی تعریف کی۔ دور یوں لازم آتا ہے کہ مشہور تعریف کی رو سے اسم کے آخر کے اختلاف کا جاننا موقوف ہوگا معرب کے جاننے پر، پس اگر معرب کی تعریف معرب کے اختلاف آخر سے کی جاتی تو دور لازم آتا ہے جو درست نہیں، لیکن یہ جواب ضعیف ہے، کیوں کہ یہ تعریف، تعریف بالاثرا ہے جو جمہور کے نزدیک درست ہے۔

درست جواب یہ ہے کہ معرب کی تعریف سے مقصود اس کا حکم کے لیے وسیلہ بننا ہے اور جمہور کی تعریف حکم کے لیے وسیلہ نہیں بنتی، کیوں کہ تعریف سے تقدم اشیٰ علی نفسہ لازم آتا ہے، اس لیے کہ جب تم نے کہا کہ زید قائم، میں زید معرب ہے یعنی اس کا آخر عوالم کے اختلاف سے بدلتا ہے، اس لیے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کا آخر عوالم کے اختلاف سے بدلتا ہے اور جس کا آخر عوالم کے اختلاف سے بدلتا ہے وہ معرب ہوتا ہے، لہذا زید معرب ہے یعنی اس کا آخر عوالم کے اختلاف سے بدلتا ہے پس صغریٰ عین نتیجہ ہو گیا، حالاں کہ صغریٰ مقدم اور نتیجہ مؤخر ہوتا ہے، پس صورت مذکور میں صغریٰ کی صورت میں نتیجہ صغریٰ اور کبریٰ کے طے سے پہلے ہی وجود پذیر ہو گیا، لہذا لازم آ گیا تقدم اشیٰ علی نفسہ۔

بخلاف مصنف کی تعریف کے کہ جب تم نے کہا زید قائم میں زید معرب ہے یعنی وہ ایسا مرکب ہے جو جنی اصل کے مشابہ نہیں ہے، اس لیے کہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کا آخر عوالم کے اختلاف سے بدلتا ہے یہ ہوا صغریٰ اور ہر وہ چیز جس کا آخر عوالم کے اختلاف سے بدلے وہ معرب ہے یہ ہوا کبریٰ۔ پس نتیجہ نکلا کہ زید معرب ہے یعنی وہ ایسا مرکب ہے جو جنی اصل کے مشابہ نہیں ہے تو نتیجہ صغریٰ کا غیر ہوا، لہذا نتیجہ کا صغریٰ پر مقدم ہونا لازم نہیں آیا جو کہ تقدم اشیٰ علی نفسہ کو مستلزم ہے۔

و حکمہ ان یختلف آخرہ باختلاف العوامل لفظاً او تقدیراً۔

ترجمہ:- اور معرب کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوالم کے اختلاف سے لفظاً یا تقدیراً بدلتا رہتا ہے۔

توضیح:- حکمہ میں حکم کی اضافت معرب کی طرف برائے عہد ہے۔ برائے استتراق

نہیں ہے، لہذا معرب کے حکم سے مراد یہاں معرب کے بعض احکام ہوں گے، تمام احکام مراد نہیں ہیں اور حکم سے مراد یہاں حکم بمعنی اللفوی ہے یعنی وہ اثر جوشیٰ پر مرتب ہوتا ہے۔ حکم اصطلاحی مراد نہیں ہے، کیوں کہ حکم اصطلاحی مرکب میں ہوتا ہے، جب کہ معرب مفرد کے اقسام میں سے ہے۔

جب آپ نے اتنا جان لیا تو اب معرب کا جامع مانع حکم بنے، معرب کا حکم یہ ہے کہ معرب کا آخر عوالم کے اختلاف سے ذاتاً یا صفتاً، حقیقتاً یا حکماً لفظاً یا تقدیراً بدلتا رہے۔

اختلاف ذاتی کہتے ہیں ایک حرف دوسرے حرف سے بدل جائے اور اختلاف صفتی کہتے ہیں ایک

حرکت دوسری حرکت سے بدل جائے۔

- اختلاف ذاتی لفظی حقیقی کی مثال // جیسے جاء نی ابوك، رأیت ابانك و مررت بابيك
 اختلاف ذاتی لفظی حکمی کی مثال // رأیت مسلمین مررت بمسلمین
 اختلاف ذاتی تقدیری حقیقی کی مثال // جاء نی ابو القوم رأیت ابا القوم مررت بابی القوم
 اختلاف ذاتی تقدیری حکمی کی مثال // رأیت مسلمی القوم مررت بمسلمی القوم
 اختلاف صفتی لفظی حقیقی کی مثال // جاء نی زید رأیت زیدا مررت بزید
 اختلاف صفتی لفظی حکمی کی مثال // رأیت احمد مررت باحمد
 اختلاف صفتی تقدیری حقیقی کی مثال // جاء نی فتی رأیت فتی مررت بفتی
 اختلاف صفتی تقدیری حکمی کی مثال // رأیت حبلی مررت بحبلی

مصنف نے معرب کے حکم کے بیان کے حوالے سے فرمایا کہ اختلاف معرب کے آخر میں ہوگا یعنی اعراب معرب کے آخر میں آئے گا، کیوں کہ معرب کا آخر بمنزلہ موصوف کے ہے اور اعراب بمنزلہ صفت کے ہے اور صفت موصوف کے بعد میں آیا کرتی ہے، اس لیے اعراب معرب کے آخر میں آئے گا۔

معرب کے مذکورہ بالا حکم میں چند قیدیں ہیں پہلی قید یہ ہے کہ اعراب کا اختلاف معرب کے آخر میں ہونا چاہیے، لہذا اگر معرب کے آخر کے علاوہ کہیں اور اعراب کی تبدیلی ہوتی ہے تو اسے معرب کا حکم نہیں قرار دیا جاسکتا جیسے جاء نی امرؤ رأیت امرؤ مررت بامرؤ میں راء کے حرکت کا اختلاف۔

دوسری قید یہ ہے کہ معرب کے آخر کا اختلاف عوامل کے اختلاف کی وجہ سے ہو پس اگر عوامل کے علاوہ کی وجہ سے آخر معرب بدلتا ہے تو وہ معرب کا حکم نہ ہوگا جیسے مَنِ ابْنُكَ مَنِ زَيْدٌ كِه مَنِ كِه نون پر حرکت کی تبدیلی عامل کی وجہ سے نہیں ہے۔

تیسری قید یہ ہے کہ عامل بذات خود اس معرب پر داخل ہو اس کے خلاف کی صورت میں وہ معرب کا حکم نہ ہوگا، جیسے جاء زيد من زيد، رأیت زيدا من زيدا، مررت بزيدا من زيدا، اس لیے کہ تمام مثالوں میں زید ثانی کا اعراب، اعراب حکائی ہے۔

چوتھی قید یہ ہے کہ وہ عوامل عمل میں مختلف ہوں اگر بجائے عمل کے وہ اسمیت یا فعلیت یا حرفیت میں مختلف ہوں تو ظاہر ہے کہ آخر معرب میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہو سکتی جیسے ان زيدا مضر وب انی ضربت زيدا انی ضربت زيدا۔

الاعراب ما اختلف آخره به ليدل على المعاني المعتورة عليه. وانواعه رفع ونصب وجر فالرفع علم الفاعلية، والنصب علم المفعولية والجر علم الإضافة.

ترجمہ:- اعراب وہ ہے کہ جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدل جاتا ہے، تاکہ وہ ان معانی پر دلالت کرے جو معرب پر یکے بعد دیگرے وارد ہوتے ہیں اور اس کے انواع رفع، نصب اور جر ہیں پس رفع فاعلیت کی علامت ہے اور نصب مفعولیت اور جراثافت کی علامت ہے۔

توضیح:- اب مصنف اعراب کی تعریف کر رہے ہیں کہ اعراب وہ شئی ہے کہ جس کی وجہ سے معرب کا آخر بدل جاتا ہے خواہ اعراب بصورت حرف ہو یا حرکت۔

لیکن یہاں پر ایک سوال ہے کہ معرب کا آخر جس طرح اعراب سے بدلتا ہے، اسی طرح عامل اور معنی مقتضی سے بھی بدلتا ہے، لہذا اعراب کی تعریف دخول غیر سے مانع نہ ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ ماخلف میں ما سے مراد شئی ہے اور بد کا یا، سبب ہے اور سبب سے متبادرانی الفہم سبب قریب ہے جب کہ عامل اور معنی مقتضی آخر کے اختلاف کے لیے سبب بعید ہے، لہذا ہر چند کہ معرب کا آخر عامل اور معنی مقتضی سے بھی تبدیل ہوتا ہے لیکن اختلاف آخر معرب کے لیے سبب بعید ہونے کی وجہ سے اعراب کی تعریف سے خارج ہے پس اعراب کی تعریف دخول غیر سے مانع ہے۔

ليدل على المعاني المعتورة: اس جملہ کے بارے میں دو احتمال ہیں، پہلا احتمال یہ ہے کہ مذکورہ بالا جملہ اعراب کی تعریف کا جزء نہ ہو، بلکہ جملہ معترضہ ہو، ایسی صورت میں یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ آخر اعراب کی وضع سے فائدہ کیا ہے؟ اس کا جواب ماتن نے دیا کہ اعراب کی وضع معرب پر یکے بعد دیگرے آنے والے معانی پر دلالت کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اس تقدیر پر لیدل کا لام مضمون کلام سے مفہوم ہونے والے وضع کے متعلق ہوگا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ جملہ تعریف کا جزء ہو، کیوں کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ تعریف میں اعتبار کی جانے والی قیودات تعریف کو جامع اور مانع بنانے کے لیے ہی ہوتی ہیں، بلکہ بسا اوقات تعریف کی جامعیت اور مانعیت کے ماسوائے دوسرے فوائد مطلوب ہوتے ہیں جیسے اعراب کے وضع کا مقصد اور اس کے اختلاف کی وجہ کا معلوم ہونا۔

اب معرب کی وجہ تسمیہ سنئے! معرب کو اس نام کے ساتھ یا تو اس لیے موسوم کیا جاتا ہے کہ معرب اعراب سے مشتق ہے جس کے معنی اظہار اور بیان کے آتے ہیں اور اعراب، معرب کے فاعل، مفعول اور مضاف الیہ ہونے کو بیان کرتا ہے۔ اور یا عربت معدتہ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں معدے کے بگڑ جانے کے ایسی صورت میں اعراب کا ہمزہ سلب ماخذ کے لیے ہوگا، کیوں کہ اعراب معرب کے معانی میں پیدا ہونے والے اشتباہ کے فساد کو دور کر دیتا ہے۔ اس مناسبت کی وجہ سے معرب کا نام معرب تجویز کیا گیا۔

انواعہ: اعراب کے انواع رفع نصب اور جر ہیں، اس لیے کہ اعراب یا تو عمدہ پر دلالت کرے گا

یا فضلہ پر، اگر عمدہ پر دلالت کرتا ہے تو وہ رفع ہے اور اگر فضلہ پر دلالت کرتا ہے تو بالذات دلالت کرے گا یا بواسطہ حرف جر اکل نصب ہے اور ثانی جر۔

مصنف نے انواع اعراب کے بیان کے لیے رفع، نصب، جر کا انتخاب اس لیے کیا کہ یہ تینوں صرف معرب کی ہی حرکت پر بولے جاتے ہیں جب کہ ضمہ، فتح، کسرہ عموماً مبنی کی حرکات پر بولے جاتے ہیں، گو معرب پر بھی ان کا اطلاق ہوتا ہے۔ البتہ ضم، فتح، کسر مبنی کے ساتھ مخصوص ہیں۔

فالرفع علم الفاعلیۃ: پس رفع فاعل ہونے کی اور نصب مفعول ہونے کی اور جر مضاف الیہ ہونے کی علامت ہے، لگے ہاتھ ایک بات سمجھتے چلیے کہ مصنف نے اضافہ میں یا ئے مصدری اس لیے ذکر نہیں کیا کہ اضافت بذات خود مصدر ہے جب کہ فاعلیت اور مفعولیت کے مصدر نہ ہونے کی وجہ سے ان کو مصدر بنانے کے لیے یا ئے مصدری کا لانا ضروری تھا۔

فاعلیت سے مراد عام ہے خواہ حقیقتاً فاعل ہو یا فاعل کی اس میں خصلت پائی جاتی ہو جیسے مبتدأ وغیرہ، اسی طرح مفعولیت سے مراد عام ہے خواہ صحیح مفعول ہو یا ملحق بمفعول ہو جیسے حال، تمیز وغیرہ۔

رفع کو فاعل کی علامت اس لیے قرار دیا کہ مرفوعات کم تھے جب کہ رفع ثقیل تھا، اس لیے اعتدالاً قلیل کو ثقیل چیز دے دی گئی اور نصب کو مفعول کی علامت اس لیے بنایا گیا کہ نصب خفیف تھا اور منصوبات زیادہ تھے، پس اعتدالاً مفعول کو نصب دے دیا اب باقی بجا جزو اسے اضافت کو دے دیا۔

والعامل ما به يتقوم المعنى المقتضى للاعراب

ترجمہ: اور عامل وہ ہے کہ جس کے ذریعہ وہ معنی حاصل ہوتے ہیں کہ جن کا اعراب تقاضا کرتا ہے۔

توضیح: جب مصنف اعراب کے بیان سے فارغ ہو گئے جو کہ معرب کے آخر کے اختلاف کا سبب قریب تھا، تو اب عامل کی تعریف کر رہے ہیں جو اختلاف آخر معرب کا سبب بعید ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ عامل وہ چیز ہے کہ جس کے سبب وہ معنی حاصل ہوں کہ جن کا اعراب تقاضا کرتا ہے۔ اعراب کے معنی مقتضی، فاعلیت، مفعولیت اور اضافت ہیں، مثال کے طور پر ضربت زید میں ضربت عامل ہے، اس لیے اس کے سبب زید کی فاعلیت حاصل ہوئی اور ضربت زیداً میں ضربت عامل ہے، اس لیے کہ ضربت کی وجہ سے زید کی مفعولیت حاصل ہوئی اور مورد بزید میں باء عامل ہے، اس لیے کہ باء کی وجہ سے زید میں اضافت حاصل ہوئی۔

فالمفرد المنصرف والجمع المكسر المنصرف بالضمۃ رفعاً والفتحة نصباً
والکسرة جراً۔

ترجمہ:- پس مفرد منصرف اور جمع مکسر منصرف ضمہ کے ساتھ حالت رفعی میں اور فتح کے ساتھ

حالت نصبی میں اور کسرہ کے ساتھ حالت جری میں ہوگا۔

توضیح:- مفرد منصرف صحیح اور جمع مکسر منصرف کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ اور حالت نصبی

میں فتح اور حالت جری میں کسرہ ہوگا۔

سب سے پہلے معلوم ہو کہ مفرد سے مراد یہاں وہ ہے جو ثنیۃ اور جمع نہ ہو اور جمع مکسر سے مراد وہ جمع

ہے جو جمع سالم نہ ہو۔ اب سنو کہ اسم کی مذکورہ بالا قسم کو مذکورہ بالا اعراب اس لیے دیا گیا کہ مفرد و اعتبار سے

اصل ہے۔ اول یہ کہ مفرد اصل ہے بلحاظ ثنیۃ اور جمع کے اور منصرف اصل ہے باعتبار غیر منصرف کے اور جمع

مکسر منصرف اصل ہے جمع مکسر غیر منصرف کے اعتبار سے اور مذکورہ اعراب بھی دو جہوں سے اصل ہے،

اول یہ کہ اعراب مذکورہ اعراب بالحکرت ہے اور اعراب بالحکرت اصل ہے اعراب بالحرف کے اعتبار سے اور

دوسرے یہ کہ یہ اعراب بالحکرت ہر سہ حالت میں تینوں اعراب کے ساتھ ہے اور یہ اصل ہے اس اعراب

بالحکرت سے جو تینوں حالتوں میں تینوں اعراب کے ساتھ نہ ہو، پس اصل کو اصل کا اعراب دے دیا۔

رفعا نصبا جوا: رفعا، نصبا، جوا کا نصب یا تو ظرف ہونے کی وجہ سے ہے تو تقدیر عبارت ہوگی

يعربان بالضممة حالة الرفع ويعربان بالفتحة حالة النصب ويعربان بالكسرة حالة الجر۔ یا

مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہوگا تو تقدیر عبارت ہوگی يعربان بالضممة اعراب الرفع ويعربان

بالفتحة اعراب النصب ويعربان بالكسرة اعراب الجر۔ ہر دو احتمال کی صورت میں مضاف

مقدر ہوگا اور تیسرا احتمال حال ہونے کا ہے تو تقدیر عبارت ہوگی يعربان بالضممة مرفوعاً ويعربان

بالضممة منصوباً ويعربان بالكسرة مجروراً یعنی مصدر بجائے معروف کے مجہول ہو جائے گا۔

جمع المؤنث السالم بالضممة والكسرة غير المنصرف بالضممة والفتحة۔

ترجمہ:- جمع مؤنث سالم کا اعراب حالت رفعی میں ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصبی اور جری

حالت میں کسرہ کے ساتھ۔ غیر منصرف کا اعراب رفعی حالت میں ضمہ کے ساتھ ہوگا اور نصبی و جری حالت

میں فتح کے ساتھ ہوگا۔

توضیح:- مؤنث کی قید سے جمع مذکر سے احتراز ہو گیا اور سالم کی قید سے جمع مؤنث مکسر سے

احتراز ہو گیا۔ جمع مؤنث سالم سے مراد ہر ایسی جمع ہے جو الف اور تاء کے ساتھ ہو، اس کا اعراب حالت رفعی

میں ضمہ اور نصبی و جری حالت میں کسرہ ہوگا، یہاں پر حالت نصبی کو حالت جری کے اس لیے تابع کیا گیا کہ جمع

مؤنث سالم فرع ہے جمع مذکر سالم کی اور جمع مذکر سالم میں خالت نصبی کو حالت جری کے تابع ہے، لہذا جمع

مؤنث سالم میں بھی حالت نصبی کو حالت جری کے تابع کر دیا، تاکہ فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئے۔ پھر

بھی ایک سوال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حالت نصھی کو حالت جری کے تابع کرنے کے باوجود جمع مؤنث سالم میں فرغ کی اصل پر زیادتی لازم آرہی ہے، کیونکہ جمع مذکر سالم کا اعراب اعراب بالحرف ہے اور جمع مؤنث سالم کا اعراب اعراب بالحرف ہے اور اعراب بالحرف سے۔ جواب یہ ہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ جمع مؤنث سالم میں مذکورہ اعراب کے ساتھ فرغ کی اصل پر زیادتی لازم آرہی ہے، کیونکہ اعراب بالحرف میں اصل یہ ہے کہ تینوں حالتوں کا اعراب تینوں اعراب کے ساتھ ہو، جمع مؤنث سالم میں ایسا نہیں ہے، لہذا فرغ کی زیادتی اصل پر نہ ہوئی۔ دوسری بات یہ کہ یہاں اعراب بالحرف کے لانے سے مانع بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جمع مؤنث سالم کے آخر میں حرف علت نہیں اور اعراب بالحرف وہیں آسکتا ہے کہ جس اسم کے آخر میں حرف علت ہو۔

غیر المنصرف: غیر منصرف کا اعراب رقی میں ضم اور حالت نصھی اور جری میں فتح ہوگا، یہاں جری حالت کو نصھی حالت کے تابع کیا، اس لیے کہ غیر منصرف دو فریقتوں کے پائے جانے میں فعل کے مشابہ ہے، لہذا جزو اسم کے اعظم خواص میں سے ہے اب غیر منصرف کے ساتھ نہیں پایا جاسکتا، جیسا کہ فعل پر جر کا آنا منع ہے۔

ابوك و اخوك و حموك و هنوك و فوك و ذومال مضافة الى غير ياء المتكلم بالواو والالف والياء .

ترجمہ:- ابوك و اخوك و حموك و هنوك و فوك اور ذومال در محالیکہ یاء متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں واؤ کے ساتھ حالت رقی میں اور الف کے ساتھ حالت نصھی میں اور یاء کے ساتھ حالت جری میں ہوں گے۔

توضیح:- جب مصنف اعراب بالحرف کے بیان سے فارغ ہو گئے تو اب اعراب بالحرف کا بیان شروع کیا۔ سب سے پہلے آپ کو معلوم ہو کہ ابوك، اخوك، حموك اور هنوك چاروں ناقص واوی ہیں، اس کی دلیل یہ ہے کہ ان چاروں اسماء کا تشبیہ ابوان، اخوان، حموان اور هنوان آتا ہے، ان کی اصل فعل کے وزن پر ابو، اخو، حمو اور هنو ہے۔

حمو شوہر کی جانب سے عورت کے قریبی رشتہ دار یعنی دیور کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے، اسی لیے مصنف نے اس کی اضافت کاف ضمیر مؤنث کی طرف کی ہے۔

اور هن شرم گاہ، ناپسندیدہ عادتوں اور افعال میں استعمال ہوتا ہے اور فوك در اصل اجوف واوی ہے، اس کی اصل فوة فعل کے وزن پر ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ فہم کی جمع افواہ آتی ہے بطریق شاذ، ہاء یعنی لام کلمہ کو حذف کر دیا اور اضافت سے علیحدہ ہونے کی حالت میں واؤ کو میم سے بدل دیا تاکہ معرب

کا وزن سلامت رہے، البتہ اضافت میں فوك بولا جاتا ہے۔

اور ذو کی اصل ذَوٌّ لَفِيفٌ مقرون ہے ذو بجائے اسم ضمیر کاف کی طرف مضاف ہونے کے اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ذو اسماء اجناس کو صفت بنانے کے لیے موضوع ہے اور ظاہر کی بات ہے کہ یہ مقصد ضمیر کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں نہیں حاصل ہو سکتا، اس لیے وہ اسم جنس کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

اب آپ اسمائے ستہ کا اعراب سنے، تو ان کا اعراب (در انحالیکہ یہ یائے متکلم کے علاوہ کی طرف مضاف ہوں اور مکمرہ اور موحده ہوں) حالت رفعی میں واؤ اور حالت نصبی میں الف اور حالت جری میں یاء ہوگا۔ مکمرہ اور موحده کی قیدیں ہر چند کی مذکور نہیں ہیں پر وہ ملحوظ ہیں، اگر اسمائے ستہ بجائے مکمرہ کے مصرعہ ہوں تو ان کا اعراب، اعراب بالحکرت ہوگا جیسے جاء نی أُخِيْتُ۔ رايت أُخِيْتُ مردت بأخِيْتُ اسی طرح اگر وہ موحده نہ ہوں بلکہ تشنیہ اور جمع ہوں تو بجائے مذکورہ اعراب بالحروف کے ان پر تشنیہ اور جمع کا اعراب ہوگا، جمع مکسر جیسے آباء، اخوة اور جمع سالم جیسے ابنون اور ابون کی تفصیل کے ساتھ۔

نیز ان اسماء کا مضاف ہونا ضروری ہے، کیوں کہ اگر یہ اسماء مضاف نہ ہوں تو ان کا اعراب بالحکرت لفظی ہوگا جیسے جاء نی اب، رايت ابا مردت باب نیز اضافت یاء متکلم کے علاوہ کی طرف ہو۔ کیوں کہ اگر یائے متکلم کی طرف مضاف ہوں تو ان کا اعراب، اعراب بالحکرت تقدیری ہوگا۔

اب رہی یہ بات کہ مصنف نے پہلی دو قیدوں کو بیان کیوں نہیں کیا، تو وجہ یہ ہے کہ مصنف نے مثالوں پر اکتفاء کیا اور ذکر کی ضرورت محسوس نہیں کی، البتہ اضافت کی قید کے سلسلے میں مثالوں پر اکتفاء نہیں کیا، اس لیے کہ اگر اضافت کے سلسلے میں بھی مثالوں پر قناعت کر لیتے تو لوگوں کو یہ وہم ہوتا کہ ان اسمائے ستہ کے لیے مذکورہ اعراب کی شرط یہ ہے کہ وہ مخاطب کی ضمیر کی طرف مضاف ہوں، حالاں کہ ایسی کوئی بات نہیں۔

ابھی ایک راز کھلنے سے رہ گیا کہ ان اسماء ستہ کو مذکورہ اعراب کیوں دیا گیا، حالاں کہ یہ مفرد ہیں اور مفردات میں اصل اعراب بالحکرت ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر تمام مفردات کا اعراب، اعراب بالحکرت ہو جاتا اور تمام تشنیہ اور جمع کا اعراب، اعراب بالحروف ہو جاتا تو مفرد، تشنیہ اور جمع کے درمیان وحشت اور منافرت پیدا ہو جاتی، اس لیے بعض مفردات کو بھی اعراب بالحروف دے دیا، تاکہ ان کے درمیان سے منافرت اور وحشت تامہ ختم ہو جائے۔

ہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ پھر مذکورہ اعراب کے اسماء ستہ میں منحصر ہونے کی کیا وجہ ہے؟ دوسری بات ان ہی چھ اسموں کا ہی اس مقصد کے لیے انتخاب کیوں کیا؟ تو پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ جب تشنیہ اور جمع میں سے ہر ایک کی تین، تین حالتیں ہیں تو ہم نے ہر حالت کے مقابلہ ایک اسم کو کر دیا، اب رہی دوسری

بات کا جواب تو معاملہ یہ ہے کہ اسماء ستہ، شنیہ اور جمع کے لفظاً اور معنی مشابہ ہیں۔ لفظاً مشابہت تو یوں ہے کہ اسماء ستہ کا آخر شنیہ اور جمع کی طرح اعراب بالحرکوں قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور معنی تو اس لیے کہ ان اسماء ستہ کے معنی میں بھی تعدد ہے جیسے شنیہ اور جمع کے معنی میں تعدد ہوتا ہے۔

المثنیٰ وکلا مضافاً الی مضمر واثان واثتان بالالف والباء .

ترجمہ: - شنیہ اور کلا در انحاءیکہ ضمیر کی طرف مضاف ہو اور اثان اور اثتان کا اعراب حالت رفعی میں الف کے ساتھ اور نصی اور جری حالت میں یاء کے ساتھ ہوگا۔

توضیح: - اب مصنف شنیہ اور اس کے ملحقات کا اعراب بیان کر رہے ہیں تو ان کا اعراب حالت رفعی میں الف ماقبل مفتوح اور حالت نصی اور جری میں یاء ماقبل مفتوح ہوگا جیسے جاء نی رجلان، رایت رجلین، مردت برجلین۔

مصنف نے صرف کلا کو بیان کیا، حالاں کہ مذکورہ بالا اعراب کلنا کا بھی ہوتا ہے، ایسا اس لیے کیا کہ کلا اصل ہے اور کلنا اس کی فرغ ہے اور اصل کا ذکر فرغ کے ذکر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ انسان اور انسان طرف صورتاً شنیہ ہیں معنی نہیں ہیں، اس لیے کہ فی الحقیقت شنیہ وہ مفرد کہلاتا ہے جس کے آخر میں الف یاء کو لاق کیا گیا ہو اور یہ بات انسان میں نہیں ہے کہ اس کا مفرد اثن ہو، پھر آخر میں الف کو لاق کیا گیا ہو، کیوں کہ اثن کوئی چیز نہیں، ہاں انسان دو مفردوں کے لیے وضع کیا گیا ہے باقی انسان و انسان اس کے ساتھ ملحق ہیں۔

پھر مصنف نے انسان کو بیان کیا، حالاں کہ وہ انسان کی فرغ ہے، لہذا چاہیے اثن کے برعکس تھا، اس لیے کہ اصل کا تذکرہ فرغ کے ذکر سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ تو ایسا اس لیے ہوا کہ چون کہ تذکیر اور تانیث کا حکم عدد کے باب میں مختلف ہوتا ہے، اس لیے ان دونوں کے لفظ کے ساتھ باب اعراب میں مراحت کر دی کہ یہاں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ دونوں کا حکم یکساں ہے۔

وکلا مضافاً الی المضمر: کلا کا اعراب الف اور یاء کے ساتھ اضافت الی الضمیر کی قید کے ساتھ اس لیے مقید ہے کہ کلا کی دو حیثیتیں ہیں، کلا لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے اور معنی کے اعتبار سے شنیہ، پس اس کا لفظ اعراب بالحرکت کا تقاضا کرتا ہے اور معنی اعراب بالحرک کا، لہذا کلا میں دونوں حیثیتوں کی رعایت کی گئی اس طور پر کہ اگر کلا اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو تو اعراب بالحرکت دیا جائے گا، کیوں کہ اضافت الی الاسم لفظاً ہر اصل ہے۔ اور اعراب بالحرکت بھی اصل ہے۔ پس اصل کو اصل دے دیا گیا مناسبت کی رعایت کرتے ہوئے۔ اور اگر کلا مضاف ہو ضمیر کی طرف تو اعراب بالحرک دیا جائے گا،

اس لیے کہ اضافت الی الضمیر خلاف اصل ہے اور اعراب بالحرف نیز خلاف اصل ہے تو خلاف اصل کو خلاف اصل دے دیا گیا۔

جمع المذکر السالم والو وعشرون واخواتها بالواو والياء .

ترجمہ:- جمع مذکر سالم اور اَلُو اور عشرون اور اس کے اخوات کا اعراب رفعی حالت میں واؤ اور نھی اور جری حالت میں یاء کے ساتھ ہوگا۔

توضیح:- اب جمع مذکر سالم کا اعراب بیان کر رہے ہیں، جمع مذکر سالم ہر ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کا مفرد سلامت ہو اور اس کے آخر میں واؤ اور نون یا یاء اور نون کو مافوق الاثنین پر دلالت کرنے کے لیے لاحق کر دیا گیا ہے۔

اَلُو اور عشرون حقیقتاً جمع مذکر سالم نہیں ہیں، بلکہ اس کے ملحقات یعنی صورتہ جمع ہیں اس لیے کہ اَلُو کا من لفظ کوئی مفرد نہیں ہے۔ اسی طرح عشرون وغیرہ کا بھی کیوں کہ اگر عشرون کا مفرد عشر کو قرار دیا جائے تو پھر عشرون کا اطلاق میں پر لازم آئے گا، حالاں کہ ایسا نہیں ہے، اسی لیے جمع مذکر سالم کے ذکر کے بعد اَلُو اور عشرون اور اس کے اخوات کو مستقلاً بیان کیا۔

خبر: جمع مذکر سالم اَلُو اور عشرون وغیرہ کا اعراب حالت رفعی میں واؤ ماقبل مضموم اور حالت نصی اور جری میں یاء ماقبل مکسور ہوگا جیسے جاء نی مسلمون رأیت مسلمین مردت بمسلمین۔

تثنیہ اور جمع کا اعراب، اعراب بالحرف اس لیے ہوگا کہ یہ دونوں مفرد کی فرع ہیں اور اعراب بالحروف اعراب بالحکرت کی فرع ہے پس اصل کو اصل اور فرع کو فرع دے دیا گیا۔

البتہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جمع مؤنث سالم بھی تو مفرد کی فرع ہے، لہذا اس کو اعراب بالحرف دینا مناسب تھا، حالاں کہ ایسا نہیں ہوا ہے۔ جواب جمع مؤنث سالم کی بحث میں اس کے جواب کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ ہونا تو ایسا ہی چاہیے تھا، لیکن جمع مؤنث سالم کے آخر میں اعراب بالحرف کی صلاحیت والا کوئی حرف نہیں ہے تو اس کو اعراب بالحکرت مجبوراً دیا گیا۔

اب رہی یہ بات کہ تثنیہ اور جمع کا اعراب خلاف اصل ہے، اس لیے کہ تثنیہ کا رفع الف کے ساتھ ہے، حالاں کہ قیاس واؤ کا تقاضا کرتا ہے اور اس کا نصب یاء کے ساتھ ہے، حالاں کہ قیاس الف کا تقاضا ہے۔ دراصل یہ ہے کہ اعراب بالحروف تین ہیں اور تثنیہ اور جمع میں سے ہر ایک کے اعراب کی حالتیں بھی تین تین ہیں، پس اگر تینوں حروف تثنیہ کو دے دیئے جاتے تو جمع بلا اعراب کے باقی رہتا اور اگر تینوں جمع کو دے دیا جاتا تو تثنیہ بلا اعراب کے ہو جاتا اور اگر دونوں کے درمیان ان کو مشترک کر دیا جاتا تو پھر تثنیہ اور جمع کے درمیان اشتباہ لازم آتا لہذا اعراب بالحروف میں تقسیم کر دی گئی بایں طور کہ الف تثنیہ کو حالت رفعی میں

دے دیا گیا، اس لیے کہ الف افعال کی تشبیہ میں فاعل کی ضمیر ہوتا ہے اور واو حالت رفعی میں جمع کو بے دیا گیا، اس لیے کہ واو افعال کے صیغہ جمع میں فاعل کی ضمیر ہوتا ہے۔ اور یاء کو ان دونوں کی حالت جبری میں مشترک کر دیا گیا پھر دونوں جگہ نصی حالت کو جبری حالت کے تابع کر دیا، نصب اور جر کے درمیان مناسبت کی وجہ سے اس لیے کہ نصی اور جبری دونوں حالتیں فضلہ پر دلالت کرتی ہیں بخلاف رفعی حالت کے کہ وہ عمدہ پر دل ہے، پھر فرق کرنے کے لیے تشبیہ میں یاء ماقبل مفتوح اور جمع میں یاء ماقبل مکسور کر دیا۔

التقدير فيما تعذر كعصا و غلامی مطلقاً او استثقل كقاضٍ رفعاً وجوراً ونحو
مسلمی رفعاً واللفظی فیما عداہ .

ترجمہ:- اعراب کی تقدیر اس اسم معرب میں ہوتی ہے کہ جس میں اعراب لفظاً ناممکن ہو جیسے عصا اور غلامی مطلقاً، یادشوار ہو جیسے قاضی، رفعی اور جبری حالت میں اور مسلمی جیسے میں رفعی حالت میں اور لفظی اس اسم معرب میں ہوگا جو تقدیری کے مواقع کے علاوہ ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف ان اسماء کے اعراب کو بیان کر رہے ہیں جن کا اعراب تقدیری ہوتا ہے۔ اعراب تقدیری کی لفظی پر تقدیم اختصار کی وجہ سے ہے، کیوں کہ اعراب کی تقدیر چند اسماء میں ہوتی ہے۔ لہذا پہلے کم والے کو بیان کر دیا جائے پھر اس کے علاوہ جو کچھ ہوگا وہ لفظی ہوگا۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ تقدیری کے مواضع کم ہیں، لہذا وہ بمنزلہ جز کے ہو اور لفظی کے مواضع زیادہ ہیں پس وہ بمنزلہ کل کے ہوا اور جزء کل پر فہم میں مقدم ہوتا ہے، لہذا ذکر میں بھی مقدم کر دیا، تاکہ وضع، طبع کے مطابق ہو جائے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اسم معرب جس میں لفظوں میں اعراب ناممکن ہو اس میں اعراب تقدیری ہوتا ہے جیسے عصا اور غلامی، عصا سے مراد ہر ایسا اسم ہے جس کے آخر میں الف متصورہ ہو خواہ الف مقصورہ سلامت ہو یا حذف ہو گیا ہو۔

اس میں اعراب اس لیے تقدیر ہوتا ہے، کیوں کہ الف وضعاً ساکن ہوتا ہے اور وہ اعراب کو بالکل قبول نہیں کرتا، لہذا اس میں اعراب تقدیری ہوگا۔

اور غلامی سے مراد ہر ایسا اسم ہے جو جمع مذکر سالم نہ ہو اور یائے متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں اعراب اس لیے تقدیری ہوگا کہ جب مضاف کا آخر حرکت کے ساتھ مشغول ہو گیا یاء کے تقاضہ کی وجہ سے تو اب اس پر دوسری حرکت کا دخول ناممکن ہو گیا، خواہ وہ حرکت مخالف ہو یا موافق ورنہ رفعی اور نصی حالت میں حرف واحد پر بیک وقت دو مختلف حرکتوں کا ہونا لازم آئے گا اور جبری حالت میں دو متماثل حرکتوں کا ہونا ظاہر ہے کہ اس کی گنجائش نہیں ہے۔

مطلقاً: مطلقاً کا مطلب ہے کہ مذکورہ اسماء میں اعراب کی تقدیر ہر سہ حالت میں ہوگی۔ نیز اعراب

کی تقدیر کا دوسرا موقع ہر ایسا اسم ہے جس میں اعراب کا ظہور دشوار ہو جیسے قاضی رفیعی اور جبری حالت میں اور مسلمی جیسے میں رفیعی حالت میں۔

قاضی سے مراد ہر ایسا اسم ہے کہ جس کے آخر میں یا یا ماقبل مکسور ہو اس میں رفیعی اور جبری حالت میں اعراب اس لیے مقدر ہوگا کہ کسرہ کے بعد یا یا پر ضمہ اور کسرہ دونوں دشوار ہوتے ہیں بخلاف فتح کے کہ وہ خفیف الحکرت ہے۔

مسلمی جیسے سے مراد ہر ایسی جمع مذکر سالم ہے جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو، اس میں اعراب حالت رفیعی میں تقدیری ہوگا، کیوں کہ حالت رفیعی میں واو یا یا سے بدل جاتا ہے اور قلب شئی کو اس کی حقیقت سے خارج کر دیتا ہے۔ پس لفظ واو کا وجود نہ ہوا، پس تقدیر آنا گیا۔

جب کہ نصی اور جبری حالت میں یا یا کا یا یا میں ادغام ہوتا ہے اور ادغام شئی کو اس کی حقیقت سے خارج نہیں کرتا۔

واللفظی فیما عداہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ دو صورتوں کے علاوہ اسم معرب کی بقیہ صورتوں میں اعراب لفظی ہوگا۔

غیر المنصرف ما فیہ علتان من تسع او واحدة منها تقوم مقامہما وہی شعر:
عَدَلٌ وَ وَصْفٌ وَ تَانِيَتْ وَ مَعْرِفَةٌ ÷ وَ عَجْمَةٌ ثُمَّ جَمْعٌ ثُمَّ تَرْكِيْبٌ وَ النَّوْنُ زَائِدَةٌ مِنْ قَبْلِهَا الْفُ ÷ وَ وَزْنُ الْفِعْلِ وَ هَذَا الْقَوْلُ تَقْرِيْبٌ ÷ مِثْلُ عُمَرُ وَ اِحْمَرُ وَ طَلْحَةُ وَ زَيْنَبُ وَ اِبْرَاهِيْمُ وَ مَسَاجِدُ وَ مَعْدُ يَكْرَبُ وَ عِمْرَانُ وَ اَحْمَدُ .

ترجمہ:- غیر منصرف وہ ہے کہ جس میں دو علتیں ہوں نو علتوں میں سے یا ان میں سے ایک ہو جو ان دو کے قائم مقام ہو اور وہ نو (شعر) عدل اور وصف اور تانیث اور معرفہ اور عجمہ پھر ترکیب اور الف نون زائدتان اور وزن فعل ہیں۔ اور یہ قول قریب کرنے والا ہے جیسے عمر اور احمر اور طلحہ اور زینب اور ابراہیم اور مساجد اور معد یکر ب، عمران اور احمد۔

توضیح:- یہاں سے مصنف غیر منصرف کی تعریف پھر اس کا حکم بیان کر رہے ہیں۔ غیر منصرف کے بیان کو منصرف پر مقدم کیا، حالاں کہ اصل اسماء میں منصرف ہونا ہے، وجہ یہ ہے کہ غیر منصرف کے مباحث منصرف کے مقابلہ میں بہت کم ہیں اس لیے قلیل کو پہلے نمٹا دیا۔

پس غیر منصرف وہ اسم معرب ہے جس میں اسباب تسع سے دو مؤثر علتیں یا ایک مؤثر علت جو دو علتوں کے قائم مقام ہو مع شرائط کے پائی جائے۔

اسم کی قید سے فعل خارج ہو گیا جیسے ضربت کہ اس میں دو علتیں تانیث اور وزن فعل پائی جاتی ہیں،

لیکن یہ فعل ہے۔ جب کہ غیر منصرف اسم کی قسم ہے پس یہ بحث سے خارج ہے۔ اور معرب کی قید سے حضار خارج ہو گیا، کیوں کہ یہ باوجود اس بات کے کہ اس میں دو علتیں، تانیث اور عیث موجود ہیں مبنی ہے۔ اور مؤثر کی قید سے حبلنی اور مصابیح کا حالت علم میں غیر منصرف کی پہلی قسم میں داخلہ منع ہو گیا، کیوں کہ حالت علم میں بھلے ان دونوں میں دو علتیں ہو جائیں لیکن، عیث ان دونوں کے ساتھ یعنی جمع اور تانیث کے دونوں الفوں کے ساتھ مؤثر نہیں ہوا کرتی۔ اور مع شرائط کی قید سے نوح نکل گیا، کیوں کہ اگرچہ اس میں عجمہ اور تانیث دو علتیں موجود ہیں، لیکن عجمہ کے غیر منصرف ہونے کی جو شرط ہے تحرک الاوسط یا زائد علی الشاشر ہونا وہ یہاں فوت ہے۔

وہی شعر: ہی مبتدا ہے اور شعر میں مذکور اسباب تسعہ کا مجموعہ اس کی خبر ہے، یعنی یہاں پر عطف ربط پر مقدم ہے، کیوں کہ کل کی تقسیم جب اس کے اجزاء کی طرف ہوتی ہے تو عطف ربط پر مقدم ہوا کرتا ہے ورنہ بصورت دیگر ہر علت کا اسباب تسعہ کا مجموعہ ہونا لازم آئے گا، ظاہر ہے کہ یہ خلاف واقعہ ہے نیز ضم ترکیب مع التراخی کے معنی کے لیے یہاں نہیں لایا گیا، بلکہ وزن شعری کی محافظت کے لیے مذکور ہے۔

زائدة: زائدة حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر عبارت ہے وتمنع النون الصرف حال کو نبھا زائدة اور أَلْفٌ، ظرف (من قبلها) کا فاعل ہے اور یا تو الف مبتدا ہے اور خبر ظرف مقدم ہے، لیکن اس صورت میں الف کی زیادتی نہیں معلوم ہوتی، حالاں کہ نون کے ساتھ الف بھی زائد ہے، اس لیے مناسب بات یہ ہے کہ الف زائدة کا فاعل ہے اور ظرف زائدة کے متعلق ہے، اس صورت میں نون کے ساتھ الف کی بھی زیادتی مفہوم ہو جائے گی جو کہ مطلوب ہے۔

زائدة میں ایک دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ وہ نون کی صفت ہو، لیکن اس صورت میں موصوف اور صفت کے درمیان عدم مطابقت کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا، اس لیے کہ زائدة مکرہ ہے جب کہ النون معرف باللام ہے، اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ الف لام عہد ذہنی مکرہ کے حکم میں ہوتا ہے پس حقیقتاً نہ سہی حکماً ہی مطابقت پائی گئی۔

هذا القول تقریب: اس جملہ کے تین مطلب ہیں۔ ایک مطلب یہ ہے کہ تقریب مقرب کے معنی میں ہے یعنی عدل تسعہ کا بصورت نظم ذکر کرنا بمقابلہ نثر کے حفظ کے زیادہ قریب کرنے والا ہے۔ کیوں کہ نظم نثر سے سہل الحفظ ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہ قول اقرب الی الصواب ہے یعنی درستگی کے زیادہ قریب ہے، اس لیے کہ علتوں کی تعداد میں اختلاف ہے، کیوں کہ بعض نے صرف دو علتوں حکایت فی وزن الفعل اور ترکیب کا قول کیا ہے۔ اور دوسرے بعض گیارہ کے قائل ہیں، مذکورہ نو کے ساتھ مراعاة الوصف الاصلیہ بعد

التشکیر اور شبہ الف تانیث المقصورہ کا اضافہ کرتے ہیں۔ شبہ الف تانیث ایسا الف ہے جو تانیث کے لیے نہ ہو اور اسم کے آخر میں زیادہ کیا گیا ہو پھر اس اسم کو علم بنا دیا گیا ہو جیسے ارطی جو ایک درخت کا نام ہے یا قبعری جو ایک آدمی کا نام ہے۔

اور بعضے تو تیرہ کے بھی قائل ہیں، وہ گیارہ پر لزوم تانیث اور عدم النظم فی الآحاد کا اضافہ کرتے ہیں جب کہ جمہور نوعلتوں کے حق میں ہیں پس مصنف نے جمہور کے مسلک کو خیر الامور واسطہ کے پیش نظر اختیار کیا۔ اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ تقریب مجازاً کے معنی میں ہے یعنی فروع تعد میں سے ہر ایک کا سبب اور علت نام رکھنا مجازاً ہے، اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک جزء علت ہے نہ کہ علت تامہ، اس لیے کسی اسم کے غیر منصرف ہونے کا حکم دو فریعتوں کے اجتماع کے بعد لگایا جاتا ہے۔

مثال عمر: عمر عدل کی مثال ہے اور احروصف کی مثال ہے اور طلحہ تانیث لفظی اور زینب تانیث معنوی کی مثال ہے، ابراہیم عجمہ اور مساجد جمع منتہی الجموع اور معد یکرب ترکیب کی مثال ہے اور عمران الف نون زائد تان اور احمد وزن فعل کی مثال ہے۔

مصنف نے تانیث کی دو مثالیں تانیث کی دونوں قسموں لفظی اور معنوی کی طرف اشارہ کرنے کے لیے بیان کی ہیں۔

وحکمہ ان لا کسرة ولا تنوین ویجوز صرفه للضرورة او للتناسب مثل سلاسل
واغلا لا وما یقوم مقامهما الجمع والفا التانیث.

ترجمہ: اور اس کا حکم یہ ہے کہ کسرہ اور تنوین اس میں نہ ہوگا اور جائز ہے اس کا منصرف پڑھنا ضرورت یا مناسبت کی وجہ سے جیسے سلاسل اور اغلا لا اور وہ ایک علت جو دوعلتوں کے قائم مقام ہوتی ہے جمع اور تانیث کے دونوں الف ہیں۔

توضیح: حکم سے مراد اثر ہے، غیر منصرف کا حکم یہ ہے کہ اس پر کسرہ اور تنوین نہیں آتا، اس لیے کہ ہر علت کی کوئی نہ کوئی فریعت ہے پس جب کسی اسم غیر منصرف میں دوعلتیں پائی گئیں تو اس میں دو فریعتیں حاصل ہوں گی، لہذا وہ اسم دو فریعتوں کے پائے جانے کی وجہ سے دو فریعتوں کے پائے جانے میں فعل کے مشابہ ہو گیا۔ اور فعل پر کسرہ اور تنوین منع ہے، لہذا کسرہ اور تنوین غیر منصرف پر بھی منع ہو جائے گا، اس لیے کہ کسرہ اور تنوین اسم کے اعظم خواص میں سے ہے۔

معلوم ہو کہ حکمہ مبتدأ ہے اور اس کی خبر ان لا کسرة ولا تنوین پورا جملہ ہے اور عائد فیہ محذوف ہے۔

فائدہ: فعل کے لیے دو فریعتیں اس کا فاعل کا محتاج ہونا اور مصدر سے مشتق ہونا ہے۔ اور

اسباب تعدد میں سے عدل معدول عنہ کی فرع ہے اور وصف موصوف کی فرع ہے اور تانیث، تذکیر کی اور معرفہ نکرہ کی اور عجمہ کلام عرب میں عربیت کی فرع ہے اور جمع واحد کی اور ترکیب مفرد کی فرع ہے، جب کہ الف ونون زائدتان مزید علیہ کی یا الف مقصورہ و ممدودہ کی فرع اور وزن فعل اسم میں وزن اسم کی فرع ہے۔

ویجوز صرفہ: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے جو غیر منصرف کا حکم بیان کیا ہے کہ اس پر کسرہ اور تینوں نہیں آتا ہے یہ حکم حضرت فاطمہ کے شعر صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ اِنَّمَا ÷ صُبَّتْ عَلَيَّ الايام صِرْنَ لِيَالِيَا سے ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت امام شافعی کا امام ابوحنیفہ کی منقبت میں ایک شعر ہے اَعِدْ ذَكَرَ نِعْمَانٍ لَنَا اِنَّ ذِكْرَهُ ÷ هُوَ الْمَسْكُ مَا كَوَّرْتَهُ يَتَضَوُّعٌ اور حضرت علی کا شعر ہے سَلَامٌ عَلَيَّ خَيْرِ الْاِنَامِ وَسَيِّدٌ ÷ حَبِيبُ اللهِ الْعَالَمِينَ مُحَمَّدٌ ÷ بِشِيرٍ نَذِيرٍ هَاشِمِيٍّ مَكْرَمٌ ÷ عَطُوفٌ رُوْفٌ مِّنْ يَسْمِيٍّ بِأَحْمَدٍ۔ پہلے شعر میں محل استدلال مصائب ہے، دوسرے شعر میں نعمان اور تیسرے شعر میں محل استدلال باحمد ہے، تو مصنف نے اپنے قول ویجوز صرفہ للضرورة سے اس کا جواب دیا کہ غیر منصرف کو منصرف پڑھنا یعنی غیر منصرف کو منصرف کے کلمہ میں کر لینا ضرورت شعری کی وجہ سے درست ہے، اب خواہ ضرورت انکسار یا انزحاف کی صورت میں پائی جائے یا رعایت قافیہ کی شکل میں، چنانچہ پہلے شعر میں انکسار یعنی وزن شعر کے ٹوٹنے سے حفاظت ہے اور دوسرے شعر میں انزحاف یعنی سلاست کے ختم ہونے سے بچاؤ ہے اور تیسرے شعر میں قافیہ کی رعایت ہے۔ یعنی سابقہ اشعار کے مصرعوں کا آخری حرف چوں کہ کسرہ پر ختم ہو رہا ہے، لہذا اس مناسبت سے باحمد پر بجائے فتح کے کسرہ پڑھا گیا۔

او للتناسب: یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے کہ پھر بھی آپ کے غیر منصرف کا حکم اللہ تعالیٰ کے ارشاد سلاسلًا و اغلالًا سے ٹوٹ جاتا ہے، کیوں کہ سلاسل غیر منصرف ہونے کے باوجود ممنون ہے۔ حالاں کہ یہ شعر نہیں ہے تو مصنف نے اپنے قول او للتناسب سے جواب دیا کہ کبھی کبھی غیر منصرف پر منصرف کا حکم محض اس لیے جاری کر دیا جاتا ہے کہ دونوں میں معنی مناسبت پائی جاتی ہے۔ سلاسل اور اغلال میں مناسبت یہ ہے کہ ہتھکڑی اور زنجیر دونوں لوہے کی ہوتی ہیں اور چوں کہ اغلال کو ممنون پڑھا گیا ہے، اس لیے سلاسل کو بھی اس کی مناسبت سے ممنون پڑھا جائے گا۔

او ما يقوم مقامها: ایسا ایک سبب جو دوسروں کے قائم مقام ہوتا ہے ایک جمع منتہی الجموع اور دوسرے تانیث کے دونوں الف ہیں، یعنی الف مقصورہ و الف ممدودہ۔ جمع دوسروں کے اس لیے قائم مقام ہوتی ہے کہ وہ جمع منتہی الجموع ہے اور اس میں دو باتیں پائی جاتی ہیں ایک جمع ہونا دوسرے لزوم جمع ہونا، پس گویا یہ دو علتیں ہیں۔ اور الف مقصورہ اور الف ممدودہ دوسروں کے اس لیے قائم مقام ہیں ایک تو یہ خود

مؤنث ہیں دوسرے مؤنث کے لیے وضعاً لازم ہیں، پس یہ لزوم، تانیث ثانی کے منزلہ میں ہو گیا اور جب بات یہ ہے تو اس میں دو باتیں پیدا ہو گئیں تانیث اور لزوم تانیث جو بمنزلہ دوسموں کے ہے۔

فَالْعَدْلُ خُرُوجُهُ عَنِ صَيْغَتِهِ الْاَصْلِيَّةِ تَحْقِيقًا كَثَلْتُ وَمِثْلُتُ وَآخِرُ وَجُمَعُ اَوْ تَقْدِيرًا كَعُمُرٍ وَبَابُ قَطَامٍ فِي تَمِيمٍ .

ترجمہ:- پس عدل اس کا نکالا جانا ہے اس کے صیغہ اصلی سے حقیقتاً جیسے ثلث اور مثلث، آخر اور جمع یا تقدیراً جیسے عمر اور باب قطام بنو تمیم کی لغت میں۔

توضیح:- سب سے پہلے چند باتیں سنیں! کہ عدل ان الاسم معدولاً اور خروج کون الاسم مخرجاً کے معنی میں ہے اور صیغہ سے مراد صورت اور اسم سے مراد مادہ ہے اب تعریف سنیں! عدل نام ہے اس کا اپنے صیغہ اصلی سے بلا کسی قاعدے صرفی کے مادہ کے بقا کے ساتھ ساتھ نکلنا خواہ یہ نکلنا تحقیقی ہو یا تقدیری۔

مصنف نے تحقیقاً اور تقدیراً سے عدل کو تقسیم کیا ہے کہ عدل کی دو قسمیں ہیں، عدل تحقیقی اور عدل تقدیری، عدل تحقیقی ایسے عدل کو کہتے ہیں کہ جس کے معدول ہونے پر علاوہ غیر منصرف پڑھنے کے کوئی دوسری دلیل موجود ہو جیسے ثلث اور مثلث۔ اور عدل تقدیری ایسے عدل کو کہتے ہیں کہ اس کے معدول ہونے پر علاوہ غیر منصرف کے کوئی اور دلیل نہ ہو جیسے عمر اور زفر۔

کثلاث و مثلث: ثلاث اور مثلث میں غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ دوسری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں کے معنی تین، تین کے ہیں، جو کہ مکرر ہیں اور معنی کا تکرار لفظ کے تکرار پر دلالت کرتا ہے، حالاں کہ ان دونوں کا لفظ مکرر نہیں پس معلوم ہوا کہ یہ ایسے لفظ سے معدول ہیں جو مکرر ہے اور وہ ثلاثہ ثلاثہ ہے۔

آخر: اور آخر میں غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ اس کے معدول ہونے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ آخر جمع ہے آخری بروزن فعلی کا، اور آخری مؤنث ہے آخر کا اور وہ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کا استعمال بحسب القاعدہ تین طرح ہوتا ہے لام کے ساتھ، یا اضافت کے ساتھ، یا من کے ساتھ اور آخر یہاں تینوں طریقوں میں سے کسی طریقہ کے ساتھ بھی مستعمل نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ انہی تین طریقوں میں کسی سے معدول ہے۔

جمع: اور جمع بھی عدل تحقیقی کی مثال ہے، کیوں کہ اس میں بھی غیر منصرف پڑھے جانے کے علاوہ دوسری دلیل موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ جمع جمعاً کی جمع ہے اور فعلاء کا قاعدہ ہے کہ اگر وہ صفت ہو تو اس کی جمع فَعْلٌ کے وزن پر آتی ہے جیسے حمراء کی جمع حُمُر، اور اگر وہ اسم ہو تو اس کی جمع فَعَالِيٌّ یا فَعَالَوَاتٌ کے وزن پر آتی ہے، جیسے صحراء کی جمع صَحَارِيٌّ یا صَخْرَوَاتٌ کے وزن پر

آتی ہے اور یہاں ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ جمع نہیں لائی گئی ہے پس معلوم ہوا کہ انھیں میں سے کسی سے معدول ہے۔

عمر: عمر اور زفر عدل تقریری کی مثال ہیں کہ ان دونوں میں فی الواقع صرف علم تھا جو غیر منصرف پڑھے جانے کے لیے کافی نہیں تھا، اس لیے اس میں عدل کا اعتبار کر لیا گیا کہ عمر، عامر اور زفر، زافر سے معدول ہے، تاکہ ان کا غیر منصرف پڑھا جانا صحیح ہو جائے۔

باب قطام: یہ بھی عدل تقریری کی مثال ہے، باب قطام سے مراد ہر ایسا اسم ہے جو فعال کے وزن پر ہو اور کسی مؤنث ذات کا نام ہو، نیز غیر ذوات الرء ہو تو اس میں اکثر بتعمیم عدل کا اعتبار ذوات الرء پر محمول کرنے کے لیے کرتے ہیں جیسے حضار وغیرہ ایسا اس لیے کرنا پڑا کہ جب وہ فعال جو ذوات الرء ہے عربوں کے کلام میں مبنی ہے اور مبنی ہونے کے لیے دو سبب علیت اور تانیث نا کافی ہیں، کیوں کہ ان کا کلمہ کے مبنی اور معرب ہونے میں کوئی دخل نہیں ہے، لہذا ذوات الرء میں عدل مبنی اصل کے ساتھ تحقق مشابہت کے لیے مان لیا گیا اور جب اس میں عدل کا اعتبار کیا گیا تو غیر ذوات الرء میں بھی اس کا اعتبار کر لیا گیا، تاکہ جو حکم ذوات الرء کا ہے بسلسلہ عدل وہی حکم غیر ذوات الرء کا بھی ہو جائے۔

الوصف شرطه ان يكون في الاصل فلا تصرف الغلبة فلذلك صرف اربع في مرتب بنسوة اربع وامتنع اسود وارقم للحية وادهم للقيد.

ترجمہ: وصف اس کی شرط اصل میں وصف ہونا ہے پس اس کو غلبہ نقصان نہیں دے گا پس اس وجہ سے اربع منصرف ہے مرتب بنسوة اربع میں اور ناممکن ہے منصرف ہونا (یعنی غیر منصرف ہونا واجب ہے) اسود اور ارقم کا جو کہ سانپ کا نام ہے اور ادھم بیڑی کا نام ہے۔

توضیح: وصف اس اسم کو کہتے ہیں جو مبہم ذات پر دلالت کرے خواہ وہ دلالت وضع کی وجہ سے ہو یا استعمال کے عارضی ہونے کی وجہ سے ہو، البتہ غیر منصرف کے سبب ہونے میں اعتبار وصفیت وضعیہ اصلیہ کا ہے، اسی لیے مصنف نے اس کو وصف کے سبب ہونے کے لیے شرط قرار دیا، فی الاصل میں فی ہند کے معنی میں ہے۔

فلا تصرف الغلبة: لہذا اگر وصفیت اصلیہ پر اسمیت بصورت علم غالب آجاتی ہے تو وصف مذکور کے اس غلبہ کی وجہ سے غیر منصرف کا سبب ہونے پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ اور وہ جس طرح قبل العلمیت غیر منصرف کا سبب تھی بعد العلمیت بھی وہ وصف غیر منصرف کا سبب ہو سکے گا۔

فلذلك صرف: اب مصنف شرطه ان يكون في الاصل پر تفریح کر رہے ہیں کہ چون کہ اربع مرتب بنسوة اربع کی ترکیب میں اصل وضع کے اعتبار سے چوتھی کے معنی یعنی وصفیت کے لیے

موضوع نہیں ہے بلکہ وہ عدد معین کے لیے موضوع ہے، پس وصف کے غیر منصرف کا سبب ہونے کی شرط فوت ہوگئی، لہذا ارجح غیر منصرف و صفیت کی بنیاد پر نہیں ہوگا۔

اس کے برخلاف اسود اور ارقم کے، کہ اول الذکر اصلاً سیاہ چیز کے لیے اور ثانی الذکر ہر چتکبری چیز کے لیے وضع کیا گیا تھا، اسی طرح ادہم سیاہ چیز کے لیے موضوع تھا، لیکن اب اسود کا لے سانپ اور ارقم چتکبرے سانپ اور ادہم بیڑی کا نام ہو گیا، پھر بھی اصل وضع کا لحاظ کرتے ہوئے ان اسماء کو وصفیت کی بنیاد پر غیر منصرف پڑھا جائے گا، کیوں کہ جب وصفیت اصل ہوتی ہے تو علمیت یعنی اسمیت کا غلبہ وصف کے اعتبار کیے جانے کو نقصان نہیں پہنچاتا۔

وَضَعْفَ مَنَعِ الْفَعْيِ لِلْحَيَّةِ وَاجْدَلٌ لِلصَّقْرِ وَآخِيلٌ لِلطَّائِرِ .

ترجمہ:- اور ضعیف ہے فعی کا غیر منصرف ہونا جو کہ سانپ کا نام ہے اور اجدل شکرے کا اور اخیل پرندے کا۔

توضیح:- جب وصف کے غیر منصرف کا سبب ہونے کا معیار اس کے وصفی معنی کے لیے اصل وضع میں ہونا ہے، تو پھر فعی جو کہ سانپ کا نام ہے اور اجدل جو کہ شکرے کا نام ہے اور اخیل جو کہ چیل کا نام ہے کا غیر منصرف ہونا کمزور ہو گیا، کیوں کہ الفعی کا فاعولہ سے اور اجدل کا جدل اور اخیل کا خیلان سے مشتق ہونا یقینی نہیں، لہذا ان اسماء کا اصل وضع میں وصف کے لیے ہونا بھی فاعل نہیں، لہذا الحض و ہم کی بنیاد پر اگر غیر منصرف پڑھا جاتا ہے تو ان کا غیر منصرف ہونا کمزور ہوگا۔

اچھا، منصرف ہونا کمزور نہیں ہوگا، کیوں کہ اسماء میں اصل منصرف ہونا ہی ہوتا ہے۔

التانیثُ بالثناء شرطُهُ العلمیَّةُ والمعنویُّ كذلك وشرطُ تحنُّمِ تائیرِهِ الزیادَةُ علی الثلاثَةِ او تحرُّكُ الأوسطِ او العُجْمَةُ فهندُ یجوزُ صرفُهُ وزینبُ وسقَرُ وماه وجرور ممتنعٌ فان سَمَّیَ به مذكَّرٌ فشرطه الزیادَةُ علی الثلاثَةِ فقدَّم منصرفٌ وعقرب ممتنعٌ .

ترجمہ:- تانیث بالثناء اس کی شرط علم ہونا ہے اور معنوی اسی طرح، اور معنوی کے تائیر کے وجود کی شرط زائد علی الثلاثہ یا متحرک الاوسط ہونا ہے یا عجم ہونا ہے۔ پس ہند اس کا منصرف پڑھنا جائز ہے اور زینب اور سقرا اور ماہ وجرور ان کا منصرف ہونا ناممکن ہے۔ پس اگر مؤنث معنوی کے ساتھ کسی مذکر کا نام رکھ دیا جائے تو اس کی شرط زائد علی الثلاثہ ہونا ہے پس قدم منصرف ہے اور عقرب غیر منصرف۔

توضیح:- غیر منصرف کا تائیر اسبب تانیث ہے۔ تانیث کی دو قسمیں ہیں۔ تانیث بالالف اور تانیث بالتاء۔ تانیث بالالف یہ واجب التائیر ہے اس کے غیر منصرف ہونے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے،

کیوں کہ تانیث الفی اس اسم کے لیے وضعاً لازم ہو جاتی ہے جس کو وہ لاحق ہوتی ہے اور تانیث بالتاء سے مراد تاء زائدہ ہے جو حالت وقف میں ہاء سے بدل جاتی ہے۔ تانیث بالتاء کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ اسم جس میں تاء لفظاً ہو خواہ مذکر کا نام ہو جیسے طلحة یا مؤنث کا جیسے فاطمة۔ اس کے غیر منصرف و جو با ہونے کے لیے صرف علیت شرط ہے۔ علیت کو تائے تانیث لفظی کے لیے اس لیے شرط قرار دیا جاتا ہے کہ وہ بقدر امکان تبدیلی سے محفوظ رہے اور تانیث کی دوسری قسم وہ اسم ہے جس میں تاء مقدر ہو جس کا دوسرا نام تانیث معنوی ہے جیسے ہند، زینب وغیرہ، تانیث معنوی کے وجود یا غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے علیت کے ساتھ ساتھ زائد علی المثالہ یا متحرک الاوسط یا عجمہ ہونا شرط ہے۔ تانیث معنوی میں علیت اس کے جوازاً غیر منصرف ہونے کے لیے شرط ہے، اسی کو منصف نے والمعنوی کذلک سے بیان کیا ہے۔ پس تشبیہ دونوں میں علیت کے نفس شرط ہونے میں ہے، باقی پہلے قسم میں اس کا شرط ہونا برائے وجوب اور دوسری میں برائے جواز ہے۔

خبر: تانیث معنوی میں علیت کے ساتھ ساتھ ان مذکورہ تین شرطوں میں سے کسی ایک کا ہونا و جو با غیر منصرف ہونے کے لیے اس لیے ضروری ہے کہ غیر منصرف دو علتوں کے ثبوت سے حاصل ہونے والے ثقالت کی وجہ سے پڑھا جاتا ہے پس اگر تانیث معنوی میں علیت کے ساتھ ساتھ تینوں باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ ہو تو اسم ثلاثی، ساکن الاوسط، عربی ہو جائے گا، لہذا وہ انتہائی ضعیف ہو جائے گا جو کہ دو سہوں میں سے کسی ایک سبب کے ثقل کے معارض ہوگا پس اس کی تاثیر کے حرام ہو جائے گا تو ان امور میں سے کسی ایک کو شرط قرار دینا مؤنث کو ثقل بنانے کے لیے ہے۔ پہلے امر کا ثقل ظاہر ہے۔ جب کہ ثلاثی متحرک الاوسط مفید الثقل ہونے میں چوتھے حرف کے حکم میں ہے، رہی بات سہمی ہونے کی تو اس لیے کہ سہمی زبان عربوں کے لیے دشوار ہوتی ہے۔ لہذا ہند کا منصرف پڑھا جانا جائز ہے، کیوں کہ یہ ثلاثی ساکن الاوسط غیر سہمی ہے پس اس میں خفت پیدا ہوگی، البتہ غیر منصرف پڑھنے کی بھی اجازت ہے، اس لیے کہ دو سبب تانیث اور علیت موجود ہیں۔ ہاں زینب، سقر، ماہ و جو غیر منصرف ہیں، پہلا کلمہ علیت کے ساتھ ساتھ زائد علی المثالہ ہونے کی وجہ سے اور دوسرا متحرک الاوسط اور تیسرا اور چوتھا کلمہ سہمی ہونے کی وجہ سے۔

فان سمی بہ مذکور: یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر مؤنث معنوی کو کسی مذکر کا نام تجویز کر دیا تو اس کا مذکر کا علم ہو جانے کے باوجود غیر منصرف ہونے کے لیے چار حرفی ہونا ضروری ہے، تاکہ چوتھا حرف تانیث کے قائم مقام ہو جائے۔ لہذا قدّم منصرف ہے کیوں کہ مذکر کا علم قرار پانے کی وجہ سے تانیث معنوی ختم ہوگی اور چوتھا حرف نہ ہونے کی وجہ سے اس کا قائم مقام بھی نہیں ہے، ہاں عقرب غیر منصرف ہے، اس لیے کہ اگرچہ مذکر کے علم کی وجہ سے تانیث معنوی زائل ہوگی، لیکن چوتھا حرف اس کا

قائم مقام موجود ہے۔ پس وہ علمیت اور تائید حکمی کی وجہ سے وجوباً غیر منصرف پڑھا جائیگا۔

المعرفة شرطها ان تكون علمية .

ترجمہ: - معرفت اس کی شرط علم ہونا ہے۔

توضیح: - غیر منصرف کا چوتھا سبب معرفہ ہونا ہے۔ معرفہ ایسی چیز کو کہتے ہیں جو شیء معین پر دلالت کرے، معرفہ کے غیر منصرف ہونے کی شرط علم ہونا ہے۔ معرفہ کو علمیت کے ساتھ اس لیے مشروط کیا کہ اسماء اشارات اور مضمرات اور موصولات مبنی ہیں، جب کہ غیر منصرف ہونا معرب کے احکام میں سے ہے اور ان دونوں کے درمیان منافات ہے، اب جہاں تک لام تعریف اور اضافت کی بات ہے تو یہ بنے بنائے غیر منصرف کو منصرف یا منصرف کے حکم میں کر دیتے ہیں۔ پس ان کے ہوتے ہوئے ابتداء کوئی اسم غیر منصرف کیسے ہو سکتا ہے۔ اب معرفہ بالنداء کا جہاں تک معاملہ ہے تو اس میں تھوڑی تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر منادئی مفرد معرفہ ہے تو وہ مبنی ہونے کی وجہ سے بحث سے خارج ہے اور منادئی مضاف ہر چند معرب ہوتا ہے، لیکن اضافت کسی بھی کلمہ کے غیر منصرف ہونے کے لیے رکاوٹ ہے۔

اور منادئی نکرہ غیر معین منادئی معرفہ باللام کے حکم میں ہے، چنانچہ یا رجل یا ایہذا الرجل کی جگہ پر مستعمل ہوتا ہے، اس لیے علم معرفہ کی اقسام میں سے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے متعین ہو گیا، اب البتہ یہ امر لاحق توجہ ہے کہ مصنف نے علم کو غیر منصرف کا سبب اور معرفہ کو اس کی شرط کیوں نہیں قرار دیا ہے، ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ کہتے العلمیۃ شرطها ان تكون معرفة، تو بات دراصل یہ ہے کہ کسی بھی اسم کے غیر منصرف کے سبب ہونے کا مدار اس بات پر ہے کہ وہ کسی اصل کی فرع ہو اور معرفہ کا نکرہ کی فرع ہونا بمقابلہ علم کے زیادہ واضح ہے۔

العجمة شرطها ان تكون علمية في العجمة وتحرك الاوسط والزيادة على الثلاثة
فنوح منصرف وشتروا ابراہیم ممتنع .

ترجمہ: - عجمہ اس کی شرط یہ ہے کہ وہ عجمہ میں علم ہو اور متحرک الاوسط ہونا یا زائد علی الثلاثة ہونا پس نوح منصرف ہے اور شتروا ابراہیم غیر منصرف۔

توضیح: - سب سے پہلے عجمہ کی تعریف سنیں! عجمہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو کسی معنی کے لیے لغت عجم میں وضع کیا گیا ہو، یہاں پر عجمہ کون ال اسم موضوعاً من غیر العرب کے معنی میں ہے۔ عجمہ کے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اسم عجمی عجم میں کسی کا نام رہا ہو، خواہ حقیقتاً یعنی عربوں کے اس کو استعمال کرنے سے پہلے جیسے ابراہیم یا حکم نام ہو یعنی عربوں کے استعمال سے پہلے تو وہ علم نہ ہو، البتہ عربی میں علم ہو کر استعمال ہوا ہو، جیسے قالون کہ رومی زبان میں عمدہ کے معنی میں استعمال

ہوتا تھا، لیکن اب زبان عربی میں امام نافع مدنی کے مشہور شاگرد عیسیٰ کا قانون نام پڑ گیا۔ تو قانون بطور علم کے عربی میں استعمال ہوا۔

علیت کی شرط اس لیے لگائی کیوں کہ اعلام بقدر امکان کلمہ کو تبدیلی سے محفوظ رکھتے ہیں، پس عجمہ تبدیلی سے محفوظ ہونے کی وجہ سے تغیر کی خفت سے سالم رہے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ کلمہ عجمی علم ہونے کے ساتھ ساتھ یا تو ثلاثی متحرک الاوسط ہو یا زائد علی الثلاثہ ہو، کیوں کہ کلمہ اگر ایسا نہ ہو تو وہ ثلاثی ساکن الاوسط ہوگا۔ پس اس میں خفت پیدا ہو جائے گی جو دوسروں میں سے کسی ایک کے معارض ہوگی۔ چنانچہ نوح منصرف ہے دوسری شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے کیوں کہ نوح نہ تو ثلاثی متحرک الاوسط ہے، اور نہ ہی زائد علی الثلاثہ ہے اور لجام منصرف ہے پہلی شرط یعنی علیت کے نہ ہونے کی وجہ سے جب کہ شتر اور ابراہیم غیر منصرف ہیں، اس لیے کہ دونوں میں دونوں شرطیں یعنی علیت اور ثلاثی متحرک الاوسط ہونا پہلے میں اور علیت اور زائد علی الثلاثہ ہونا دوسرے میں پایا جا رہا ہے۔

ایک بات اور سمجھ لیجئے کہ مصنف نے دوسری شرط پر تفریح کی جب کہ پہلی شرط پر کوئی تفریح نہیں کی وجہ یہ ہے کہ نوح کے بارے میں بعض نحو یوں کا غیر منصرف ہونے کا رجحان ہے، حالانکہ شرط فوت ہے تو مصنف نے دوسری شرط پر تفریح کر کے یہ واضح کر دیا کہ نوح کسی بھی حال میں غیر منصرف نہیں ہو سکتا، کیوں کہ جب شرط فوت ہے تو اس میں محض دوسروں کا ہونا غیر منصرف ہونے کے بارے میں مؤثر نہیں ہو سکتا۔

الجمع شرطه صيغة منتهى الجموع بغير هاء كمساجد ومصايح واما فرائضة
فمنصرف وخصاجر علما للضبع غير منصرف لانه منقول عن الجمع وسراويل اذا
لم يصرف وهو الاكثر فقد قيل عجمي حمله على موازنه وقيل عربي جمع
سراولة تقديراً واذا صرف فلا اشكال ونحو جوار دفعا وجوا كفاض.

ترجمہ:- جمع اس کی شرط جمع منتهی الجموع کا صیغہ ہونا ہے بغیر ہاء کے جیسے مساجد اور مصایح۔ اور بہر حال فرائضة پس منصرف ہے اور خصاجر درجہ حاکمہ بجو کا نام ہے غیر منصرف ہے، اس لیے کہ وہ جمع سے منقول ہے اور سراويل جب منصرف نہ پڑھا جائے (یعنی غیر منصرف پڑھا جائے) اور یہی اکثر ہے تو بلاشبہ کہا گیا ہے کہ وہ عجمی ہے جو اپنے ہم وزنوں پر محمول کیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ عربی ہے جو تقدیراً سراولة کی جمع ہے اور جب منصرف پڑھا جائے تو کوئی اشکال نہیں ہے اور جوار جیسارقمی اور جری حالت میں فاض کی طرح ہے۔

توضیح:- جمع سے مراد ہر وہ جمع جو جمع منتهی الجموع کے صیغے کے وزن پر ہو۔ اور اس کے دو

وزن ہیں مفاعل اور مفاعل، اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کا پہلا حرف مفتوح ہوگا اور تیسرا حرف الف ہوگا اور الف جمع کے بعد یا تو ایک حرف ہوگا یا دو حرف ہوں گے یا تین، پہلی صورت میں وہ مشدود ہوگا جیسے ذابۃ کی جمع دو ابٹ ہے اور دوسری صورت میں الف جمع کے بعد والا حرف مکسور ہوگا جیسے مساجد اور تیسری صورت میں الف جمع کے بعد والا حرف مکسور ہوگا اور آخر سے پہلے والا حرف یائے ساکن ہوگا جیسے مصابیح۔

جمع کے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ منتہی الجموع کا صیغہ ہو، تاکہ وہ تبدیلی سے محفوظ ہو جائے، کیوں کہ جمع تکسیر جب ایک بار مفاعل یا مفاعل کے وزن پر آجاتی ہے تو پھر دو بارہ اس کی جمع تکسیر نہیں آتی۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ جمع منتہی الجموع کے آخر میں وہ ہاء نہ ہو جو حالت وقف میں تائے تانیث سے بدلی ہوتی ہے، اس لیے کہ اگر کوئی جمع ہاء کے ساتھ ہو تو اس کا بعض مفردات کے ساتھ اشتباہ لازم آئے گا، اس لیے کہ کچھ مفردات مذکورہ بالا اوزان پر تائے تانیث کے ساتھ آتے ہیں جیسے طواعیۃ، کراہیۃ، لہذا فرزانۃ باوجود جمع منتہی الجموع کے، شرط فوت ہونے کی وجہ سے منصرف ہوگا۔

و حضا جرم علماً للضبع: یہاں سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ صرف کسی اسم کا صیغہ جمع منتہی الجموع کے وزن پر ہونا کافی نہیں ہے، بلکہ فی الواقع اس کا جمع ہونا ضروری ہے، کیوں کہ غیر منصرف کے سبب ہونے میں مؤثر جمع کی جمعیت ہی ہے یہ الگ بات ہے کہ صیغہ جمع اس کے لیے شرط ہے، لہذا حضا جرم کو منصرف ہونا چاہیے کیوں کہ یہ حالت علم میں صیغہ جمع تو ہے پر خود جمع نہیں ہے، کیوں کہ حضا جرم جو کے ہر فرد کو کہتے ہیں تو مصنف نے جواب دیا کہ حضا جرم جو کہ جو کا نام ہے غیر منصرف ہے، کیوں کہ وہ جمع سے منقول ہے، اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ جمع کی دو قسمیں ہیں جمع حالی اور جمع اصلی تو حضا جرم کو فی الحال جمع نہیں ہے، لیکن وہ فی الاصل جمع ہے، اس لیے کہ حضا جرم حضا جرم کی جمع ہے جس کے معنی عظیم البطن کے ہیں، پھر اس جنس کے ہر فرد کا نام حضا جرم رکھا گیا اس کے بڑے پیٹ والا ہونے کو بیان کرنے کے لیے گویا اس میں کا ہر فرد بمنزلہ اس جنس کی جماعت کے ہے۔

وسر او یل اذ لم بصرف: یہاں سے بھی مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔ اعتراض یہ ہے کہ آپ نے اپنی جان اس اعتراض سے جو حضا جرم کے بارے میں جمع کے قاعدہ پر ہوا تھا جمع کی تعیم حالی اور اصلی کی طرف کر کے بچالی، لیکن آپ سر او یل کے بارے میں کیا کہیں گے جو نہ جمع حالی ہے اور نہ جمع اصلی۔ تو مصنف نے اپنے قول سر او یل اذ لم بصرف کے سے جواب دیا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ سر او یل کے منصرف اور غیر منصرف پڑھے جانے میں اختلاف ہے اکثر لوگوں کی رائے ہے کہ سر او یل غیر منصرف ہے پھر جو لوگ اس کو غیر منصرف پڑھتے ہیں ان میں بھی غیر منصرف پڑھے

جانے کی علت کو لے کر دو نقطہ نظر ہو گئے، ایک جماعت کا خیال ہے کہ سر اویل کو غیر منصرف اس لیے پڑھا جاتا ہے کہ یہ محض صیغہ جمع نہیں ہے، لیکن وہ حکماً جمع ہے، اس لیے کہ یہ عجمی لفظ جب اس کو عربی زبان میں منتقل کیا گیا تو اس کے ہم وزن جیسے انا عیم اور مصابیح وغیرہ غیر منصرف پڑھے جاتے تھے، لہذا اس کو بھی اس کے ہم وزنوں پر محمول کر لیا گیا پس اس میں بھی حکماً جمع کا ثبوت ہو گیا، لہذا صیغہ جمع کے ساتھ جمع ہونا بھی پایا گیا اس کو منصف نے وقیل عجمی حمل علی موازنہ سے بیان کیا ہے۔

اور دوسری جماعت کا کہنا ہے کہ سر اویل اس لیے غیر منصرف ہے کہ یہ عربی لفظ ہے جو سرو الہ کی تقدیراً جمع ہے۔ حاصل اس قول کا یہ ہے کہ جمعیت عام ہے خواہ حقیقی ہو یا تقدیری یعنی اعتباری اور سر اویل اگرچہ حقیقتاً جمع نہیں ہے لیکن وہ جمع اعتباری ہے، اس لیے کہ سر اویل کلام عرب میں غیر منصرف پڑھا جاتا تھا اور کوئی بھی جمع محض صیغہ جمع کی وجہ سے غیر منصرف کا سبب نہیں ہو سکتی تا وقتیکہ جمع نہ ہو، اس لیے اس میں جمع تقدیراً مانی گئی اور کہا گیا کہ یہ سرو الہ کی جمع ہے، لہذا صیغہ جمع کے ساتھ ساتھ جمع ہونا بھی پایا گیا۔

واذ صرف فلا اشکال: اور اگر سر اویل کو غیر منصرف کے بجائے منصرف پڑھا جائے تو پھر کوئی اعتراض ہی نہیں۔

نحو جوار: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ جوار جیسی مثال کا حکم رفعی اور جری حالت میں یا اء کے حذف ہونے اور ثوین کے داخل ہونے میں قاضی کے حکم کی طرح ہے۔

جوار جیسی مثال سے مراد ہر ایسی جمع منقوص ہے جو فاعل کے وزن پر ہو خواہ واوی ہو یا یائی جیسے الدواعی اور الجوارى. معلوم ہونا چاہیے کہ جوار جیسی مثال نصی حالت میں بالاتفاق غیر منصرف ہے جمع ہونے کے ساتھ ساتھ صیغہ جمع ہونے کی وجہ سے اور رفعی اور جری حالت تو اس میں تین مذہب ہیں۔ پہلا مذہب یہ ہے کہ یہ مطلقاً منصرف ہے، خواہ تعلیل سے پہلے ہو یا تعلیل کے بعد۔ تعلیل سے پہلے تو اس لیے منصرف ہے کہ تعلیل کا تعلق جو ہر کلمہ سے ہے، لہذا یہ غیر منصرف پڑھے جانے پر مقدم ہوگا جو کہ کلمہ کے عوارض میں سے ہے۔ اور تعلیل کے بعد تو اس لیے منصرف ہے کہ جمع کے غیر منصرف کا سبب ہونے کی شرط صیغہ جمع منتہی الجموع ہے اور وزن یعنی صیغہ جمع منتہی الجموع تعلیل کے بعد باقی نہیں رہتا، اور دوسرا مذہب یہ ہے کہ جوار جیسی مثال رفعی اور جری حالت میں مطلقاً غیر منصرف ہے، تعلیل سے پہلے تو اس لیے کہ جمع ہونے کے ساتھ ساتھ صیغہ جمع بھی موجود ہے، لہذا جمع کے غیر منصرف کا سبب ہونے کی شرط پائی گئی اور تعلیل کے بعد اس لیے کہ الحذف کا مذکور ہوتا ہے۔ پس تعلیل کے بعد بھی حکماً صیغہ جمع، جمع ہونے کے ساتھ موجود ہے۔ اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ تعلیل سے پہلے منصرف اور تعلیل کے بعد غیر منصرف دلائل او پر مذکور ہو چکے

ہیں۔ البتہ ایک سوال غیر منصرف پڑھنے کی صورت میں وارد ہوتا ہے کہ جب اس جیسی مثال غیر منصرف ہے تو پھر اس پر توین نہیں آنی چاہیے، حالاں کہ اس پر توین داخل ہے؟ جواب یہ ہے کہ اس میں توین توین ممکن نہیں ہے جو کہ ممنوع الداخلہ ہوتی ہے، بلکہ عوض ہے۔

التركيب شرطه العلمية وان لا يكون باضافة ولا اسناد مثل بعلبك.

ترجمہ: - ترکیب اس کی شرط علم ہونا ہے اور یہ کہ وہ ترکیب نہ اضافی ہو اور نہ اسنادی جیسے بعلبک.

توضیح: - سب سے پہلے ترکیب کی تعریف سمجھئے۔ ترکیب سے مراد ہر ایسا مرکب ہے جس میں دو کلموں کو اس طرح ایک کیا گیا ہو کہ دوسرا کلمہ کسی حرف کو متضمن نہ ہو۔

ترکیب کے غیر منصرف کا سبب ہونے کے لیے چند شرطیں ہیں، پہلی شرط یہ ہے کہ وہ علم ہو، تاکہ ترکیب کلمہ کے لیے لازم ہو جائے، کیوں کہ اعلام بقدر امکان تبدیلی سے محفوظ رکھتے ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب ترکیب اضافی نہ ہو، اس لیے کہ اضافت غیر منصرف کو منصرف یا منصرف کے حکم میں کر دیتی ہے، لہذا وہ کسی کلمہ کو غیر منصرف بنانے کے لیے کوئی کردار کیسے ادا کر سکتی ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب ترکیب اسنادی نہ ہو، کیوں کہ وہ اعلام جو اسناد پر مشتمل ہوتے ہیں مبیات کی قبل سے ہیں اور کسی اسم کا منصرف یا غیر منصرف ہونا معرب کے قبیل سے ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب توصیفی نہ ہو، لیکن اس کو مصنف نے ترکیب اضافی میں داخل ہونے کی وجہ سے بیان نہیں کیا، اسی طرح پانچویں شرط کہ وہ ترکیب ترکیب صوتی اور عددی نہ ہو، اس کو بھی بیان اس لیے نہیں کیا کہ اس کا مستقل تذکرہ مبیات کی بحث میں آ رہا ہے، لہذا جب یہ ساری شرطیں کسی ترکیب میں پائی جائیں گی تو وہ ترکیب غیر منصرف کا سبب ہوگی۔ جیسے بعلبک.

الالف والنون ان كانتا في اسم فشرطه العلمية كعمران او صفة فانتفاء فعلاية
وقيل وجود فعلى ومن ثم اختلف في رحمن دون سكران وندمان.

ترجمہ: - الف اور نون اگر وہ دونوں کسی اسم میں ہوں تو اس کی شرط علم ہونا ہے جیسے عمران یا

کسی صفت میں ہوں تو فعلاية کا نہ ہونا شرط ہے اور کہا گیا ہے فعلی کا ہونا شرط ہے، اسی وجہ سے رحمن میں اختلاف ہوا ہے، سکران اور ندمان میں نہیں۔

توضیح: - یہ غیر منصرف کا آٹھواں سبب ہے، یہاں اس بارے میں اختلاف ہے کہ الف و

نون زائدتان کیوں کہ غیر منصرف کا سبب ہیں۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ الف و نون زائدتان غیر منصرف کا سبب اس لیے ہیں کہ یہ دونوں مزیدتان ہیں اور مزید، مزید علیہ کی فرع ہوتا ہے، پس الف و نون زائدتان مزید علیہ کی فرع ہونے کی وجہ سے غیر منصرف کا سبب ہیں جب کہ دوسرے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ دونوں تاء کے قبول نہ کرنے میں الف مقصورہ اور الف ممدودہ کے مشابہ ہیں اور مشبہ، مشبہ بہ کی فرع ہوتا ہے پس

الف ونون زائدتان الف مقصورہ اور ممدودہ کی فرج ہوئے۔ اور یہی فرج ہونا غیر منصرف کے سبب ہونے کی بنیاد ہے۔ اور یہی قوال راجح ہے۔

خیر: کچھ ہو۔ الف ونون زائدتان دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ دونوں کسی اسم میں پائے جائیں گے یا صفت میں۔ پہلی صورت میں علم ہونا ضروری ہے، تاکہ تاء کا دخول اس پر ناممکن ہو جائے جس کی وجہ سے وہ الف مقصورہ و ممدودہ کے مشابہ ہو جائے، کیوں کہ الف مقصورہ اور ممدودہ پر تائے تانیث کا دخول منع ہے۔ جیسے عمران اور اگر صفت میں ہوں تو اس کی شرط کچھ لوگوں کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہو، اس لیے کہ مقصود تاء کے عدم دخول میں الف ونون زائدتان کا الف مقصورہ و ممدودہ کے ساتھ مشابہ ہونا ہے اور یہ بات بغیر انقضاء فعلانۃ کے حاصل نہیں ہوتی ہے، جب کہ دوسرے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ الف ونون زائدتان کے صفت میں ہونے کی صورت میں اس کی مؤنث فعلی کے وزن پر آئی چاہیے، تاکہ تاء کے قبول نہ کرنے میں یہ صفت الف مقصورہ و ممدودہ کے مشابہ ہو جائے۔

بظاہر ایسا لگتا ہے کہ جہاں کہیں مذکورہ صفت کی مؤنث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہوگی وہاں وجود فعلی یعنی فعلی کے وزن پر ہوگی۔ اسی طرح اس کے الٹا۔

بلاشبہ جن صفات کی مؤنث ہوتی ہوگی وہاں ایسا ہی ہوگا، لیکن وہ صفات جن کی سرے سے مؤنث ہی نہیں آتی ظاہری بات ہے کہ وہاں مؤنث نہ ہونے کی وجہ سے انقضاء فعلانۃ کی شرط پائی جا رہی ہے، جب کہ وجود فعلی معدوم ہے، پس ایسے مقامات پر مذکورہ صفت کو پہلے مذہب کی بنیاد پر غیر منصرف پڑھا جائے گا اور دوسرے مذہب کی بنیاد پر منصرف جیسے رحمن کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور چون کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کے خواص سے منزہ ہے، اس لیے اس کی سرے سے کوئی مؤنث ہی نہیں ہے پس اس کی مؤنث کے فعلانۃ کے وزن پر ہونے کا بھی کوئی سوال نہیں ہے اور جب ایسا ہے تو شرط کے پائے جانے کی وجہ سے وہ غیر منصرف ہوگا جب کہ دوسرے مذہب کی بنیاد پر چون کہ اس کی مؤنث فعلی کے وزن پر رحمی نہیں آئی، اس لیے کہ مؤنث ہو تب نہ آئے، لہذا رحمٰن منصرف ہوگا اسی کو و اختلاف سے بیان کیا ہے۔ ہاں سکران دونوں مذہبوں کے مطابق شرط پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہے، کیوں کہ اس کی مؤنث سکری فعلی کے وزن پر آتی ہے جو انقضاء فعلانۃ کو مستلزم ہے۔ اور ندمان بالاتفاق منصرف ہے۔

اس لیے کہ اس کی مؤنث ندمانۃ آتی ہے جو وجود فعلی کے عدم کو مستلزم ہے پس دونوں مذہبوں کے بموجب شرط نہیں پائی جاتی۔

وزن الفعل شرطه ان يختص به كشمّر وضرب او يكون في اوله زيادة كزيادته غير قابل للبناء ومن ثم امتنع احمراً وانصرف يعمل.

ترجمہ:- وزن فعل اس کی شرط یہ ہے کہ وہ وزن فعل کے ساتھ مخصوص ہو جیسے شمر اور ضرب یا اس کے شروع میں فعل کی زیادتی کی طرح کوئی زیادتی ہو اس حال میں کہ وہ تاء کو قبول کرنے والا نہ ہو اور اسی وجہ سے متنوع ہے احمو اور منصرف ہے یعمل۔

توضیح:- اب غیر منصرف کے آخری سبب وزن فعل کو بیان کر رہے ہیں، وزن فعل سے مراد اسم کا ایسے وزن پر ہونا ہے جو وزن فعل کے اوزان میں سے شمار ہوتا ہو۔

وزن فعل کے غیر منصرف کا سبب ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ وزن فعل کے ساتھ مخصوص ہو۔ اور فعل کے ساتھ مخصوص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ وزن اسم میں ابتدائاً نہ پایا جاتا ہو، بلکہ فعل سے منقول ہو کر پایا جاتا ہے۔ جیسے شمر اور ضرب۔ اور اختصاص سے مراد عربی زبان میں خاص ہونا ہے، لہذا بقم اور سلم کو لے کر اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے، کیوں کہ وہ اسمائے مجمئہ میں سے ہیں۔

اور اگر وہ وزن فعل کے ساتھ مخصوص نہیں ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس کے شروع میں حروف مضارع (اتین) میں سے کسی حرف کی زیادتی ہو اور وہ اسم کہ جس کا وزن فعل کے وزن کے ساتھ مخصوص نہیں ہے اور اس کے شروع میں کوئی حرف مضارع ہے تاء کو قبول کرنے والا نہ ہو۔ اور تاء سے مراد وہ تاء قیاسیہ ہے جو حالت وقف میں ہاء سے بدل جاتی ہے۔ اس کی ممانعت اس وجہ سے ہے کہ یہ تاء متحرکہ ہوگی جو اسم کے خواص میں سے ہے، لہذا تاء متحرکہ کے اسم کے آخر میں لاحق ہونے کی وجہ سے اسمیت کی جہت طاقتور اور فعل کی جہت کمزور ہو جائے گا پس مذکورہ اسم کی فعل کے ساتھ مشابہت کمزور پڑے جائے گی جو غیر منصرف پڑھے جانے کی اصل بنیاد ہے۔

یہی وجہ ہے کہ احمو غیر منصرف ہے، کیوں کہ اس میں زیادتی مطلوبہ کے ساتھ ساتھ تاء بھی اس کے آخر کو لاحق نہیں ہے، جب کہ یعمل منصرف ہے، اس لیے کہ بھلے اس میں زیادتی مطلوبہ ہے لیکن وہ تاء کو قبول کرتا ہے، اس لیے کہ اس کی مؤنث یعمل آتی ہے، چنانچہ ناقہ یعملہ بولا جاتا ہے۔

وما فیہ علمیۃ مؤثرۃ اذا نکر صرف لِمَا تَبَيَّنَ مِنْ أَنَّهَا لَا تُجَامِعُ مؤثرۃ اِلَّا مَا هِيَ شَرْطٌ فِيهِ اِلَّا الْعَدْلُ وَوَزْنَ الْفِعْلِ وَهُمَا مُتَضَادَّانِ فَلَا يَكُونُ مَعَهَا اِلَّا احْدَهُمَا فَاِذَا نَكَرَ بَقِيَ بِالْاَسْبَابِ اَوْ عَلٰی سَبَبٍ وَّاحِدٍ۔

ترجمہ:- وہ اسم غیر منصرف کہ جس میں علیت مؤثر ہوتی ہے جب وہ مکرہ بنا لیا جائے تو منصرف ہو جاتا ہے، اس وجہ سے جو ظاہر ہو سکتی ہے یعنی علیت نہیں جمع ہوتی ہے مؤثر ہو کر مگر اس سبب غیر منصرف میں کہ جس میں وہ شرط ہے سوائے عدل اور وزن فعل کے۔ اور وہ دونوں آپس میں ایک دوسری کی ضد ہیں پس نہیں ہوگا علیت کے ساتھ مگر ان میں سے ایک پس جب مکرہ بنا میں گے تو وہ بغیر کسی سبب

کے رہے گا یا ایک سبب پر۔

توضیح:- یہاں سے مصنف یہ بتا رہے ہیں کہ وہ اسم غیر منصرف جس میں علیت مؤثر ہوتی

ہے جب اس کو نکرہ بنا لیا جائے تو منصرف ہو جاتا ہے۔

کسی بھی علم کو نکرہ بنانے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ علم سے اس کی جماعت کا کوئی فرد غیر معین مراد لیا جائے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ علم سے علم والے کا وصف مشہور مراد ہو۔

علم کے کسی اسم میں مؤثر ہونے کی بھی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ علیت سبب کی حیثیت سے مؤثر ہو اور دوسرے یہ کہ علیت دوسرے سبب کے لیے بحیثیت شرط کے مؤثر ہو۔

پہلے کا مطلب یہ ہے علیت کا اس اسم غیر منصرف میں جمع ہونا اس کے محض ایک سبب ہونے کے طور پر ہو وہ کسی دوسرے سبب کی تاثیر کے لیے سبب سہارا اور شرط نہ ہو۔ اور دوسرے کا مطلب یہ ہے کہ علیت اس میں خود بھی مؤثر ہو اور دوسرے کے لیے شرط بھی ہو۔

لما تبين: یہاں سے ما قبل کے دعوے کی دلیل بیان کر رہے ہیں کہ علیت جس اسم غیر منصرف میں سبب محض یا سبب مستقل اور دوسرے سبب کی تاثیر کی شرط کی حیثیت سے پائی جاتی ہے جب اسے نکرہ بنا لیں گے تو وہ منصرف ہو جائے گا۔

تو علیت الف مقصورہ و مددودہ اور جمع منتہی المجموع کے ساتھ جمع نہیں ہوتی، کیوں کہ ان میں کا ہر ایک خود دو سببوں کے قائم مقام ہے پس علیت کا ان میں کوئی کردار نہ ہوگا، نیز علیت وصف کے ساتھ بھی مؤثر ہو کر نہیں پائی جاسکتی اس لیے کہ وصف اور علم میں تضاد ہے۔

البتہ علمت، تانیث لفظی اور معنوی، عجمہ، ترکیب اور الف ونون زائد تان، اذکان تانی اسم میں بحیثیت سبب اور شرط دونوں طرح مؤثر ہوتی ہے اور عدل و وزن فعل میں صرف سبب کی حیثیت سے مؤثر ہو کر پائی جاتی ہے۔

تو اب سنیے کہ وہ اسم غیر منصرف کہ جس میں علیت بحیثیت شرط اور سبب کے لیے مؤثر ہو کر جمع ہے جب اس کو نکرہ بنا لیا جائے گا تو اس میں کوئی سبب باقی نہ رہے گا اور وہ بلا سبب کے منصرف ہو جائے گا۔ اس لیے کہ علیت اس میں خود ایک سبب تھی اور دوسرے سبب کے لیے شرط بھی پس جب علیت ختم ہوگئی تو اس کے ختم ہونے کی صورت میں دونوں سبب بھی ختم ہو گئے اور جس میں علیت بحیثیت سبب کے مؤثر تھی وہ تنگیر کی صورت میں منصرف سبب واحد ہوگا، اس لیے کہ نکارت کی وجہ سے صرف ایک ہی سبب ختم ہوا اور اس کا ایک سبب بدستور باقی ہے جو کہ عدل یا وزن فعل ہوگا۔

اب آخر میں ایک اعتراض اور اس کا جواب سمجھ لو۔ سوال یہ ہے کہ من انہا لا تو جامع الا ما ہی

شرط فیہ الا العدل و وزن الفعل میں ایک مستثنیٰ منہ سے دو مستثنیٰ ہیں اور ان دونوں کے درمیان کوئی حرف عاطف بھی نہیں لایا گیا ہے، حالاں کہ ایک مستثنیٰ منہ سے متعدد استثناء بغیر حرف عاطف کے لائے ہوئے درست نہیں۔ جواب یہ ہے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ مستثنیٰ منہ ایک ہے بلکہ متعدد ہیں، اس لیے کہ پہلا استثناء مجموع اسباب سے ہے اور دوسرا استثناء، استثناء سابق کے بعد ماقبی سے ہے۔ پس اصل عبارت ہوئی انہا لا تجامع مؤثرۃ مع مجموع الأسباب الا ما ہی شرط فیہ ولا تجامع مع غیر ما ہی شرط فیہ الا العدل و وزن الفعل.

وہما متضادان: مذکورہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال کا حاصل یہ ہے کہ ماقبل میں بیان کردہ قاعدہ کلیہ کہ علیت جس اسم غیر منصرف میں سبب یا شرط کی حیثیت سے مؤثر ہو کر پائی جاتی ہے جب اس کو کمرہ بنا لیا جائے گا تو وہ منصرف ہو جائے گا مسلم نہیں ہے، اس لیے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی اسم غیر منصرف ہو علیت اور عدل و وزن فعل کی وجہ سے، لہذا ایسا اسم تو بعد التکثیر بھی دو سببوں کے موجود ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہونے کا حق رکھتا ہے۔ پس قاعدہ سابقہ صحیح نہیں ہے۔

تو مصنف نے اپنے قول و ہما متضادان سے جواب دیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ عدل اور وزن فعل جو کہ آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں اکٹھا ہو جائیں، اس لیے کہ فعل کے اوزان قیاسی ہیں اور عدل کے اوزان غیر قیاسی، لہذا علیت کے ساتھ عدل اور وزن فعل میں سے کوئی ایک ہی پایا جا سکتا ہے۔ پس آپ کا مذکورہ امکان پیدا کرنا دور کی کوڑی لانا ہے۔

فاذا نکر بلا سبب: اس جملہ کی توضیح کا حاصل ماقبل میں مذکور ہو چکا ہے۔

وخالف سیبویہ الاخفش فی مثل احمر علماً اذا نکر اعتباراً للصفة الاصلیة بعد التنکیر ولا یلزمہ باب حاتم لما یلزم من اعتبار المتضادین فی حکم واحد و جمیع الباب باللام او بالاضافة ینجر بالکسر.

ترجمہ:- اور سیبویہ نے بحالت علم احمر جیسی مثال میں اخفش کی مخالفت کی ہے جب کمرہ بنا لیا جائے کمرہ بنا لینے کے بعد صفت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے، اور نہیں لازم ہوتا ہے سیبویہ کو باب حاتم اس وجہ سے کہ دو متضاد چیزوں کا اعتبار ایک ہی حکم میں لازم آتا ہے۔ اور تمام باب اضافت اور لام کی وجہ سے مجرور ہو جاتے ہیں کسرہ کے ساتھ۔

توضیح:- آگے بڑھنے سے پہلے سمجھ لیجئے کہ احمر جیسی مثال سے مراد ہر وہ اسم ہے جس میں علیت سے پہلے وصفیت کے معنی پائے جاتے تھے خواہ وہ فعل کے وزن پر ہو جیسے احمر اور خواہ وہ فعلان کے وزن پر ہو جیسے سکران۔

اب سمجھے! یہ درحقیقت ماقبل میں بیان کردہ قاعدہ سے استثناء ہے کہ جس اسم غیر منصرف میں علیت کسی بھی حیثیت سے مؤثر ہو کر پائی جاتی تھی جب اس کو نکرہ بنا لیں گے تو وہ منصرف ہو جائے گا، البتہ اگر جیسی مثال حالت علم میں نکرہ بنا لینے کے بعد سیبویہ کے نزدیک غیر منصرف ہی رہے گی نکارت کی وجہ سے منصرف نہیں ہوگی۔ سیبویہ کا کہنا یہ ہے کہ ان کلمات کے معنی اصلی وصف کے ہی ہیں، البتہ وصفیت علم ہونے کی وجہ سے ختم ہوگئی تھی تو اب جب کہ علیت نکرہ بنا لینے کی وجہ سے زائل ہوگئی تو وصفیت کے اعتبار کرنے کی راہ میں جو رکاوٹ تھی وہ دور ہوگئی، لہذا اب کوئی وجہ نہیں ہے کہ اگر جیسی مثال میں بعد التکبیر وصفیت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے اسے غیر منصرف نہ پڑھا جائے۔ اب رہی یہ بات کہ اگر کوئی رکاوٹ نہیں ہے تو اعتبار کرنے کا کوئی باعث بھی تو نہیں ہے جب کہ اصل اسماء میں انصراف ہے تو ہم کہیں گے کہ باعث موجود ہے اور وہ اسود اور رقم پر قیاس کرنا ہے، ہلک انخفش کا موقف اس سلسلے میں دوسرا ہے ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر جیسی مثال کو بعد التکبیر بھی وصفیت اصلیہ کا اعتبار کرتے ہوئے غیر منصرف نہیں پڑھا جاسکتا، کیوں کہ قاعدہ ہے الزائل لا یعوذ جب وصفیت ایک بار علیت کی وجہ سے ختم ہوگئی تو اب چاہے علیت رہے نہ رہے وصفیت اصلیہ کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ انخفش کی رائے طاقتور ہے اسی لیے مصنف نے مخالفت کی اسناد سیبویہ کی طرف کی، حالاں کہ وہ استاذ ہیں اور انخفش شاگرد۔ اس لیے بہتر یہی معلوم ہوتا تھا کہ مخالفت کی اسناد بجائے سیبویہ کے انخفش کی طرف ہوتی، لیکن یہ انصاف کے خلاف ہوتا۔ معلوم ہوا کہ اظہار حق کے لیے اگر استاذ کی بھی مخالفت کرنی پڑے تو یہ سوائے ادب کے زمرہ میں نہیں آتا۔

ولا يلزمه باب حاتم: اس عبارت سے مصنف نے اس اعتراض کا جواب دیا ہے جو انخفش کی طرف سے سیبویہ پر کیا گیا ہے۔ اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ اگر جیسی مثال میں نکرہ بنانے کے بعد وصفیت اصلیہ کا اعتبار کیا جاسکتا ہے تو پھر وصفیت کو باب حاتم میں حالت علیت میں بھی معتبر ہونا چاہیے، جب کہ وصفیت حاتم جیسی مثال میں معتبر نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اگر جیسی میں بھی بعد التکبیر وصفیت معتبر نہیں ہے تو مصنف نے اپنے قول ولا يلزمه باب حاتم سے جواب دیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ سیبویہ کے اگر جیسی مثال میں نکرہ بنانے کے بعد وصفیت کے اعتبار کرنے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ وہ باب حاتم میں بھی حالت علم میں وصفیت کا اعتبار کریں، کیوں کہ ایسا کرنے کی صورت میں باب حاتم کے اندر ایک ہی حکم اور ایک ہی لفظ میں دو متضاد چیزوں کا اعتبار کرنا لازم آتا ہے جو کہ غلط بات ہے۔ جب کہ اگر جیسی مثال میں حالت علم میں بعد التکبیر وصفیت کے اعتبار کرنے سے دو متضاد چیزوں کا اعتبار لازم نہیں آتا، کیوں کہ جب تک اگر جیسی مثال علم ہے تو وصف معتبر نہیں اور جب وصف کا اعتبار ہو رہا ہے تب وہ علم نہیں۔

فائدہ:- باب حاتم سے مراد ہر ایسا علم ہے جو بقائے علیت کے ساتھ اصلاً وصف ہو۔

وحمیع الباب باللام: باللام میں الباء سبب کے لیے ہے اور با کا مدخول محذوف ہے یعنی اصل عبارت ہے بدخول اللام اور لام سے مراد لام تعریف ہے، اسی طرح اضافت سے مراد غیر منصرف کا دوسرے کلمہ کی طرف مضاف ہوتا ہے۔

سوال: کسرہ تا کے ساتھ معرب اور مبنی کے القاب کے درمیان مشترک ہے جب کہ کسر بغیر تاہ کے مبنی کے القاب کے ساتھ مخصوص ہے اور ہماری گفتگو معرب کے حرکات کے بارے میں ہو رہی ہے تو حق یہ تھا کہ مصنف بالکسرۃ کہتے؟

جواب یہ ہے کہ کسرہ سے مراد کسرے کی صورت ہے، اس کی حقیقت مراد نہیں ہے۔ لگے ہاتھ ایک بات اور سمجھ لیں کہ کسرہ عام ہے خواہ لفظی ہو یا تقدیری۔ مصنف نے صرف ینجو اس لیے نہیں کہا کہ مجرد ہونا، کبھی فتح کی صورت میں بھی ہوتا ہے حالاں کہ وہ مراد نہیں ہے، اس لیے بالکسر کا اضافہ کیا۔ نیز مصنف نے بنصرف نہیں کہا بلکہ ینجو بالکسر کہا، اس لیے کہ اس اسم غیر منصرف کے منصرف ہونے میں اختلاف ہے، اس سلسلے میں تین جماعتیں ہو گئی ہیں۔ ایک طبقہ کا خیال ہے کہ وہ اسم غیر منصرف کہ جس پر الف لام داخل ہو یا وہ ترکیب میں مضاف واقع ہو۔ وہ مطلقاً منصرف ہو جاتا ہے، خواہ ان کے دخول کے بعد دو سبب باقی ہوں یا باقی نہ ہوں مؤخر الذکر صورت میں منصرف ہونا ظاہر ہے۔ رہی بات پہلی صورت کی تو اس لیے کہ الف لام اور اضافت اسم کے بڑے خواص میں ہیں۔ لہذا ان کے دخول کی صورت میں اسمیت کی جہت فعلیت کی جہت پر غالب ہو جاتی ہے، لہذا فعل کے ساتھ مشابہت کمزور پڑ گئی۔ اور دوسرے بعض لوگوں کے نزدیک یہ مطلقاً غیر منصرف ہیں۔ بہر حال دو سببوں کے ہوتے ہوئے تو غیر منصرف ہونا ظاہر ہے اور دو سببوں کے فوت ہونے کے وقت غیر منصرف ہونا تو اس لیے کہ زوال عارضی کا اعتبار نہیں ہے۔ اور تیسرے طبقہ کی رائے ہے کہ جب دو سبب موجود ہوں تو غیر منصرف، کیوں کہ کوئی بھی اسم معرب دو سببوں کے پائے جانے کی وجہ سے غیر منصرف ہو جاتا ہے اور دو سببوں کے معدوم ہونے کی صورت میں منصرف، وجہ ظاہر ہے۔ جب آپ نے اتنا سن لیا تو اب سنو! کہ منصرف جمع الباب سے یہ کہہ رہے ہیں، کہ وہ غیر منصرف جس پر لام تعریف داخل ہو جائے یا وہ ترکیب میں مضاف واقع ہو تو وہ کسرہ کے ساتھ مجرد ہو جائے گا، اس پر کسرہ کا دخول جومنع تھا، اب اس کی اجازت ہو جائے گی۔

المرفوعات: المرفوعات میں تین احتمال ہیں۔ ۱۔ المرفوعات خبر ہو مبتدا محذوف کی تقدیر عبارت ہوگی لہذا باب المرفوعات ۲۔ خبر محذوف ہو اور تقدیر عبارت ہو المرفوعات ۳۔ وقف کے ساتھ ساکن ہو اس لیے کہ یہ موقع فصل میں واقع ہے۔ اور فصل کے لیے کوئی عمل اعراب نہیں ہوتا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ مرفوعات آٹھ ہیں۔ اور دلیل حصر یہ ہے کہ مرفوع اس کا عامل لفظی ہوگا یا معنوی۔

ثانی پھر دو حال سے خالی نہیں۔ مسند الیہ ہوگا یا مسند اول مبتدا ہے ثانی خبر۔ اور اگر عامل لفظی ہے تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو عامل فعل ہوگا یا حرف اول پھر دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس کی نسبت مرفوع کی طرف علی جہۃ القیام ہوگی یا علی جہۃ الوقوع اول فاعل ہے اور ثانی نائب فاعل اور اگر عامل حرف ہے تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا معمول مسند الیہ ہوگا یا مسند اگر اول ہے۔ تو پھر دو حال سے خالی نہیں۔ یا کلام موجب میں ہوگا یا کلام غیر موجب میں۔ پہلا افعال ناقصہ کا اسم ہوگا سوائے لیس کے اور ثانی ما ولا المشتبهین بلیس اور لیس کا اسم ہوگا اور اگر مسند ہے تو یہ بھی دو حال سے خالی نہیں یا کلام موجب میں ہوگا یا کلام غیر موجب میں اول حروف مشبہ بالفعل کی خبر اور ثانی لائے نفی جنس کی خبر۔

هو ما اشتمل علی علم الفاعلیۃ .

ترجمہ:- مرفوعات وہ اسم ہے جو فاعلیت کی علامت پر مشتمل ہو۔

توضیح:- هو ما اشتمل میں ہو ضمیر کا مرجع یا تو المرفوعات ہوگا یا المرفوع ہوگا۔ اور دونوں احتمالوں کی صورت میں اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اگر المرفوعات کو مرجع قرار دیا جائے تو ضمیر کے مذکر ہونے کی وجہ سے ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں رہتی اور اگر المرفوع کو قرار دیا جائے تو اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے جو درست نہیں لیکن اس کا حل ہے۔ پہلی صورت اس لیے درست ہے کہ ضمیر کا مرجع ہر چند المرفوعات ہے، جو کہ جمع مؤنث سالم ہے پر ضمیر کے لانے میں مرجع کے بجائے خبر کی رعایت کی گئی ہے، اس لیے کہ مشہور ضابطہ ہے اذا دار الضمیر بین المرجع والخبر فرعاية الخبر اولی۔ لہذا المرفوعات کو ہو کا مرجع قرار دینا درست ہے، البتہ المرفوعات کی طرف ضمیر کا لوٹنا ضعیف ہے، کیوں کہ اس صورت میں تعریف افراد کی لازم آتی، حالانکہ تعریف شیء کے ماہیت کی ہوتی ہے۔ اور دوسرا احتمال بھی ٹھیک ہے، کیوں کہ مرجع کے لیے صراحتاً مذکور ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ ضمناً مذکور ہونا کافی ہے پس المرفوع المرفوعات کے ضمن میں مذکور ہے، کیوں کہ المرفوعات اس پر دلالت کرتا ہے اور اتنا مرجع کی صحت کے لیے کافی ہے۔

اب سنیے کہ فاعل اور ملحقات فاعل کی علامت مفردات جمع مؤنث سالم۔ جمع مکسر منصرف اور غیر منصرف میں ضمہ ہے اور تشبیہ میں الف اور اسماء ستہ اور جمع مذکر سالم میں واؤ ہے۔ فاعل کی علامت عام ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً اور ما اشتمل میں ما سے مراد اسم ہے نہ کہ لفظ اور شیء۔

اب سمجھے کہ مرفوع ہر وہ اسم ہے جو فاعل ہونے کی مذکورہ بالا علامتوں میں سے کسی علامت پر مشتمل ہو یعنی اس میں فاعل کی کوئی علامت پائی جائے۔

لمنہ الفاعل وهو ما اسند الیہ الفعل او شبہہ وقدم علیہ علی جہۃ قیامہ بہ مثل قام

زید وزید قائم ابوف۔

ترجمہ :- تو مرفوعات میں سے فاعل ہے اور فاعل وہ اسم ہے جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی اسناد کی گئی ہو اور انحالیکہ وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم پر مقدم ہو اس فعل یا شبہ فعل کے اس اسم کے ساتھ قائم ہونے کے طریقہ پر جیسے قام زید اور زید قائم ابوف۔

توضیح :- من جملہ مرفوعات کے فاعل ہے۔ فاعل کو تمام مرفوعات پر اس لیے مقدم کیا، کیوں کہ فاعل تمام مرفوعات میں اصل ہے اور دیگر مرفوعات اس کے ساتھ ملحق ہیں۔ فاعل کے اصل ہونے کی دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ فاعل جملہ فعلیہ کا جزء ہے۔ اور جملہ فعلیہ خبر دینے میں تمام جملوں میں اصل ہے۔ اس لیے کہ اصل یہ ہے کہ فعل کے ذریعہ ہی خبر دی جائے، کیوں کہ فعل کی وضع اسی مقصد کے لیے ہوئی ہے، بہر حال جب جملہ فعلیہ اصل ہو تو فاعل اس کا جزء ہے، لہذا وہ بھی اصل ہوگا۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ فاعل کا عامل لفظی ہے جب کہ مبتدا کا فاعل معنوی ہے اور لفظی معنوی سے قوی ہوتا ہے اور عامل کی قوت معمول کی قوت پر دلالت کرتی ہے۔ پس فاعل بھی اپنے عامل کی طرح قوی ہوگا۔ معلوم ہوا کہ فاعل مرفوعات میں اصل ہے۔ یہ اہل بصرہ کی رائے ہے۔ اہل کوفہ کا خیال ہے کہ مرفوعات میں مبتدا اصل ہے، ان کی دو دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ مبتدا مسند الیہ کی اصل حالت پر باقی رہتا ہے۔ یعنی تقدیم پر جب کہ فاعل مؤخر ہوتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مبتدا حکم مطلق کے ساتھ محکوم الیہ ہوتا ہے خواہ حکم جامد ہو یا مشتق جیسے زید قائم۔ لہذا حجو بخلاف فاعل کے کہ وہ حکم اشتہالی کے ساتھ صرف محکوم الیہ ہوتا ہے، لیکن چون کہ مصنف کے نزدیک بصریین کا موقف زیادہ مناسب ہے اس لیے اسی کو اختیار کیا اور فاعل کو دیگر مرفوعات پر مقدم کیا۔

اب فاعل کی تعریف سنو۔ فاعل وہ اسم ہے خواہ صریحی ہو یا تاویلی کہ جس کی طرف فعل یا شبہ فعل کی اصالت اسناد کی گئی ہو اور انحالیکہ وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم پر وجوباً مقدم ہو اس اسم کے ساتھ فعل یا شبہ فعل کے قائم ہونے کے طریقہ پر۔ فعل کے قائم ہونے سے مراد یہ ہے کہ فعل، فعل معروف ہو مجہول نہ ہو۔ فاعل کی اس تعریف کا حاصل یہ ہے کہ فاعل کے لیے چند باتیں ضروری ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ اسم ہو خواہ صریحی ہو یا تاویلی۔ دوسرے یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کی اس کی طرف اصالت اسناد ہو۔ تیسرے یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل وجوباً اس پر مقدم ہو۔ چوتھے یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل کی اسناد علی جہۃ القیام ہو علی جہۃ الوقوع نہ ہو۔

سوال: فاعل کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے مات زید اور طال عمرو کا فاعل فاعلیت سے نکل گیا اس لیے کہ قیام سے ذہن قیام بالمعنی الحدوث کی طرف جاتا ہے اور موت اور طول دونوں فاعل سے صادر نہیں ہوتے۔

جواب یہ ہے کہ مراد فعل کے قیام سے اس کا صیغہ معروف ہوتا ہے خواہ وہ فعل فاعل سے صادر ہو یا اس کے ساتھ قائم ہو، پس تعریف اپنے افراد کے لیے جامع ہے۔

و الاصل ان یلی الفعل فلذلک جاز ضرب غلامہ زید و امتنع ضرب غلامہ زیداً.

ترجمہ: - اور اصل یہ ہے کہ فاعل فعل سے متصل ہو پس اسی وجہ سے جائز ہے ضرب غلامہ زید اور امتنع ہے ضرب غلامہ زیداً.

توضیح: - سب سے پہلے سمجھئے کہ اصل یہاں پر راجح اور غالب کے معنی میں ہے۔ ضابطہ اور قاعدہ کے معنی میں نہیں ہے اب اتنی بات جان لینے کے بعد عبارت سمجھئے۔ مصنف اس عبارت سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عام حالت میں فاعل فعل سے متصل ہوتا ہے، بشرطیکہ اتصال فعل کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ فاعل فعل سے متصل اس لیے ہوتا ہے کہ فاعل فعل کے جزء کے درجہ میں لفظاً اور معنی دونوں طرح ہے، لفظاً بمنزلہ جزء کے اس لیے ہے کہ ضوبت وغیرہ میں لام کلمہ ساکن ہو جاتا ہے اور معنی اس لیے کہ فعل بغیر فاعل کے فائدہ نہیں دے گا۔ لہذا جب فاعل فعل کے لیے بمنزلہ جزء کے ہو گیا تو اب مناسب ہے کہ فاعل اس فعل سے متصل ہو جو فاعل کی طرف مندر ہو، البتہ اتصال فعل اور فاعل کا اسی وقت ہوگا جب فعل اور فاعل کے درمیان مفاعیل اور ان کے ملحقات میں سے کوئی چیز حائل نہ ہو۔

اس ضابطہ کی وجہ سے ضوب غلامہ زید کی ترکیب درست ہے اور ضرب غلامہ زیداً کی ترکیب ناجائز ہے۔ پہلی ترکیب اس لیے جائز ہے کہ زید، ضوب کا فاعل ہے جو رتبہ غلامہ مفعول پر مقدم ہے، لہذا اضماع قبل الذکر صرف لفظاً لازم آیا رتبہ نہیں اور یہ درست ہے پس غلامہ کی ضمیر کا زید کی طرف لوٹانا جائز ہو گیا۔ اور دوسری ترکیب اس لیے ناجائز ہے کہ غلامہ فاعل ہے اور فاعل میں اصل فعل سے متصل ہونا ہے پس غلامہ کی ضمیر زید مرجع پر لفظاً اور رتبہ دونوں طرح مقدم ہوگی، لہذا اضماع قبل الذکر دونوں طرح لازم آیا اور یہ درست نہیں ہے۔

وَ اِذَا انْتَفَى الْاَعْرَابُ فِيهِمَا لَفْظًا وَالْقَرِينَةُ اَوْ كَانَتْ مَضمُومًا مُتصلاً اَوْ وَقَعَ مفعولہ بعد اِلاَّ اَوْ معناها و جب تقدیمہ .

ترجمہ: - اور جب اعراب دونوں میں لفظاً نہ ہو اور قرینہ بھی نہ ہو یا فاعل ضمیر متصل ہو یا اس کا مفعول اِلاَّ یا معنی اِلاَّ کے بعد واقع ہو تو فاعل کا مقدم کرنا واجب ہے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ فاعل کا کن کن مواقع پر مقدم کرنا واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب فاعل اور مفعول دونوں میں اعراب لفظاً نہ ہو اور متعین طور پر کسی ایک کے فاعل یا مفعول ہونے پر کوئی قرینہ بھی نہ ہو جیسے ضرب مؤنسی عینسی یا فاعل ضمیر متصل ہو جیسے

ضربتُ زیدًا یا فاعل کا مفعول اِلَّا کے بعد واقع ہو جیسے ضرب زیدًا اِلَّا عمرو یا معنی الا یعنی انما کے بعد واقع ہو جیسے انما ضرب زیدًا عمرو اتوان چاروں صورتوں میں فاعل کی تقدیم مفعول پر واجب ہے۔ پہلی صورت میں فاعل کی تقدیم اس لیے واجب ہے کہ فاعل اور مفعول کے درمیان اشتباہ لازم آئے گا۔ اور دوسری صورت میں اس لیے تاکہ حصر مطلوب فوت نہ ہو جائے، کیوں کہ متکلم کا مقصود زید کی ضاربیت کا عمر یعنی مفعول میں منحصر کرنا ہے، عمرو کے دوسرے شخص کے مضروب ہونے کے امکان کے ساتھ جب کہ فاعل نہ مقدم کرنے کی صورت میں اس کا الٹا ہو جاتا ہے اور چوتھی صورت میں بھی اسی لیے فاعل کی تقدیم واجب ہے، تاکہ حصر مطلوب فوت نہ ہو، اس صورت میں بھی زید کی ضاربیت کا عمر میں انحصار مطلوب ہے، کیوں کہ انما کا حصر ترکیب کے آخری لفظ پر ہوتا ہے۔

فائدہ:- قرینہ عام ہے خواہ لفظی ہو جیسے رأیت عیسیٰ رشدی یا عقلی ہو جیسے اکل الکمثری یحییٰ پہلی صورت میں فعل کی تانیث رشدی کے فاعل اور عیسیٰ کے مفعول ہونے کی نشان دہی کر رہی ہے جب کہ دوسری صورت میں کمثری (ناشاپاتی کا پھل ہونا) اس کے مفعول ہونے کا عقلاً تقاضا ہے۔

نیز فاعل ضمیر متصل ہونے کی صورت میں فاعل کی تقدیم اس وقت واجب ہوگی جب مفعول فعل پر مقدم نہ ہو، بصورت دیگر فاعل مؤخر ہی ہوگا جیسے زیدًا ضربتُ مفعول کے الا کے بعد واقع ہونے کی صورت میں فاعل کی تقدیم اس صورت میں واجب ہوگی جب الا مفعول اور فاعل کے درمیان واقع ہو بصورت دیگر فاعل کی تقدیم واجب نہیں ہے۔ جیسے ما ضرب الا عمروًا وزیدًا۔ ایسا اس لیے ہے کہ حصر الا کے مابعد میں ہی ہوتا ہے۔

و اذا اتصل به ضمیر مفعول او وقع بعد الا او معناها او اتصل به مفعوله وهو غیر متصل وجب تاخیرہ۔

ترجمہ:- اور جب متصل ہو فاعل سے مفعول کی ضمیر یا فاعل واقع ہو الا یا معنی الا کے بعد یا فعل اس کا مفعول متصل ہو در انحالیکہ فاعل غیر متصل ہو تو واجب ہے فاعل کا مفعول سے مؤخر کرنا۔

توضیح:- یہاں سے مصنف ان مواقع کو بیان کر رہے ہیں کہ جہاں پر فاعل کا مفعول سے مؤخر کرنا واجب ہوتا ہے۔ پہلی جگہ یہ ہے کہ جب مفعول کی ضمیر فاعل سے متصل ہو۔ مفعول کی ضمیر کے فاعل سے متصل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فاعل کا مضاف الیہ ضمیر ہو اور اس ضمیر کا مرجع مفعول ہو۔ جیسے واذا ابتلی ابراهیم ربہ تو یہاں پر مفعول کا مقدم کرنا اور فاعل کی تاخیر اس لیے واجب ہے، تاکہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے۔

دوسری جگہ ہے کہ فاعل الّا کے بعد واقع ہو جیسے ما اکل تفاحاً الا خالدٌ اور انما اکل تفاحاً خالدٌ ان دونوں مثالوں میں مفعول کی تقدیم اور فاعل کی تاخیر اس لیے واجب ہے، تاکہ حصر مطلوب بدل نہ جائے، کیوں کہ مطلوب دونوں مثالوں میں یہ ہے کہ سیب کاملاً کول ہونا خالد پر منحصر ہے اس بات کے امکان کے ساتھ کہ سیب کے علاوہ اور بھی چیزیں زید کی ما کول ہوں۔ لیکن اگر فاعل کو مقدم کر دیا جائے تو مطلب اس کے الّا ہو جاتا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ یاد رہے کہ یہاں پر بھی فاعل الّا کے بعد واقع ہونے کا مطلب الّا کا فاعل اور مفعول کے درمیان واقع ہونا ہے ورنہ بصورت دیگر فاعل کی تقدیم سے مطلوب فوت نہیں ہوگا۔ جیسے ما اکل الا خالد تفاحاً۔ تیسری جگہ فاعل کی تاخیر واجب ہوئی کہ جب مفعول فعل سے متصل ہو اور فاعل غیر متصل ہو جیسے ضربك زیداً ایسا اس لیے ہے کہ فاعل کی تقدیم بغیر مفعول کو فعل سے جدا کیے ہوئے ممکن نہیں اور ظاہری بات ہے کہ ایسی صورت میں ہی متصل کا منفصل ہونا لازم آئے گا، جو کہ درست نہیں ہے۔

وقد يُحذف الفعل لقيام قرينة جوازاً في مثل زيد لمن قال من قام شعر:

وليبك يزيد ضارع لخصوصة ومختبط مما تطيح الطوائح.

ترجمہ: اور کبھی حذف کر دیا جاتا ہے فعل قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے جوازاً زید جیسے میں اس شخص کے لیے کہ جس نے کہا من قام اور لیبك زید ضارع الیخ جیسے میں۔

توضیح: اصل عبارت کے مطلب سے پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ قد تفتیل کے لیے ہے اور جوازاً جانزاً کے معنی میں ہے جو مجازاً مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اصل عبارت ہے حذفاً جانزاً۔ شعر کا ترجمہ ہے: اور چاہیے کہ زید رو دیا جائے یعنی بے بس آدمی جھگڑے کی وجہ سے روئے اور بغیر ویلے کے مانگنے والا مسکین روئے جس کو حوادث زمانہ نے ہلاک کر دیا ہے۔

اب عبارت کا مطلب سماعت فرمائیے، کہ کبھی فعل کو قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے حذف کر دیتے ہیں جیسے زید میں جو کہ اس شخص کے جواب میں واقع ہے جس نے من قام کہا۔ فعل کو حذف کر دیا گیا ہے۔ قرینہ سائل کا سوال ملفوظ ہے جو جواب میں وجود فعل پر دلالت کرتا ہے۔ پس سوال خواہ ملفوظ ہو جیسے مثال مذکور میں ہے۔ اور خواہ سوال مقدر ہو۔ جیسے ولیبک زید ضارع لخصوصة میں ہے۔ اس شعر میں ضارع فاعل ہے جو محل استدلال ہے کہ جس کا فعل سوال مقدر من یسکھی کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے، کیوں کہ سوال مقدر ضارع کے وجود فعل پر دلالت ہے۔ ایک بات اور یاد رہے کہ یہاں فعل سے مراد ہر وہ چیز ہے جو فاعل کو رفع دینے والی ہو خواہ فعل ہو یا شبہ فعل صرف فعل کا تذکرہ یہاں اصالت ہے۔

ووجوباً فی مثل وان احد من المشركين استجارك. وقف يُحذفان معاً فی مثل نعم لمن قال اقام زید.

ترجمہ:- اور وجوباً حذف کیا جاتا ہے وان احد من المشركين استجارك جیسی مثال میں اور کبھی فعل فاعل ساتھ میں حذف کر دیئے جاتے ہیں نعم جیسے میں اس شخص کے جواب میں جس نے کہا اقام زيد .

توضیح:- وجوباً واجباً کے معنی میں ہے۔ جو جواز پر معطوف ہے، یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کبھی فعل کو قرینہ اور قائم مقام کے پائے جانے کی وجہ سے وجوباً حذف کر دیا جاتا ہے وان احد من المشركين استجارك جیسی مثال سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں فاعل کو رفع دینے والے فعل کو حذف کر دیا گیا ہو۔ اور حذف شدہ ابہام کی دوسرے فعل سے تفسیر کی گئی ہو۔ قرینہ اس مثال میں ان شرطیہ کا داخل ہونا ہے، اس لیے کہ ان حرف شرط فعل پر وجوباً داخل ہوتا ہے اور یہاں فعل لفظاً نہیں ہے۔ معلوم ہوا فعل مقدر ہے اور قائم مقام مفسر استجارك ہے تقدیر عبارت ان استجارك احد من المشركين استجارك تو یہاں استجارك اول کو قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے وجوباً حذف کر دیا گیا اور استجارك ثانی قائم مقام ہو گیا، تاکہ بے ضرورت مفسر اور مفسر کا اجتماع لازم نہ آئے۔

اور کبھی ایسا ہوتا کہ قرینہ کے پائے جانے کی وہ سے نہ صرف فعل بلکہ فاعل کو بھی جوازاً حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے نعم اس شخص کے جواب میں جس نے اقام زيد کیا۔ تو یہاں دونوں کا حذف درست ہے، کیوں کہ قرینہ سائل کا سوال موجود ہے، البتہ واجب نہیں، اس لیے کہ قائم مقام نہیں ہے، کیوں کہ نعم دونوں کا قائم مقام نہیں بن سکتا ہے، اس لیے کہ نعم حرف غیر مستقل ہے اور فعل و فاعل مستقل ہیں۔ اور غیر مستقل مستقل کا قائم مقام نہیں ہو سکتا ہے۔

واذ تنازع الفعلان ظاهراً بعدهما لقد يكون في الفاعلية مثل ضربني واكرمني زيد. وفي المفعولية مثل ضربت واكرمت زيدا وفي الفاعلية والمفعولية مختلفين.

ترجمہ:- جب دو فعل تنازع کریں کسی ایسے اسم ظاہر میں جو ان دونوں کے بعد ہو تو تنازع کبھی فاعلیت میں ہوگا جیسے ضربنی واكرمني زيد اور کبھی مفعولیت میں ہوگا۔ جیسے ضربت واكرمت زيدا اور کبھی فاعلیت اور مفعولیت میں ہوگا در انحالیکہ تقاضے مختلف ہوں (پہلا فاعل کا تقاضا کرے اور دوسرا فعل مفعول کا جیسے ضربنی واكرمت زيدا یا پہلا فعل مفعول کا تقاضہ کرے دوسرا فعل فاعل کا تقاضہ کرے جیسے ضربت واكرمني زيد .

توضیح:- سب سے پہلے آپ یہ سمجھئے کہ تنازع کے معنی کیا ہیں؟ تنازع لفظ کہتے ہیں کسی چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا۔ اور اصطلاح میں کہتے ہیں دو عاملوں کا بحسب المعنی ایسے اسم کی طرف متوجہ ہونا جو دونوں عاملوں کی علی سبیل البدل معمول بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ پس اس تعریف

سے معلوم ہو گیا کہ فعلین عاملین کے معنی میں ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ فعلین ہی کو کیوں بیان کیا جواب یہ ہے کہ فعلان کا تذکرہ اصالت فی العمل کی وجہ سے کیا۔ ایک بات اور دھیان رہے کہ فعلان بطور حصر مذکور نہیں بلکہ یہ بتانے کے لیے کہ تنازع کے ثبوت کے لیے کم از کم دو عامل ضروری ہیں اور زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ اب سنیے کہ تنازع ایسے اسم ظاہر میں ہوگا جو دونوں عاملوں کے بعد واقع ہو، مصنف نے ظاہر کی قید اس لیے لگائی کہ اگر دونوں عاملوں کے بعد ضمیر متصل ہو تو فعل ثانی کا معمول ہونا متعین ہے۔ اس لیے کہ وہ فعل ثانی کا جزء ہوگا اور دونوں فعلوں میں سے کسی کو دوسرے کے جزء پر عمل دلانا درست نہیں۔ حاصل یہ نکلا کہ ضمیر متصل کی صورت میں تنازع متحقق نہیں ہو پائے گا اور اگر ضمیر متصل ہے، جیسے ماضرب و اکوم الا انا پس اس وقت اگرچہ تنازع ممکن ہے لیکن رفع تنازع ممکن نہیں ہے، اس لیے کہ چاہے دونوں میں سے جس کو عمل دلاؤ دو حال سے خالی نہیں ضمیر یا تو مع الا کے لاؤ گے یا بغیر الا کے تو پہلی صورت میں حرف کا احوال لازم آئے گا اور دوسری صورت میں تضاد لازم آئے گا۔

بعدہما کی قید سے احتراز ہو گیا اس اسم سے جو دونوں عاملوں پر مقدم ہو یا دونوں کے وسط میں واقع ہو، کیوں کہ اس صورت میں پہلے فعل کا عمل طے ہے، اس لیے کہ وہ دوسرے سے پہلے عمل کا حق دار ہو جائے گا۔ بہر حال جب تنازع دو عاملوں کا کسی ایسے اسم ظاہر میں ہو جو ان دونوں کے بعد واقع ہو رہا ہے، تو اس کی چار صورتیں ہیں جو اوپر ترجمہ میں مذکور ہیں، آگے بڑھنے سے پہلے ایک سوال اور اس کا جواب بھی سمجھ لیجیے۔

سوال یہ ہے کہ جب تنازع دو فعلوں کا فاعلیت اور مفعولیت میں ہوگا، تو دونوں من حیث الاقتضاء مختلف ہی ہوں گے اس کے کہنے کی کیا ضرورت ہے۔

جواب دو فعلوں کا تنازع بین الفاعلیۃ والمفعولیۃ دو قسموں پر ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ دونوں فعلوں کا تقاضا ایک ہو جب کہ تنازع فیہ متعدد ہو۔ جیسے ضرب و اهان زیداً عمرواً۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ دونوں فعلوں کا تقاضا مختلف ہو، لیکن تنازع فیہ واحد یعنی ایک ہو جیسے ضربنی و اکومت زیداً پس مصنف کا قول مختلفین اس بات کو بتانے کے لیے ہے کہ یہاں پر دوسری صورت مراد ہے۔

فِيخْتَارَ البصريون اعمالَ الثَّانِي وَالْكَوْفِيُّونَ الْاَوَّلَ فَاِنْ اَعْمَلْتَ الثَّانِي اَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الْاَوَّلِ عَلِيٌّ وَفِي الظَّاهِرِ دُونَ الْحَذْفِ خِلَافاً لِلْكَسَانِي وَجَازَ خِلَافاً لِلْفَرَّاءِ اَحْذَلْتَ الْمَفْعُولَ اِنْ اسْتغْنِي عَنْهُ وَالْاَ اَظْهَرَتْ .

ترجمہ :- پس بصری دوسرے فعل کے عمل دینے کو پسند کرتے ہیں اور کوئی لوگ کہتے ہیں کہ پہلے کا عمل بہتر ہے پس اگر عمل دیا تو نے دوسرے کو تو ضمیر لے آ فاعل کی پہلے میں اسم ظاہر کے موافق نہ کہ حذف اختلاف کرتے ہوئے کسائی سے اور جائز ہے، مخالفت کرتے ہوئے فراء کی اور حذف کر دے تو

مفعول کو اگر اس کی ضرورت نہ ہو ورنہ ظاہر کر دے تو۔

توضیح:۔۔ باب تنازع کی چار صورتیں آپ نے پڑھی ہیں، چاروں صورتوں میں دونوں فعلوں کو عمل دینا جائز ہے یا ناجائز اس بارے میں دو گروہ ہیں۔ پہلا گروہ شحاذہ بصرہ و کوفہ کا ہے۔ جو چاروں صورتوں میں فعلوں کا عمل درست مانتے ہیں۔ جس کو مصنف نے و جاز سے بیان کیا ہے۔ دوسرا گروہ فراء کا ہے جو دوسری اور چوتھی صورت میں تو دونوں کے عمل کے قائل ہیں لیکن پہلی اور تیسری صورت میں دوسرے فعل کے عمل دلانے کو رو انہیں سمجھتے اسی کو مصنف نے خلافا للفراء سے بیان کیا ہے اور یہی اس کا مطلب ہے اب فراء کی دلیل سنئے۔

فراء کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جب آپ دوسرے فعل کو عمل دیں گے جب کہ پہلا فعل فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو رفع تنازع کے لیے پہلے فعل میں فاعل کا ذکر تو بالاتفاق ناجائز ہے۔ اس لیے کہ تکرار لازم آئے گا جو کہ فصاحت کے خلاف ہے۔ اب دوسری صورتیں یہی ہیں فاعل کا حذف یا ضمیر لانا تو دونوں ناجائز ہیں۔ اس لیے کہ پہلی صورت میں عمدہ کا حذف اور دوسری صورت میں اضماع قبل الذکر لازم آتا ہے پس معلوم ہوا کہ پہلی اور تیسری صورت میں دوسرے فعل کو عمل دلانا منع ہے اور پہلے فعل کو عمل دلانا متعین۔ یہ تو بات ہوئی فراء کی۔ اب پھر چلیے جمہور کی طرف تو جمہور میں اہل بصرہ اور اہل کوفہ کا اس بارے میں اختلاف ہو گیا کہ دونوں میں سے کس کو عمل دلانا بہتر ہے دوسرے کے جواز کے ساتھ۔ تو بصریوں کے نزدیک قرب و جوار کا لحاظ کرتے ہوئے دوسرے فعل کو عمل دلانا اولیٰ ہے۔ اور کوفیوں کے نزدیک الاقدم فالاقدم کا اعتبار کرتے ہوئے پہلے کو عمل دلانا بہتر ہے۔

لیکن چون کہ مصنف کو بصریوں کا مذہب زیادہ پسند ہے، اس لیے وہ پہلے بصریوں کے مذہب کو بیان کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں اگر آپ بصریوں کے مذہب کے مطابق دوسرے فعل کو عمل دیں تو سب سے پہلے دیکھئے کہ پہلا فعل تقاضہ کا ہے یا کر رہا ہے اگر وہ فعل فاعل کا تقاضہ کر رہا ہے تو پہلے فعل میں فاعل کی ضمیر لے آئیں۔ جو اسم ظاہر کے موافق ہو، کیوں کہ رفع تنازع کی تین ہی صورتیں ہیں فاعل کا حذف۔ فاعل کی ضمیر۔ فاعل کا ذکر۔ تو اگر فعل کو حذف کر دیا جائے تو فاعل کا حذف جو کہ عمدہ ہے بغیر قائم مقام لازم آئے گا۔ اور اگر ذکر کیا جائے تو فاعل کا تکرار لازم آئے گا جو کہ خلاف فصاحت ہے، لہذا یہ دونوں صورتیں تو چلنے سے رہیں۔ پس ضمیر کا لانا ضرور متعین ہو گیا۔ اب رہی یہ بات کہ اضماع قبل الذکر لازم آئے گا تو عمدہ میں بشرط تفسیر جائز ہے لیکن کسائی کا اس میں اختلاف ہے۔ کسائی کہتے ہیں کہ جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے فاعل کو تو حذف کیا جاسکتا ہے لیکن پہلے فعل میں ضمیر نہیں لائی جائے گی کیوں کہ بقول کسائی اضماع قبل الذکر بہر صورت ناجائز ہے۔ کسائی کے اسی نظریہ کو مصنف نے خلافاً للكسائی سے بیان کیا ہے۔ خیر یہ تو تفصیل ہوئی

جب پہلا فعل فاعل کا تقاضہ کرتا ہو لیکن جب پہلا فعل مفعول کا تقاضا کرتا ہو اور پہلا فعل افعال قلوب میں سے نہ ہو تو رفع تنازع کے لیے مفعول کو محذوف مانا جاسکتا ہے، کیوں کہ وہ فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف درست ہے۔ ضمیر اور ذکر کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی گنجائش ہے، کیوں کہ یہاں عمدہ میں بشرط تفسیر کا فائدہ اضماع قبل الذکر سے بچاؤ کے معاملہ میں نہیں مل سکے گا۔ اور اگر پہلا فعل افعال قلوب میں سے ہے تو مفعول کو ظاہر کرنا پڑے گا، کیوں کہ اگر پہلے کی طرح پہلے فعل کے مفعول کو حذف کر دیتے ہیں، تو افعال قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک کا حذف لازم آئے گا جو درست نہیں ہے۔ جیسے حسینی منطلقاً و حسبت زیداً منطلقاً۔
وَأَنْ أَعْمَلْتَ الْأَوَّلَ أَضْمَرْتَ الْفَاعِلَ فِي الثَّانِي وَالْمَفْعُولَ عَلَى الْمُخْتَارِ إِلَّا أَنْ يَمْنَعَ مَانِعٌ فَتُظْهِرُ.

ترجمہ: - اور اگر تو پہلے فعل کو عمل دے تو فاعل کی ضمیر دوسرے فعل میں لے آ۔ اور مفعول کی ضمیر پسندیدہ قول کے مطابق دوسرے فعل میں لے آ۔ مگر یہ کہ کوئی مانع منع کرے تو مفعول کو دوسرے فعل میں ظاہر کر دے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف کو فیوں کے مسلک کو بیان کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر آپ نے پہلے فعل کو عمل دلایا تو یہ دیکھئے کہ دوسرا فعل کس چیز کا تقاضہ کرتا ہے، تو اگر فاعل کا تقاضہ کرتا ہے تو فاعل کی ضمیر اسم ظاہر کے موافق دوسرے فعل میں لے آؤ، کیوں کہ فاعل کا ذکر بالاتفاق منع ہے اور حذف بھی بلا قائم مقام درست نہیں تو اب فاعل کی ضمیر متعین ہے اور اضماع قبل الذکر کا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے، کیوں کہ اسم ظاہر اول فعل کا معمول ہونے کی وجہ سے رتبہ دوسرے فعل پر گویا مقدم ہو چکا گو لفظوں میں دونوں کے بعد ہے۔

اور اگر دوسرا فعل مفعول کا تقاضہ کرتا ہو اور افعال قلوب میں سے نہ ہو تو دو صورتیں جائز ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ دوسرے فعل کے مفعول کو حذف کر دیجیے، کیوں کہ مفعول فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف درست ہے، جب کہ ذکر کی بالاتفاق تکرار کی وجہ سے گنجائش نہیں اور دوسری صورت مفعول کی ضمیر لانا ہے جیسے ضربت و اکرمته زیداً ضمیر لانا اس لیے درست ہے کہ اضماع قبل الذکر لازم نہیں آ رہا ہے مزید یہ وہم بھی نہیں رہتا کہ فعل ثانی کا مفعول فعل اول کے مفعول یعنی مفعول مذکور کے خلاف ہے، اس لیے مصنف کے نزدیک ضمیر کا لانا افضل ہے۔

اور اگر دوسرا فعل افعال قلوب میں سے ہو تو مفعول کا ذکر کرنا ضروری ہے جیسے حسینی و حسبتہا منطلقین الزیدان منطلقاً یہاں مفعول کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ جھگڑا ختم کرنے کی وہی تین صورتیں ہیں حذف، اضماع، ذکر۔ پس اگر دوسرے فعل کے مفعول کو حذف کرے جب کہ وہ افعال قلوب میں سے ہے تو افعال قلوب کے دو مفعولوں میں سے ایک کا حذف لازم آئے گا اور یہ ناجائز ہے۔ اور اگر دوسرے فعل

میں مفعول کی ضمیر لاتے ہیں تو ضمیر دو حال سے خالی نہیں یا تو مفرد کی ضمیر لائیں گے یا تثنیہ کی، پہلی صورت میں فعل ثانی کے دونوں مفعولوں کے درمیان واحد اور تثنیہ ہونے میں مطابقت نہ ہوگی جیسے حسینی و حسبتھا ایاه الزیدان منطلقا۔ جب کہ دوسری صورت میں ضمیر اور مرجع کے درمیان مطابقت نہیں رہتی کیوں کہ دوسرے فعل کا مفعول ثانی کی ضمیر پہلے فعل کے مفعول ثانی کی طرف لوٹے گی، جو کہ واحد ہے جیسے حسینی و حسبتھا ایاهما الزیدان منطلقا پس ذکر تثنیہ ہو گیا جیسے کہ اوپر مثال مذکور ہو چکی ہے۔

وقول امرء القیس ع کفانی ولم اطلب قليل من المال ÷ ليس منه لفساد المعنى
ترجمہ :- اور امرء القیس کا قول کفانی ولم اطلب من المال نہیں ہے باب تنازع سے معنی کے فاسد ہونے کی وجہ سے۔

توضیح :- کوئیوں نے پہلے فعل کے عمل دلانے کی افضلیت پر امرء القیس کے مذکورہ بالا شعر سے استدلال کیا کہ دیکھو کفانی اور لم اطلب نے تنازع کیا۔ کفانی نے چاہا کہ قليل من المال کو اپنا فاعل بنا لے اور لم اطلب نے اس کو اپنا مفعول بنا لینا چاہا۔ لیکن شاعر نے پہلے فعل کو عمل دلاتے ہوئے قليل کو مرفوع پڑھا، پس معلوم ہوا کہ پہلے فعل کو عمل دینا زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ امرء القیس فصیح ہے اور فصیح آدمی فصیح لغت ہی استعمال کرتا ہے۔

تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بصریوں کی جانب سے اپنے قول ليس منه لفساد المعنى سے اس کا جواب دیا کہ شعر باب تنازع سے ہے ہی نہیں، کیوں کہ اگر اس کو باب تنازع سے مانا جاتا ہے تو شعر کے معنی فاسد ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ اس شعر کا پہلا مصرعہ ہے ولو انما اسعنى لادنى معيشة۔ پہلے مصرعہ میں لو ہے لو انتفاع ثانی کے لیے انتفاع اول کی وجہ سے آتا ہے تو لو اگر مثبت پر داخل ہوتا ہے تو اس کو منفی کر دیتا ہے اور اگر منفی پر داخل ہوتا ہے تو اس کو مثبت کر دیتا ہے اور اس کے ساتھ ایک بات اور ہے کہ جو حکم لو کے جواب کا ہوتا ہے وہی لو کے جواب کے معطوف کا ہوتا ہے، جب بات یہ ہے تو اب ہم کہتے ہیں کہ اگر کفانی اور لم اطلب، قليل من المال میں تنازع کرتے ہیں تو من حیث المعنى اجتماع نقیضین لازم آئے گا۔ اس لیے کہ شاعر کا قول انما اسعنى لادنى معيشة مثبت ہے، پس وہ لو کے داخل ہونے کے بعد منفی ہو جائے گا تو اب اس کی کوشش ادنی معيشة کے لیے نہ ہوگی۔ تو وہ قليل من المال کا طالب بھی نہیں ہوگا اور جب لم اطلب قليل من المال معطوف ہونے کی وجہ سے لو کے جواب کے حکم میں ہے۔ تو وہ مثبت ہو جائے گا۔ تو اب وہ قليل من المال کا طالب بھی ہو جائے گا اور یہی اجتماع نقیضین ہے، اس لیے کہ ایک طرف تو وہ تھوڑے مال کا طالب نہیں اس کا سامی نہ ہونے کی وجہ سے اور دوسری طرف اس کا خواستگار بھی ہے۔ اور اجتماع نقیضین محال ہے پس معلوم ہوا کہ شعر باب تنازع سے ہے ہی نہیں بلکہ الم

اطلب کا مفعول الملك والمجد ہے جو محذوف ہے اور جس پر اگلا شعر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ہے
ولكنما اسعى لمجد مؤنث وقد يدرك لك المجد المؤنث امثالي.

مفعول مالم يسم فاعله كل مفعول حذف فاعله واقيم هو مقامه وشرطه ان تغير
صيغة الفعل الي فعل او يفعل.

ترجمہ:- مفعول مالم يسم فاعله ایسا فاعل ہے جس کے فاعل کو حذف کر دیا گیا ہو۔ اور
مفعول کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہو، اور اس کی شرط یہ ہے کہ فعل کا صیغہ فعل یا يفعل کی طرف بدل
جائے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف مرفوعات کی دوسری قسم نائب فاعل کو بیان کر رہے ہیں۔ نائب
فاعل کی تعریف سننے سے پہلے چند باتیں سن لیجیے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ لم یسم فاعله لم یدکر فاعله
کے معنی میں ہے۔ دوسری بات فاعل کی مفعول کی طرف اضافت ادنی تعلق کی وجہ سے ہے۔ تیسری بات
مفعول کے فاعل کے قائم مقام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب فعل کی اسناد بجائے فاعل کے مفعول کی طرف
ہوگی اور آخری بات یہ ہے کہ یہاں فاعل سے مراد فاعل نحوی ہے فاعل حقیقی نہیں ہے۔

اب سنیے تعریف۔ نائب فاعل ایسے مفعول کو کہتے ہیں جس کے فاعل کو حذف کر کے مفعول کو اس کا
قائم مقام بنا دیا گیا ہو۔ فاعل کے حذف اور مفعول کے اس کے قائم مقام ہونے کی شرط یہ ہے کہ صیغہ
معروف صیغہ مجہول سے بدل جائے خواہ وہ کسی بھی باب سے ہو اور کوئی بھی فعل ہو یہ تفصیل اس وقت ہے
جب نائب فاعل کا عامل فعل ہو اور جب اس کا فاعل شبہ فعل ہو تو اس کی شرط صیغہ اسم فاعل کا اسم مفعول
ہو جانا ہے۔ فاضل مصنف کی فَعَلَ سے فَعِلَ اور يُفَعَلُ سے بدل جانے کا یہی مطلب ہے کہ فَعِلَ سے
مراد ماضی مجہول اور يُفَعَلُ سے مراد مضارع مجہول ہے۔

اب ایک فائدہ اور سمجھ لیجیے کہ مصنف نے فَعِلَ اور يُفَعَلُ کا انتخاب اس لیے کیا کہ نائب فاعل کے
معنی انوکھے کے ہیں، تو اس کے لیے انوکھے وزن کا بھی انتخاب کیا، تاکہ لفظ کا انوکھا پن معنی کے انوکھے پن
پر دلالت کرے۔

ولا يقع المفعول الثاني من باب عَلِمْتُ والثالث من باب اعلمتُ والمفعول له
والمفعول معه كذلك.

ترجمہ:- اور نہیں واقع ہوتا ہے باب علمت کا دوسرا اور باب اعلمت کا تیسرا مفعول
نائب فاعل اور مفعول له اور مفعول معه بھی نائب فاعل نہیں ہو سکتا۔

توضیح:- یہاں سے مصنف ان مقامیل کو بتا رہے ہیں جو نائب فاعل نہیں بن سکتے، چنانچہ

فرماتے ہیں کہ باب علمت کا دوسرا مفعول اور باب اعلمت کا تیسرا مفعول نائب فاعل نہیں ہو سکتا۔ باب علمت کا دوسرا مفعول نائب فاعل اس لیے نہیں ہو سکتا کہ اس کا مفعول ثانی اس کے مفعول اول کی طرف ہمیشہ اسناد تام کے ساتھ مسند ہوتا ہے، کیوں کہ یہ دونوں اصل میں مبتدا اور خبر ہیں، پس اگر دوسرا مفعول فاعل کی جگہ میں واقع ہو جائے یعنی نائب فاعل بن جائے تو اس کا ایک ہی حالت میں مسند اور مسند الیہ ہونا لازم آئے گا، جو کہ درست نہیں اسی طرح باب اعلمت کا تیسرا مفعول نائب فاعل نہیں ہو سکتا اس کے نائب فاعل نہ ہونے کی دلیل بعینہ وہی ہے جو باب علمت کے دوسرے مفعول کی ہے۔ نیز مفعول نہ اور اور مفعول معہ بھی نائب فاعل نہیں بن سکتے۔ یاد رہے کہ مفعول نہ سے مراد وہ مفعول نہ ہے جو بغیر لام کے ہو۔ مفعول گم اس لیے نائب فاعل نہیں بن سکتا کہ اس کا نصب اس کے مفعول کی خبر دیتا ہے تو اگر نائب فاعل بنا دیا جائے تو نصب ختم ہو جائے گا جو کہ مفعول نہ ہونے کی علامت ہے۔ اور مفعول معہ تو اس لیے نائب فاعل نہیں بن سکتا ہے کہ مفعول معہ یا تو واؤ کے ساتھ نائب فاعل بنا لیں گے یا بغیر واؤ کے۔ واؤ کے ساتھ تو نائب فاعل نہیں بنا سکتے، اس لیے کہ واؤ انفصال کی دلیل ہوتا ہے جب کہ فاعل فعل کے جزء کے درجہ میں ہوتا ہے اور اگر بغیر واؤ کے فاعل کا قائم مقام بنایا جائے تو ایسی صورت میں اس کا مفعول معہ ہونا معلوم نہیں ہوگا اور اس کی حقیقت تبدیل ہو جائے گی۔

وَإِذَا وَجِدَ الْمَفْعُولَ بِهِ تَعَيَّنَ لَهُ تَقْوُلُ ضَرْبٍ زَيْدٌ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِمَامَ الْأَمِيرِ ضَرْبًا شَدِيدًا فِي دَارِهِ فَتَعَيَّنَ زَيْدٌ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَالْجَمْعُ سَوَاءً وَالْأَوَّلُ مِنْ بَابِ أَعْطَيْتُ
اولی من الثانی۔

ترجمہ: اور جب مفعول بہ پایا جائے تو فاعل کے قائم مقام ہونے کے لیے متعین ہے تم کہو ضرب زید یوم الجمعہ امام الامیر ضربا شدیداً فی دارہ پس زید متعین ہو گیا پس اگر نہ ہو مفعول بہ تو سب برابر ہیں۔ اور اعطیت کا پہلا مفعول زیادہ بہتر ہے دوسرے کے مقابلہ میں۔

توضیح:۔ یہاں سے مصنف یہ بتا رہے ہیں کہ جب مفعول بہ کلام میں ان مفاعیل کے ساتھ پایا جائے جو نائب فاعل ہو سکتے ہیں تو مفعول بہ کا نائب فاعل ہونا متعین ہے، کیوں کہ تمام کے مقابلہ مفعول بہ فاعل کے زیادہ مشابہ ہے، اس بات میں کہ فعل سمجھنا دونوں پر موقوف ہوتا ہے، چنانچہ ضرب مثال کے طور پر جیسے اس کا سمجھنا ضارب کے بغیر ممکن نہیں ٹھیک اسی طرح مضروب کے بغیر بھی اس کا سمجھنا ممکن ہے۔ مصنف نے اس ضابطہ مذکورہ کی مثال ضرب زید یوم الجمعہ امام الامیر ضربا شدیداً فی دارہ سے دی ہے اس میں زید مفعول بہ ہے جس کو نائب فاعل بنایا گیا ہے۔

اور اگر کلام میں مفعول بہ کے علاوہ دیگر ایسے مفاعیل ہوں، جو فاعل کے قائم مقام ہو سکتے ہیں تو پھر

نائب فاعل ہونے میں سب برابر ہیں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہیں ہے۔

وَالْأَوَّلُ مِنْ بَابِ اعْطَيْتُ أُولَى مِنَ الثَّانِي: اور باب اعطيت کا مفعول اول نائب فاعل ہونے کے بارے میں باب اعطيت کے دوسرے مفعول سے زیادہ بہتر ہے، اس لیے کہ مفعول اول میں فاعلیت کے معنی بلحاظ دوسرے کے زیادہ ہیں۔ باب اعطيت سے مراد ہر ایسا فعل ہے جو دو مفعولوں کی طرف متعدی ہو اور ان میں کا پہلا دوسرے کا غیر ہو۔

وَمِنْهَا الْمَبْتَدَأُ وَالْخَبْرُ. فَالْمَبْتَدَأُ هُوَ الْأَسْمُ الْمَجْرُودُ عَنِ الْعَوَامِلِ اللَّفْظِيَّةِ مَسْنَدًا إِلَيْهِ أَوْ الصِّفَةُ الْوَاقِعَةُ بَعْدَ حَرْفِ النِّفْيِ أَوْ الْفِ اسْتِفْهَامِ رَالْعَةِ لظَاهِرٍ مِثْلَ زَيْدٌ قَائِمٌ وَمَا قَائِمُ الزَّيْدَانِ وَأَقَائِمُ الزَّيْدَانِ فَإِنَّ طَابَقَتْ مَفْرَدًا جَازًا الْأَمْرَانَ.

ترجمہ:- اور مرفوعات میں سے مبتدا اور خبر ہیں، پس مبتدا وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو در انحالیکہ وہ مسند الیہ ہو یا مبتدا وہ صفت کا صیغہ ہے جو حرف نفی یا ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہو در انحالیکہ وہ صیغہ صفت اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو جیسے زید قائم اور ما قائم ن الزیدان واقائم ن الزیدان پس اگر وہ صیغہ صفت مطابق ہو مفرد کے تو اس میں دو جہیں جائز ہیں۔

توضیح:- مرفوعات میں سے مبتدا اور خبر بھی ہیں۔ مبتدا اور خبر کو مرفوعات کی الگ الگ قسم ہونے کے باوجود ایک ہی فصل میں اس لیے بیان کیا کہ دونوں کا عامل معنوی ہوتا ہے، نیز ان میں آپس میں تلازم پایا جاتا ہے، لیکن تعریف دونوں کی جدا گانہ بیان کیا۔ اس لیے کہ ماہیت میں دونوں مختلف ہیں۔

فالمبتدا: سے مصنف مبتدا کی تعریف بیان کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مبتدا وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو در انحالیکہ وہ مسند الیہ ہو۔ دھیان رہے کہ اسم عام ہے خواہ اسم صریحی ہو یا تاویلی۔ صریحی کی مثال جیسے زید قائم اور تاویلی کی مثال جیسے ان تصوروا خیر لکم۔ واضح ہو یہ مبتدا کی پہلی قسم کی تعریف ہے۔

فائدہ:- مبتدا کی تعریف میں المجرود لم یوجد کے معنی میں ہے اور عامل لفظی سے مراد وہ عامل لفظی ہے جس کے لیے معنی تاثیر ہو۔

او الصفة الواقعة: یہاں سے مصنف مبتدا کی دوسری قسم کی تعریف بیان کر رہے ہیں۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ نیز مبتدا وہ صیغہ صفت بھی ہے جو حرف نفی یا ہمزہ استفہام کے بعد واقع ہو در انحالیکہ وہ صیغہ صفت اسم ظاہر کو رفع دینے والا ہو۔ جیسے ما قائم الزیدان اور اقائم الزیدان صفت سے مراد عام ہے خواہ حقیقتاً صفت ہو یا قائم مقام صفت کے ہو۔ جیسے اقربشی زید اسی طرح اسم ظاہر بھی عام ہے خواہ حقیقتاً اسم ظاہر ہو یا حکماً اسم ظاہر ہو پہلے کی مثال اور مذکور ہو چکی ہے۔ دوسرے کی مثال جیسے ارغب انت عن الہتی۔

فان طابقت مفردًا: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ وہ صیغہ صفت جو حرف نفی یا استفہام کے بعد واقع ہوتا ہے اسم ظاہر کے مفرد ہونے میں مطابق ہو جیسے اقامت زید اور ما قائم زید تو اس میں دو احتمال درست ہیں۔ پہلا احتمال یہ ہے کہ صفت مسند بہ ہو اور اس کا مابعد فاعل قائم مقام خبر ہو۔ اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ صفت خبر مقدم ہو اور مابعد یعنی اسم ظاہر مبتدا مؤخر۔ اور اگر وہ صفت موافق ہو اسم ظاہر کے متثنیہ اور جمع ہونے میں جیسے اقامت الزیدان اور ما قائمان الزیدان۔ اقامتوں الزیدون اور ما قائمون الزیدون۔ تو ان صورتوں میں صرف ایک احتمال ہے صفت کا خبر مقدم ہونا اور اسم ظاہر کا مبتدا مؤخر ہونا۔

والخبر هو المجرد المسند به المغائر للصفة المذكورة .

ترجمہ:- اور خبر وہ اسم ہے جو خالی ہو عوامل لفظیہ سے جو مسند بہ ہو اور جو صفت مذکورہ کے خلاف ہو۔

توضیح:- مسند بہ سے احتراز ہو گیا مبتدا کی پہلی قسم سے اور المغائر للصفة المذكورة کے ذریعہ احترام ہو گیا مبتدا کی دوسری قسم سے۔ یہاں سے مصنف خبر کی تعریف بیان کر رہے ہیں، کہ خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو مسند بہ ہو یعنی مسند الیہ نہ ہو جو اس صفت کے خلاف ہو جو کہ ہمزہ استفہام یا حرف نفی کے بعد واقع ہوتی ہے۔

سوال: مسند اسناد سے مشتق ہے اور اسناد براہ راست متعدی ہوتا ہے، لہذا مسند کو با کے ساتھ متعدی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں؟

جواب: مسند کا باء کے ساتھ متعدی ہونا اس لیے ہے کہ مسند وقوع کے معنی کو شامل ہے اور چوں کہ وقوع باء کے ساتھ متعدی ہوتا ہے، لہذا مسند جو وقوع کے معنی کو شامل ہے وہ بھی باء کے ساتھ متعدی ہوگا۔

سوال: مبتدا خبر میں عامل ہے اور خبر مبتدا میں عامل ہے پس یہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے کہ مبتدا اور خبر ایسے اسم ہیں جو عامل لفظی سے خالی ہوتے ہیں۔

جواب: اس سلسلے میں تین مذہب ہیں۔ ۱۔ مبتدا خبر میں عامل ہے اور خبر مبتدا میں۔ ۲۔ مبتدا میں عامل معنوی ہے اور خبر میں عامل مبتدا ہے۔ ۳۔ مبتدا اور خبر دونوں میں عامل معنوی ہوتا ہے مصنف کے نزدیک یہی تیسرا مذہب مختار ہے۔

واصل المبتدأ التقديم ومن ثم جاز في داره زيد و امتنع صاحبها في الدار .

ترجمہ:- اور مبتدا کی اصل مقدم ہونا ہے اور اسی وجہ سے جاز ہے فی دارہ زید کی ترکیب اور نا جائز ہے صاحبها فی الدار کی ترکیب۔

توضیح:- سب سے پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ اصل راجح کے معنی میں ہے۔ قاعدہ کلیہ کے مفہوم میں نہیں ہے پس مصنف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب مبتدا کے خبر پر مقدم ہونے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہو تو مبتدا کا خبر پر مقدم ہونا اولیٰ ہے اس لیے کہ مبتدا ذات ہے اور خبر حال ہے اور ذات احوال پر مقدم ہی ہوتی ہے۔

سوال: اس دلیل سے تو پتہ چلتا ہے کہ فاعل بھی فعل پر مقدم ہوا کرے، کیوں کہ فعل فاعل کے احوال میں سے ایک حال ہے، حالاں کہ فعل مقدم ہوتا ہے اور فاعل مؤخر۔

جواب: جی ہاں فعل فاعل کے احوال میں سے ایک ہے، لیکن اس کے باوجود فاعل کی فعل سے تاخیر اشتباہ کے عارض ہونے کی وجہ سے واجب ہوتی، کیوں کہ اگر فاعل فعل پر مقدم کر دیا جائے تو مبتدا کے ساتھ اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔ بہر حال جب اصل مبتدا میں مقدم ہونا ہے تو فی دارہ زید کی ترکیب درست ہے، اس لیے کہ زید رتبہ مقدم ہے پس اضمار قبل الذکر رتبہ لازم نہیں آئے گا، بلکہ صرف لفظاً لازم آئے گا جو کہ منع نہیں ہے اور صاحبها فی الدار کی ترکیب ناجائز ہے، اس لیے کہ صاحبها مبتدا ہونے کی وجہ سے لفظاً اور رتبہ دونوں طرح مقدم ہے پس یہاں اضمار قبل الذکر لفظاً اور رتبہ دونوں لازم آتا ہے، اس لیے کہ ضمیر مؤنث کا مرجع دار ہے جو کہ خبر ہونے کی وجہ سے لفظاً اور رتبہ ہر طرح مؤخر ہے۔

وَقَدْ يَكُونُ الْمُبْتَدَأُ نَكْرَةً إِذَا تَخَصَّصَتْ بِوَجْهِ مَا مِثْلَ وَلِعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ
وَأَرْجُلٌ فِي الدَّارِ أَمْ امْرَأَةٌ وَمَا أَحَدٌ خَيْرٌ مِنْكَ وَشَرٌّ أَهْرًا ذَا نَابٍ وَفِي الدَّارِ رَجُلٌ
وَسَلَامٌ عَلَيْكَ.

ترجمہ:- اور کبھی مبتدا نکرہ ہوتا ہے جب وہ خاص ہو جائے کسی وجہ سے جیسے ولعبد مؤمن خیر من مشرک اور ارجل فی الدار ام امرأة اور وما احد خیر منک اور شر اهر ذاناب اور فی الدار رجل اور سلام علیک۔

توضیح:- یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مبتدا میں اصل معرفہ ہونا ہے، کیوں کہ مبتدا محکوم علیہ ہوتا ہے اور حکم امر متعین پر لگایا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ معنی معرفہ میں ہی ہوتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی نکرہ بھی مبتدا بن جاتا ہے بشرطیکہ اسے وجہ تخصیص میں سے کسی وجہ کے ساتھ خاص کر لیا جائے جیسے ولعبد مؤمن خیر من مشرک میں عبد نکرہ مبتدا ہے جو کہ مؤمن صفت کی وجہ سے خاص ہو گیا ہے اور جیسے ارجل فی الدار ام امرأة میں تخصیص ہے متکلم کے علم کے اعتبار سے کیوں کہ متکلم اس کلام کے ذریعہ رجل اور امرأة میں سے کسی ایک کے گھر میں ہونے کے بارے میں لا

علی العمین جانتا ہے، پس وہ مخاطب سے ان کی تعین کے بارے میں سوال کرتا ہے۔ اور جیسے و ما احد خیر منک اس میں تخصیص ہے عموم نفی کے اعتبار سے پس احد نکرہ مبتدا ہے جو تحت الہی واقع ہے اور نکرہ تحت الہی عموم کا فائدہ دیتا ہے اور عام من ایث العام متعین اور مشخص ہوتا ہے، کیوں کہ تمام افراد کا مجموعہ امر واحد ہوتا ہے جو کہ خاص ہے، پس مبتدا واقع ہونا درست ہے۔

سوال: تخصیص اور تعین میں تضاد ہے پس کیسے تخصیص تعین سے حاصل ہوگی؟

جواب: تخصیص کے دو معنی ہیں۔ تخصیص بمعنی قطع شرکت اور دوسرے تخصیص بمعنی رفع ابہام اور مراد یہاں تخصیص سے دوسرے معنی ہیں جو تعین کے منافی نہیں۔

سوال: یہ قاعدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول تمرۃ خیر من جرادة سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ نکرہ اس میں مثبت واقع ہونے کے باوجود مبتدا واقع ہے۔

جواب: نکرہ سے مراد مطلق نکرہ نہیں ہے بلکہ وہ نکرہ ہے جس سے عموم کا ارادہ کیا جائے خواہ نکرہ تحت الہی ہو جیسے متن کی مثال میں ہے اور خواہ نکرہ مثبت ہو جیسے کہ اس مثال میں ہے۔ اور جیسے شر اھر ذا ناب اس میں دو اعتبار سے تخصیص ہے۔ ایک تو صفت مقدرہ کے اعتبار سے بایں طور کہ شکی تنوین تعظیم کے لیے ہے پس صفت مقدرہ عظیم ہوگی یعنی تقدیر عبارت شر عظیم ہوگی اور دوسری تخصیص شر کے فاعل کے معنی میں ہونے کے اعتبار سے بایں طور کہ شر مبتدا نکرہ ہے جو مخصوص ہو گیا ہے اس چیز کے ساتھ کہ جس کے ساتھ فاعل اپنے مذکور ہونے سے پہلے مخصوص ہوتا ہے یعنی فعل اس لیے کہ جب آپ نے ضرب کہا تو یہ بات طے ہو گئی کہ جو کچھ اس کے بعد مذکور ہوگا اس میں اس پر ضرب کا حکم لگائے جانے کی صلاحیت ہوگی، پس جب آپ نے رجل کہا تو رجل صالح بصحة الحکم علیہ بالضرب کے حکم میں ہو گیا اور اور فاعل ضرب کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔ پس شر اھر ذا ناب میں اسی قسم کی تخصیص پائی جاتی ہے، اس لیے کہ شر اھر ذا ناب کے معنی وہی ہیں جو ما اھر ذا ناب الاشر کے ہیں اور اس میں تخصیص ہے، لہذا اس میں بھی تخصیص ہوگی البتہ تخصیص کی نوعیت میں فرق ہے کہ ما اھر ذا ناب الاشر میں تخصیص ما اور الا کی وجہ سے ہے اور شر اھر ذا ناب میں تقدیم ما حقہ التاخیر یقید الحصر و التخصیص کے قاعدہ کے اعتبار سے ہے۔ اس قاعدہ کے اعتبار سے تخصیص اس لیے ہے کہ شر اھر ذا ناب اصل میں اھر ذا ناب شر ہے پس اھر فعل ماضی معروف ہے اور ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے جو مبدل منہ ہے اور شر اس سے بدل ہے اور بدل مبدل منہ کے حکم میں ہوتا ہے اور مبدل منہ میں تخصیص فعل کے اسناد کی وجہ سے ہے تو بدل میں بھی تخصیص مذکورہ اسناد کی وجہ سے ہوگی پھر شر کو اھر ذا ناب پر حصر کے فائدہ کی غرض سے مقدم کر دیا، کیوں کہ ضابطہ ہے تقدیم ما حقہ التاخیر یقید الحصر

والتخصیص۔ پس شر کا تخصیص میں فاعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے مبتدا واقع ہونا درست ہے۔ اور فی الدار رجل میں تخصیص خبر کے مبتدا پر مقدم ہو جانے کی وجہ سے ہے پس رجل نکرہ مبتدا ہے جس کے اوپر خبر جو کہ ظرف ہے مقدم ہے، لہذا اس کا مبتدا بننا درست ہے، کیوں کہ جب فی الدار بولا گیا تو کیلیبر ہو گیا کہ جو چیز اس کے بعد مذکور ہوگی تو اس کا گھر میں ہونے کی وجہ سے محکوم علیہ ہونا درست ہے، پس جب رجل کہا گیا تو ان کے قول رجل صالح لصحة الحكم عليه فی داره کے حکم میں ہوگا۔ اور جیسے سلام عليك اس میں تخصیص ہے متکلم کے اپنی طرف نسبت کرنے کے اعتبار سے پس سلام نکرہ مبتدا ہے جو متکلم کی طرف نسبت کی وجہ سے خاص ہو گیا ہے۔ اس لیے کہ اس کی اصل سلمت سلاماً عليك ہے پس سلاماً مصدر تاکید کے لیے ہے۔ اور مؤکد فی الواقع شی واحد ہے جو متکلم کی طرف نسبت کی وجہ خاص ہے تو اس طرح مؤکد بھی خاص ہو گیا۔ پھر جملہ فعلیہ سے جملہ اسمیہ کی طرف دوام اور استمرار پر دلالت کرنے کے لیے عدول کیا گیا۔ پس فعل کو حذف کر دیا گیا۔ اور مبتدا کی صفت کے لیے نصب کو رفع سے بدل دیا گیا پس سلام عليك ہو گیا۔

والخبر قد یكون جملة مثل زيد ابوه قائم وزيد ابوه فلا بُدَّ من عائد وقد يحذف وما وقع ظرفاً فالأكثر على أنه مقدرٌ بجملة.

ترجمہ:- اور خبر بھی جملہ ہوتی ہے جیسے زيد ابوه قائم اور زيد قام ابوه پس ضروری ہے ایک عائد کا ہونا اور کبھی کبھی عائد کو حذف کر دیا جاتا ہے اور وہ خبر جو بطور ظرف کے واقع ہو تو اکثر لوگ اس بات پر ہیں کہ وہ جملے کے ساتھ مقدر ہوتی ہے۔

توضیح:- والخبر قد یكون جملة۔ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ خبر وہ اسم ہے جو عوامل لفظیہ سے خالی ہو، لہذا مناسب ہے کہ جملہ خبر نہ واقع ہو تو مصنف نے اپنے قول والخبر قد یكون جملة سے جواب دیا کہ ایسا ضروری نہیں بلکہ خبر جس طرح مفرد ہوتی ہے جملہ بھی ہو سکتی ہے جیسے زيد ابوه قائم اور زيد قام ابوه جملہ عام ہے، خواہ کوئی بھی جملہ ہو سوائے انشاء کے اس لیے کہ انشاء بلا تاویل خبر نہیں بن سکتا۔ بہر حال جب خبر جملہ ہو تو ایک عائد کا ہونا ضروری ہے، کیوں کہ جملہ مستقل بنفسہ ہوتا ہے، لہذا اس میں ربط کا ہونا ضروری ہے اور ربط سوائے عائد کے کچھ نہیں ہوتا اور عائد کبھی ضمیر ہوتا ہے۔ جیسے کہ مثال مذکور میں ہے اور کبھی الف لام ہوتا ہے جیسے نعم الرجل زيد اور کبھی وضع المظهر موضع الضمیر ہوتا ہے جیسے العاقبة ما العاقبة اور کبھی خبر کا مبتدا کی تفسیر ہونا ہے جیسے قل هو الله احد۔

وقد يحذف العائد: یہ عبارت بھی سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال ہے کہ مذکورہ بالا قاعدہ البر الکر بستین درہما جیسے سے ٹوٹ گیا۔ کہ خبر جملہ بلا عائد کے ہے تو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا

کہ البر الکر بستین درهما وغیرہ میں جملہ خبر بلا عائد کے نہیں ہے بلکہ قرینہ کی وجہ سے ضمیر محذوف ہے پس معلوم ہوا کہ جب عائد کے حذف پر کسی قسم کا کوئی قرینہ ہو تو عائد کو جوازاً حذف کیا جاسکتا ہے، چنانچہ قرینہ یہاں پر یہ ہے کہ گھی اور گندم کا فروخت کرنے والا انہیں چیزوں کا بھاء بتائے گا دوسری چیزوں کا نہیں پس اصل عبارت البر الکر منہ بستین درهما اور المسمن منوان منہ بدرہم ہے۔

وَمَا وَقَعَ ظَرْفًا: یہاں سے معنی یہ بتا رہے ہیں کہ جب ظرف خبر واقع ہو تو اکثر لوگوں کے نزدیک ظرف جملہ کی تاویل میں ہوگا، یعنی جار مجرور جملہ یعنی فعل کے متعلق ہوگا ان کی دلیل یہ ہے کہ ظرف کا متعلق ظرف میں عامل ہوگا اور عمل میں اصل فعل ہے، کیوں کہ فعل عمل کے لیے ہی وضع کیا گیا ہے پس جب تقدیر واجب ہو رہی ہے تو اصل اولیٰ بالتقدیر ہے یہ بصریوں کی رائے ہے جو معنی کا مختار ہے اور کوئی حضرات ظرف کو شبہ فعل یعنی اسم فاعل کے متعلق کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ظرف محل خبر میں ہے اور خبر میں اصل مفرد ہوتا ہے اور مفرد کی رعایت تہی ہوگی جب ظرف کو شبہ فعل کے متعلق کیا جائے۔

وَإِذَا كَانَ الْمُبْتَدَأُ مُشْتَمَلًا عَلَى مَا لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ مِثْلَ مَنْ ابُوكَ أَوْ كَانَ مَعْرِفَتَيْنِ أَوْ مَتَسَاوَيْنِ نَحْوَ الْفَضْلِ مِنْكَ الْفَضْلُ مِثْنِي أَوْ كَانَ الْخَبْرُ فِعْلًا لَهُ مِثْلَ زَيْدًا قَامَ وَجَبَ تَقْدِيمُهُ.

ترجمہ: - اور جب مبتدا مشتمل ہو اس چیز پر جس کے لیے صدارت کلام ہے جیسے من ابوک یا دونوں کے دونوں معرفہ ہوں یا دونوں برابر ہوں۔ جیسے الفضل منک الفضل منی یا خبر فعل ہو جیسے زید قام تو مبتدا کی تقدیم واجب ہے۔

توضیح: - یہاں سے معنی ان مقامات کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ جہاں پر مبتدا کی خبر پر تقدیم واجب ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب مبتدا اس اسم پر مشتمل ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہے تو مبتدا کا خبر پر مقدم کرنا واجب ہے، تاکہ اس کی صدارت کلام نہ فوت ہو جائے جیسے من ابوک۔

سوال: من ابوک میں من نکرہ ہے پس اس کا مبتدا ہونا کیسے درست ہوگا؟

جواب: من اگرچہ صورتہ نکرہ ہے، لیکن وہ معنی معرفہ ہے، اس لیے کہ وہ هذا ابوک ام ذاک کی تاویل میں ہے، دوسری جگہ جہاں مبتدا کی تقدیم واجب ہوتی ہے یہ ہے کہ مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہوں اور ان میں سے کسی ایک کے مبتدا اور دوسرے کے خبر ہونے پر کوئی قرینہ بھی نہ ہو یا مبتدا اور خبر دونوں اصل تخصیص میں برابر ہوں تو مبتدا کی تقدیم واجب ہوگی۔ اس لیے تاکہ مبتدا اور خبر میں اشتباہ پیدا نہ ہو جیسے اللہ الہنا الفضل منک الفضل منی غلام رجل صالح خیر منک۔ تیسری جگہ جہاں مبتدا کی تقدیم واجب ہے یہ ہے کہ خبر فعل ہو تو مبتدا کا خبر پر مقدم کرنا واجب ہے، تاکہ مبتدا کا فاعل کے ساتھ اشتباہ پیدا نہ ہو جیسے زید قام۔

سوال: آپ نے جو یہ کہا کہ خبر کے فعل ہونے کی صورت میں مبتدا کی تقدیم فاعل کے ساتھ اشتباہ سے بچنے کے لیے ضروری ہے تو یہ فعل کے مفرد ہونے کی حد تک تو درست ہے لیکن جب فعل تشبیہ یا جمع ہو۔ جیسے الزیدان قاما اور الزیدون قاموا تو آپ کی بات ٹھیک نہیں معلوم ہوتی، اس لیے کہ اس صورت میں مبتدا کا فاعل کے ساتھ اشتباہ نہ ہوگا۔

جواب: فاعل کے ساتھ صورت مذکورہ میں بھلے اشتباہ نہ ہو، لیکن اس کے بدل کے ساتھ تو اشتباہ لازماً رہے گا، نیز وہ شخص جن کے نزدیک الف اور واؤ کا فاعل کے تشبیہ اور جمع ہونے پر دلالت کرنے والا حرف ہونا درست ہے کے نزدیک عین فاعل کے ساتھ اشتباہ ہوگا۔ اس لیے مبتدا کی تقدیم ان صورتوں میں واجب ہی ہوگی۔

وَإِذَا تَضَمَّنَ الْخَبْرُ مَا لَهُ صَدْرُ الْكَلَامِ مِثْلَ ابْنِ زَيْدٍ أَوْ كَانَ مُصْحِحًا لَهُ مِثْلَ فِي الدَّارِ رَجُلًا أَوْ كَانَ لِمُتَعَلِّقِهِ ضَمِيرٌ فِي الْمُبْتَدَاءِ مِثْلَ عَلَى التَّمْرَةِ مِثْلَهَا زَيْدًا أَوْ كَانَ الْخَبْرُ خَيْرًا نَحْوَ عِنْدِي أَنْكَ قَائِمٌ وَجِبْ تَقْدِيمُهُ

ترجمہ:- اور جب خبر مفرد اس چیز کو مضمّن ہو جس کے لیے صدارت کلام ہے جیسے ابن زید یا خبر صحیح کرنے والی ہو مبتدا کو جیسے فی الدار رجل یا خبر کے متعلق کے لیے مبتدا میں کوئی ضمیر ہو جیسے التمرۃ مثلها زیداً خبر ان کی خبر ہو جیسے عندی انک قائم تو خبر کی تقدیم مبتدا پر واجب ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف خبر کے تقدیم کے مواقع کو بیان کر رہے ہیں، چنانچہ جب خبر مفرد وہ اسم ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہے تو خبر کا مقدم کرنا واجب ہے۔ جیسے ابن زید پس ابن خبر ہے جو استفہام کے معنی کو شامل ہے اور استفہام صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لیے ابن خبر کو مقدم کر دیا، تاکہ صدارت کلام نہ باطل ہو۔

یاد رکھئے کہ خبر مفرد سے مراد وہ خبر ہے جو صورتاً مفرد ہو بھلے معنی جملہ ہو۔ دوسری جگہ یہ ہے خبر اپنی تقدیم کے ذریعہ مبتدا کے مبتدا ہونے کی صحیح کرنے والی ہو جیسے فی الدار رجل خبر کی تقدیم اس لیے واجب ہے، تاکہ مبتدا کا نکرہ ہونا لازم نہ آئے، کیوں کہ خبر کی تقدیم کی وجہ سے مبتدا میں تخصیص پیدا ہوگئی۔ مشہور ضابطہ ہے تقدیم ما حقه التاخیر یقید الحصر والتخصیص۔ تیسری جگہ ہے کہ جب خبر کے متعلق (بشرطیکہ خبر کا متعلق خبر کا ایسا تابع ہو کہ اس کی تبعیت کے ساتھ وہ خبر پر مقدم نہ ہو سکتا ہو) کے لیے مبتدا میں کوئی ضمیر ہو۔ جیسے علی التمرۃ مثلها زیداً تو خبر کی تقدیم واجب ہے پس مثلها مبتدا ہے اور ہا ضمیر کا مرجع التمرۃ ہے جو کہ علی التمرۃ خبر کا مبتدا مثلها زیداً پر مقدم کرنا واجب ہے، تاکہ اضرار قبل الذکر لفظاً ورحبۃً لازم نہ آئے۔ چوتھی جگہ جب خبر ان کی خبر واقع ہو یعنی ان اپنے اسم و خبر کے ساتھ مفرد کی تاویل

میں ہو کر مبتدا ہو تو ایسے مبتدا کی خبر اس مبتدا پر مقدم ہوگی، تاکہ اُن مفتوحہ اور اِن مکسورۃ کے درمیان لفظ میں بھول کے امکان کی وجہ سے اشتباہ پیدا نہ ہو۔

وَقَدْ يَتَعَدَّدُ الْخَبْرُ مِثْلَ زَيْدٍ عَالِمٍ عَاقِلٍ

ترجمہ: اور کبھی خبر متعدد ہوتی ہے جیسے زید عالم عاقل۔

توضیح: سب سے پہلے آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ خبر جس طرح ایک ہوتی ہے اسی طرح متعدد ہوتی ہے۔ اب تعدد کبھی لفظ و معنی دونوں اعتبار سے ہوگا۔ یا صرف لفظ کے اعتبار سے ہوگا پہلے کی مثال زید عالم عاقل فاضل۔ دوسری کی مثال ہذا علو حاض کیوں کہ علو اور حاض سے مقصود اس کیفیت متوسط کا ثابت کرنا ہے جو ٹھیکے اور کھٹے کے درمیان ہے۔ اور وہ ہے مَرٌّ یعنی کھٹ مٹھا ہونا پس تقدیر ہوگی ہَذَا مَرٌّ البتہ پہلی صورت میں بہتر عطف کا لانا ہے، عطف کے ترک کے جواز کے ساتھ۔ عطف کو لفظ اور معنی میں تعدد کی وجہ سے لایا جائے گا جب کہ عطف کا ترک خبروں کے بحسب المصداق متحد ہونے کی وجہ سے ہوگا۔ اور دوسری قسم میں بہتر اس کے برعکس ہے یعنی ترک عطف اولیٰ ہے خبروں کے متحد ہونے کی وجہ سے معنی میں اور عطف کا جواز بھی ہے اس لیے کہ خبریں لفظ میں متغائر ہیں، البتہ ایک سوال ہے کہ جب تعدد بحسب اللفظ والمعنی دو قسموں پر ہے ایک عطف کا لانا دوسرے اس کا ترک تو مصنف نے دوسری قسم کی ہی مثال کو کیوں ذکر کیا۔ تو جواب یہ ہے کہ تعدد بالعطف میں کوئی خفا نہیں ہے خواہ مبتدا ہو خواہ خبر۔ اور تعدد بغیر عطف میں خفا تھا کہ مبتدا کا تعدد بلا عطف کے تو بالکل درست نہیں تو وہم ہوا کہ خبر کا تعدد بھی بلا عطف درست نہ ہوگا تو مصنف نے تعدد فی الخبر کی مثال لا کروہم کو دور کر دیا کہ خبر کا تعدد بلا عطف کے درست ہے۔

وَقَدْ يَتَضَمَّنُ الْمُبْتَدَأُ مَعْنَى الشَّرْطِ فَيَصَحُّ دُخُولُ الْفَاءِ فِي الْخَبْرِ وَذَلِكَ الْإِسْمُ الْمَوْصُولُ بِفِعْلٍ أَوْ ظَرْفٍ أَوْ النِّكَرَةِ الْمَوْصُوفَةِ بِهِمَا مِثْلَ الَّذِي يَاتِينِي أَوْ فِي الدَّارِ فَلَهُ دَرَاهِمٌ وَكُلُّ رَجُلٍ يَاتِينِي أَوْ فِي الدَّارِ فَلَهُ دَرَاهِمٌ وَلَعَلَّ مَانِعَانَ بِالِاتِّفَاقِ وَالْحَقُّ بَعْضُهُمْ إِنْ بِهِمَا.

ترجمہ: اور مبتدا کبھی کبھی شرط کے معنی کو شامل ہوتا ہے۔ پس صحیح ہوتا ہے فاء کا داخل ہونا خبر میں اور وہ اسم موصول ہے جو فعل کے ساتھ یا ظرف کے ساتھ ہو یا وہ نکرہ ہے جو ان دونوں کے ساتھ موصوف ہو جیسے الَّذِي يَاتِينِي فِي الدَّارِ فَلَهُ دَرَاهِمٌ وَكُلُّ رَجُلٍ يَاتِينِي أَوْ فِي الدَّارِ فَلَهُ دَرَاهِمٌ لَيْتَ لَعَلَّ بِالِاتِّفَاقِ مَانِعٌ هُنَّ أَوْ بَعْضُ لَوْكُونَ نَعْنَى لَحَاقٍ كَمَا هِيَ إِنْ كَوَانِ دَوْنُوں كَعِثَاقِ۔

توضیح: کبھی مبتدا شرط کے معنی کو شامل ہوتا ہے یعنی مبتدا خبر کے حصول کے لیے یا خبر پر حکم کے لیے سبب ہوتا ہے۔ جیسے وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةِ اللَّهِ فَمَنْ اللَّهُ۔ پس یہاں اگرچہ اول ثانی کے حصول

کے لیے سبب نہیں ہے، البتہ وہ ثانی پر حکم کے لیے سبب ہے پس فا کا دخول خبر پر صحیح ہے۔ خیر! تو ہر ایسی صورت میں خبر پر فا کا داخل ہونا صحیح ہے، اس لیے کہ جب مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو گیا تو وہ مبتدا شرط کے اور خبر جزاء کے مشابہ ہو گئی اور جزاء پر فا داخل ہوتی ہے پس ایسی خبر پر بھی داخل ہو گئی۔

اب سمجھئے کہ مبتدا شرط کے معنی کو تب شامل ہوگا جب مبتدا ایسا اسم موصول ہو کہ جس کا صلہ فعل یا ایسا ظرف ہو جس کی تاویل جملہ فعلیہ کے ساتھ ہوتی ہو۔ جیسے الذی یاتینی فله درہم اور الذی فی الدار فله درہم اسی طرح مبتدا ایسا موصوف ہو کہ جس کی صفت مذکورہ بالا اسم موصول ہو یعنی جس کا صلہ فعل یا ظرف ہو جیسے ان الموت الذی تفرون منه فانہ ملائیکم اس میں الذی تفرون منه موصول صلہ سے لکر الموت کی صفت ہے (دھیان رہے یہ صورت متن میں مذکور نہیں ہے البتہ ملحوظ ہے)۔

او النکرة الموصوفة بهما: یا مبتدا ایسا کمرہ ہو کہ جس کی صفت فعل یا ظرف ہو جیسے کل رجل یاتینی فله درہم اور کل رجل فی الدار فله درہم۔ یا مبتدا وہ اسم ہو جو مذکورہ بالا کمرہ کی جانب مضاف ہو یعنی ایسے کمرہ کی طرف مضاف ہو کہ جس کی صفت فعل یا ظرف ہو۔ جیسے کل غلام رجل یاتینی فله درہم اور کل غلام رجل فی الدار فله درہم۔ (معلوم رہے کہ یہ آخری صورت بھی متن میں مذکور نہیں البتہ ملحوظ ہے)۔ تو ان تمام صورتوں میں خبر پر فائے گی۔

اب سن لیجئے کہ مذکورہ تمام صورتوں میں فعل یا ظرف کے کہیں صلہ اور کہیں صفت ہونے کی شرط اس لیے لگائی ہے، تاکہ مبتدا کی مشابہت فعل کے ساتھ طاقتور ہو جائے اس لیے کہ شرط فعل ہوا کرتی ہے۔

ولیت ولعل: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے ضابطہ بیان کیا کہ جب مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہو تو اس کی خبر پر فا کا داخل ہونا ہے تو یہ قاعدہ لیس الذی یاتینی فله درہم اور لعل الذی یاتینی فله درہم سے ٹوٹ گیا۔ کیوں کہ مبتدا شرط کے معنی کو متضمن ہے باوجود اس کے اس کی خبر پر فا کا داخل ہونا درست نہیں ہے تو مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ہم نے جو ضابطہ بیان کیا ہے وہ اپنی جگہ پر مسلم ہے رہی بات مذکورہ مثالوں میں فا کے دخول کے درست نہ ہونے کی تو اصل بات یہ ہے کہ فا کا خبر پر داخل ہونا مبتدا کے شرط اور خبر کے جزاء کے مشابہ ہونے کی وجہ سے صحیح ہوتا ہے اور لیت اور لعل اس مشابہت کو ختم کر دیتے ہیں، کیوں کہ لیت اور لعل کلام کو خبریت سے نکال کر انشائیہ کی طرف لے آتے ہیں جب کہ شرط اور جزاء اخبار کے قبیل سے ہیں۔

اب ایک دوسرا سوال ہے جس کا تعلق بالاتفاق کی عبارت سے ہے اور وہ یہ ہے کہ باب کان اور باب علمت بھی فا کے خبر پر داخل ہونے کی راہ میں بالاتفاق رکاوٹ ہیں۔ پس مصنف نے لیت اور لعل کو ہی کیوں اتفاق کے ساتھ خاص کیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لیت اور لعل کو بالاتفاق کے ساتھ خاص کرنا تمام حروف

مشبہ بالفعل کے مقابلہ میں ہے کہ ان میں ان دو کے سوا کوئی نہیں۔ یہ مطلب لفظی نہیں ہے کہ لیت اور لعل کے ماسوا کوئی اور فا کے خبر پر دخول کی راہ میں متفقہ طور پر روڑا نہیں، لہذا اگر باب کان وغیرہ رکاوٹ ہیں تو ہوا کریں ہم کون اس کے منکر ہیں۔

الحق بعضہ: کچھ لوگوں نے ان مکسورہ کو لیت اور لعل کے ساتھ لاحق کیا ہے یعنی جس طرح لیت اور لعل فا کے خبر پر دخول کے بارے میں رکاوٹ ہیں، اسی طرح ان مکسورہ بھی مانع ہے، کیوں کہ فا کا خبر پر دخول مبتدا کے شرط اور خبر کے جزا کے مشابہ ہونے کی وجہ سے ہے اور ان اس مشابہہ کو ختم کر دیتا ہے، اس لیے کہ شرط اور جزا مترادفات کے قبیل سے ہیں، جب کہ ان بجائے تردد کے تحقیق اور یقین کے لیے ہوتا ہے اور ان دونوں میں منافات ہے۔

یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ بعض لوگوں نے ان مفتوحہ اور لکن کو بھی ان دونوں کے ساتھ لاحق کیا ہے پس مصنف نے ان مکسورہ کے الحاق کو ہی کیوں بیان کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان مکسورہ کا الحاق لیت اور لعل کے ساتھ سیبویہ کے نزدیک ہے تو مصنف نے سیبویہ کی بات پر اس کے عمدہ ہونے کی وجہ سے اعتماد کیا اور اسے بیان کیا اور ان مفتوحہ اور لکن کا الحاق لیت اور لعل کے ساتھ یہ سیبویہ کے علاوہ کامسک ہے پس مصنف نے ان کی بات پر اعتماد نہیں کیا، اس لیے بیان کرنے سے گریز کیا۔

ویسے قرآن کریم اور نصحاء کا کلام دونوں قولوں کے مخالف ہے بہر حال ان مکسورہ تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان الذین کفروا و ماتوا و ہم کفار فلن نقبل توبتہم اس کے خلاف ہے۔ اور ان مفتوحہ تو اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے واعلموا انما غنمتم من شیء فان لله خمسہ اور لکن تو اس کے خلاف شاعر کا یہ شعر ہے فوالله ما رفاتکم قالیا لکم ÷ لکن ما یقضی فسوف یكون نجدا۔ میں نے آپ کو کسی دشمنی کی وجہ سے نہیں چھوڑا ہے پر نوحۃ تقدیر تو ہو کر رہتا ہے۔

وقد یحذف المبتدا لقیام قرینہ جوازا کقول المستهل الھلال واللہ والخبر جوازا
مثل خرجت فکذا السبع

ترجمہ:- اور کبھی کبھی مبتدا کو قرینہ کی وجہ سے جواز ا حذف کر دیا جاتا ہے جیسے چاند دیکھنے والے کا قول الھلال واللہ اور خبر کو جواز ا حذف کر دیا جاتا ہے جیسے خرجت فاذا السبع۔

توضیح:- یہاں سے مصنف یہ بتا رہے ہیں کہ مبتدا کبھی کبھی قرینہ پائے جانے کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ قرینہ عام ہے خواہ لفظی ہو یا عقلی۔ نیز مبتدا کا حذف کبھی جواز اور کبھی وجوہا بھی ہوتا ہے، البتہ مصنف نے مبتدا کے جواز ا حذف کو بیان کیا ہے مبتدا کے وجوہا حذف کو اس کی قلت کی وجہ سے بیان نہیں کیا یعنی مبتدا کا وجوہا حذف بہت کم ہوتا ہے، مبتدا کا وجوہا حذف ہر ایسی جگہ پر ہوتا ہے کہ

جہاں پر صفت کو رفع لازمی کر دیا جائے، تاکہ وہ مدح اور ترمیم پر دلالت کرے جیسے الحمد لله اہل الحمد کہ اہل الحمد سے پہلے ہو مبتدا و جوبا محذوف ہے، مبتدا کے جوازاً حذف کی مثال چاند دینے والے کا قول الہلال واللہ ہے۔ پس یہاں مبتدا محذوف ہے تقدیر عبارت ہے ہذا الہلال واللہ مبتدا کے حذف پر قرینہ چاند دیکھنے والے کی حالت ہے، کیوں کہ اس کا مقصود اولاً اسم اشارے سے شئی کو متعین کرنا ہے پھر اس شئی معین پر چاند ہونے کا حکم لگانا ہے واللہ قسم کو اس لیے آئے ہیں کہ چاند دیکھنے والوں کی قسم کھانے کی عادت ہوتی ہے۔

والخبر جوازاً جس طریقے سے مبتدا کے حذف کی جوازاً اور وجوباً دو قسمیں ہیں اسی طرح خبر کے حذف کی بھی دو قسمیں ہیں جوازاً اور وجوباً تو خبر کے حذف پر صرف قرینہ پایا جاوے تو خبر کا حذف کرنا جائز ہوگا اور قرینہ کے ساتھ قائم مقام بھی پایا جائے تو حذف واجب ہوگا۔ جوازاً کی مثال خرجت فاذا السبع ہے اور واقف اس کی خبر محذوف ہے قرینہ ازا مفا جاتیہ ہے اس لیے کہ وہ عموماً جملہ اسمیہ پر ہی داخل ہوتا ہے اور سبع مفرد ہے پس معلوم ہوا کہ اس کی خبر محذوف ہے۔

ووجوباً فیما التزم فی موضعه غیره مثل لولا زید لکان کذا ومثل ضربی قائماً وکل رجل وضیعتہ ولعمرك لا فعلن کذا۔

ترجمہ: - وجوباً حذف کیا جاتا ہے اس چیز میں کہ لازم کر دیا جائے اس کی جگہ میں اس کے علاوہ کو جیسے لولا زید لکان کذا اور جیسے ضربی زیداً قائماً اور کل رجل ضیعتہ اور جیسے ولعمرك لا فعلن کذا۔

توضیح: - یہاں سے مصنف ان مقامات کی تفصیل بیان کر رہے ہیں جہاں خبر کا حذف واجب ہوتا ہے ایسی جگہیں چار ہیں۔ پہلی جگہ یہ ہے کہ مبتدا لولا کے بعد واقع ہو پھر اس کی خبر کو حذف کر دیا گیا ہو اور لولا کے جواب کو اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہو۔ جیسے لولا زید لکان کذا پس یہاں خبر کا حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے ہے، بہر حال قرینہ وہ لولا کا داخل ہونا ہے کیوں کہ وہ برائے امتناع شئی ثانی، اول کے وجود کی وجہ سے ہے۔ پس یہ موجود پر دلالت کرتا ہے اور خبر کا قائم مقام لولا کا جواب ہے تقدیر عبارت ہوگی لولا زید موجود لکان کذا۔

اور دوسری جگہ جہاں پر خبر کا حذف واجب ہوتا ہے ہر ایسا مبتدا ہے جو مصدر صریحی یا تاویلی ہو نیز وہ فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو اور اس کے بعد فاعل یا مفعول یا دونوں سے کوئی حال واقع ہو یا مبتدا ایسا اسم تفضیل ہو جو اس مصدر صریحی یا تاویلی کی طرف مضاف ہو کہ جس کا مضاف الیہ فاعل یا مفعول ہو اور اس کے بعد حال واقع ہو پھر خبر کو حذف کر دیا گیا ہو اور حال کو اس کے قائم مقام بنا دیا ہو۔ جیسے ضربی زیداً

قائماً پس یہاں حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے بہر حال قرینہ تو اس لیے کہ مفردات کا استعمال کلام عرب میں معیوب ہے اور قائم مقام تو وہ حال کا خبر کے قائم مقام ہونا ہے۔ پس تقدیر عبارت ہوگی ضرب زیداً حاصل اذا کان قائماً تو حاصل کو حذف کر دیا گیا جیسا کہ ظروف کے متعلقات کو حذف کر دیا جاتا ہے پس اذا کان قائماً باقی بچا پھر اذا کو فعل شرط کے ساتھ حذف کر دیا گیا۔ اور حال کو ظرف کا قائم مقام بنا دیا گیا اور ظرف کو خبر کے قائم مقام بنا دیا گیا پس ظرف کے واسطے سے حال خبر کا قائم مقام ہو گیا۔ جب آپ نے پورا قاعدہ سمجھ لیا تو اب مثال سنئے۔ مصدر صریحی مضاف الی الفاعل والمفعول کی مثال ضرب زید عمرواً قائمین اور مصدر تاویلی مضاف الی الفاعل کی مثال ان ذہبت راجلاً اور مصدر تاویلی مضاف الی المفعول کی مثال ان ضرب زید عریاناً اور مصدر تاویلی مضاف الی الفاعل والمفعول جیسے ان ضرب زید عمرواً قائمین اور اسم تفضیل مضاف الی ہذہ الاقسام الستہ کی مثال اکثر ذہابی راجلاً؛ اکثر ضرب زید عریاناً۔ اکثر ضرب زید عمرواً قائمین اور اکثر ان ذہبت راجلاً۔ اکثر ان ضرب زید عمرواً قائمین۔

اور تیسری قسم جگہ جہاں پر حذف واجب ہوتا ہے ہر ایسا مبتدا ہے جس کی خبر مقارنتہ کے معنی پر مشتمل ہو اور اس مبتدا پر کسی چیز کا اس واؤ کے ذریعہ عطف کر دیا جائے جو جمع کے معنی میں ہو تو یہاں پر خبر کو حذف کر دیا جاتا ہے اور معطوف خبر کا قائم مقام ہو جاتا ہے جیسے کل رجل و ضیعتہ ہر آدمی اپنے پیشہ کے ساتھ ہوتا ہے یہاں خبر کا حذف قرینہ اور قائم مقام ہونے کی وجہ سے واجب ہے پس قرینہ وہ واؤ ہے جو جمع کے معنی میں واؤ کے مقارنت کے معنی پر دلالت کرنے کی وجہ سے ہے اور قائم مقام خبر کا معطوف ہے، پس تقدیر عبارت ہوگی کل رجل مقرون مع ضیعتہ۔

اور چوتھی جگہ جہاں خبر کا حذف واجب ہے ہر ایسا مبتدا ہے جو مقسم بہ ہو اور خبر فعل قسم ہو جیسے لعمرك لافعلن کذا پس یہاں حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے پس قرینہ مقسم بہ کا مذکور ہونا ہے جو فعل قسم پر دلالت کرتا ہے اور قائم مقام جواب قسم ہے پس تقدیر عبارت ہوگی لعمرك قسمی لافعلن کذا۔

خبرٌ إنْ وأخواتها هُوَ المسندُ بعدِ دخولِ هذه الحروفِ مثل إنْ زیداً قائمٌ وأمره کامر خبر المبتدا! إلا إذا کان ظرفاً۔

ترجمہ: - إنْ اور اس کے اخوات کی خبر وہ اسم ہے جو مسند ہوتی ہے انْ اور اس کے اخوات کے داخل ہونے کے بعد جیسے انْ زیداً قائمٌ اور اس کی خبر کا معاملہ مبتدا کے خبر کے معاملہ کی طرح ہے، مگر خبر کے مقدم ہونے میں مگر جب کہ خبر ظرف ہو۔

توضیح: - إنْ اور اس کے اخوات کی خبر نیز مرفوعات میں سے ہے حروف مشبہ بالفعل چھ

ہیں۔ اِنَّ، اَنَّ، كَانَ لَكِنَّ، لَيْتَ، لَعَلَّ. ان کا حروف مشبہ بالفعل اس لیے نام پڑا کہ یہ فعل کے لفظ اور معنی مشابہ ہیں، لفظاً مشابہت تو ٹھلائی اور رباعی اور ادغام ہونے میں ہے اور معنی مشابہت یہ ہے کہ حروف مشبہ بالفعل کے معنی افعال کے معانی ہیں، اس لیے کہ اِنَّ اور اَنَّ کے معنی تحقیق کے ہیں۔ اور كَانَ کے معنی تھنہ کے ہیں اور لَكِنَّ کے معنی اِسْتَدْرَاك کے ہیں اور لَيْتَ کے معنی تمَنّی اور لَعَلَّ کے معنی ترحمی کے ہیں۔ اور فعل کے لیے دو عمل ہیں ایک اصلی اور دوسرا فرعی پس فعل کا اصلی عمل مرفوع کی منصوب پر تقدیم ہے جب کہ فرعی عمل منصوب کی مرفوع پر تقدیم ہے اور چوں کہ فعل مشبہ بہ ہے اور یہ حروف مشبہ اور مشبہ بہ اصل ہوتا ہے اور مشبہ فرع پس حروف مشبہ بالفعل کو فرع ہونے کی وجہ سے فرع والا عمل دے دیا گیا، چنانچہ ان کا اسم منصوب اور خبر مرفوع ہوتی ہے، پس اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر وہ اسم کہلاتا ہے جو ان حروف کے داخل ہونے کے بعد مسند ہو جیسے اِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ حُرُوفٌ مَشْبَهَةٌ بِالْفِعْلِ کے داخل ہونے کے بعد خبر کے مسند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خبر ان حروف کے دخول کے بعد ان کا اثر قبول کرتی ہے لفظ اور معنی دونوں میں۔

وامرہ کامر خبر المبتدا یہاں سے مصنف یہ کہہ رہے ہیں کہ جس طرح مبتدا کی خبر مفرد اور جملہ ہوتی ہے اور واحد اور متعدد ہوتی ہے، کبھی مذکور اور کبھی محذوف ہوتی ہے پھر بصورت جملہ خبر ہونے کی صورت میں عائد ہوتا ہے، اسی طرح اِنَّ اور اس کے اخوات کی بھی خبر ہر طرح ہوتی ہے، البتہ ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ مصنف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز مبتدا کی خبر بن سکتی ہے وہ اِنَّ اور اس کے اخوات کی بھی خبر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، حالاں کہ معاملہ ایسا نہیں ہے، کیوں کہ اِنَّ زَيْدٌ مِّنْ اَيْنٍ کا زَيْد کی خبر بننا درست ہے جب کہ اِنَّ اَيْنٍ زَيْدٌ، اِنَّ مِّنْ اَبْوَكٍ نَّيْسٌ بَوْلًا جاسکتا پس اِنَّ اور اس کے اخوات کی خبر کا مبتدا کے خبر کی طرح کہنا درست نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا تب ہے جب کوئی رکاوٹ نہ ہو اور شرائط موجود ہوں اور یہاں مانع ہے اور وہ یہ کہ اِنَّ تحقیق کے لیے ہوتا ہے اِنَّ اور مِّنْ استفہام کے لیے ہیں اور دونوں میں منافات ہے اس لیے ان کلمات پر اِنَّ کا دخول منع ہے۔

الافی تقدیمہ ہاں مبتدا اور حروف مشبہ بالفعل کی خبر میں ایک فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ مبتدا کی خبر مبتدا پر مقدم ہو سکتی ہے جب کہ حروف مشبہ بالفعل کی خبر ان کے اسماء پر نہیں مقدم ہو سکتی تاکہ عمل فرعی کا باطل ہونا لازم نہ آئے، اس لیے کہ حروف مشبہ بالفعل عامل ضعیف ہیں۔ البتہ جب حروف مشبہ بالفعل کی خبر ظرف ہو تو وہ ان کے اسماء پر مقدم ہو سکتی ہے کیوں کہ مشہور قاعدہ کہ الظرف بتوسع فیہ مالا يتوسع فیہ غیرہ ایک بات اور ذہن نشین کر لیجیے کہ جب حروف مشبہ بالفعل کی خبر ظرف ہو اور اس کا اسم معروف ہو تو خبر کی تقدیم صرف جائز ہے جیسے اِنَّ اَيْنًا يَابَهُمْ اور اگر اسم نکرہ ہو تو خبر کی تقدیم واجب ہے جیسے اِنَّ مِّنْ الْبَيَانِ لِسِحْرًا اور اِنَّ مِّنَ الشَّعْرِ لِحِكْمَةٌ.

خبر لا التي لنفي الجنس، هو المسند بعد دخولها مثل لا غلام رجل ظريف فيها ويحذف كثيرا وبنو تميم لا يثبتونه.

ترجمہ:- لائے نفی جنس کی خبر وہ مسند ہوتی ہے لائے نفی کے داخل ہونے کے بعد جیسے لا غلام رجل ظريف في الدار اور لا کی خبر اکثر محذوف ہوتی ہے اور بنو تميم اس کی خبر کو ثابت نہیں کرتے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف لائے نفی جنس کی خبر کو بیان کر رہے ہیں۔ جو جملہ مرفوعات میں سے ہے لائے نفی جنس کی خبر مرفوعات میں سے اس لیے ہے کہ وہ ان مفتوحہ کے لفظاً اور معنی مشابہ ہے لفظاً مشابہت تو شروع حرف کے مفتوح ہونے میں ہے اور معناً مشابہت دو طرح سے ہے یا تو تضاد کے علاقہ یا مناسبت کے علاقہ کی وجہ سے جہاں تک علاقہ تضاد کی بات ہے تو وہ تقيض کا تقيض پر محمول کرنا ہے اور علاقہ مناسبت تو اس لیے کہ لائے نفی کی تاکید کے لیے ہے اور ان اثبات کی تاکید کے لیے ہے پس لائے نفی جنس ان کے لفظاً اور معنی مشابہ ہو گیا تو لا کو ان کا عمل دے دیا گیا اب آپ سنئے کہ لائے نفی جنس کی خبر وہ اسم ہے جو لائے نفی جنس کے اوپر داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے۔ جیسے لا غلام رجل ظريف فيها.

مصنف نے لائے نفی جنس کی مشہور مثال لا رجل فيها کو اس لیے چھوڑ دیا کہ مثال مشہور میں اس بات کا وہم ہو سکتا ہے کہ خبر محذوف ہو اور فی الدار بجائے خبر کے رجل کی صفت ہو پس اس مثال میں خبر کے صفت ہونے کے وہم کا اندیشہ موجود ہے لیکن جو مثال مصنف نے بیان کیا ہے اس میں اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے۔

فيها یہ خبر بعد اظہر ہے نہ تو ظريف کا ظرف ہے اور نہ ہی حال ہے، اس لیے کہ ظرفیت دار کے ساتھ مقید نہیں ہوتی۔

مصنف نے دو خبریں اس لیے ذکر کی ہیں، تاکہ جنس غلام رجل سے ظرافت کی نفی میں کذب لازم نہ آئے، کیوں کہ فيها لانے کے بعد مطلب ہو گیا کہ آدمی کا غلام گھر میں خوش مزاج نہیں ہوتا اور یہ ہو سکتا ہے جب کہ بغیر فيها لانے مطلب ہوا کہ آدمی کا غلام خوش مزاج ہوتا ہی نہیں اور یہ واقع کے خلاف ہے۔

اور دوسرے اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ لائے نفی جنس کی خبر ظرف اور غیر ظرف دونوں طرح ہو سکتی ہے۔

ويحذف: لائے نفی جنس کی خبر عموماً محذوف ہوتی ہے، بشرطیکہ خبر افعال عامہ میں سے ہو ایسا اس لیے کہ لائے نفی جنس خبر پر دلالت کرتا ہے پس اس کے مذکور ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

و بنو تميم لا يثبتونه اصلاً: اس عبارت کے دو مطلب ہیں ایک مطلب یہ ہے کہ لائے نفی جنس کی خبر کو لفظ میں ظاہر نہیں کرتے خواہ خبر عام ہو یا خاص، اس لیے کہ بنو تميم کے نزدیک کثرت حذف وجوب

حذف کی دلیل ہے پس خبر لفظ میں وجوباً نہ کوڑ نہیں ہوگی۔ بلکہ مقدر ہوگی۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ بنو تمیم کے نزدیک لائے نئی جنس کی خبر کا نہ لفظاً اور نہ تقدیراً کسی طرح کا کوئی ثبوت ہی نہیں ہوتا بلکہ لا ان کے نزدیک اسم فعل ہے جو انتضی کے معنی میں ہے اور جو فاعل سے پورا ہو جاتا ہے، لہذا خبر کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

اسمٌ ما وَا لَا المشبهتين بليسَ هُوَ المسندُ اليه بَعْدَ دخولهما مثل ما زيدٌ قائماً وَا لَا رَجُلٌ أَفْضَلُ مِنْكَ عَمَلٌ لَا شَاذٌ .

ترجمہ: - ما اور لا المشبهتين بليس کا اسم وہ اسم ہے جو مسند الیہ ہوتا ہے دونوں کے داخل ہونے کے بعد جیسے ما زید قائماً و لا رجل افضل منك اور لا کا عمل شاذ ہے۔

توضیح: - مرفوعات میں سے ما اور لا المشبهتين بليس کا اسم بھی ہے ما اور لا ليس کے نئی میں مشابہ ہوتے ہیں، نیز مبتدا پر داخل ہونے میں مشابہ ہوتے ہیں۔ ما و لا المشبهتين بليس کا اسم ایسا اسم ہے جو دونوں کے اس پر داخل ہونے کے بعد مسند الیہ ہوتا ہے جیسے ما زید قائماً اور لا رجل افضل منك .

پھر آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ما اور لا کے عمل میں دو مذہب ہیں ایک اہل حجاز کا اور دوسرا بنو تمیم کا۔ بنو تمیم کا خیال ہے کہ ما اور لا دونوں کے لیے دو سببوں سے کوئی عمل نہیں ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ عامل کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ کسی ایک نوع کے ساتھ مخصوص ہو جب کہ ما اور لا کسی ایک نوع کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ چنانچہ یہ دونوں جیسے اسماء پر داخل ہوتے ہیں ویسے افعال پر بھی داخل ہوتے ہیں۔

اور دوسری وجہ شاعر کا قول و مُهْفَهْفِ كَالْغَصْنِ قَلْتُ لَهُ انْتَسَبَ بِ فَاجَابَ مَا قُتِلَ الْمُحِبُّ حَرَامٌ . اس میں محل استدلال حرام ہے۔ جو رفع کے ساتھ ہے اور یہی دلیل ہے کہ ما عمل نہیں کرتا ورنہ حرام نصب کے ساتھ ہوتا۔

اور اہل حجاز کا کہنا ہے کہ ما اور لا کا عمل کرنا دو وجہوں سے ثابت ہے، پہلی وجہ یہ ہے کہ ما اور لا نئی مبتدا پر داخل ہونے میں ليس کے مشابہ ہے۔ اور دوسری وجہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ما هذا الا بشرًا ہے بشرًا منصوب ہے یہ دلیل ہے کہ ما عمل کرتا ہے ورنہ بشرًا کے منصوب ہونے کی اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی ہے۔ اب جہاں تک بنو تمیم کی دلیلوں کا معاملہ ہے تو وہ سب باطل ہیں۔ پہلی دلیل کی بنیاد اس پر ہے کہ ما اور لا کسی نوع کے ساتھ مخصوص نہ ہو کر اسماء اور افعال سب پر داخل ہوتے ہیں، تو ایسا نہیں ہے بلکہ ما اور لا مشابہ بليس یہ نوع خاص کے ساتھ مختص ہیں۔ چنانچہ وہ ما اور لا جو اسماء پر داخل ہوتے ہیں۔ وہ اس ما اور لا کے

علاوہ ہوتے ہیں۔ جو افعال پر داخل ہوتے ہیں یہ اور بات ہے کہ دونوں کی شکلیں ایک سی ہیں، اس لیے فرق مخاطب پر مشتبہ ہو گیا۔

اب رہی بات شاعر کے شعر کی تو وہ شاذ ہے اور شاذ کا اعتبار نہیں ہوتا لگے ہاتھ ایک بات اور سمجھ لیجیے کہ جب ما اور لامشاہ بلیس کے عمل کے سلسلے میں دو مسلک تھے تو مصنف نے صرف اہل حجاز کے مسلک کو بیان کر کے اس لیے چھٹی کر دی کہ اہل حجاز کے نظریہ کی قرآن حمایت کرتا ہے جیسا کہ اوپر کی مثال سے ظاہر ہے اور قرآن سے بڑھ کر کوئی اور ثبوت نہیں ہو سکتا۔

و عمل لا شاذ: اور لا بہت کم عمل کرتا ہے اس لیے لا کی لیس سے مشابہت کمزور اور ناقص ہے، کیوں کہ لیس حال کی نفی کے لیے ہوتا ہے جب کہ لا مطلق نفی کے لیے ہوتا ہے لہذا جب لا حال کی نفی کے لیے ہوگا تبھی اس کی لیس سے مشابہت ہوگی گویا لا کی لیس سے بعض اوقات میں ہی مشابہت ہوگی جب کہ ما حال ہی کی نفی کے لیے آتا ہے۔ لہذا لا کا عمل سماع پر موقوف ہوگا جیسے

مَنْ صَدَّ عَنْ فِرَانِهَا فَانَا ابْنِ قَيْسٍ لَا يِرَاح

ما اور لا میں ایک فرق یہ ہے کہ ما معرفہ اور مکرمہ دونوں میں عمل کرتا ہے جب کہ لا صرف مکرمہ میں عمل کرتا ہے۔

الْمَنْصُوبَاتُ

منصوبات بارہ ہیں۔ مفعول مطلق، مفعول بہ، مفعول فیہ، مفعول لہ، مفعول معہ، حال، تمیز، مستثنیٰ، ان اور اس کے اخوات کا اسم، لائے نفی جنس کا اسم، کان اور اس کے اخوات کی خبر، ما اور لامشاہ بلیس کی خبر۔ دلیل حصر یہ ہے کہ منصوب اس کا عامل یا تو فعل ہوگا یا حرف، اگر فعل ہے تو پھر اس کا معمول اصول منصوبات سے ہے یا ملکحات منصوبات سے، اگر فعل کا معمول اصول منصوبات سے ہے تو پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ جزء فعل ہوگا یا نہیں اول مفعول مطلق ہے، ثانی اس میں چار احتمال ہیں یا فعل اس پر واقع ہے یا اس میں واقع ہے یا اس کے واسطے واقع ہے یا اس کے ساتھ واقع ہے اول مفعول بہ ثانی مفعول فیہ ثالث مفعول لہ رابع مفعول معہ اور اگر معمول ملکحات سے ہے تو معمول بین ہے یا نہیں ثانی مستثنیٰ اور اول دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ بین ملذات ہے یا بین الملصقات اول تمیز اور ثانی حال ہے۔

اور اگر منصوب کا عامل حرف ہے تو اس کا معمول یا مسند الیہ ہے یا مسند اور اگر مسند الیہ ہے تو کلام موجب میں ہے یا غیر موجب میں اول ان اور اس کے اخوات کا اسم اور ثانی لائے نفی جنس کا اسم اور اگر معمول مسند ہے تو پھر کلام موجب میں ہے یا غیر موجب میں اول افعال ناقصہ کی خبر سوائے لیس کے اور ثانی

لیس اور ما اور لا مشابہہ بلیمس کی خبر۔

الْمَنْصُوبَاتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَمَى عِلْمِ الْمَفْعُولِيَّةِ .

ترجمہ: منصوبات وہ اسم ہے جو مفعولیت کی علامت پر یعنی شی کے مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہے۔

توضیح:۔۔ یہاں سے مصنف منصوبات کی تعریف بیان کر رہے ہیں۔ پس منصوب وہ اسم ہے جو شی کے مفعول ہونے کی علامت پر مشتمل ہو۔ یعنی جس چیز میں مفعول ہونے کی علامتیں پائی جائیں گی وہ چیز منصوب کہی جائے گی۔

اور مفعول ہونے کی علامت مفردات اور غیر منصرف میں فتح اور جمع مؤنث سالم میں کسرہ ہے اور اسماء ستہ میں الف ہے جب کہ ثنیہ اور جمع مذکر سالم میں یا ہے۔
ہو ضمیر سے متعلق تفصیل بعینہ وہی ہے جو آپ نے المرفوعات ہو ما اشتمل میں پڑھا ہے۔

الْمَفْعُولُ الْمَطْلُوقُ هُوَ اسْمٌ مَا فَعَلَهُ فَاعِلٌ فَعْلٌ مَذْكُورٌ بِمَعْنَاهُ وَقَدْ يَكُونُ لِلتَّكْوِيدِ وَالتَّنْوِيعِ وَالْعَدَدِ نَحْوَ جَلَسْتُ جُلُوسًا وَجَلَسَةً وَجَلَسَةً فَالْأَوَّلُ لَا يثنى وَلَا يُجْمَعُ بِخِلَافِ آخِرِيهِ وَقَدْ يَكُونُ بِغَيْرِ نَحْوِ قَعَدْتُ جُلُوسًا .

ترجمہ: مفعول مطلق وہ اسم ہے کہ جس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو در انحالیکہ وہ فعل مذکور کے معنی میں ہو۔ اور مفعول مطلق بھی تاکید کے لیے اور کبھی نوع اور عدد کے لیے ہوتا ہے۔ جیسے جلوساً و جلوسہ و جلوسہ پس اول نہ ثنیہ ہوتا ہے اور نہ جمع بخلاف اس کے اخوین کے اور کبھی مفعول مطلق من غیر لفظ ہوتا ہے جیسے قعدت جلوساً۔

توضیح:۔۔ سب سے پہلے آپ مفعول مطلق کی وجہ تسمیہ سن لیں، مفعول مطلق اس لیے کہتے ہیں کہ اس پر مفعول کے صیغہ کا اطلاق یعنی لہ، معنہ کی قید کے بغیر درست ہے۔ اب تعریف سنئے مفعول مطلق وہ اسم ہے کہ جس کو فعل مذکور کے فاعل نے کیا ہو در انحالیکہ مفعول مطلق فعل مذکور کے معنی میں ہو۔

فاعل کے فعل سے مراد فعل کا فاعل کے ساتھ قائم ہونا ہے، کیوں کہ فاعل فعل میں مؤثر اور اس کا موجد ہوتا ہے نیز فعل کے فعل مذکور کے فاعل کے ساتھ قائم ہونے سے مراد فعل کی اسناد کا فاعل کی طرف صحیح ہونا ہے، خواہ اسناد ایجاباً ہو یا سلماً۔ اور فعل سے مراد فعل لغوی ہے۔ پھر بھی ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں۔ اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے ضربت ضرباً جیسا مفعول مطلق سے نکل جاتا ہے، اس لیے حدیث یعنی مصدر یہاں مذکور نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مذکور

عام ہے خواہ مطابقت ہو یا تضماً اور مثال مذکور میں مصدر تضماً موجود ہے بایں ہمہ ایک سوال اور ہے کہ مفعول مطلق کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں، اس لیے کہ اس تعریف سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فُضِرَب الرقاب مفعول مطلق سے نکل جاتا ہے، کیوں کہ فعل یہاں مذکور نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ فعل عام ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً پس فعل مثال مذکور میں گولفقا نہیں ہے بر تقدیراً مذکور ہے۔ تقدیر عبارت فُضِرَب ضرب الرقاب ہے۔ ایک بات دھیان رہے کہ فعل خواہ حقیقیہ فعل ہو یا شبہ فعل ہو۔

اب آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مفعول مطلق چند معانی کے لیے آتا ہے تاکید کے لیے نوعیت بیان کرنے اور تعداد کو بتانے کے لیے۔ مفعول مطلق ان ہی تین معانی کے لیے اس لیے آتا ہے کہ مفعول مطلق کا مفہوم فعل کے مفہوم سے زیادہ ہوگا یا نہیں دوسرے احتمال کی صورت میں تاکید کے لیے ہوگا اور پہلے احتمال کی صورت یا تو مفعول مطلق میں زیادتی نوع کے لیے ہوگی یا عدد کے لیے ہوگی پس اول نوع کے لیے اور ثانی عدد کے لیے ہے۔ تاکید کی مثال جلست جلوساً سے اور نوع کی مثال جلست جلست اور عدد کی مثال جلست جلست ہے جو مفعول مطلق تاکید کے لیے ہوتا ہے اس کا تشبیہ اور جمع نہیں آتا ہے، اس لیے کہ تاکید ایسے مفہوم پر دلالت کرتا ہے جو دلالت علی التعدد سے بے نیاز ہوتا ہے، جب کہ تشبیہ اور جمع تعدد کو مستلزم ہیں۔ البتہ جو مفعول مطلق نوعیت اور عدد کے بیان کے لیے آتا ہے وہ تشبیہ اور جمع ہو سکتا ہے، کیوں کہ یہ دونوں ایسی ماہیت پر دلالت کرتے ہیں جس میں تعدد ہوتا ہے پس تشبیہ اور جمع اور ان دونوں کے مفہوم میں کوئی منافات نہیں ہے۔ کبھی کبھی مفعول مطلق من غیر لفظہ ہوتا ہے خواہ بحسب المادة ہو جیسے قعدت جلوساً یا بحسب الباب ہو جیسے انبہ اللہ نباتاً۔ البتہ سیبویہ من غیر لفظہ کے قائل نہیں ہیں۔ وہ مذکورہ بالا دونوں مثالوں میں من لفظہ فعل مقدر مانتے ہیں، چنانچہ بقول ان کے تقدیر عبارت قعدت وجلست جلوساً اور انبہ اللہ فہیت نباتاً ہے، لیکن سیبویہ کا مذہب کمزور ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ولا یضرونہ شیئاً۔ ان کی رائے کے صحت کی نفی کرتا ہے کیوں کہ شیئاً من غیر لفظہ مفعول مطلق ہے۔

وَقَدْ يُحَدِّثُ الْفِعْلُ لِقِيَامِ قَرِينَةٍ جَوَازًا كَقَوْلِكَ لِمَنْ قَدِمَ خَيْرٌ مَقْدَمٍ وَوَجُوبًا سَمَاعًا مِثْلَ سَقِيَا وَرَعِيَا وَخِيْبَةً وَجَدَعًا وَحَمْدًا وَشُكْرًا وَعَجْبًا وَقِيَاسًا فِي مَوَاضِعٍ .

ترجمہ:- اور کبھی فعل کو قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے جیسے تمہارا قول آنے والے شخص کے لیے خیر مقدم اور وجوباً سماعاً حذف کیا جاتا ہے جیسے سقیاً ورعیاً وخیباً وجدعاً وحمداً وشکراً وعجباً اور قیاساً متعدد جگہوں میں حذف کیا جاتا ہے۔

توضیح:- یہاں سے منصف مفعول مطلق کے فعل کے حذف کے بارے میں احکام ذکر کرنا

چاہتے ہیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ مفعول مطلق کے فعل کے حذف کی دو صورتیں ہیں۔ ایک جوازاً دوسرے وجوباً۔ مفعول مطلق کے فعل کو جوازاً اس وقت حذف کرتے ہیں جب مفعول مطلق کے حذف پر کوئی قرینہ موجود ہو خواہ قرینہ لفظی ہو یا عقلی پس آنے والے شخص کے لیے آپ کا خیر مقدم کہنا درست ہے، کیوں کہ یہاں آنے والے کا حال فعل کے وجود پر قرینہ ہے، چنانچہ قدمت فعل کو حذف کر دیا گیا تقدیر عبارت ہے قدمت قدوماً خیر مقدم۔ خیر مقدم کا مفعول مطلق کہنا مجازاً ہے ورنہ درحقیقت مفعول مطلق قدوماً موصوف ہے جس کو حذف کر کے صفت کو اس کا قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔

ووجوباً سماعاً: فعول مطلق کے فعل کے وجوباً حذف کی دو صورتیں ہیں سماعاً اور قیاساً سماعاً جیسے سقیاء، ورعیاء، خبیئۃ، جدعاً، حمداء، شکرًا کہ اصل میں سفاک اللہ سقیاء اور رعاک اللہ رعیاء، خاب خبیئۃ، جدع جدعاً حمدت حمدًا، شکرت شکرًا ہے۔

سماعاً کا مطلب یہ ہے کہ ان مفاعیل مطلقہ کا استعمال ان کے افعال عاملہ کے ساتھ کلام عرب میں نہیں پایا جاتا ہے، بلکہ ان کا استعمال ان کے افعال کے حذف کے ساتھ ہی عربوں سے سنا گیا ہے، لہذا اب اس کا استعمال ہمیشہ فعل کے حذف کے ساتھ ہی ہوگا۔

فائدہ:۔ یہ بات دھیان رہے کہ مذکورہ بالا مفاعیل مطلقہ کا استعمال ان کے افعال کیساتھ فصحاء عرب کے کلام میں موجود نہیں ہے ورنہ غیر لغت میں ان کا استعمال ان کے افعال کے ساتھ ہوتا ہے۔

وقیاساً فی مواضع: مفعول مطلق کے فعل کا حذف وجوباً قیاساً متعدد جگہوں پر ہوتا ہے جن میں سے وہ مواقع کتاب میں مذکور ہیں۔ جن کے اسباب زیادہ ہیں۔ آگے پڑھنے سے پہلے سن لیجئے کہ قیاساً کا مطلب ہے حسب ضابطہ معاملہ کرنا۔ اب ساعت فرمائیے کہ جن مقامات پر مفعول مطلق کے فعل کا حذف وجوباً ہوتا ہے ان میں ایک جگہ یہ ہے کہ مفعول مطلق نفی یا معنی نفی کے بعد مثبت واقع ہو اور وہ نفی یا معنی نفی ایسے اسم پر داخل ہوں کہ مفعول مطلق جس کی خبر نہ ہو سکتا ہو۔ یا مفعول مطلق ایسے اسم کی خبر کی جگہ میں مکرر واقع ہو کہ مفعول مطلق اس اسم کی خبر نہ ہو سکتا ہو۔ تو مفعول مطلق کے فعل کا ایسی جگہوں پر حذف واجب ہے جیسے ما انت الا سیراً پس سیراً مفعول مطلق ہے جو کہ نفی یعنی ما کے بعد مثبت واقع ہے اور ما ایسے اسم یعنی انت پر داخل ہے کہ مفعول مطلق اس کی خبر نہیں بن سکتا ورنہ وصف محض کا ذات پر حمل لازم آئے گا اور یہ درست نہیں کیوں کہ انت ذات ہے اور سیراً مصدر ہے اور مصدر وصف محض ہوتا ہے پس اگر مفعول مطلق کو انت کی خبر قرار دیا جائے تو حسب ضابطہ سیراً انت پر محمول ہوگا۔ اور آپ اس کا انجام سن چکے ہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ سیراً بجائے خبر ہونے کے مفعول مطلق ہی ہوگا، البتہ فعل محذوف ہوگا تقدیر عبارت ہوگی ما انت الا تسیراً اور ما انت الا سیراً البرید کی تفصیل کو ما انت الا سیراً کی تفصیل پر قیاس کیجیے۔

البتہ اس قاعدے کی مصنف نے دو مثالیں اس امر پر تنبیہ کرنے کے لیے دی کہ وہ مفعول مطلق جو موقع خبر میں واقع ہوتا ہے دو قسموں پر ہے ایک نکرہ۔ دوسرا معرفہ۔ پس اول نکرہ کی مثال ہے اور ثانی معرفہ کی مثال ہے اور انما انت سیراً میں سیراً مفعول مطلق ہے جو کہ معنی نفی کے بعد مثبت واقع ہے اور معنی نفی انما ہے جو کہ انت پر داخل ہے جس کی سیراً مفعول مطلق خبر نہیں ہو سکتا ورنہ وصف محض کا ذات پر حمل لازم آئے گا پس تقدیر عبارت ہوگی انما انت تسیر سیراً۔ اور زید سیراً سیراً یہ موقع خبر میں مفعول مطلق کے مکرر واقع ہونے کی مثال ہے۔ پس سیراً مفعول مطلق ہے جو کہ مکرر واقع ہے اور خبر کی جگہ میں ہے لیکن زید کی خبر نہیں بن سکتا، ورنہ مذکورہ بالا خرابی لازم آئے گی۔

ان مقامات پر فعل ناصب کا حذف اس لیے واجب ہے کہ قاعدہ ہے کہ جب مصدر ذات پر محمول ہوتا ہو اور قرینہ مجاز کے مراد نہ ہونے پر دال ہو تو عقل مصدر کے مفعول مطلق ہونے کا حکم لگاتی ہے پس یہاں حذف قرینہ اور قائم مقام کے پائے جانے کی وجہ سے واجب ہے۔ جہاں تک قرینہ کا تعلق ہے تو قرینہ معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام تو معمول کا اپنے عامل کی جگہ لینا ہے۔ ایک بات اور ذہن نشیں کر لیجیے کہ دو مستقل قاعدوں کو علیحدہ بیان کرنے کے بجائے ایک ساتھ یعنی ایک منہا میں اس لیے بیان کر دیا کہ دونوں کی قید ایک ہے نیز دونوں موقع خبر میں واقع ہوتے ہیں۔

وَمِنْهَا مَا وَقَعَ تَفْصِيلاً لِأَثَرِ مَضْمُونٍ جُمْلَةً مُتَقَدِّمَةً مِثْلَ فَشَدُّوا الْوَثَاقَ فَمَا مَنَّا بَعْدَ وَ أَمَّا فَذَاءٌ .

ترجمہ:- اور ان مقامات میں کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے ایک مقام یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملہ کے اثر کی تفصیل واقع ہو جو مفعول مطلق سے مقدم ہو جیسے فشداوا الوثاق فاما منا بعد واما فذاء .

توضیح:- یہاں سے مصنف ان مواقع میں سے کہ جہاں پر مفعول مطلق کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے ایک اور مقام کو بیان کر رہے ہیں اور وہ مقام یہ ہے کہ مفعول مطلق ایسے جملے کے مضمون کے اثر کی تفصیل یعنی بیان واقع ہو جو جملہ مفعول پر مقدم ہو۔ آگے پڑھنے سے پہلے سمجھ لیجیے کہ مضمون جملہ سے مراد جملہ سے مفہوم ہونے والا وہ مصدر ہے جو فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو اور اثر سے مراد وہ غرض ہے جو مضمون جملہ سے مطلوب ہوتی ہے اور اثر کی تفصیل سے مراد انواع مختلفہ کا بیان ہے۔

اب دیکھیے فَشَدُّ الْوَثَاقَ فَمَا مَنَّا بَعْدَ وَ أَمَّا فَذَاءٌ میں فَشَدُّوا جملہ ہے جو مفعول مطلق سے پہلے ہے اور شد الوثاق مضمون جملہ ہے اور وہ غرض جو شد الوثاق سے مطلوب ہے یا تو احسان کرنا ہے یا فد یہ دینا اور منا اور فذاء مضمون جملہ کے غرض کے انواع مختلفہ کا بیان ہے۔ پس یہاں فعل کا حذف

واجب ہے قرینہ اور قائم مقام دونوں کے پائے جانے کی وجہ سے۔ بہر حال قرینہ تو وہ معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام تو وہ جملہ سابقہ ہے جو اس مصدر پر دلالت کرتا ہے جو کہ مفعول مطلق ہے۔ پس تقدیر عبارت ہے "فشدوا الوثاق فاما تمنون منا واما تفدون فداء۔"

فائدہ:- اور فشدوا الوثاق الخ جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جب فعل صیغہ امر سے طلب کیا جائے اور پھر امر کے فائدے کو بصورت مصدر علی سبیل التردد بیان کیا جائے۔

وَمِنْهَا مَا وَقَعَ لِلتَّشْبِيهِ عِلَاجًا بَعْدَ جُمْلَةٍ مُشْتَمِلَةٍ عَلٰی اسْمٍ بِمَعْنَاهُ وَصَاحِبِهِ نَحْوُ مَرَّتْ بِهِ فَاذًا لَه صَوْتٌ حِمَارٌ وَصَرَخَ صَرَخَ الشَّكْلِي.

ترجمہ:- اور ان مقامات میں سے جہاں مفعول مطلق کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے ایک مقام یہ ہے کہ مفعول مطلق بطور علاج تشبیہ کے لیے واقع ہوا ایسے جملہ کے بعد جو جملہ ایسے اسم پر مشتمل ہو کہ وہ اسم مفعول مطلق کے معنی میں ہو اور اسم والے پر مشتمل ہو جیسے مررت بہ فاذا لہ صوت حمار و صراخ و صراخ الشکلی۔

توضیح:- سب سے پہلے تشبیہ کے معنی سمجھ لیں تشبیہ کہتے ہیں ہو الدلالة علی مشاركة امر لا امر فی المعنی۔

یعنی ایک امر کا دوسرے امر کے لیے معنی میں شرکت پر دلالت کرنا اور علاجاً کا مطلب ہے کہ وہ مصدر حدوث پر دلالت کرتا ہو یعنی اس مفعول مطلق کا تعلق اعضاء اور جوارح سے ہو۔

جب آپ نے اتنا سمجھ لیا تو اب سنئے کہ جن جگہوں پر مفعول مطلق کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے ان میں سے ایک جگہ یہ ہے کہ مفعول مطلق تشبیہ کے لیے بطور علاج کے ایسے جملہ کے بعد واقع ہو کہ وہ جملہ ایسے اسم پر مشتمل ہو کہ وہ اسم مفعول مطلق کے معنی میں ہو اور اس اسم والے پر مشتمل ہو۔ پس ان کے قول للتشبیہ سے احتراز ہو گیا اور لزید صوت حسن سے کیونکہ یہاں صوت حسن تشبیہ کے لیے نہیں ہے اور ان کے قول علاجاً سے احتراز ہو گیا زید زہد اصحاء جیسے سے کیونکہ زہد معالج یعنی حدوث پر دلالت کے لیے نہیں ہے اور اس کا قول بعد جملہ سے احتراز ہو گیا صوت زید صوت حمار سے کیوں کہ صوت حمار جملہ کے بعد نہیں ہے اور ان کا قول علی اسم بمعناه سے احتراز ہو گیا مررت بزید فاذا لہ صفة صوت حمار جیسے سے، کیوں کہ صفت ایسا اسم ہے جو مفعول مطلق کے معنی میں نہیں ہے اور ان کا قول و صاحبہ سے احتراز ہو گیا مررت بالبلد فاذا لہ صوت حمار جیسے سے، کیوں کہ اس مثال میں جملہ صاحب اسم پر مشتمل نہیں ہے۔ خیر اب قاعدے کو مثال سے سمجھئے جیسے مررت بہ فاذا لہ صوت حمار و صراخ و صراخ الشکلی پس صوت حمار مفعول مطلق ہے تشبیہ کے لیے

ہے جو افعال جو ارجح میں سے ایک فعل پر دلالت کرتا ہے نیز جملہ یعنی لہ صوت کے بعد واقع ہے اور جملہ ایسے اسم یعنی صوت پر مشتمل ہے جو مفعول مطلق کے معنی میں ہے نیز جملہ اسم کے صاحب پر مشتمل ہے اور وہ لہ میں ضمیر مجرور ہے پس یہاں حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے قرینہ معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام جملہ سابقہ ہے پس تقدیر عبارت ہوگی مردت بہ فاذا لہ صوت بصوت صوتاً مثل صوت حمار اور مردت بہ فاذا لہ صراخ بصراخ صراخاً مثل صراخ الشکلی۔

مصنف نے اس ضابطے کی دو مثالیں اس بات پر تنبیہ کے لیے دی ہے کہ مفعول مطلق کی مذکورہ نوع دو قسموں پر ہے ایک نکرہ دوسرے معرف تو پہلی مثال نکرہ کی ہے اور دوسری مثال معرف کی ہے۔

وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مضمونٌ جملۃً لا محتملٌ لہا غیرۃٌ نحو لہ علی الف درہم اعترافاً
وتسمی تاًکیداً لنفسہ۔

ترجمہ:- اور ان جگہوں میں سے ایک جگہ یہ ہے کہ مفعول مطلق جملہ کا ایسا مضمون واقع ہو کہ جملے کے لیے اس کے علاوہ کا احتمال نہ ہو جیسے لہ علی الف درہم اعترافاً اور اس کا نام تاًکید لنفسہ رکھا جاتا ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف ایک اور ایسے مقام کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ جہاں مفعول مطلق کے فعل کا حذف کرنا واجب ہے اور وہ یہ ہے کہ مفعول مطلق جملہ کا ایسا مضمون واقع ہو کہ جملے کے لیے مفعول مطلق کے علاوہ کا احتمال نہ ہو۔ جیسے لہ علی الف درہم اعترافاً پس اعترافاً مفعول مطلق واقع ہے جو کہ جملہ کا ایسا مضمون ہے کہ جملے کے لیے اس کے علاوہ کا احتمال نہیں ہے، کیوں کہ لہ علی فقہاء کی اصطلاح میں علی بئیل الاعتراف لزوم مال کی صراحت ہے پس یہاں حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام کے پائے جانے کی وجہ سے قرینہ تو معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام جملہ سابقہ ہے۔

مفعول مطلق کی اس قسم کا نام تاًکید لنفسہ بھی ہے، اس لیے کہ یہ اپنی تاًکید کرتا ہے تقدیر عبارت ہوگی لہ علی الف درہم اعترافاً تاًکیداً لنفسہ۔

وَمِنْهَا وَقَعَ مضمونٌ جملۃً لا محتملٌ غیرہ نحو زید قائم حقاً وتسمی تاًکیداً لغيرہ۔

ترجمہ:- اور انہیں میں سے ہے کہ مفعول مطلق جملہ کا ایسا مضمون واقع ہو کہ اس جملے کے لیے مفعول مطلق کے علاوہ کا احتمال ہو۔ جیسے زید قائم حقاً اور اس کا نام تاًکید لغيرہ رکھا جاتا ہے۔

توضیح:- یہ بھی ان مقامات میں سے ہے کہ اگر مفعول مطلق جملہ کا ایسا مضمون واقع ہو کہ اس جملے کے لیے بطور مضمون جملہ مفعول مطلق کے علاوہ کا بھی احتمال ہو تو فعل کا حذف واجب ہے جیسے زید قائم

حقاً پس حقاً مفعول مطلق ہے جو جملہ کا ایسا مضمون واقع ہے کہ جملہ کے لیے اس کے علاوہ کا بھی احتمال ہے، کیوں کہ زید قائم جملہ خبریہ ہے اور جملہ خبریہ کذب و صدق حق و باطل دونوں کا احتمال رکھتا ہے پس یہاں حذف قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے واجب ہے۔ قرینہ معمول کا منصوب ہونا ہے اور قائم مقام جملہ سابقہ ہے۔ تقدیر عبارت ہوگی زید قائم حق حقاً مفعول مطلق کی اس قسم کا تاکید لغیرہ نام رکھا جاتا ہے۔

یہاں اس پر ایک سوال وارد ہوتا ہے کہ تاکید لغیرہ محال ہے، کیوں کہ تاکید لفظ واحد کو دو مرتبہ تلفظ کرنے کو کہتے ہیں اور یہ معنی مغايرة کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مغايرة حقیقیہ مراد نہیں ہے بلکہ مغايرة اعتباریہ مراد ہے، کیوں کہ جب حقاً لفظ مصدر کے ساتھ منصوص علیہ ہے تو وہ اس حق کا مؤکد ہوگا جس کا جملہ حتمال رکھتا ہے۔

وَمِنْهَا مَا وَقَعَ مِثْلُ لَبِيكُ وَسَعْدِيكُ.

ترجمہ:- اور انھیں مقامات میں سے ہے کہ مفعول مطلق ثنیہ واقع ہو۔ جیسے لَبِيكُ وَسَعْدِيكُ.

توضیح:- آگے بڑھنے سے پہلے یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ تنبیہ سے حقیقتاً ثنیہ ہونا مراد نہیں ہے، بلکہ عام ہے خواہ حقیقتہ ثنیہ ہو یا تکریراً و تکثیراً ہو۔ نیز ثنیہ سے مراد یہاں وہ ثنیہ ہے جو فاعل یا مفعول کی طرف مضاف ہو جیسے لَبِيكُ وَسَعْدِيكُ. لَبِيكُ اصل میں الب لبك البابین تھا پھر فعل کو حذف کر دیا اور مفعول مطلق کو فعل کا قائم مقام بنا دیا پس البابین لبك ہو گیا پھر مفعول مطلق مصدر کو بھلائی مجرد کی طرف لوٹا دیا زوائد کے حذف کے ساتھ پس لَبِيكُ لبك ہو گیا پھر لام جارہ کو تخفیفاً حذف کر دیا گیا اور نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ پس لببيك ہو گیا۔ پھر باء کا باء میں ادغام کر دیا لببيك ہو گیا۔

اسی طرح سعديك اسعدك اسعادین تھا۔ پس فعل کو حذف کر دیا گیا اور مصدر یعنی مفعول مطلق کو اس کا قائم مقام بنا دیا۔ اور مزید سے مجرد کر لیا زوائد کے حذف کے ساتھ اور نون اضافت کی وجہ سے گر گیا پس سعديك ہو گیا۔ تو یہاں فعل کا حذف قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے واجب ہے قرینہ معمول کا منصوب ہونا ہے۔ اور مفعول مطلق خود قائم مقام ہے۔

المفعول به هو ما وقع عليه فعل الفاعل نحو ضربت زيدا وقد يتقدم على الفعل نحو زيدا ضربت وقد يُحذف الفعل لقيام قرينة جوازاً كقولك زيدا لمن قال من أضرب ووجوباً في أربعة مواضع الاول سماعي نحو امرأ ونفسه وانتهوا خيراً لكم وأهلاً وسهلاً.

ترجمہ:- مفعول بہ وہ اسم ہے کہ جس پر فاعل کا فعل واقع ہو جیسے ضربت زیداً اور مفعول بہ فعل پر کبھی مقدم ہوتا ہے جیسے زیداً ضربت۔ اور کبھی فعل کو قرینہ کی وجہ سے جوازاً حذف کر دیا جاتا ہے جیسے تیرا قول زیداً اس شخص کے لیے جس نے کہا من اضرب اور وجوباً چار جگہوں میں حذف کیا جاتا ہے۔ پہلا ساقی ہے، جیسے امرأ و نفسه و انتھوا خیر لکم اھلاً و سهلاً۔

توضیح:- مفعول بہ وہ اسم ہے جس پر فاعل کا فعل واقع ہوتا ہے یعنی مفعول بہ وہ اسم ہے جس سے فاعل کا وہ فعل بالذات متعلق ہوتا ہے کہ جس کی اسناد فاعل کی طرف معتبر ہوتی ہے فاعل عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً۔

ان قیود کے ملحوظ رکھنے کی وجہ سے متعدد اعتراض ختم ہو جاتے ہیں، مثلاً تعلق کی قید سے ایانک نعبذ کو لے کر اعتراض نہیں ہو سکتا ہے کہ فاعل کا فعل ایانک پر واقع نہیں ہے، حالانکہ وہ مفعول بہ ہے، کیوں کہ وقوع فعل سے مراد اس کا مفعول بہ سے تعلق مراد ہے پس تعلق یہاں موجود ہے نیز بالذات کی قید سے موردت بزید سے وارد ہونے والا سوال ختم ہو گیا، کہ فاعل کے فعل کا تعلق زید سے ہے۔ لہذا اس کو مفعول بہ ہونا چاہئے، حالانکہ وہ نہیں ہے تو معاملہ صاف ہے کہ تعلق سے مطلقاً تعلق نہیں مراد ہے، بلکہ فعل کا وہ تعلق مراد ہے جو تعلق مفعول بہ سے بلا واسطہ ہو اور موردت بزید میں فعل کا تعلق باء کے واسطے سے ہے۔

نیز اسناد کے معتبر ہونے کی قید سے ضربت زید کو لے کر جو سوال کیا جاتا تھا کہ مفعول بہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے، کیوں کہ زید سے فاعل کا فعل براہ راست متعلق ہے، لہذا اس کو کبھی مفعول بہ کہنا چاہئے، حالانکہ وہ نائب فاعل ہے تو اس کا جواب قید مذکور سے ہو جاتا ہے کہ مفعول بہ کی تعریف میں فعل سے وہ فعل مراد ہے کہ جس کی اسناد فاعل کی طرف معتبر ہو اور ضربت زید میں ضربت ان افعال میں سے نہیں ہے کہ جن کی فاعل کی طرف اسناد معتبر ہو۔

وقد يتقدم علی الفعل: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مفعول بہ کی اس کے عامل فعل پر تقدیم سے کوئی مانع موجود نہیں ہوتا تو جوازاً مفعول بہ کو فعل پر مقدم کر دیا جاتا ہے جیسے ایانک نعبذ و ایانک نستعین اور اگر مفعول بہ ایسا لفظ ہو جو صدارت کلام کو چاہتا ہے تو مفعول بہ کی تقدیم واجب ہے جیسے من ضربت، مفعول بہ کی فعل پر تقدیم اس لیے درست ہے کہ فعل قوی العمل ہوتا ہے پس وہ مفعول مقدم اور مؤخر دونوں میں عمل کرے گا۔

اچھا جب مفعول کی اس کے عامل پر تقدیم سے کوئی رکاوٹ ہو تو تقدیم ممکن نہ ہوگی جیسے من البوان تکف لسانک میں پس ان موصول حرنی ہے اور تکف اس کا صلہ ہے اور صلہ کی تقدیم موصول پر درست نہیں ہوگی، لہذا اصلہ کے معمول یعنی لسانک کی تقدیم موصول پر بدرجہ اولیٰ نہیں ہوگی پس مفعول کی تقدیم

کی راہ میں رکاوٹ ان موصول حرفی ہے۔

وقد يحذف الفعل لقيام قرينة جوازاً: جب فعل کے وجود پر قرینہ خواہ عقلی ہو یا لفظی موجود ہوتا ہے تو مفعول بہ کے فعل کا حذف کرنا درست ہوتا ہے، جیسے کسی نے آپ سے پوچھا ماذا آكلت تو آپ نے اس کے جواب میں خبزاً کہہ دیا تو یہاں اكلت فعل حذف کر دیا گیا ہے کہ جس کے وجود پر سائل کا سوال قرینہ ہے۔ البتہ چار مقامات ایسے ہیں جہاں مفعول بہ کے فعل کا حذف واجب ہوتا ہے۔ ایک بات یہیں نوٹ کر لیجیے کہ مفعول بہ کے فعل کا وجود با حذف ہونا چار مقامات ہی میں منحصر نہیں ہے، بلکہ باب اغراء جیسے اخاك اخاك یعنی خذ اخاك اور منصوب علی المدح جیسے الحمد لله الحميد یعنی اعني الحميد اور منصوب علی الازم جیسے اعوذ بالله من الشيطان الرجيم یعنی اعني الرجيم اور منصوب علی الترحم جیسے مورت بزید ن المسكين یعنی اعني المسكين میں بھی فعل وجوداً محذوف ہوتا ہے۔ ہاں مباحث کی طولانی ان چار مقامات میں زیادہ ہے۔ اس لیے مصنف نے ان چار مقامات کو ہی بیان کیا ورنہ مصنف مطلقاً حصر نہیں بیان کرنا چاہتے۔

پہلی جگہ سائی ہے یعنی اس کا کوئی ضابطہ نہیں، بلکہ عربوں سے اس مثال کو فعل کے حذف کے ساتھ ہی سنا گیا ہے جیسے امرأ نفسه اصل میں اترك امرأ نفسه ہے اور انتھوا خیر الکم اصل میں انتھوا من التلث والصدوا خیراً لکم ہے۔ دھیان رہے کہ انتھوا کو خیراً لکم کا عامل نہیں قرار دیا جاسکتا ورنہ معنی تضاد و فساد لازم آئے گا۔ اور تیسری مثال اھلاً وسھلاً ہے جو اصل میں التیت اھلا اور وطیت سھلاً ہے آخری جملہ مہمانوں کی آمد کے موقع سے بولا جاتا ہے۔

وَالثَّانِي الْمُنَادِي وَهُوَ الْمَطْلُوبُ إِقْبَالَهُ بِحَرْفِ نَائِبٍ مُنَابٍ أَدْعُو لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا وَيُنْبِي عَلَى مَا يُرْفَعُ بِهِ إِنْ كَانَ مَفْرُودًا مَعْرِفَةً نَحْوَ يَا زَيْدُ وَيَا رَجُلُ وَيَا زَيْدَانُ وَيَا زَيْدُونَ وَيُخَفِّضُ بِلَامٍ الْإِسْتِغَاةَ نَحْوَ يَا لَزِيدٍ وَيُفْتَحُ لِالْحَاقِ الْفَهَا وَلِلَا لَمْ فِيهِ نَحْوَ يَا زَيْدَاهُ وَيُنْصَبُ مَا سِوَاهُمَا نَحْوَ يَا عَبْدَ اللَّهِ وَيَا طَالِعًا جَبَلًا وَيَا رَجُلًا لغير معين.

ترجمہ:- دوسری جگہ منادی ہے اور منادی وہ اسم ہے جس کی توجہ ایسے حرف کے ذریعہ مطلوب ہوتی ہے جو ادعو کے قائم مقام ہوتا ہے خواہ وہ حرف لفظاً ہو یا تقدیراً اور منادی اس علامت پر مبنی ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ رفع دیا جاتا ہے۔ اگر منادی مفرد معرف ہو جیسے یازید اور یارجل اور یازیدان اور یازیدون، اور منادی مجرور ہوتا ہے لام استغاثہ کی وجہ سے جیسے یا لزید اور منادی مفتوح ہوتا ہے الف استغاثہ کے لاحق کرنے کی وجہ سے اور اس میں لام استغاثہ نہیں ہوتا ہے جیسے یازید اور منادی منصوب ہوتا ہے ان صورتوں کے علاوہ میں جیسے یا عبد اللہ اور یا طالعاً جبلاً اور یارجل غیر معین کی صورت میں۔

توضیح:- یہاں سے مصنف اس دوسری جگہ کی نشاندہی کر رہے ہیں، کہ جہاں پر مفعول یہ کے

نقل کا حذف واجب ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مفعول بہ منادئی ہو منادئی وہ اسم ہے کہ جس کی توجہ مطلوب ہو ایسے حرف کے ذریعہ جو ادعو کے قائم مقام ہوتا ہے خواہ وہ حرف لفظاً ہو یا تقدیراً۔ منادئی کی اس تعریف پر ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ منادئی کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے وہ منادئی خارج ہو گیا کہ جس میں نداء دینے والے اور منادئی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ توجہ عام ہے خواہ بوجہ ہو یا بقلب ہو۔ اب بھی مطلع پوری طرح صاف نہیں ہو اور وہ ہے کہ پھر بھی منادئی کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف کی رو سے یا سماء اور یا جبل جیسے منادئی سے خارج ہو گئے، کیوں کہ ان کی توجہ نہ بوجہ ممکن ہے اور نہ بقلب تو اس کا جواب یہ ہے کہ طلب توجہ بوجہ اور بقلب عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً پس اگرچہ توجہ ان مثالوں میں حقیقتاً نہیں ہے لیکن حکماً ہے۔

لفظاً اور تقدیراً کا نصب مفعول مطلق ہونے کے اعتبار سے ہے اصل عبارت طلباً لفظیاً اور

تقدیراً ہے۔

منادئی منصوب کیوں ہوتا ہے؟ اس سلسلے میں تین مذہب ہیں۔ سیبویہ، مبرد، بوعلی، سیبویہ کا خیال ہے کہ منادئی فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اور مبرد کا مذہب یہ ہے کہ منادئی اس حرف ندا کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے جو فعل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ اور ابوعلی کا کہنا ہے کہ منادئی حرف ندا کی وجہ سے اس اعتبار سے منصوب ہے کہ وہ اسمائے افعال کے قبیل سے ہے، لیکن مصنف کے نزدیک مختار سیبویہ کا مسلک ہے۔

اب منادئی کے احکام سنو! پہلا حکم یہ ہے کہ منادئی علامت رفع پر مبنی ہوگا اگر منادئی مفرد معرفہ ہو تو مبنی اس لیے ہوگا کہ منادئی مذکور کاف اس کی جگہ پر واقع ہے جو کاف حرف خطاب کے مشابہ ہے پس مبنی اصل کے ساتھ مناسبت ہوگئی، لہذا مبنی ہوگا۔ اور بجائے سکون کے حرکت پر اس لیے مبنی ہے کہ سکون مبنی اصل کی علامت ہے اور بجائے ضمہ کے علامت رفع پر اس لیے ہے تاکہ الف اور واؤ کو بھی عام ہو جائے۔ اور علامت رفع پر ہی مبنی اس لیے ہوگا کہ اگر فتح پر مبنی قرار دیا جاتا تو اس منادئی سے اشتباہ پیدا ہو جاتا جس کے آخر میں الف ہو پھر الف کو حذف کر دیا گیا ہو۔ اور ما قبل کے فتح پر اکتفا کیا گیا ہو۔ جیسے یا غلام کہ اصل میں یا غلاما تھا وہ الف جو یائے متکلم کے عوض میں تھا حذف ہو گیا اور ما قبل فتح باقی رہ گیا اور اگر کسرہ پر مبنی کیا جاتا تو اس منادئی کے ساتھ اشتباہ لازم آتا جو یائے متکلم کی طرف مضاف ہو۔ پھر یا کو حذف کر کے ما قبل کے کسرہ پر اکتفا کیا گیا ہو، جیسے یا رب کہ اصل میں یا ربی تھا یا تخفیفاً حذف ہوگئی اور ما قبل کسرہ باقی رہ گیا۔

یاد رہے کہ منادئی کے باب میں مفرد سے مراد یہ ہے کہ جو نہ مضاف ہو اور نہ شبہ مضاف مذکورہ بالا

قاعدے کی مصنف نے چند مثالیں اس لیے دیں کہ معرفہ ہونا عام ہے خواہ ندا سے پہلے ہو یا ندا کے بعد ہو پہلی مثال معرفہ قبل النداء کی ہے اور دوسری مثال معرفہ بعد النداء کی ہے بشرطیکہ منادئی سے مخصوص آدمی مراد ہو اور تیسری مثال مبنی بالالف اور چوتھی مثال مبنی علی الواو کی ہے۔

منادئی کا دوسرا حکم یہ ہے کہ جب منادئی پر لام استغاثہ ہو تو منادئی مجرور معرب ہوگا۔ معرب اس لیے ہوگا کہ لام استغاثہ لام جارہ ہے اور لام جارہ اسم کے بڑے خواص میں سے ہے اور بڑے خواص میں سے ہونے کی وجہ سے اسمیت کی جہت طاقتور ہوگی اور حرف سے مشابہ ہونے کا پہلو کمزور ہو گیا۔ لہذا منادئی کی یہ قسم معرب ہوگی۔ اور مجرور اس لیے ہوگی کہ لام استغاثہ لام جارہ ہے۔ اور لام جارہ اپنے مدخول کو کسرہ دیا کرتا ہے البتہ خود لام استغاثہ باوجود لام جارہ ہونے اور اسم تام پر داخل ہونے کے مفتوح ہوگا۔ تاکہ مستغاث کے محذوف ہونے کی صورت میں مستغاث اور مستغاث لہ میں اشتباہ پیدا نہ ہو، کیوں کہ مستغاث لہ کے قائم مقام ہو جانے کی وجہ سے اس کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

رہی بات کہ استغاثہ کے لیے لام کو ہی کیوں مخصوص کیا تو اصل بات یہ ہے کہ لام استغاثہ لام جارہ ہے۔ اور لام جارہ اختصاص کے لیے ہوتا ہے۔ اور مستغاث بھی اپنے امثال کے درمیان دعا کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے پس ان دونوں کے درمیان مناسبت ہے۔

منادئی کا تیسرا حکم یہ ہے کہ منادئی مفتوح ہوگا جب اس کو الف استغاثہ لاحق ہو جائے منادئی پر لام استغاثہ نہیں آتا، اس لیے کہ لام اپنے مدخول کے مجرور ہونے کا نقضا کرتا ہے اور الف اپنے ما قبل مفتوح کا نقضا کرتا ہے اور ان دونوں میں منافات ہے۔

ایک سوال ہے کہ منادئی کی اس قسم کو مبنی کیوں قرار دیا باوجود یکہ اسم میں اصل معرب ہونا ہے۔ نیز فتحہ پر مبنی کیوں قرار دیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ منادئی کی یہ قسم مبنی اس لیے ہے کہ منادئی کاف الکی کی جگہ پر واقع ہے، جو کاف حرفی کے مشابہ ہے۔ اور فتحہ پر اس لیے مبنی قرار دیا کہ الف اپنے فتحہ کا متقاضی ہوتا ہے۔

منادئی کا چوتھا حکم یہ ہے کہ منادئی منصوب ہوگا جب کہ وہ مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ ہو ماسوا ہما کی ضمیر کا مرجع منادئی مفرد معرفہ اور مطلق مستغاث ہے خواہ وہ باللام ہو یا بالالف۔

منادئی مفرد معرفہ کا ماسوا چار قسموں پر ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ مضاف ہو جیسے یا عبد اللہ دوسری قسم مشابہ مضاف ہو جیسے یا طالعاً جبلاً۔ اور تیسری قسم معرفہ نہ ہو بلکہ نکرہ ہو جیسے یار جلا جب کہ غیر متعین فرد کے لیے بولا گیا ہو۔ اور چوتھی قسم نہ مفرد ہو اور نہ معرفہ ہو جیسے یا حسن و جہہ ظریفاً۔ مصنف نے چوتھی قسم کی مثال بیان نہیں کی، اس لیے کہ دوسری قسم کی مثال میں چوتھی قسم کی مثال بننے کا احتمال پایا جاتا ہے۔

اب سنئے مضاف اور مشابہ مضاف اس لیے معرب اور منصوب ہوں گے کہ یہ دونوں اسم کے اعظم

خواص میں سے ہیں پس اسمیت کا پہلو طاقتور اور حرف سے مشابہ ہونے کا پہلو کمزور ہو گیا اور منصوب اس لیے کہ منادی فی الواقع مفعول بہ ہے اور جب کوئی مانع نہ ہو تو مفعول بہ منصوب ہوتا ہے۔
اچھا جب منادی نکرہ غیر متعین ہو تو اس لیے معرب ہو گا کہ وہ کاف اسی کی جگہ پر واقع نہیں ہے، کیوں کہ نکرہ معرفہ کی جگہ میں واقع نہیں ہوتا۔

وَتَوَابِعِ الْمُنَادَى الْمُبْنَى الْمَفْرَدَةَ مِنَ التَّكْيِيدِ وَالصِّفَةِ وَعَطْفِ وَالْمَعْطُوفِ بِحَرْفِ
بِالْمَمْتَعِ دَخُولِ يَا عَلَيْهِ تَرْفَعُ عَلَى لَفْظِهِ وَتَنْصُبُ عَلَى مَحَلِّهِ مَثَلُ يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ
وَالْعَاقِلُ .

ترجمہ:- منادی مبنی کا مفرد تابع یعنی تاکید اور صفت اور عطف بیان اور معطوف ایسے حرف کے ذریعہ کہ جس پر یا کا دخول محال ہے۔ کو رفع دیا جاتا ہے اس کے لفظ پر اور نصب دیا جاتا ہے اس کے محل پر جیسے يَا زَيْدُ الْعَاقِلُ وَالْعَاقِلُ .

توضیح:- جب مصنف منادی کے احکام سے فارغ ہوئے تو اب منادی کے توابع کے احکام بیان کر رہے ہیں۔ تو آپ توابع منادی کا اصل حکم سمجھنے سے پہلے اس حکم کی قیدوں کو سمجھ لیجیے پس مصنف کا قول و توابع المنادی المبنی احتراز ہے منادی معرب کے توابع سے اس لیے کہ معرب کا تابع لفظ میں تابع ہوتا ہے۔ اور ان کا قول علی الضم احتراز ہے منادی مبنی علی الفتح کے توابع سے اس لیے کہ اس کے تابع میں نصب متعین ہے، کیوں کہ اس صورت میں منادی کا لفظ اور محل ایک ہی چیز کا تقاضا کرتا ہے اور وہ نصب ہے اور ان کا قول المفردة احتراز ہے مضاف تابع سے اس لیے کہ اس میں بھی نصب متعین ہے، کیوں کہ جب وہ براہ راست منادی ہوتا ہے تب تو منصوب ہی ہوتا ہے تو تابع ہونے کی صورت میں بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

اب اصل حکم کی طرف آئیے! مصنف فرماتے ہیں کہ منادی مبنی علی الضم کا مفرد تابع خواہ مفرد حقیقتاً ہو یا حکماً کا حکم یہ ہے کہ وہ تابع منادی کے لفظ کا اعتبار کرنے کی وجہ سے مرفوع بھی ہوگا۔ اور منادی کے محل کا اعتبار کرنے سے منصوب بھی ہو سکتا ہے۔ لفظ کا لحاظ کرتے ہوئے رفع اس لیے پڑھا جائے گا کہ منادی کا مبنی ہونا عارضی ہے پس وہ معرب کے مشابہ ہو گیا اور معرب کا تابع معرب کے لفظ کے تابع ہوتا ہے اور نصب اس لیے پڑھیں گے کہ مبنی کا تابع مبنی کے محل کے تابع ہوتا ہے اور منادی مفرد معرفہ محلاً منصوب ہے، اس لیے کہ وہ مفعول بہ ہے پس اس کا تابع بھی منصوب ہوگا۔

چون کہ مذکورہ بالا حکم منادی مفرد معرفہ مبنی علی الضم کے تمام مفرد توابع میں نہیں پایا جاتا ہے، اس لیے تمام توابع کو بیان نہیں کیا نیز مطلقاً نہیں پایا جاتا اس لیے جن میں قید ضروری تھی ان کی قید کو بھی یہ ان کیا۔
جن توابع میں مذکورہ حکم پایا جاتا ہے وہ تاکید ہے۔ جیسے ياتيم اجمعون واجمعين صفت ہے جیسے

یازید بن العاقل والعاقل عطف بیان ہے جیسے یا غلام بشر و بشرًا معطوف معرف باللام ہے جیسے یازید بن الحارث والحارث۔ فاضل مصنف نے صرف صفت کی مثال بیان کی اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو اس لیے کہ صفت کی مثال مشہور تھی یا وہ ہم کے وہم کے ازالہ کے لیے صرف صفت کی مثال بیان کیا وہم یہ ہے کہ منادی مفرد معرفہ کاف الہی کی جگہ پر واقع ہوتا ہے اور کاف الہی ضمیر ہے اور ضمیر موصوف نہیں ہوا کرتی ہے پس وہم ہوا کہ منادی مذکور بھی موصوف واقع نہیں ہو سکے گا۔ کیوں کہ یہ ضمیر کی جگہ پر واقع ہے۔ تو مصنف نے صفت کی مثال منادی مفرد معرفہ کے موصوف ہونے کے جواز پر توجیہ کرنے کے لیے ذکر کیا۔

وَالْخَلِيلُ فِي الْمَعْطُوفِ يَخْتَارُ الرَّفْعَ وَابُو عَمْرٍو وَالنَّصْبَ وَابُو الْعَبَّاسِ اِنْ كَانَ كَالْحَسَنِ فَكَالْخَلِيلِ وَالْاُفْكَابِيُّ عَمْرٍو .

ترجمہ:- اور خلیل معطوف میں رفع کو پسند کرتے ہیں۔ اور ابو عمرو نصب کو اور ابو العباس اگر معطوف معرف باللام الحسن کی طرح ہے تو خلیل کی طرح رفع پسند کرتے ہیں ورنہ ابو عمرو کی طرح نصب پسند کرتے ہیں۔

توضیح:- سب سے پہلے یہ سمجھئے کہ معطوف سے مراد ایسا معطوف ہے کہ جس پر حرف ندا کا داخل ہونا جائز ہے یعنی معطوف معرف باللام پر حرف ندا کا داخلہ اس لیے منع ہے کہ الف لام تعریف کے لیے آتا ہی ہے اب اگر حرف ندا جو تعریف کے لیے ہوتا ہے وہ بھی اس پر داخل ہو جائے تو ایک اسم پر بیک وقت دو آلہ تعریف ہونا لازم آئے گا۔

جب آپ نے اتنا سمجھ لیا تو اب اصل مسئلہ کی طرف لوٹنے تو معلوم ہونا چاہئے کہ منادی بنی علی الضم کے مفرد تابع معطوف معرف باللام میں تین مذہب ہیں۔ خلیل کے نزدیک معطوف معرف باللام میں نصب کے جواز کے ساتھ رفع مختار ہے، اس لیے کہ یہ معطوف مذکور در حقیقت منادی مستقل ہے، لہذا مناسب ہے کہ یہ اس حال پر جاری رہے جس حال پر حرف ندا کے اتصال کی تقدیر پر جاری ہوتا ہے یعنی منادی مفرد ہونے کی وجہ سے علامت رفع پر مبنی ہو۔ لیکن چون کہ اس پر حرف ندا داخل نہیں ہے الف لام کی وجہ سے لہذا وہ ویسا منادی تو نہیں بن پائے گا۔ جو حرف ندا کے منادی مفرد پر دخول کی صورت میں ہوتا ہے۔ البتہ بالکل تابع نہ کر کے منادی کا کچھ نہ کچھ اثر تو باقی رکھا جاسکتا ہے۔ لہذا مبنی نہ سہی معرب بنا دیجیے اور مرفوع کر دیجیے۔

اور دوسرا مذہب ابو عمرو کا ہے۔ ابو عمرو کے نزدیک معطوف معرف باللام میں رفع کے جواز کے ساتھ نصب مختار ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جب معطوف مذکور پر حرف ندا کا دخول منع ہے تو وہ منادی مستقل نہ ہوگا۔ پس وہ منادی کا تابع ہوگا اور مبنی کا تابع اپنے محل کے تابع ہوتا ہے۔ اور منادی بنی علی الضم مفعول بہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، لہذا اس کا تابع بھی منصوب ہوگا۔

تیسرا مذہب ابو العباس کا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ دیکھو بھائی جھڑانہ کرو۔ صحیح صورت حال یہ ہے کہ اگر مذکورہ معطوف معرف باللام کا الف لام الحسن کے لام کی طرح اس سے زائل ہو سکتا ہے۔ تو پھر رفع مختار ہے نصب کے جواز کے ساتھ جیسا کہ خلیل ابن احمد کی رائے ہے اور اگر مذکورہ معطوف کا الف لام اس معطوف سے الگ نہیں کیا جاسکتا بلکہ اس کے لیے لازم ہے جیسے النجم اور الصعق تو پھر نصب مختار ہے۔ رفع کے جواز کے ساتھ اس لیے کہ منادئ مستقل بنانے کا بحالات موجودہ کوئی چانس نہیں ہے۔ جیسا کہ ابو عمرو کی رائے ہے۔

والمضافة تنصب والبدال والمعطوف غير ما ذكر حكمه حكم المستقل مطلقاً.

ترجمہ: - اور (منادئ مثنیٰ کا) مضاف تابع منصوب ہوگا۔ اور بدل اور وہ معطوف (جو اس کے علاوہ ہے کہ جس کا حکم بیان ہو چکا ہے) کا منادئ مستقل کا مطلقاً حکم ہے۔

توضیح: - یہاں سے مصنف منادئ مثنیٰ کے مضاف تابع کا حکم بیان کر رہے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ جب منادئ مفرد مثنیٰ علی الضم کا تابع مضاف ہو اضافت معنوی کے طور پر تو وہ منصوب ہوگا، کیوں کہ مضاف جب عین منادئ واقع ہوتا ہے تو وہ حرف ندا کے اتصال کے باوجود منصوب ہوتا ہے۔ لہذا جب مضاف منادئ مثنیٰ کا تابع واقع ہو تو بدرجہ اولیٰ وہ منصوب ہوگا۔

مضاف صفت کی مثال یا زید ذالجمال۔ اور مضاف تاکید کی مثال یا تہم کلہم اور مضاف عطف بیان کی مثال یا زید اخا عمرو۔

اور جب منادئ مثنیٰ کا تابع بدل یا معطوف غیر معرف باللام ہو تو اس کا حکم مطلقاً منادئ مستقل کا حکم ہے۔ مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ خواہ بدل اور معطوف غیر معرف باللام مفرد ہوں یا مضاف ہوں خواہ دونوں معرفہ ہوں یا نکرہ۔ بدل مضاف کی مثال جیسے یا زید ابا عبد اللہ۔ شبہ مضاف کی مثال یا زید طالعا جبلا بدل معرفہ کی مثال یا زید عمرو اور بدل نکرہ کی مثال یا زید رجلا صالحا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ بدل کی مثالیں اگر او کے ساتھ استعمال کی جائیں تو وہ معطوف غیر معرف باللام کی مثالیں بن جاتی ہیں۔ اب منادئ مستقل کے حکم میں ہونے کی دلیل سنئے تو بدل منادئ مستقل کے حکم میں اس لیے ہوتا ہے کہ بدل ہی مقصود بالتحکم ہوتا ہے اور مبدل منہ کا ذکر تو برائے تمہید ہوتا ہے۔ پس گویا منادئ مستقل تابع ہی ہوگا اور معطوف غیر معرف باللام منادئ مستقل کے حکم میں اس لیے ہوتا ہے کہ جب حرف نداء کا داخلہ اس پر منح نہیں ہے تو گویا کہ حرف ندا اس میں مقدر ہے۔

والعلم الموصوف باہن او ابنة مضافا الي علم اخر يختار فتحه.

ترجمہ: - اور علم جو موصوف ہو اہن اور ابنة کے ساتھ در انحالیکہ وہ اہن اور ابنة دوسرے علم

کی طرف مضاف ہوں تو اس میں فتح مختار ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ منادی مفرد معرفہ بنی علی الضم ہوتا ہے تو یہ قاعدہ یازید بن عمرو جیسے سے ٹوٹ گیا۔ اس لیے کہ زید منادی مفرد معرفہ ہے باوجودیکہ اس میں فتح مختار ہے۔ تو مصنف نے جواب دیا کہ وہ علم جو موصوف ہو ابن اور ابنۃ کے ساتھ درنا محلیکہ وہ ابن اور ابنۃ دوسرے علم کی طرف مضاف ہو تو اس میں فتح مختار ہوتا ہے، مگر قیاس ضمہ کا تقاضا کرتا ہے، اس لیے کہ منادی کی یہ قسم کثیر الاستعمال ہے اور کثرت خفت کا تقاضا کرتی ہے۔ تو لوگوں نے فتح کو اختیار کر کے اس میں تخفیف کر دی۔

وَإِذَا نُودِيَ الْمَعْرُوفُ بِالْأَمِّ قِيلَ يَا أَيُّهَا الرَّجُلُ يَا هَذَا الرَّجُلُ وَيَا أَيُّهَا الرَّجُلُ

ترجمہ:- اور جب منادی بنایا جائے معرفہ بالام کو تو کہا جائے گا۔ یا ایہا الرجل اور یا ہذا الرجل اور یا ایہذا الرجل۔

تشریح:- یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ حرف ندا کا داخلہ معرفہ بالام پر محال ہے تو یہ قاعدہ مذکورہ بالا مثالوں سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ الرجل ان مثالوں میں معرفہ بالام ہے۔ اس کے باوجود حرف ندا کا داخلہ ان پر صحیح ہے۔ تو مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ معرفہ بالام پر براہ راست حرف ندا کا داخلہ منع ہوتا ہے بالواسطہ نہیں اور مذکورہ بالا مثالوں میں حرف ندا کا داخلہ بالواسطہ ہے، چنانچہ یا ایہا الرجل میں اتی اور ہا کے توسط سے اور یا ہذا الرجل میں ہا اور ذہا کے توسط سے اور یا ایہذا الرجل میں اتی اور ہذا کے توسط سے حرف ندا معرفہ بالام پر داخل ہے، تاکہ دو آکے تعریف کا اجتماع بلا فصل کے لازم نہ آئے۔

وَالْتَرْمُوزُ أَرْفَعُ الرَّجُلَ لِأَنَّهُ الْمَقْصُودُ بِالنِّدَاءِ

ترجمہ:- اور لوگوں نے رَجُلَ کے رفع کو لازم قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ وہ مقصود بالنداء ہے۔

توضیح:- مصنف نے مذکورہ بالا عبارت سے سوال مقدر کا جواب دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اتی منادی مفرد معرفہ ہے۔ اور الرجل اس کا تابع ہے۔ اور منادی مفرد معرفہ کے تابع میں رفع اور نصب دونوں جائز ہوتے ہیں۔ لہذا حسب قاعدہ الرجل میں بھی دونوں اعرابوں کو جائز ہونا چاہیے، حالاں کہ لوگوں نے الرجل کے رفع کو لازم قرار دیا ہے تو مصنف نے اپنے قول و الترموز ارفع الرجل سے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ بلاشبہ اتی منادی مفرد معرفہ ہے اور الرجل اس کا تابع ہے، لہذا اس پر دونوں وجہیں جائز ہونی چاہئیں۔ لیکن چون کہ ندا سے مقصود بالنداء الرجل ہی ہے اس لیے الرجل کے رفع کو نجات نے لازم قرار دے دیا۔

وَتَوَابِعُهُ لِأَنَّهَا تَوَابِعُ مَعْرَبٍ

ترجمہ:- اور لازم قرار دیا ہے لوگوں نے اس کے تابع کے رفع کو اس لیے کہ وہ معرب کا تابع ہے۔

توضیح:- یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب الرجل مقصود بالنداء ہے

تو وہ منادی مفرد معرفہ کے حکم میں ہوا اور قاعدۃ منادی مفرد معرفہ کے تابع میں دو وجہیں جائز ہیں۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے تو مصنف نے اپنے قول و توابع سے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں نے اس کے تابع کے رفع کو لازم قرار دیا ہے، کیوں کہ وہ معرب کا تابع ہے اور معرب کا تابع لفظ میں تابع ہوتا ہے۔

وَقَالُوا يَا اللَّهُ خَاصَّةً

ترجمہ:- اور لوگوں نے کہا کہ یا اللہ خاص طور سے۔

توضیح:- یہ عبارت ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ معرف بالام پر

حرف ندا کا داخلہ براہ راست منع ہے تو یہ قاعدہ یا اللہ جیسے ٹوٹ گیا، اس لیے کہ اللہ معرف بالام ہے باوجود یکہ حرف ندا اس پر براہ راست داخل ہے تو مصنف نے اپنے قول و قالوا سے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ حرف ندا کا معرف بالام پر براہ راست داخلہ تب منع ہے جب الف لام لازم عوضی نہ ہو اور اللہ نہیں الف لام لازم عوضی ہے، اس لیے منع نہیں ہے۔ لام لازم اس لیے ہے کہ وہ علم کا جزء ہے اور عوضی اس لیے ہے کہ وہ اصل میں آلاہ تھا۔ الا لہ سے ہمزہ مکسورہ کو حذف کر دیا اور اس کے عوض میں لام تعریف لے آئے پس ہو گیا آل لہ پس لام کا لام میں ادغام کر دیا تو ہو گیا اللہ اور خاصۃ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی ایک ایسا مادہ ہے جس میں لام لازم اور عوضی دونوں ہے ورنہ فصیح اور کثیر الاستعمال لفظ عربی میں لام لازم عوضی معدوم ہے۔

وَلَكَّ فِي مِثْلِ يَاتِيْمٌ تَيْمٌ عَدِيٌّ وَالتَّصْبُّ

ترجمہ:- اور تمہارے لیے اختیار ہے یا تیم تیم عدی جیسے میں ضمہ اور نصب کا۔

توضیح:- یہاں سے مصنف ایک سوال کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا

کہ منادی مفرد معرفہ ضمہ پر مبنی ہوتا ہے تو مذکورہ قاعدہ یاتیم تيم عدی جیسے سے ٹوٹ گیا، اس لیے کہ یاتیم جو منادی مفرد معرفہ ہے اس کے باوجود اس میں دو وجہیں جائز ہیں ضمہ اور نصب تو مصنف نے اپنے قول و لك في مثل ياتيم تيم عدی سے جواب دیا جس کا حاصل بیان کرنے سے پہلے آپ سمجھ لیجئے کہ اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں منادی مفرد معرفہ مکرر ہو اور دوسرا اسم مجرور سے متصل ہو اضافت کی وجہ سے تو اس جیسی ترکیب میں ضمہ اس لیے ہے کہ یاتیم منادی مفرد معرفہ ہے اور منادی مفرد معرفہ جنی علی الضم ہوتا ہے اور نصب اس لیے ہے کہ تیم اول عدی مذکور کی طرف مضاف ہے اور تیم ثانی تاکید لفظی ہے جو کہ فاصل ہے مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان یا یہ ہے کہ تیم اول عدی محذوف کی

طرف مضاف ہے عدی مذکور کے قرینہ سے اور منادئ مضاف منصوبات کے قبیل سے ہے۔

وَالْمُضَافَاتُ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ يَجُوزُ فِيهِ يَا غَلَامِي وَيَا غَلَامِي وَيَا غَلَامًا
وَبِالْهَاءِ وَقَفًا وَقَالُوا يَا ابِي وَيَا أُمِّي وَيَا أَبَتِ وَيَا أُمَّتِ فَتَحًا وَكَسْرًا وَبِالْأَلْفِ دُونَ
الْيَاءِ وَيَا ابْنَ أُمِّ وَيَا ابْنَ عَمِّ خَاصَّةً مِثْلَ بَابِ يَا غَلَامِي وَقَالُوا يَا ابْنَ أُمِّ وَيَا ابْنَ عَمِّ

ترجمہ:- اور منادئ جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو جائز ہے، اس میں یا غلامی اور یا غلامی اور یا غلام اور یا غلاماً اور ہا کے ساتھ وقفاً اور لوگوں نے کہا ہے یا ابی یا امی اور یا ابت اور یا اُمت فتحاً و کسراً اور الف کے ساتھ نہ کہ یا کے ساتھ اور کہا ہے یا ابن ام اور یا ابن عم خاص طور سے یا غلامی کے باب جیسے میں اور لوگوں نے کہا ہے یا ابن ام اور یا ابن عم۔

توضیح:- یہاں سے مصنف یہ بیان کر رہے ہیں کہ وہ منادئ جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو اس میں چار وجہیں جائز ہیں یا غلامی یاء کے سکون کے ساتھ اور یا غلامی یاء کے فتح کے ساتھ اور یا غلام یاء کے حذف کے حذف اور اکتفاء بالکسرہ کے ساتھ اور یا غلاماً یا کوالف اور کسرہ کو فتح سے بدلنے کے ساتھ۔ یہ ساری وجہیں اس لیے جائز ہیں کہ یہ مثال کثیر الاستعمال ہے اور کثرت استعمال خفت کا تقاضا کرتا ہے۔

نیز یہ چار وجوہ ہاء کے ساتھ وقفاً درست ہیں۔ حالت وقف اور وصل میں فرق کرنے کے لیے پس تم کہو یا غَلَامِيَّةً اور يا غَلَامِيَّةً اور غلامه اور يا غلاماه۔

وقالوا: یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ منادئ جو یاء متکلم کی طرف مضاف ہو درانحالیکہ منادئ اب یا ام ہو تو ایسے منادئ میں مذکورہ بالا ساری وجوہوں کے جائز ہونے کے ساتھ مزید کچھ وجہیں اور جائز ہیں۔ اس لیے اب اور ام کی نداء زیادہ کثیر الاستعمال ہے غلام کی نداء کے مقابلے میں، لہذا اس میں تحقیقاً مزید گنجائش پیدا کر دی گئی۔ پس یا ابت اور یا اُمت بولتے ہیں یا کوتا مفتوح سے بدلنے کے ساتھ اس لیے کہ تائے مفتوح یاء کی حرکت کے موافق ہے اور یا ابت اور یا اُمت یا کوتا مکسورہ سے بدلنے کے ساتھ اس لیے کہ تا مکسورہ یا کے مناسب ہے۔ اور تا کے بعد الف کے ساتھ بھی ان کا استعمال منقول ہے جیسے یا ابنتا اور یا اُمتنا اس لیے کہ جمع بین العوضین درست ہے۔ البتہ تا اور یاء کے ساتھ استعمال نہیں ہو سکتا، کیوں کہ تاء یاء کا بدل ہے۔ پس اگر یا ابنتی اور یا اُمتی کہا جائے تو عوض اور معوض عنہ کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ درست نہیں ہے۔

ویا ابن ام ویا ابن عم خاصہ: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب منادئ ام یا عم کی طرف مضاف ہو دران حالیکہ وہ ام یا عم یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو اس میں وہ تمام وجوہ جائز ہوتی ہیں۔ جو منادئ مضاف الی یاء متکلم میں درست ہوتی ہیں۔ البتہ اس میں مزید ایک وجہ اور درست ہے جو باب غلامی میں درست نہ

تھی اور وہ ہے یا ابن امّ و یا ابن عمّ یا کو الف سے بدلنے اور الف کو حذف کر کے الف کے ماقبل فتح پر اکتفاء کے ساتھ ایسا اس لیے درست ہے کہ یہ منادی منادی مضاف الی یاء المتکلم سے زیادہ ثقیل ہے۔ اور کثیر الاستعمال ہے۔

خاصةً کا مطلب یہ ہے کہ جو وجوہ منادی مضاف الی یاء المتکلم میں درست ہیں۔ وہ عم اور ام کی مذکورہ صورت کے سوا کسی اور قسم کے منادی میں درست نہیں خواہ مضاف غیر ابن ہو جیسے یا غلام امی یا غلام عمی یا مضاف الیہ غیر عم اور ام ہو جیسے یا ابن اخی یا مضاف اور مضاف الیہ دونوں ابن اور ام اور عم کے علاوہ ہوں جیسے یا غلام اخی اور یا غلام غلامی۔ ام اور عم کو مذکورہ اسم کے ساتھ اس لیے ذکر کیا کہ اہل عرب کے نزدیک دونوں کثیر الاستعمال ہیں۔

وَتَرْخِيمُ الْمُنَادَى جَائِزٌ وَفِي غَيْرِهِ ضَرُورَةٌ وَهُوَ حَذْفٌ فِي آخِرِهِ تَخْفِيفًا وَشَرْطُهُ أَنْ لَا يَكُونَ مُضَافًا وَلَا مُسْتَعَانًا وَلَا جُمْلَةً وَيَكُونُ إِمَّا عَلَمًا زَائِدًا عَلَى ثَلَاثَةِ أَحْرَفٍ وَإِمَّا بِنَاءِ التَّانِيثِ فَإِنَّ كَانَ فِي آخِرِهِ زِيَادَتَانِ فِي حُكْمِ الْوَاحِدَةِ كَأَسْمَاءَ وَمِرْوَانَ أَوْ حُرُوفٍ صَحِيحٍ قَبْلَهُ مَدَّةٌ وَهُوَ أَكْثَرُ مِنْ أَرْبَعَةِ أَحْرَفٍ حَذَفْنَا وَإِنْ كَانَ مَرْكَبًا حُذِفَ الْأِسْمُ الْآخِيرُ. وَإِنْ كَانَ غَيْرَ ذَلِكَ فَحُرُوفٌ وَاحِدَةٌ.

ترجمہ: اور منادی کی ترخیم جائز ہے۔ اور اس کے علاوہ میں ضرورت اور وہ حذف کرنا ہے منادی کے آخر میں تخفیف اور اس کی شرط یہ ہے کہ منادی مضاف نہ ہو اور نہ مستعانت ہو اور نہ جملہ ہو اور یہ کہ منادی یا تو علم ہو جو تین حروف پر زائد ہو یا تانیث کی تاکہ ساتھ ہو پس اگر اس کے آخر میں دو زیادتیاں ہوں ایک حکم میں جیسے کہ اسماء اور مرہان یا ایک حروف صحیح ہو جس سے پہلے مدہ ہو در انحالیکہ وہ اسم چار حرف سے زائد ہو تو دو حرف حذف کیے جائیں گے اور اگر منادی مرکب ہو تو آخری اسم حذف کیا جائے گا۔ اور اگر مذکورہ بالا صورتوں کے علاوہ ہو تو ایک حرف حذف کیا جائے گا۔

توضیح: جب مصنف منادی کے احکام سے فارغ ہو گئے تو اب منادی کے خصائص یعنی ترخیم کا بیان شروع کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ منادی کی ترخیم مطلقاً جائز ہے۔ خواہ ضرورت شعری ہو یا نثر کلام ہو اور غیر منادی میں بھی ضرورتاً ترخیم جائز ہے۔ ترخیم کے لغوی معنی ہیں دم کا ثنا، اور اصطلاح میں ترخیم کہتے ہیں منادی کے آخر میں تخفیفاً حذف کرنا۔ تخفیفاً کا مطلب یہ ہے کہ حذف برائے تخفیف ہو کسی دوسری علت کی وجہ سے نہ ہو جو حذف کا تقاضا کرتی ہو۔

اب ایک سوال اور اس کا جواب سنو۔ سوال یہ ہے کہ ترخیم کی تعریف مذکورہ اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف سے غیر منادی کی ترخیم خارج ہوگئی۔ تو جواب یہ ہے کہ تعریف منادی کی

ترخیم کے ساتھ مخصوص ہے اور غیر منادئ کی ترخیم قیاس سے معلوم ہو جائے گی۔ یا یہ کہ تعریف بالامطلق ترخیم کی ہے، کیوں کہ ہو ضمیر ترخیم مطلق کی طرف راجع ہے اور فی آخرہ میں ضمیر مجرور اسم کی طرف راجع ہے پس مطلب ہوگا ہوا ای الترخیم مطلقاً حذف فی آخر الاسم تخفیفاً، یعنی ترخیم اسم کے آخر میں مطلقاً برائے تخفیف حذف کرنا۔

اور منادئ مرخم کی شرط یہ ہے کہ وہ مضاف نہ ہو، اس لیے کہ اگر منادئ مرخم مضاف ہے تو دو حال سے خالی نہیں کہ حذف مضاف کے آخر میں کریں گے۔ یا مضاف الیہ کے آخر میں تو پہلی صورت میں ترخیم وسط کلمہ میں لازم آئے گی بلحاظ معنی کے اور دوسری صورت میں ترخیم غیر منادئ میں لازم آئے گی بلحاظ لفظ کے۔ اور دوسری شرط یہ ہے کہ منادئ مستغاث نہ ہوں نہ باللام اور نہ بالالف مستغاث باللام کا نہ ہونا اس لیے شرط ہے کہ اس میں حرف ندا کا اثر ضمہ اور نصب ظاہر نہیں ہوتے، لہذا اس میں وہ ترخیم بھی جائز نہ ہوگی، جو منادئ کے خصائص میں سے ہے اور مستغاث بالالف کا نہ ہونا اس لیے شرط ہے کہ الف کی زیادتی اس کے آخر میں درازی آواز کی غرض سے ہے اور حذف اس کے منافی ہے۔

اور تیسری شرط یہ ہے کہ منادئ مرخم جملہ نہ ہو۔ اس لیے کہ جملہ اپنے حال کی حکایت کے لیے ہوتا ہے، لہذا یہ بمنزلہ کہات کے ہو اور کہات میں تبدیلی نہیں ہوتی، لہذا اس میں بھی ترخیم کر کے تبدیلی نہیں ہوگی۔ اور چوتھی شرط یہ ہے کہ منادئ مرخم یا تو علم ہو۔ جو زائد علی الثلاثہ ہو یعنی چار حرفی ہو۔ علم ہونا اس لیے شرط ہے کہ علم اپنے شہرت کی وجہ سے حذف کیے گئے حرف پر دلیل ہوگا اور زائد علی الثلاثہ ہونا اس لیے شرط ہے تاکہ اسم معرب کا اقل مقدار سے کم ہونا لازم نہ آئے۔

اور آخری شرط یہ ہے کہ وہ منادئ مرخم تاء تانیث کے ساتھ ہو بھلے وہ علم اور زائد علی الثلاثہ نہ ہو، اس لیے کہ تاء کو زائل کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے پس تانیث کے زوال کی وجہ سے سقوط کا کم از کم تقاضا پورا ہو جائے گا۔

فان كان في آخره: جب مصنف ترخیم کے شرائط سے فارغ ہو گئے تو اب مرخم کی مقدار کا بیان شروع کر رہے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں، کہ اگر منادئ کے آخر میں ایسی دو زیادتیاں ہوں جو ایک زیادتی کے حکم میں ہوں یعنی وہ دونوں ساتھ ساتھ زیادہ کیے گئے ہوں جیسے اسماء اور مروان یا منادئ کے آخر میں کوئی ایک ایسا حرف صحیح ہو کہ جس سے پہلے مدہ ہو اور وہ چار حرف سے زائد ہو تو ایسے منادئ کے آخر میں دو حرف ساتھ ساتھ حذف کیے جائیں گے۔ پہلی صورت میں تو اس لیے تاکہ وضع کی مطابقت رہے اور دوسری صورت میں اس لیے تاکہ مثل مشہور لازم نہ آئے کہ صلت علی الاسد و بلت من النقد۔ کہ شیر پر تو جملہ کر دیا اور بکری کو دیکھ کر موت کھسک گیا۔

اور اگر منادی مرکب ہو۔ مرکب سے مراد غیر انشادی اور غیر اضافی ہے تو آخری اسم کو حذف کر دیا جائے گا، کیوں کہ آخری اسم بمنزلہ تاء تانیث ہے عارض ہونے میں اور زائل ہونے میں اور اگر منادی ان تینوں صورتوں کے علاوہ ہو تو ایک حرف کو حذف کیا جائے گا اس لیے کہ ایک سے زائد کے حذف کا کوئی سبب نہیں ہے۔

وَهُوَ فِي حُكْمِ الْقَابِتِ عَلَى الْاَكْثَرِ فَيَقَالُ يَا حَارِ وَيَا ثَمُو وَيَا كَرُو وَقَدْ يُجْعَلُ اسْمًا بَرَايَهُ فَيَقَالُ يَا حَارُ وَيَا ثَمِي وَيَا كَرَا.

ترجمہ:- اور وہ ثابت کے حکم میں ہے اکثر لوگوں کے نزدیک پس کہا جائے گا یا حار یا ثمو اور یا کرو اور کبھی مرخم کو مستقل کر دیا جاتا ہے پس کہا جائے گا یا حار یا ثمی اور یا کرا۔

تشریح:- جب آپ نے ترخیم کی تعریف اور ترخیم کی مقدار کو جان لیا تو اب منادی مرخم کا حکم سن لیں تو اکثر استعمال کے مطابق منادی مرخم موجود کے حکم میں ہوگا یعنی الحذف کا المذکور کا معاملہ ہوگا پس آخر کا ماقبل جیسا تھا ویسا ہی رہے گا اور منادی مرخم کا آخر وسط کلمہ کے درجہ میں حکم ہوگا۔ پس بولا جائے گا یا حار راہ کے کسرہ کے ساتھ اور یا ثمو واؤ منظرہ کے سکون کے ساتھ اور یا کرو واؤ متحرکہ ماقبل فتح کے ساتھ۔

اقل استعمال میں منادی مرخم کے اخیر کو معرب اور مبنی ہونے میں مستقل اسم قرار دے دیا جاتا ہے اس لیے کہ مفرد معرب ضمہ پر مبنی ہوتا ہے پس مناسب ہے کہ یا حار کو بھی ضمہ پر مبنی قرار دیا جائے۔ اور جیسے یا ثمی واؤ منظرہ کے یاء سے اور ماقبل کے ضمہ کے کسرہ سے بدلنے کے ساتھ اس لیے کہ واؤ طرف میں واقع ہے اور اس کا ماقبل مضموم ہے اور ضابطہ ہے کہ جب واؤ کنارے میں واقع ہو تو واؤ یاء سے اور ماقبل کا ضمہ کسرہ سے بدل جاتا ہے۔

اور جیسے یا کرا، اس لیے کہ بحالت موجودہ واؤ متحرکہ ماقبل مفتوحہ الف سے بدل جائے گا کیوں کہ واؤ کے الف سے بدلنے کی راہ میں جو رکاوٹ تھی یعنی ساکن کا واؤ کے بعد واقع ہونا وہ ختم ہوگئی کہ جس کے ہوتے ہوئے واؤ کو الف کرنے کی صورت میں اجتماع ساکنین لازم آتا۔

وَقَدْ اسْتَعْمَلُوا صِيغَةَ النَّدَاءِ فِي الْمَمْدُوبِ وَهُوَ الْمَطْفُوعُ عَلَيْهِ بِيَا أَوْ وَآ وَاسْتَحْضَرُوا بَوَاو حَكْمَهُ فِي الْاَعْرَابِ وَالْبِنَاءِ حُكْمُ الْمُنَادِي وَلِذَلِكَ زِيَادَةُ الْاَلْفِ فِي اٰخِرِهِ.

ترجمہ:- اور عربوں نے استعمال کیا ہے۔ ندا کے صیغہ کو مندوب میں اور مندوب وہ اسم ہے جس پر اظہار غم کیا گیا ہو یاء، یا واؤ کے ساتھ اور مندوب مخصوص ہے واؤ کے ساتھ اور مندوب کا حکم معرب اور مبنی ہونے میں منادی کا حکم ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف مندوب کی تعریف اور اس کے احکام بیان کر رہے ہیں۔ مندوب

لغت میں ایسے میت کو کہتے ہیں۔ جس پر رویا جائے اور اس کے محاسن کو شمار کیا جائے، تاکہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ اس کی موت کا حادثہ بہت عظیم ہے اور لوگ اسے رونے میں معذور سمجھیں۔

اور اصطلاح میں اسے مندوب کہتے ہیں کہ جس پر وجود یا عدما یا واد کے ذریعہ سے اظہار غم کیا جائے۔ یا ء کا استعمال مندوب میں اس لیے ہوتا ہے کہ یا ء ندا کے دیگر صیغوں یعنی حروف کے مقابلہ میں زیادہ مشہور ہے، اس لیے اسی کو تعیم کے لائق سمجھا گیا، چنانچہ جس طرح یا ء منادئی میں مستعمل ہے اس طرح مندوب میں بھی البتہ منادئی میں استعمال حقیقت ہوگا۔ اور مندوب میں مجاز۔

نیز معلوم ہو کہ مندوب ملکھات منادئی میں سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مصنف نے اس کو منادئی سے مؤخر کرنے اور علیحدہ بیان کرنے کے بجائے منادئی کی بحث کے درمیان میں ہی اس کا بیان شروع کر دیا۔

واختص بواو: یہاں سے منادئی اور مندوب کا فرق بیان کرنا چاہتے ہیں، کہ واد کا استعمال مندوب کے ساتھ مخصوص ہے، لہذا واد منادئی کے ساتھ نہیں استعمال ہو سکتا جب کہ مندوب مستعمل ہوگا۔ پس دونوں میں قدرے فرق ہو گیا اسی لیے مندوب کو منادئی میں باضابطہ داخل نہیں مانا گیا۔

و حکمہ حکم المنادی: مندوب کا حکم معرب اور مبنی ہونے میں وہی ہے جو منادئی کا ہے۔ البتہ شرط ہے کہ مندوب منادئی کے اقسام میں سے کسی کی صورت پر واقع ہو۔ آگے فرماتے ہیں، کہ مندوب کے آخر میں الف کا اضافہ ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ ندبہ میں درازئی صوت مطاب ہوتی ہے اور زیادتی الف سے یہ مقصود بدرجہ اتم حاصل ہوتا ہے۔

فان خفت اللبس: یہ سوال مقدر کا جواب ہے آپ نے مندوب کے آخر میں الف کے اضافہ کی اجازت دی ہے تو الف کی زیادتی کی صورت میں مخاطب کے غلام کے ندبہ کے درمیان اور مخاطبہ کے غلام کے ندبہ کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے۔

اسی طرح تشبیہ کے غلام کے ندبہ اور جمع کے غلام کے ندبہ کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جاتا ہے تو مصنف نے جواب دیا کہ اگر اشتباہ کا اندیشہ ہو تو مندوب کے آخر کی حرکت کے مناسب حرف مد الف کی جگہ میں لے آؤ۔ لہذا جہاں مذکر کے لیے واغلا مکاہ کہتے ہو وہیں مونث کے لیے واغلا مکیہ کہو اور تشبیہ کے لیے واغلا مکماہ اور جمع کے لیے واغلا مکموہ کہو۔

ولک الہاء: اب بتاتے ہیں کہ مندوب کے آخر میں ہائے سکتے کو بھی لایا جاسکتا ہے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ حرف کا بیان بھی ہو جائے گا، کہ وہ الف ہے یا یا ء ہے یا واد نیز مدت کی حفاظت بھی ہو جائیگی۔

وَلَا يُنْدَبُ إِلَّا الْمَعْرُوفُ فَلَا يُقَالُ وَارْجُلَاهُ وَامْتَنَعَ وَازِيدُ الطَّوِيلَهِ خِلَافًا لِيُونُسَ وَيَجُوزُ حَذْفُ حَرْفِ النِّدَاءِ إِلَّا مَعَ اسْمِ الْجِنْسِ وَالْإِشَارَةِ وَالْمُسْتَعْتَابِ وَالْمَنْدُوبِ

نحو يُؤسَفُ اَعْرَضُ عَنْ هَذَا وَايَهَا الرَّجُلُ وَشَدَّ اَصْبَحَ لَيْلٌ وَاِفْتَدِ مَخْنُوقٌ وَاَطْرُقِ كَرًا وَاَقْدُ يُحَدِّثُ الْمُنَادِي لِقِيَامِ قَرِينَةٍ جَوْازًا مِثْلَ اِلَا يَا اسْجُدُوا.

ترجمہ:- اور ندبہ نہیں کیا جائے گا، مگر مشہور کا۔ پس نہیں کہا جائے گا۔ وار جلاہ اور منتنع ہے وازید الطویلاہ مخالفت کرتے ہوئے یونس کی۔ اور جائز ہے حرف ندا کا حذف کرنا مگر اسم جنس اور اسم اشارہ اور مستغاث اور مندوب کے ساتھ جیسے یوسف اعرض عن هذا اور ایہا الرجل اور شاذ ہے۔ اصبح لیل اور افتد مخنوق اور اطرق کرا۔ اور کبھی حذف کر دیا جاتا ہے منادی قرینہ کے پائے جانے کی وجہ سے جواز جیسے الا یا اسجدوا۔

توضیح:- آگے فرماتے ہیں کہ ندبہ صرف مشہور کا ہی ہوگا۔ غیر مشہور کا ندبہ نہیں ہو سکتا ایسا اس لیے ضروری ہے تاکہ لوگ مندوب کی شہرت کی وجہ سے اسے ندبہ میں معذر سمجھیں خواہ مندوب علم ہو یا نہ ہو بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اگر مندوب علم ہے اور غیر مشہور ہے تو اس کا ندبہ نہیں ہو سکتا، کیوں کہ اس صورت میں ندبہ کا مقصود فوت ہو جاتا ہے لہذا وار جلاہ نہیں کہہ سکتے کیوں کہ کوئی خاص مندوب رجل کے ساتھ مشہور نہیں ہے۔ یعنی معاملہ کر یلائیم چڑھا کا ہے۔

وامتنع وازیدا الطویلاہ: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ مندوب کی صفت کے آخر میں الف کالاحق کرنا درست نہیں ہے یہ مسلک ظلیل نحوی کا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگر وازید الطویلاہ درست ہے۔ سی الف کالحاق مندوب کی صفت کے آخر میں جائز ہے تو پھر جاء نی زید الطویلاہ یعنی زید کی صفت الطویل کے آخر میں بھی الف کالحق صحیح ہونا چاہئے کیونکہ الطویل دونوں ترکیبوں میں مندوب نہیں ہے، حالانکہ ترکیب ثانی میں صفت کے آخر میں الف کالحق منع ہے، پس پہلی ترکیب میں بھی صفت کے آخر میں الف کالحق صحیح ہونا چاہئے، کیوں کہ الطویل دونوں ترکیبوں میں مندوب نہیں ہے، حالاں کہ ترکیب ثانی میں صفت کے آخر میں الف کالحق منع ہے۔

لیکن اس میں یونس نحوی کا اختلاف ہے ان کا کہنا ہے کہ مندوب کی صفت کے آخر میں الف کا اضافہ درست ہے۔ دلیل یہ ہے کہ مندوب کے مضاف الیہ کے آخر میں الف کالحق ہوتا ہے، حالاں کہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان معنی میں مغائرت ہوتی ہے پس جب مغائرت کے باوجود مندوب کے مضاف الیہ کے آخر میں الف کالحق درست ہے تو کیا وجہ ہے کہ مندوب کی صفت کے آخر میں الف کالحق جائز نہ ہو، حالاں کہ یہاں تو دونوں یعنی موصوف اور صفت کے درمیان معنی اتحاد ہوتا ہے۔ لہذا مندوب کی صفت کے آخر میں الف کالحق بدرجہ اولیٰ درست ہوگا۔

یونس کی دوسری دلیل عربوں کا قول واجمجمی الشامیتینا ہے کہ یہاں پر مندوب کی صفت

کے آخر میں الف آیا ہے۔ ظلیل کی طرف سے جو درحقیقت جمہور نحاۃ کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مندوب کے مضاف الیہ کے آخر میں الف کے لحوق سے یہ لازم نہیں آتا کہ مندوب کی صفت کے آخر میں الف کے لحوق کی گنجائش پیدا ہو جائے۔ وجہ یہ ہے کہ مضاف اور مضاف الیہ میں بھلے معنی تغایر ہو لیکن لفظاً اتحاد تام پایا جاتا ہے اور موصوف و صفت کے درمیان اگرچہ معنی اتحاد تام ہوتا ہے لیکن لفظاً اتصال نہیں ہوتا جب کہ نحو یوں کا مقصود الفاظ کی بحث ہے نہ کہ معانی کی اور دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ وہ مقولہ واجمعی الشامیتیناہ شاذ ہے۔

ویجوز حذف النداء: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ منادئی سے حرف ندا کو قرینہ کے پائے جانے کے وقت حذف کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ قرینہ حرف ندا کے حذف اور منادئی کی حیثیت پر دال رہے گا۔ البتہ کچھ مقامات ہیں کہ جہاں سے حرف ندا کا حذف درست نہیں مثلاً منادئی اسم جنس ہو تو حرف ندا کا حذف درست نہیں ہے، اس لیے کہ اسم جنس کا حرف تعریف حرف نداء ہی ہے جب اسے حذف کر دیں گے، تو پھر وہ اسم جنس منادئی مفرد و مکرر کے ساتھ مشتبہ ہو جائے گا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حرف ندا لام تعریف کا قائم مقام ہے۔ تو اگر حرف ندا کو حذف کیا جاتا ہے تو اصل اور نائب دونوں کا حذف لازم آئے گا۔ اور تیسری وجہ یہ ہے کہ علم کی طرح اسم جنس کا منادئی ہونا شائع اور رائج نہیں ہے۔ لہذا اگر اسم جنس سے حرف ندا کو حذف کر دیں گے تو ذہن اسم جنس کے منادئی ہونے کی طرف نہیں جائے گا۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ منادئی اسم اشارہ نہ ہو، کیوں کہ وہ ابہام میں اسم جنس کے حکم میں ہے پس حرف ندا اسم جنس سے محذوف نہیں ہوتا تو پھر اسم اشارہ کے منادئی ہونے کی صورت میں اس سے بھی حذف نہیں ہوگا۔ اور تیسرا اور چوتھا مقام یہ ہے کہ منادئی مستغاث اور مندوب نہ ہو اس لیے کہ ان دونوں کے آخر میں مطلوب زیادتی اور کلام کی طولانی ہے اور حذف ان دونوں مقاصد کے منافی ہے۔

باقی معارف جن سے حرف ندا کا حذف درست ہے چار قسموں پر ہیں۔ پہلا علم ہے خواہ مسم مشدودہ کے ابدال کے ساتھ ہو۔ جیسے اللہم یا بغیر اس کے ہو جیسے یوسف اعرض عن هذا۔ دوسری جگہ لفظ ای کہ جس کی صفت معرف بالام ہو جیسے یا ایہا الرجل یا اس ای کے صفت کی صفت معرف بالام ہو جیسے ایہذا الرجل۔ تیسری جگہ منادئی مطلقاً مضاف الی المعرفة ہو جیسے ربنا آتنا۔ غلام زید افعل کذا اور چوتھی جگہ یہ ہے کہ منادئی موصول ہو جیسے، من لا یزال مُحِبِّنا اب جہاں تک ضمائر کی بات ہے تو ضمائر کا منادئی واقع ہونا شاذ ہے جیسے یا انت وغیرہ۔

وافند مخوق: یہاں سے مصنف ایک سوال مقدر کا جواب دے رہے ہیں۔ سوال کا حاصل یہ ہے کہ اصبح لیل میں لیل اور وافند مخوق میں مخوق اور اطرق کرا میں کرا اسم جنس ہیں۔ اس

کے باوجود ان کے شروع میں حرف ندا کو حذف کر دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ آپ کا سابق میں قاعدہ بیان کرنا کہ جب منادی اسم جنس ہو تو اس کے شروع سے حرف ندا کا حذف درست نہیں ہے غلط ہے۔ اور آپ کا قاعدہ صحیح نہیں ہے۔ تو مصنف نے جواب دیا کہ ہمارا قاعدہ اپنی جگہ پر مسلم اور درست ہے باقی مندرجہ بالا کلمات سے اسم جنس کے باوجود حرف ندا کا حذف ہو جانا یہ شاذ ہے اور شاذ کا اعتبار ہی کون ہوتا ہے۔

وقد يحذف المنادى: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ حرف ندا نہیں، بلکہ نفس منادی کو بھی قرینہ پائے جانے کے وقت حذف کیا جاسکتا ہے، جیسے الا یا اسجدوا میں منادی قوم کو حذف کر دیا گیا ہے یہاں پر قرینہ یہ ہے کہ حرف ندا کا دخول اسم پر ہوتا ہے اور یہاں فعل پر ہے۔ معلوم ہوا کہ منادی جو کہ اسم ہی ہو سکتا ہے مقرر ہے۔

یہ تب ہے جب الا کو بغیر تشدید کے پڑھا جائے ورنہ بصورت تشدید الا مذکورہ ضابطہ کی مثال میں اسے پیش کرنا درست نہ ہوگا بلکہ الا ان ناصبہ اور لائے نفی سے مرکب سمجھا جائے گا اور یسجدوا فعل مضارع جس کا نون اعرابی ناصب کی وجہ سے محذوف مانا جائے گا۔

الثالث ما اضمِرَ عامِلُهُ على شريطة التفسير وهو كل اسم بعده فعل او شبهة مشتغل عنه بضميره او متعلقه لو سَلَطَ عليه هو او مُناسِبَةٌ لِنَصْبِهِ مثل زيدًا ضربه و زيدًا مرت به و زيدًا ضربت غلامه و زيدًا حُبست عليه يُنصبُ بفعلٍ مضمِرٍ يفسره ما بعده اى ضربت و جاوزت و اهنئت و لا بست.

ترجمہ:- تیسرا مقام ما اضمِرَ عامِلُهُ على شريطة التفسير ہے اور وہ ہر ایسا اسم ہے کہ اس کے بعد کوئی فعل یا شبہ فعل ہو جو اس اسم سے اس کی ضمیر یا متعلق کی وجہ سے اعراض کر رہا ہو، لیکن اگر وہ فعل (یا شبہ فعل) یا اس کا مناسب اسم پر مسلط کر دیا جائے تو وہ اس اسم کو نصب دیدے۔ زيدًا ضربه و زيدًا مرت به اور زيدًا ضربت غلامه و زيدًا حُبست عليه جیسے کو نصب دیا جاتا ہے ایسے فعل مضمِر کی وجہ سے کہ جس کی تفسیر اس کا ما بعد کر رہا ہے۔ یعنی ضربت اور جاوزت اور اهنئت اور لا بست۔

توضیح:- تیسرا مقام جہاں مفعول بہ کے فعل کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے ما اضمِرَ عامِلُهُ على شريطة التفسير ہے۔ آگے اس کی تعریف کر رہے ہیں کہ ما اضمِرَ عامِلُهُ على شريطة التفسير ہر ایسا اسم ہے کہ جس کے بعد کوئی فعل یا شبہ فعل ہو۔ اور وہ فعل یا شبہ فعل اس اسم کی ضمیر یا اس اسم کے متعلق میں عمل کر لینے کی وجہ سے اس اسم میں عمل کرنے سے اعراض کر رہا ہو، لیکن فعل یا شبہ فعل اس طرح ترکیب میں واقع ہوں کہ اگر ان کو اس اسم پر مسلط کر دیا جائے یعنی بجائے اس کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل دلانے کے خود اس مذکور کو معمول بنا دیا جائے اور فعل یا شبہ فعل کو اس کا عامل قرار دے دیا جائے تو وہ فعل یا شبہ فعل یا ان کا

مناسب فی الترادف یا فی اللزوم اسم مذکور کو بحیثیت مفعول بہ ہونے کے منصوب بنا دے اگر ایسا ہو تو مفعول بہ کے فعل کا حذف واجب ہے، تاکہ بے فائدہ مفسر اور مفسر کا اجتماع لازم نہ آئے۔

فائدہ:- آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسم مذکور کے بعد فعل یا شبہ فعل کے واقع ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل یا شبہ فعل اس کلام کا جزء تر کیا واقع ہوں جو کلام اسم ما اضمر عالمہ کے بعد واقع ہے۔ پس زیدنا عمرو ضربہ وزیدنا انت ضاربہ ما اضمر عالمہ کے باب سے ہی ہوئے بھلے زیدنا کے بعد بجائے ضربہ کے عمر ہے جو کہ اسم محض ہے، اس لیے کہ ضربہ عمرو کا جز ہے پس گویا ضربہ، زیدنا کے بعد ہی ہے۔ اسی طرح اسم مذکور میں فعل یا شبہ فعل کے عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹ صرف فعل یا شبہ فعل کا اسم مذکور کی ضمیر یا اس کے متعلق میں عمل کر لینا ہو اور کوئی دوسرا مانع عمل کرنے سے موجود نہ ہو، اگر اشتغال بالضمیر اور اشتغال بالمتعلق کے علاوہ اور کوئی مانع ہو تو وہ باب ما اضمر عالمہ سے نہیں مانا جائے گا۔ جیسے زید اضربتہ اس لیے کہ مثال مذکور میں ضربتہ کے عمل کی راہ میں رکاوٹ تھا اشتغال بالضمیر ہی نہیں ہے، بلکہ ابتداء بھی ہے، جو کہ عامل معنوی ہوتا ہے۔

اب اصل بحث کی طرف لوٹنے اور مثالیں سماعت کیجیے جیسے زیدنا ضربتہ اور زیدنا مورث بہ اور زیدنا ضربتہ غلامہ اور زیدنا حبست علیہ۔

مصنف نے متعدد مثالیں مثل لہ کے تعدد کی وجہ سے دیا ہے دراصل یہاں چار باتیں ہیں (۱) فعل کا اشتغال ضمیر کے ساتھ اور فعل بعینہ ممکن التسلیط ہو جیسے کہ پہلی مثال سے ظاہر ہے۔ کہ اشتغال ضمیر کے ساتھ ہے اور ضربت کو بنفس نفس مسلط کیا جاسکتا ہے۔ (۲) فعل کا اشتغال ہو تو ضمیر ہی کے ساتھ لیکن فعل بعینہ ممکن التسلیط نہ ہو بلکہ اس کا مناسب فی الترادف مسلط کیا جاسکتا ہو۔ جیسا کہ دوسری مثال میں ہے کہ زیدنا مورث بہ میں اشتغال ضمیر کے ساتھ ہے لیکن مررت کو بعینہ مسلط نہیں کر سکتے، کیوں کہ اس کی تسلیط دو حال سے خالی نہیں کہ یا تو مورث کو حرف جار کے ساتھ زیدنا پر مسلط کریں گے یا بغیر اس کے۔ پہلی صورت میں حرف جر کی وجہ سے اسم مذکور بجائے منصوب ہونے کے مجرد ہوگا، کیوں کہ حرف جر کا مدخول مجرد ہوتا ہے، حالانکہ بصورت تسلیط فعل، نصب شرط ہے اور دوسری صورت میں مورث لازم ہونے کی وجہ سے مفعول سے بے نیاز ہوگا، لہذا اسم مذکور کو نصب نہ دے سکے گا، کیوں کہ مورث بغیر حرف جر کے متعدی نہیں ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ بعینہ مورث کا مسلط کرنا ممکن نہیں، لہذا اس کے مرادف جاوزت کو مسلط کریں گے جو نصب دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

(۳) فعل کا اشتغال اسم ما اضمر عالمہ کے متعلق کے ساتھ ہو اور اس کا مناسب باللزوم مسلط ہوتا ہو۔ جیسے زیدنا ضربت غلامہ مثال مذکور میں بعینہ ضربت فعل کو زیدنا پر مسلط نہیں کیا جاسکتا، کیوں کہ مقصود

غلام کی مضروبیت کو بتانا ہے جب کہ فعل کو بعینہ مسلط کرنے کی صورت میں زید کا مضروب ہونا لازم آتا ہے، لہذا بجائے ضربت فعل کو مسلط کرنے اس کے لازم اھنٹ کو مسلط کریں گے، کیوں کہ زید کے غلام کا مضروب ہونا زید کی اہانت کو مستلزم ہے، اس لیے کہ غلام کے ضرب سے اس کے آقا کی توہین ضروری ہے۔

(۳) فعل کا اشتغال ضمیر کے ساتھ ہو لیکن بجائے فعل مذکور کی تسلیط کے اس کا مناسب باللام مسلط ہوتا ہو، اس لیے حُبست فعل مجہول ہے، جسے یا تو بغیر علی حرف کے مسلط کریں گے یا علی کے ساتھ۔ صورت اول میں اسم مذکور بجائے منصوب ہونے کے مجرور ہو جائے گا، کیوں کہ وہ حرف جار کا مدخول ہوا جار ہا ہے اور صورت ثانی میں چون کہ وہ مجہول ہے، لہذا وہ بجائے نصب کے رفع دے گا، حالاں کہ نصب شرط ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حُبست ممکن التسلیط نہیں ہے، لہذا اس کے مناسب بالالمزوم کو مسلط کر دیا اور وہ ہے لَابِسْتُ، حُبسْتُ کے لیے لَابِسْتُ اس لیے لازم ہے کہ شئی کا شئی پر جس، محبوبس علیہ کے ملائیں ہونے کو مستلزم ہے۔

وَيُخْتَارُ الرَّفْعُ بِالْإِبْتِدَاءِ عِنْدَ عَدَمِ قَرِينَةٍ خِلَافِهِ أَوْ عِنْدَ وُجُودِ أَقْوَى مِنْهَا كَمَا مَعَ غَيْرِ الطَّلَبِ وَإِذَا لِلْمُفَاجَاةِ وَيُخْتَارُ النَّصْبُ بِالْعَطْفِ عَلَى جُمْلَةٍ فَعَلِيَّةٍ لِلتَّنَاسُبِ وَبَعْدَ حَرْفِ النَّفْيِ وَالِاسْتِفْهَامِ وَإِذَا الشَّرْطِيَّةِ وَحَيْثُ وَفِي الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ إِذْ هِيَ مَوَاقِعُ الْفِعْلِ وَعِنْدَ خَوْفٍ لِبَسِ الْمُفْتَسِرِ بِالْصِفَةِ مِثْلُ إِنَّا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ .

ترجمہ: - اور رفع مختار ہوتا ہے ابتداء کی وجہ سے اس کے خلاف قرینہ نہ ہونے کے وقت یا اس سے زیادہ طاقتور قرینہ کے پائے جانے کے وقت جیسے انا غیر طلب اور اذا امفا جائیہ کے ساتھ۔ اور نصب مختار ہوتا ہے عطف کی وجہ سے جملہ فعلیہ پر مناسبت کے لیے اور حرف نفی اور استفہام اور اذا شرطیہ اور حیث کے بعد اور امر ونہی میں اس لیے کہ یہ فعل کے مواقع ہیں اور صفت کے ساتھ مفسر کے اشتباہ کے خوف کے وقت جیسے انا کل شیء خلقناه بقدر۔

توضیح: - معلوم ہو کہ وہ اسم جو ما اضممر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کے موقع گمان میں واقع ہو وہ پانچ قسموں پر ہے۔ (۱) رفع مختار ہو نصب کے جواز کے ساتھ (۲) نصب مختار ہو رفع کے جواز کے ساتھ (۳) رفع متعین ہو (۴) نصب متعین ہو (۵) رفع اور نصب دونوں برابر ہوں۔

وَيُخْتَارُ فِيهِ الرَّفْعُ: سب سے پہلے مصنف ان مواقع کو بتاتے ہیں کہ جہاں رفع مختار ہوتا ہے تو رفع دو موقعوں سے مختار ہوتا ہے۔ پہلا موقع تو یہ ہے کہ نصب پڑھنے کا قرینہ صحیح مرتبہ معدوم ہو اور رفع کا قرینہ صحیح مرتبہ موجود ہو تو مبتدا ہونے کی بنیاد پر نصب کے جواز کے ساتھ رفع پڑھنا اولیٰ ہے۔ جیسے زید ا ضربتہ کہ زید کا عامل لفظی سے خالی ہونا رفع کا قرینہ صحیح ہے اور ایسے لفظ کا موجود ہونا جو تفسیر کی صلاحیت

رکھتا ہو نصب کا قرینہ صحیح ہے، لیکن نصب کے قرینہ کے لیے کوئی مرجح نہیں ہے، جب کہ رفع کے قرینہ صحیح کے لیے مرجح، سلامتی عن الحذف موجود ہے، کیوں کہ رفع پڑھنے کی صورت میں فعل کو اسم مذکور سے پہلے مقدر ماننے کی کوئی ضرورت نہیں جب کہ نصب کی صورت میں فعل کی تقدیر ضروری ہے اور قاعدہ ہے کہ سلامتی عن الحذف حذف سے اولیٰ ہے۔

اور دوسرا موقع یہ ہے کہ رفع کا قرینہ صحیح مرجح نصب کے قرینہ صحیح مرجح سے طاقتور ہو اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب اسم مذکور اما غیر طلب کے بعد یا اذا امفا جائیہ کے بعد واقع ہو جیسے لقیث القوم اما زید فاكر متہ اور خرجت فاذا زید بضربہ عمرو۔

پہلی مثال میں زید کا عامل لفظی سے خالی ہونا رفع کا قرینہ صحیح اور مفسر کا وجود نصب کا قرینہ صحیح ہے، اور اما کا اسم مذکور داخل ہونا رفع کا قرینہ صحیح ہے اور عطف علی الفعلیہ نصب کا قرینہ صحیح ہے۔ لیکن رفع کا قرینہ صحیح مرجح بمقابلہ نصب کے قرینہ صحیح مرجح کے طاقتور ہے، اس لیے کہ اما غیر طلب عموماً اسم پر ہی داخل ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے جب اسم مذکور کو مبتدا کی بنیاد پر مرفوع پڑھا جائے ورنہ جب اسم مذکور کو منصوب پڑھیں گے تو پھر اس سے پہلے فعل مقدر ماننا پڑے گا پس اما غیر طلب کا دخول بجائے اسم کے فعل پر ہو جائے گا، مزید مرفوع پڑھنے کی صورت میں سلامتی عن الحذف بھی ہے۔

اور دوسری مثال میں زید کا عامل لفظی سے خالی ہونا رفع کا قرینہ صحیح اور مفسر کا پایا جانا نصب کا قرینہ صحیح ہے اور اذا امفا جائیہ کا دخول رفع کا قرینہ صحیح مرجح ہے، جب کہ عطف علی الفعلیہ نصب کا قرینہ صحیح ہے، لیکن رفع کا قرینہ صحیح مرجح نصب کے قرینہ سے طاقتور ہے، اس لیے کہ اذا امفا جائیہ بیشتر اسم پر ہی داخل ہوتا ہے دوسرے رفع کی صورت میں سلامتی عن الحذف بھی ہے۔

ویختار النصب: اب دوسرے قسم کو بیان کر رہے ہیں کہ اسم مذکور کو اس وقت نصب پڑھنا رفع کے جواز کے ساتھ ساتھ اولیٰ ہوتا ہے۔ جب اس جملہ کا کہ جس میں اسم مذکور واقع ہے کا عطف جملہ فعلیہ پر ہو رہا ہو جیسے خرجت فزیذا لقبته نصب اس لیے مختار ہے تا کہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان فعلیہ ہونے میں مناسبت کی رعایت ہو جائے ورنہ رفع کی صورت میں ایک فعلیہ اور دوسرا اسمیہ ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ پہلی صورت بہتر ہے۔

نیز اسم مذکور میں نصب اس وقت مختار ہوتا ہے جب اسم مذکور حرف نئی کے بعد واقع ہو جیسے ما زیدا ضربتہ استفہام کے بعد واقع ہو جیسے ازیدا ضربتہ یا اذا شرطیہ کے بعد واقع ہو جیسے اذا عبد اللہ تلقیہ فاكر متہ یا حیث کے بعد واقع ہو جیسے حیث زیدا لجدہ فاكر متہ یا امر اور نئی سے پہلے واقع ہو جیسے زیدا اضربہ اور اسامۃ لا تقتلہ۔ نصب ان مواقع میں اس لیے مختار ہوگا کہ یہ عموماً فعل کے مواقع ہوتے

ہیں، چنانچہ حرف نفی، حرف استفہام اور اذا شرطیہ اور حیث شرطیہ اکثر افعال پر داخل ہوتے ہیں اور جب ان حروف کے بعد فعل مطلق نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ وہ مقدر ہے اور امر ونہی کی صورت میں نصب اس لیے مختار ہوگا کہ اگر اسم مذکور مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو تو پھر امر ونہی کا اس کی خبر ہونا لازم آئے گا، حالانکہ یہ دونوں انشاء کے قبیل سے ہیں اور انشاء بلا تاویل بعید کے خبر نہیں واقع ہوتا۔ پس رفع کی صورت تکلف سے خالی نہیں۔

و عند خوف لبس المفسر: نیز جب اسم مذکور پر رفع پڑھنے کی صورت میں صفت کے ساتھ مفسر کے اشتباہ کا خوف پیدا ہو جائے تو بھی نصب مختار ہوتا ہے۔ جیسے انا کل شیء خلقناہ بقدر۔ اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب سے کہ اگر اسمیں اسم مذکور فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہو تو اس سے معنی صحیح کا فائدہ حاصل ہو۔ اور اگر اسم مذکور مرفوع ہو مبتدا ہونے کی بنیاد پر تو اس میں دو احتمال ہوں ایک یہ کہ اسم مذکور مبتدا ہو اور ما بعد اس کا پورا کا پورا خبر ہو اس تقدیر پر بھی معنی درست ہوں گے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسم مذکور مبتدا ہو اور اس کا ما بعد قریب یعنی خلقناہ مبتدا کی صفت ہو اور اس کا ما بعد بعید یعنی بقدر خبر ہو تو اس تقدیر پر معنی بگڑ جاتے ہیں اس لیے کہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جو چیزیں ہم نے پیدا کیں ہیں وہ تو ٹھیک ہیں معلوم ہوا کہ کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کا اللہ تعالیٰ خالق نہیں حالانکہ کائنات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ شانہ کی مخلوق نہ ہو پس یہاں نصب مختار ہے اس لیے کہ نصب کی جہت احتمال فساد سے خالی ہے جب کہ رفع کی بعض شق میں فساد معنی کا احتمال ہے اور کلام کو ایسے طریق پر محمول کرنا جو احتمال فاسد سے مبرا ہو اولیٰ ہے بہ نسبت اس طریق پر محمول کرنے سے کہ جس میں فساد معنی کا دغدغہ ہو۔

ویستوی الامران فی مثل زید قام و عمرا اکر متہ۔

ترجمہ: - اور دونوں امر برابر ہیں زید قام و عمرا اکر متہ جیسے میں۔

توضیح: - یہاں سے مصنف ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر کی تیسری قسم بیان کر رہے ہیں کہ ما اضمر عاملہ علی شریطۃ التفسیر میں رفع اور نصب دونوں برابر درجہ کے ہوں۔ نہ رفع کا پڑھنا نصب کے مقابلہ میں اولیٰ ہو اور نہ ہی اس کا عکس اولیٰ ہو بلکہ دونوں کی حیثیت برابر ہو۔

زید قام و عمرا اکر متہ جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ وہ جملہ جس میں اسم مذکور واقع ہے اس کا عطف ایسے جملہ پر ہو جو ذوق چہین ہو یعنی وہ جملہ باعتبار مبتدا کے اسمیہ ہو اور باعتبار خبر کے فعلیہ ہو۔ چنانچہ مثال مذکور میں عمرو اکر متہ کا عطف زید قام پر ہے جو باعتبار مبتدا یعنی زید کے اسمیہ ہے اور باعتبار خبر یعنی قام کے فعلیہ ہے پس عطف علی الکبریٰ یعنی زید قام کا مجموعہ رفع کا تقاضہ کرتا ہے کیوں کہ قام جو کہ عطف علیہ ہے فعلیہ ہے لہذا اسم مذکور پر نصب پڑھنے کی صورت میں وہ جملہ جس میں اسم مذکور واقع ہے

فعلیہ ہو جائے گا۔ پس دونوں میں جملوں فعلیہ ہونے کی مناسبت پیدا ہو جائے گی۔ اب معاملہ یہ ہے کہ عطف الکبریٰ اور عطف الصغریٰ میں سے کسی کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں ہے، لہذا ان کے مقتضائے یعنی رفع اور نصب میں سے کسی کو دوسرے کے مقابلہ اولیٰ اور بہتر نہیں کہا جاسکتا، لہذا دونوں کا حکم برابر ہے۔

و یجب النصب بعد حرف الشرط وحرف التحضیض مثل ان زیذا ضربتہ ضربتک والآ زیذا ضربتہ و لیس ازید ذہب بہ منه فالرفع وكذلك کُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوهُ فی الزُّبْرِ وَنحو الزَّائِنِ وَالزَّائِنِ فَاجْلِدُوا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مائة جَلْدَةً الفاء بمعنی الشرط عند المبرّد وجمَلتان عند سیبویہ والا فالْمُخْتَارُ النصبُ.

ترجمہ: - اور نصب واجب ہوتا ہے حرف شرط اور حرف تحضیض کے بعد جیسے ان زیذا ضربتہ ضربتک اور الآ زیذا ضربتہ۔ اور ازید ذہب بہ اس سے نہیں ہے پس رفع لازم ہے اور ایسے ہی کل شیء فعلوہ فی الزبیر اور الزائینہ والزائنی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدۃ فاء اس میں شرط کے معنی میں مبرد کے نزدیک ہے اور دو جملہ ہیں سیبویہ کے نزدیک ورنہ پس مختار نصب ہے۔

و یجب النصب: اب ما اضمرع عاملہ کا چوتھا حکم بیان کر رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ما اضمرع عاملہ جب حرف شرط یا حرف تحضیض کے بعد واقع ہو تو اس میں نصب واجب ہے رفع کی کوئی گنجائش نہیں ہے، کیوں کہ حرف شرط اور حرف تحضیض وجوباً فعل پر داخل ہوتے ہیں اور یہاں فعل لفظوں میں نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ وہ مقدر ہے جیسے ان زیذا ضربتہ ضربتک اور الا زیذا ضربتہ۔

ولیس مثل ازید ذہب بہ منہ: یہاں سے مصنف ما اضمرع عاملہ علی شریطۃ التفسیر کا آخری اور پانچواں حکم بتا رہے ہیں اور وہ ہے رفع کا وجوب جو بصورت سوال و جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے ما قبل میں بتایا کہ اگر اسم مذکور حرف استفہام کے بعد واقع ہو تو اس میں رفع کے جواز کے ساتھ نصب اولیٰ ہوتا ہے تو آپ کا یہ قاعدہ مثال مذکور ازید ذہب بہ سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ زید یہاں حرف استفہام ہمزہ کے بعد واقع ہے، اس کے باوجود بجائے نصب کے اولیٰ ہونے و جو بامرفوع ہے پس معلوم ہوا کہ آپ کا قاعدہ سابق درست نہیں، اس کا جواب مصنف نے دیا کہ ہمارا قاعدہ اپنی جگہ پر مسلم ہے، رہی بات مثال مذکور کی تو یہ باب ما اضمرع عاملہ سے ہے ہی نہیں اس لیے کہ ما اضمرع عاملہ میں شرط ہے کہ وہ فعل جو اسم مذکور کے بعد واقع ہو وہ خود یا اس کا مناسب اس اسم پر مطلق ہو سکتا ہو اور یہاں ایسی کوئی صورت نہیں اس لیے کہ ذہب فعل لازم ہے جو اسم مذکور میں بناء علی المفعول بہ نصب کا عمل نہیں کر سکتا۔ رہی بات اس کے مناسب اذہب کی تو یہ بھی ممکن التسلیط نہیں ہے، اس لیے کہ اذہب فعل مجہول ہے جو بجائے نصب

کے مفعول بہ کو رفع دے گا جو باب ما اضممر عاملہ کی شرط کے خلاف ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ مثال مذکور میں نہ تو خود فعل اور نہ ہی اس کا مناسب اسم مذکور پر مسلط ہو سکتا ہے، لہذا یہ باب ما اضممر عاملہ سے ہو ہی نہیں پس نصب کے مختار ہونے نہ ہونے کا کوئی مسئلہ ہی نہیں، البتہ مبتدا ہونے کی وجہ سے وہ مرفوع ہوگا۔

و مثل قوله تعالى و كل شئ فعلوه فی الزبور: اس عبارت کا تعلق بھی پانچویں حکم سے ہے اور سابق کی طرح یہ بھی بصورت سوال و جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے ما قبل میں یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ جب رفع اور نصب دونوں کا قرینہ صحیح موجود ہو، لیکن قرینہ صحیح رفع کا نصب کے قرینہ صحیح سے طاقتور ہو تو پہلے رفع مختار ہوتا ہو، لیکن نصب پڑھنا پھر بھی جائز ہوتا ہے، لیکن آپ کا یہ قاعدہ کل شئ فعلوه فی الزبور سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ مثال مذکور قاعدہ مذکور کے قبیل سے ہے لیکن اس کے باوجود رفع واجب اور نصب کی کوئی گنجائش نہیں پس معلوم ہوا کہ آپ کا قاعدہ سابق درست نہیں؟ تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ اعتراض تب ہوگا جب یہ مثال باب ما اضممر عاملہ سے ہو یہاں مسئلہ یہ ہے کہ یہ مثال باب ما اضممر عاملہ سے ہے ہی نہیں اس لیے کہ باب مذکور کی مشہور شرط فعل یا اس کے مناسب کا ممکن التسلیط ہونا ہے جو یہاں فوت ہے، اس لیے کہ اگر فعل کو مسلط کیا تو تقدیر عبارت ہوگی فعلو کل شئ فعلو الزبور جو فساد معنی کو مستلزم ہے، اس لیے کہ بریں صورت مطلب ہوگا کہ لوگوں نے تمام اعمال نامہ اعمال میں کیا، حالاں کہ نامہ اعمال بندوں کے افعال کا محل نہیں ہے، بلکہ کرانا کا تین کے فعل کا محل ہے۔

نحو الزانیة و الزانی: یہ عبارت بھی پانچویں حکم کے متعلق ہے اور سابق کی طرح سوال اور جواب کی صورت میں ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے سابق میں بیان کیا کہ اگر اسم مذکور کے بعد امر ہو تو نصب مختار ہوتا ہے تو آپ کا یہ قاعدہ مسلم نہیں، اس لیے کہ مثال مذکور میں اسم مذکور کے بعد امر واقع ہے اس کے باوجود نہ صرف یہ کہ نصب مختار نہیں ہے، بلکہ نصب کی کوئی گنجائش نہیں بلکہ رفع باق ناقص سبعہ متعین ہے۔ تو اس کا مصنف نے دو طرح کا جواب دیا۔ پہلے کا تعلق مبرد سے ہے اور دوسرے کا تعلق سیبویہ سے ہے۔ مبرد کا کہنا ہے کہ فاء شرط کے معنی میں ہے یعنی شرط کے معنی کے ساتھ مربوط کرنے والی ہے، کیوں کہ الزانیة و الزانی کا لام موصولہ ہے جو الذی کے معنی میں ہے اور زانیة و زانی صلہ ہیں اور وہ مبتدا جو موصول ہو اور اس کا صلہ فعل ہو تو وہ شرط کے معنی کو شامل ہوتا ہے، لہذا الزانیة و الزانی الف لام کے موصول اور اسم فاعل کے فعل کے معنی میں ہونے کی وجہ سے مذکورہ بالا شرط پر پورا اترتے ہیں، لہذا یہ شرط کے معنی کو شامل ہوئے پس فاجلدوا کی فاء جزائیہ ہوئی اور فاجزائیہ اپنے مابعد کو اپنے ماقبل میں عمل کرنے سے باز رکھتی ہے، لہذا فاجلدوا کو الزانیة و الزانی پر مسلط نہیں کیا جاسکتا پس ما اضممر عاملہ کی تسلیط کی شرط فوت ہوگی، لہذا یہ مثال باب ما اضممر عاملہ سے ہوئی ہی نہیں کہ اعتراض کیا جائے۔

اور سیبویہ کے جواب کا بھی یہی حاصل ہے کہ آیت مذکورہ باب ما اضمر عاملہ سے ہے ہی نہیں، کیوں کہ فعل فاجلدوا کی الزانیۃ والزانی پر تسلیط بنیادی شرط ہے وہ پائی ہی نہیں جاتی اس لیے کہ یہ آیت دو مستقل جملہ ہے، ایک جملہ الزانیۃ والزانی جو مضاف کی تقدیر کے ساتھ یوں ہے حکم الزانیۃ والزانی فیما سبتلی علیکم۔ اور فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة۔ دوسرا جملہ ہے جسے حکم موعود کے بیان کرنے کے لیے لایا گیا ہے اور قاعدہ ہے کہ ایک جملہ کا جزء دوسرے جملہ کے جزء میں عمل نہیں کرتا پس فعل ممکن التسلیط نہ ہوا، لہذا یہ شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے باب ما اضمر عاملہ سے بھی نہ ہوا۔ اور اگر فاء کو شرط کے معنی میں نہ لیا جائے جیسا کہ مبرد کا خیال ہے یہ آیت دو جملہ نہ تسلیم کی جائے جیسا سیبویہ کا خیال ہے تو نصب ہی حسب قاعدہ مختار ہوگا، لیکن نصب کا مختار ہونا بافتاق قراء باطل ہے پس یا توفاء شرط کے معنی میں ہے اور یا آیت دو مستقل جملہ ہے۔

الرابع التحذیر وهو معمولٌ بقتدیر اتق تحذیراً مما بعده او ذکیر المَحذَرُ منه مُکرراً مثل ایاک والاسد وایاک وان تحذِف والطریق الطریق وتقول ایاک من الاسد ومن ان تحذِف وایاک ان تحذِف بتقدیر من ولا تقول ایاک الاسد لامتناع تقدیر من۔

ترجمہ:- چوتھے تحذیر ہے اور وہ معمول ہے اتق کے تقدیر کے ساتھ ڈرانے کے لیے اس کے مابعد سے یا ذکر کیا جائے محذرم نہ مکرر جیسے ایاک الاسد اور ایاک وان تحذِف اور الطریق الطریق اور تم کہو ایاک من الاسد ومن ان تحذِف اور ایاک ان تحذِف من کی تقدیر کے ساتھ اور نہ کہو گے ایاک الاسد من کی تقدیر کے ممتنع ہونے کی وجہ سے۔

توضیح:- یہ چوتھا مقام ہے جہاں مفعول بہ کے فعل کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے اور یہ وجوب فرصت نہ ہونے اور وقت کی تنگی کی وجہ سے ضروری ہوتا ہے۔ اس چوتھی قسم کا نام تحذیر ہے تسمیۃ المفعول باسم المصدر کے طور پر یعنی جو نام مصدر کا تھا وہ مفعول یعنی محذَر اور محذَر منہ کا رکھ دیا گیا۔

تحذیر لغت میں ایک چیز کو دوسری چیز سے ڈرانے اور ایک کو دوسرے سے دور رکھنے کا نام ہے۔ اور اصطلاح میں تحذیر ایسے معمول یعنی ہر ایسے اسم کو کہتے ہیں جس میں نصب کا عمل مفعول بہ ہونے کی بنیاد پر اتق یا بعد کی تقدیر کی وجہ سے ہو مفعول بہ کو اس کے مابعد سے ڈرانے کے واسطے یا تحذیر اتق یا بعد کی تقدیر کی وجہ سے ایسے معمول محذرم نہ کو کہتے ہیں جسے مکرر ذکر کیا گیا ہو۔

پس حاصل تعریف کا یہ نکلا کہ تحذیر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محذَر اور دوسرے محذَر منہ۔ پس اگر تحذیر محذَر ہو تو اس کے بعد محذَر منہ کا ذکر کرنا ضروری ہے، تا کہ مخاطب کو بیدار اور ہوشیار کیا جاسکے اور اگر تحذیر محذَر

سے بدلنا واجب ہو جاتا ہے، لہذا وہ اتق نفسك والاسد ہو گیا۔ پس جب یہ مقام کی تنگی کی وجہ سے اتق کو حذف کیا تو نفس کو بھی حذف کر دیا گیا، کیوں کہ اب فاعل اور مفعول کی ضمیروں کے اجتماع کی ضرورت بھی ختم ہو گئی یعنی ضمیر مفعول کو نفس سے بدلنے کا جو باعث تھا وہ اب باقی نہیں رہا، لہذا نفس کی بھی کوئی ضرورت نہ رہی، پس ضمیر متصل کو منفصل سے بدل دیا کیوں کہ جب وہی نہ رہا کہ جس سے ضمیر متصل، متصل ہوا کرتی تھی تو ضمیر متصل کا وجود کیوں کر باقی رہ سکتا ہے۔ اور الاسد، ایاک پر معطوف ہے۔ مطلب ہے اتق نفسك ان تتعرض لك الاسد واتق الاسد ان تهلكك.

المفعول فيه هو ما فعل فيه فعل مذکور من زمان او مکان و شرط نصبه تقدير في وظروف الزمان كلها تقبل ذلك وظروف المكان ان كان مبهما قبل ذلك والّا فلا وفسر المبهم بالجهات الست وحمل عليه عند ولدى وشبههما لا بهامهما ولفظ مكان لكثرة وما بعد دخلت على الأصح وينصب بعامل مضمير وعلى شريطة التفسير.

ترجمہ: - مفعول فیہ وہ اسم زمان یا اسم مکان ہے جس میں فعل مذکور کیا گیا ہو اور اس کے منصوب ہونے کی شرطی کی تقدیر ہے۔ اور ظروف زمان سب کے سب اس کو قبول کرتے ہیں اور ظروف مکان اگر مبہم ہوں تو فی کی تقدیر قبول کرتے ہیں ورنہ نہیں اور مبہم کی جہات ستہ کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے اور محمول ہے اس پر عند اور لدی اور ان دونوں کے مشابہ ان دونوں کے مبہم ہونے کی وجہ سے اور لفظ مکان محمول ہے اس پر اس کے کثرت استعمال کی وجہ سے اور دخلت کا ما بعد اصح ترین قول پر (اسی پر محمول ہے) اور مفعول فیہ منصوب ہوتا ہے عامل مضمیر کی شرط پر۔

توضیح: - اب مفعول فیہ کی تعریف بیان کر رہے ہیں مفعول فیہ ایسے ظرف زمان یا مکان کو کہتے ہیں جس میں فعل مذکور کیا گیا ہو۔ فعل مذکور عام ہے خواہ مطابقت ہو یا تضمناً اور خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً اور خواہ فعل ہی ہو یا شبہ فعل۔ ایک بات اور ملحوظ خاطر رہے کہ فعل مذکور سے مراد فعل لغوی ہے یعنی مصدر۔ فعل اصطلاحی مراد نہیں ہے۔ اب ایک سوال اور اس کا جواب سمجھ لیجیے۔ سوال یہ ہے کہ مذکورہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے، کیوں کہ اس میں مفعول بہ (شہدت یوم الجمعة جیسی مثال میں) داخل ہوا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ یوم الجمعة ایسا اسم ہے جس میں فعل مذکور یعنی شہود کیا گیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حیثیت کی قید تعریف میں ملحوظ ہے اور وہ یہ کہ مفعول فیہ ایسا اسم ہے کہ جس میں فعل مذکور اس حیثیت سے کیا گیا ہو کہ وہ اسمیں کیا گیا ہے اس اعتبار سے نہ کیا گیا ہو کہ وہ اس پر واقع ہے اور یوم الجمعة کا ذکر کیا جانا اس اعتبار سے

ہے کہ شہود اس پر واقع ہے اس حیثیت سے نہیں ہے کہ شہود اس میں کیا گیا ہے، لہذا یہ مفعول فیہ نہیں ہو اور تعریف کا دخول غیر سے مانع نہ ہونے کا اعتراض ختم ہو گیا۔

من زمان او مکان: اس سے مصنف مفعول فیہ کی دونوں قسموں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ مفعول فیہ کی دو قسمیں ہیں مبہم اور محدود۔ مبہم کہتے ہیں ایسے ظرف کو جس کی کوئی حد نہ ہو۔ اور محدود کہتے ہیں کہ جس کی کوئی حد ہو۔

مفعول فیہ کے منصوب ہونے کی شرط یہ ہے کہ فی مقدر ہوگا اس لیے کہ اگر فی لفظوں میں ہو تو پھر مفعول فیہ بجائے منصوب ہونے کے مجرور ہوگا۔ اس سے ایک بات اور معلوم ہوئی کہ مصنف کے نزدیک مفعول فیہ کا منصوب ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ بشکل مجرور بھی مفعول فیہ پایا جا سکتا ہے، البتہ جمہور نجات کا خیال یہ ہے کہ مفعول فیہ وہی ہوگا جو فی کے مقدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ ورنہ وہ بجائے مفعول فیہ ہونے کے مفعول بہ ہوگا۔

ظروف الزمان: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ ظروف زمان خواہ مبہم ہوں یا محدود سب کے سب فی کی تقدیر کو قبول کرتے ہیں اور منصوب ہوتے ہیں۔ ظروف زمان مبہم تو اس لیے فی کی تقدیر کو قبول کرتے ہیں کہ زمان مبہم فعل کے مفہوم کا جزء ہوتا ہے جیسے کہ مفعول مطلق فعل کے مفہوم کا جزء ہوتا ہے، لہذا یہ مفعول مطلق کے مشابہ ہو گیا اور مفعول مطلق کا بالذات فعل سے تعلق ہوتا ہے پس اسی طرح زمان مبہم بھی فعل سے بالذات بغیر فی کے واسطے کے متعلق ہوگا۔ اب رہی بات زمان محدود کی تو وہ زمان مبہم پر محمول ہے، کیوں کہ دونوں (ذات) یعنی زمان ہونے میں ایک دوسرے کے شریک ہیں۔

اور ظرف مکان مبہم اس لیے فی کی تقدیر کے ساتھ ہوگا، کیوں کہ وہ زمان مبہم پر محمول ہے زمان مبہم اور مکان مبہم دونوں کے وصف یعنی ابہام میں شریک ہونے کی وجہ سے البتہ مکان محدود فی لفظی کے ساتھ ہوگا، کیوں کہ وہ زمان مبہم کا بذات میں شریک ہے اور نہ وصف میں۔

و فسر المبہم: بتا رہے ہیں کہ مکان مبہم سے مراد جہات ستہ ہیں، خلف، قدم، تحت، فوق، یسین، و شمال۔

وحمل علیہ عند ولای: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آپ نے اوپر بتایا کہ مکان مبہم تو فی کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے، البتہ مکان محدود تو وہ چون کہ زمان مبہم کے ساتھ نہ ذاتا اور نہ ہی صفتاً کوئی اشتراک رکھتا ہے، لہذا وہ فی کے لفظ کے ساتھ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوگا تو آپ کا یہ قاعدہ لفظ مکان سے ٹوٹ گیا، اس لیے کہ وہ مکان محدود ہے پھر بھی وہ فی کی تقدیر کے ساتھ ہے۔

تو مصنف نے جواب دیا کہ جہات ستہ پر لفظ مکان بھی محمول ہے اور چونکہ جہات ستہ فی کی تقدیر کے

ساتھ استعمال ہوتے ہیں لہذا جب لفظ مکان کثرت استعمال کی وجہ سے جہات ستہ کے مشابہ ہو گیا تو وہ بھی فی کی تقدیر کے ساتھ استعمال ہوگا بھلے وہ مکان محدود ہے۔

وما بعد دخلت علی الاصح: یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ دخلت کا مابعد مثلاً دخلت الدار مکان محدود ہے اس کے باوجود فی مقدر ہے تو مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ دخلت کا مابعد دخلت کے کثرت استعمال کی وجہ سے مبہم ہونے میں جہات ستہ کی طرح ہے اور چونکہ جہات ستہ میں فی مقدر ہوتا ہے، لہذا مذہب اصح کے مطابق دخلت کے مابعد میں فی مقدر ہوگا۔ مذہب غیر اصح یہ ہے کہ دخلت کا مابعد فی لفظی کے ساتھ مجرور ہو کر استعمال ہوگا، کیونکہ مابعد دخلت مفعول فیہ نہیں ہے، البتہ مفعول بہ ہے، لیکن مذہب اصح یہ ہے کہ مابعد دخلت مفعول فیہ ہے اور اصل میں فی کا ذکر ہے لیکن اسے کثرت استعمال کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔

وینصب بعامل مضمون: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ مفعول فیہ عامل پوشیدہ کی وجہ سے کبھی جوازاً بغیر تفسیر کی شرط کے منصوب ہوتا ہے جیسے یوم الجمعة اس شخص کے جواب میں جس نے پوچھا مئی سرت آپ کب چلے تو دیکھئے یوم الجمعة منصوب ہے عامل پوشیدہ سرت کی وجہ سے اور اس کی تفسیر کرنے والا کوئی دوسرا فعل موجود نہیں ہے۔

نیز کبھی کبھی مفعول فیہ تفسیر کی شرط پر عامل پوشیدہ کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے اور اس کی بھی مفعول بہ کی قسم ما اضمر عامله علی شریطة التفسیر کی طرح پانچ قسمیں ہیں انہی مواقع کی تفصیل کے ساتھ جو مفعول بہ کی بحث میں مذکور ہو چکے ہیں یہاں صرف نمونہ کے طور پر مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

پہلی قسم رفع کا مختار ہونا نصب کے جواز کے ساتھ۔ جیسے یوم الجمعة سرت فیہ اور دوسری قسم نصب کا مختار ہونا رفع کے جواز کے ساتھ جیسے یوم الجمعة صم فیہ۔ اور حیث یوم الجمعة سافر فیہ اور تیسری قسم دونوں کا برابر ہونا جیسے یوم الجمعة سافر فیہ عبد اللہ ویوم الخمیس سافر فیہ اور چوتھی قسم نصب کا واجب ہونا جیسے ان یوم الجمعة سرت فیہ اور پانچویں قسم رفع کا واجب ہونا جیسے ہکذا یوم الجمعة صمت فیہ۔

المفعول له هو ما فعل لاجله فعل مذکور مثل ضربته تاديباً وقعدت عن الحرب جُبناً خلافاً للزجاج فإنه عنده مصدر و شرط نصبه تقدیر اللام وانما يجوز حذفها اذا كان فعلاً لفاعل الفعل المعتل به ومقارناً له في الوجود.

ترجمہ:- مفعول لہ وہ اسم ہے کہ جس کی وجہ سے فعل مذکور کیا گیا ہو جیسے ضربته تاديباً اور قعدت عن الحرب جُبناً اختلاف کرتے ہوئے زجاج سے، کیوں کہ مفعول لہ ان کے نزدیک مصدر ہے

اور اس کے نصب کی شرط لام کی تقدیر ہے اور بلاشبہ لام کا حذف جائز ہے جب وہ فعل ہو اس فعل کے فاعل کا کہ جس کی علت اس کے ذریعہ بیان کی گئی ہے اور وہ فعل مذکور کو مقارن ہو جو درمیان میں۔

توضیح:۔ مفعول لہ وہ اسم ہے کہ جس کی وجہ سے یعنی جس کے حصول کے ارادے یا جس کے وجود کے سبب فعل مذکور کیا گیا ہو۔ فعل مذکور عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً، لہذا اعتراض اس مفعول لہ سے نہیں وارد کیا جاسکتا کہ جس کا فعل مقدر ہو جیسے تادیباً اس شخص کے جواب میں جس نے کہا لما ضربت زیداً۔ مصنف کے قول مذکور سے احتراز ہو گیا اعجبنی التادیب میں التادیب سے کیوں کہ اس کا فعل مذکور نہیں ہے مفعول لہ کے ساتھ فعل کے مذکور ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ فعل اسی ترکیب میں مفعول لہ میں اثر پیدا کرنے کے لیے مذکور ہوا ہو جس ترکیب میں مفعول لہ واقع ہے۔

چونکہ مفعول لہ کی دو قسمیں ہیں ایک علت غائی اور ایک علت مؤثرہ اس لیے مصنف نے دو مثالیں دی ہیں ضربتہ تادیباً پہلی قسم کی مثال ہے اور قعدت عن الحرب جیناً دوسری قسم کی مثال ہے۔

خلافاً للزجاج: خلافاً ترکیب میں مفعول مطلق واقع ہے، اس سے پہلے یہ مخالف فعل مقدر ہے۔ جمہور کی رائے کے برعکس مفعول لہ کے بارے میں زجاج کا کہنا ہے کہ وہ مفعول مطلق ہے، کیونکہ مفعول لہ ان کے نزدیک مستقل معمول نہیں ہے، بلکہ وہ مفعول مطلق میں داخل ہے، لہذا مذکورہ مثالوں میں تادیباً اور جیناً بجائے مفعول لہ مفعول مطلق ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے ادبته بالضرب تادیباً وجبت فی القعود عن الحرب جیناً یا ضربتہ ضرب تادیب اور قعدت عن الحرب قعود جین ہے۔

لیکن جمہور نحاة زجاج کی بات سے اتفاق نہیں کرتے ان کا کہنا ہے کہ ایک نوع کی تاویل کا صحیح ہونا دوسری نوع کے ساتھ شی کو اس کی حقیقت سے خارج نہیں کرتا ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ حال کی تاویل ظرف کے ساتھ درست ہے باوجود اس کے وہ حقیقتاً حال ہی ہے، ظرف نہیں ہو جاتا، لہذا مفعول لہ مفعول مطلق کی تاویل میں اگر ہو بھی جائے تو وہ مفعول لہ ہی رہے گا مفعول مطلق نہیں ہو جائے گا۔

و شرط نصبہ تقدیر اللام: یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مفعول لہ کے منصوب ہونے کی شرط لام کا مقدر ہونا ہے، کیوں کہ اگر لام محفوظ ہو تو مفعول لہ مجرور ہو جائے گا اور حرف جر کے ساتھ اس کا نصب ناممکن ہو جائے گا اور جب لام کی تقدیر کے ساتھ وہ منصوب نہ ہوگا تو پھر اس سے وہ علت مفہوم نہ ہو سکے گی جو کہ مفعول لہ کی شرط ہے۔

یہاں پر ایک سوال ہے کہ جس طرح لام تعلیل کے لیے ہوتا ہے اسی طرح ”من“، ”باء“ اور ”فی“ بھی تعلیل کے لیے ہوتے ہیں تو بطور خاص مفعول لہ میں لام کی تقدیر کو ہی کیوں ذکر کیا، ”من“ کی مثال جیسے لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لرآینہ خاشعاً متصدعاً من خشية الله۔ اور ”باء“ کی مثال جیسے

فَيُظْلَمُ الَّذِينَ هَادُوا حَرَمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ. اور فی کی مثال جیسے نبی صلی اللہ علیہ کا ارشاد ان امراتہ دخلت النار فی ہرة.

تو جواب یہ ہے کہ لام کو بطور خاص اس لیے ذکر کیا کہ لام کا استعمال عامۃً افعال کی تعلیمات میں ہوتا ہے۔ جب کہ ”من“ ”باء“ اور ”فی“ کی تقدیر اکثر اسماء کی تعلیمات میں ہوتی ہے۔ لہذا مفعول لہ میں ان سب کو مقدر نہیں مانا گیا۔

ویجوز حذفها: اب بتا رہے ہیں کہ لام کا حذف کب ہوگا تو اس کی سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ مفعول لہ مصدر ہو عین یعنی ذات نہ ہو، لہذا جنتک للسنن سے حذف لام درست نہ ہوگا اور دوسری شرط یہ ہے کہ مفعول لہ فعل معلل بہ کے فاعل کا فعل ہو بالفاظ دیگر فاعل عامل کا فاعل اور مفعول لہ کا فاعل ایک ہو، لہذا جنتک لمجبتک ایٹائی سے لام کا حذف درست نہ ہوگا، کیوں کہ فعل عامل کا فاعل متکلم اور مفعول لہ کا فاعل مخاطب ہے، پس مفعول لہ اور اس کے عامل دونوں کا فاعل متحد ہونے کے بجائے الگ الگ ہو گئے۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ مفعول لہ اور فعل عامل کا وجود آ زمانہ ایک ہو یا کم از کم ایک کا زمانہ دوسرے کے زمانہ کا جزء ہو، لہذا اکرمتک الیوم لوعدی بذالک امس اس سے لام کا حذف درست نہ ہوگا، کیوں کہ فعل عامل اور مفعول لہ کا زمانہ ایک نہیں ہے یہ شرائط حذف لام کے لیے اس لیے ضروری ہیں کہ ان شرائط کے وجود کے وقت مفعول لہ، مفعول مطلق کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور چون کہ مفعول لہ سے فعل بالذات ملتا ہے، لہذا مفعول لہ سے بھی براہ راست مل سکے گا۔

فائدہ: - فائدہ کے طور پر ایک بات سمجھ لیجیے کہ مصنف نے بجائے ویجوز کے حذفها فرمایا تقدیر اللام کی طرف ضمیر کے لوٹانے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ حذفها کا اضافہ فرمایا، اس کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ دونوں لفظوں کا اصطلاحاً ایک مفہوم میں استعمال رائج ہے۔ دوسری وجہ ایک اور جو زیادہ دل لگی معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ تقدیر کہتے ہیں لفظ سے ساقط کر دینا اور نیت میں باقی رکھنا اور حذف مطلق اسقاط کو کہتے ہیں کہ خواہ ابقاء فی النیۃ کے ساتھ ہو یا نہ ہو، تو اب اگر صرف ضمیر کے لوٹانے پر اکتفاء کر لیتے تو کسی کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ اسقاط عن اللفظ اور ابقاء فی النیۃ دونوں کے لیے مذکورہ بالا شرائط درکار ہیں جب کہ ایسا نہیں ہے بلکہ بقائے لام تو اصل ہے، اس کے لیے کسی شرط کی ضرورت نہیں۔

المفعول معہ ہُوَ مذکورٌ بعد الواو لمصاحبة معمول فعل لفظاً او معنی فان کان الفعل لفظاً و جاز العطف فالوجهان مثل جئت انا و زیدٌ و زیداً و الا تعین النصب مثل جئت و زیداً و ان کان معنی و جاز العطف تعین العطف نحو ما لزید و عمرو و الا تعین النصب مثل مالک و زیداً و ما شانک و عمرًا لان المعنی ما تصنع.

ترجمہ:- مفعول معروضہ ہے جسے واؤ کے بعد ذکر کیا گیا ہو فعل کے معمول کی مصاحبت کے لیے خواہ لفظاً ہو یا معنی پس اگر فعل لفظاً ہو اور عطف درست ہو تو دو جہیں جائز ہیں جیسے جنثُ انا وزیدُ وزیدُ اورت نصب متعین ہوگا جیسے جنثُ وزیدُ اور اگر فعل معنی ہو اور عطف درست ہو تو عطف متعین ہوگا جیسے مالزیدُ وعمرو ورت نصب متعین ہوگا۔ جیسے مالکُ وزیدُ اور ما شانکُ وعمرو اس لیے کہ معنی مانع ہیں۔

توضیح:- معلوم ہونا چاہیے کہ المفعول میں الف لام الذی کے معنی میں ہے اور معہ جو کہ المفعول کا نائب فاعل ہے، اس کی ضمیر الف لام بمعنی الذی کی طرف لوٹ رہی ہے، اتنا سمجھ لینے کے بعد اب مفعول معہ کی تعریف سنئے، مفعول معہ ایسا اسم ہے کہ جس کو واؤ بمعنی مع کے بعد فعل کے معمول کی مصاحبت کے واسطے ذکر کیا گیا ہو خواہ فعل لفظاً ہو یا معنی۔ مصاحبت کبھی فعل کے صدور یعنی معنی فاعل میں ہوگی جیسے استوی الماء والخشبۃ اور کبھی وقوع یعنی معنی مفعول میں ہوگی جیسے کفاکُ وزیدُ ادرہتم۔ فعل کے لفظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل لفظوں میں پایا جاتا ہو یا عبارت میں مقدر ہو اور فعل کے معنوی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل مضمون کلام سے مستفاد ہوتا ہو عبارت میں نہ تو وہ صراحۃً ہو اور نہ تقدیراً۔ آگے بڑھنے سے پہلے چند باتیں اور ذہن نشین کر لیجیے کہ مصاحبت معمول فعل کی قید سے احتراز ہو گیا اس سے جو فعل کا معمول نہ ہو جیسے زیدُ وعمرو اخوئک یا ہو تو فعل کا معمول لیکن فعل کی مصاحبت کے لیے نہ ہو جیسے جاءنی زیدُ وعمرو۔

دوسری بات فعل کے معمول کے مصاحب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مفعول معہ کے معمول کا شریک ہو فعل کے صدور اور وقوع میں زمان کے اتحاد کے ساتھ جیسے سرتُ زیدُ اور مکان کے اتحاد کے ساتھ جیسے لو ترکت الناقۃً وفصلینہا لرضعتہا۔

تیسری بات مصنف نے مع کی جگہ پر واؤ کا انتخاب کیا اس کی دو وجہیں ہیں ایک تو واؤ مختصر ہے دوسرے یہ کہ اس واؤ کی اصل واؤ عطف ہے جو کہ جمع کے معنی کے لیے ہوتا ہے اور جمع کے معنی معیت کے معنی کے مناسب اور شایان شان ہوتے ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ مفعول معہ کا عامل جمہور نحاۃ کے نزدیک واؤ کے واسطے سے فعل یا معنی فعل ہوتا ہے۔
فان كان الفعل لفظاً و جاز العطف: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ اگر مفعول معہ کا فعل یا شبہ فعل لفظاً ہو اور مفعول معہ کا اس کے معمول پر عطف جائز ہو واجب نہ ہو نیز ممتنع بھی نہ ہو تو اس مفعول معہ کا معطوف ہوتا بھی درست ہے اور مفعول معہ ہونا بھی، اس لیے کہ دونوں احتمالوں کے اعتبار کرنے کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ جیسے جنثُ انا وزیدُ وزیدُ پس زیدُ کو منصوب مفعول معہ ہونے کی وجہ سے پڑھ سکتے ہیں اور ضمیر مرفوع متصل پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔

اس مثال میں عطف اس لیے درست ہے کہ عطف ضمیر مرفوع متصل پر ہے اور قاعدہ ہے کہ جب عطف ضمیر مرفوع متصل پر ہو تو اس کی تاکید ضمیر مرفوع منفصل سے لانا ضروری ہوتا ہے اور یہاں اس کی رعایت پائی جاتی ہے کہ تاکید کے لیے انا ضمیر ہے عطف کی صورت مذکورہ میں تاکید اس لیے ضروری ہوتی ہے تاکہ جزء کلمہ پر عطف لازم نہ آئے اس لیے کہ ضمیر مرفوع شدت اتصال کی وجہ سے جزء کلمہ کے درجہ میں ہے، جو کہ بحیثیت جزء کے ناقص ہے، جب کہ معطوف مستقل کلمہ ہونے کی وجہ سے تام اور معطوف علیہ سے افضل ہے جب کہ معطوف علیہ کو اس سے کمتر نہ ہونا چاہئے۔

اور اگر فعل لفظی تو ہو پر اس کے معمول پر مفعول مدح کا عطف درست نہ ہو تو نصب متعین ہے، کیوں کہ عطف کی جب کوئی گنجائش نہیں تو پھر نصب پڑھنے کے سوا چارہ کیا ہے؟ جیسے جنت وزیڈا یہاں پر زید کا عطف ضمیر مرفوع متصل پر ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید نہ ہونے کی وجہ سے درست نہیں، لہذا اب صرف مفعول مدح ہونے کی بنیاد پر نصب کی گنجائش ہے۔

وان كان الفعل معنی: اور اگر مفعول مدح کا فعل عامل معنوی ہو اور عطف کی گنجائش ہو تو پھر عطف متعین ہے، تاکہ عامل لفظی کے ہوتے ہوئے عامل معنوی پر حمل لازم نہ آئے۔ جیسے مالزید وعمرو۔ اور اگر عطف روا نہ ہو پھر نصب متعین ہے اس لیے کہ اس کے سوا چارہ کیا ہے؟ جیسے مالک وزیڈا۔ اور شأنک وعمرا۔ پہلی صورت میں عطف اس لیے درست نہیں کہ عربوں کے یہاں ضمیر مجرور پر بلا اعادہ حرف جار عطف نہیں ہوا کرتا اور یہاں حرف جار کا اعادہ نہیں ہے اور دوسری صورت میں اس لیے کہ متکلم کا مقصود مخاطب اور عمرو دونوں کی حالت دریافت کرنا ہے، اب اگر عطف کر دیتے ہیں تو پھر سوال کا مقصود مخاطب کی حالت اور عمرو کی ذات کا دریافت کرنا ہو جائے گا۔ ظاہر ہے یہ متکلم کے مقصود کے بالکل خلاف ہے۔ اس لیے عطف کی کوئی گنجائش نہیں، تاکہ قلب مقصد کے ارتکاب سے بچا جاسکے۔

ان تمام مذکورہ مثالوں میں فعل معنوی ہوگا، اس لیے کہ تمام اسمہ بالا کے معنی ماضی کے ہیں۔

الحال ما یبین هیئۃ الفاعل او المفعول بہ لفظاً او معنی نحو ضربت زیداً قائماً وزید فی الدار قائماً وھذا زید قائماً وعاملھا الفعل او شبھہ او معنایہ وشرطھا ان تكون نكرة وصاحبھا معرفة غالباً وارسلھا العیراک ومررت بہ وحدہ ونحوہ متاول فان كان صاحبھا نكرة وجب تقدیمھا ولا یقتدم علی العامل المعنوی بخلاف الظرف ولا علی المجرور علی الاصح. وکل ما ذل علی ہیئۃ صح ان یقع حالاً مثل ھذا بسراً اطیب منه رطباً.

ترجمہ:- حال وہ لفظ ہے جو فاعل یا مفعول بہ کی ہیئت پر لفظاً یا معنی دلالت کرے جیسے ضربت

زیدًا قائمًا اور زید فی الدار قائمًا اور اس کا عامل فعل یا شبہ فعل یا معنی فعل ہوگا اور اس کی شرط یہ ہے کہ حال نکرہ ہو اور ذوالحال عموماً معرفہ۔ اور ارسلها العراء اور مودت بہ وحدہ اور اس جیسے تاویل شدہ ہیں پس اگر ذوالحال نکرہ ہو تو اس کی تقدیم واجب ہے اور حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہوتا بخلاف ظرف کے اور نہ مجرد پر صحیح ترین قول کے مطابق اور ہر وہ اسم جو حالت پر دلالت کرے اس کا حال واقع ہوتا صحیح ہے جیسے ہذا بُسراً اطیب منه رطباً۔

توضیح:- اب مصنف حال کی تعریف اور اس کے متعلقہ احکام بیان کرنا چاہتے ہیں۔ تو حال ایسے لفظ کو کہتے ہیں جو فاعل یا مفعول بہ یا دونوں کی حالت پر بحیثیت ان کے فاعل یا مفعول بہ کے دلالت کرے خواہ فاعل یا مفعول بہ لفظاً ہو یا حکماً۔

فاعل اور مفعول بہ عام ہے خواہ حقیقتاً فاعل یا مفعول بہ ہوں یا حکماً اس تعین کا فائدہ یہ ہے کہ وہ حال جو مفعول مطلق سے واقع ہے اس کا بھی حال واقع ہونا درست ہے، کیوں کہ اگر وہ صحیح مفعول بہ نہیں ہے، لیکن حکماً مفعول بہ ہے، چنانچہ ضربت الضرب شدیداً احدثت الضرب شدید کے معنی میں ہے پس شدیداً کا الضرب مفعول مطلق سے حال واقع ہونا صحیح ہے۔ اسی طرح وہ حال جو مفعول معہ سے ہو، کیوں کہ وہ مفعول بہ یا فاعل حکماً ہے، کیوں کہ اگر مفعول معہ فعل کے معمول کا صدور میں مصاحب ہے تو وہ فاعل کے درجہ میں حکماً ہوگا۔ اور اگر وہ فعل کے معمول کا وقوع میں مصاحب ہے تو وہ حکماً مفعول بہ ہوگا، جیسے جنت وزیدًا را کبیر۔ اسی طرح سے وہ لفظ جو مضاف الیہ سے حال واقع ہو بشرط کہ مضاف فاعل یا مفعول بہ ہو اور مضاف کے حذف کے بعد مضاف الیہ کو اس کا قائم مقام بنانا درست ہو حکماً فاعل یا مفعول بہ سے حال مانا جائے گا جیسے بل نبتع ملة ابراهيم حنیفًا کہ حنیفًا ابراهيم مضاف الیہ سے حال واقع ہے۔

فوائد قیود: مزید کچھ اور قیودوں کا فائدہ سمجھ لیجیے تو ہیئت کے ذکر سے تمیز سے احتراز ہو گیا اس لیے کہ وہ شیء کی ذات کو بیان کرتا ہے۔ اور ہیئت کی فاعل اور مفعول بہ کی طرف اضافت سے مبتدا کی صفت سے احتراز ہو گیا جیسے زیدن العالم اخوك پس العالم زید کی ہیئت کو بیان تو کرتا ہے، لیکن زید نہ فاعل ہے اور نہ مفعول بہ۔ اور حیثیت کی قید سے فاعل اور مفعول بہ کی صفت سے احتراز ہو گیا کیوں کہ وہ بھلے فاعل اور اور مفعول بہ کی حالت کو بتاتی ہیں، لیکن فاعل اور مفعول بہ ہونے کی حیثیت سے نہیں جیسے جاءنی رجل عالم اور رأیت رجلاً عالمًا۔

ایک بات اور یاد رہے کہ تعریف میں مذکور او ممنع الخلو کے لیے ہے منع الجمع کے لیے نہیں ہے۔
لفظاً او معنی: فاعل لفظی اور مفعول بہ لفظی ایسے فاعل اور مفعول بہ کو کہتے ہیں کہ جس فاعل کی فاعلیت اور مفعول بہ کی مفعولیت باعتبار کلام کے لفظ کے ہو بغیر کسی معنی خارج کا اعتبار کیے ہوئے۔ اور لفظ

اعم ہے خواہ حقیقتاً ہو یا حکماً۔

اور فاعل اور مفعول بہ معنوی کہتے ہیں ایسے فاعل کو کہ جس فاعل کی فاعلیت اور مفعول بہ کی مفعولیت اس معنی کے اعتبار سے ہو جو مضمون کلام سے مستفاد ہوتی ہے۔ کلام کی عبارت میں بغیر کسی تقدیر و تصریح کے۔ اب مصنف مثال بیان کر رہے ہیں پس ضربت زیداً قائماً یہ فاعل اور مفعول بہ لفظی کی مثال ہے جو حقیقتاً ملفوظ ہے، بلاشبہ تائے متکلم کی فاعلیت اور زید کی مفعولیت کلام کے لفظ کے اعتبار سے ہے کسی معنی خارج کو نکالے بغیر وہ دونوں حقیقتاً ملفوظ ہیں۔

اور زید فی الدار قائماً یہ فاعل لفظی کی مثال ہے جو حکماً ملفوظ ہے، کیوں کہ ظرف میں ضمیر مستتر کی فاعلیت کلام کے لفظ کے اعتبار سے ہے، اس لیے کہ ضمیر پوشیدہ حکماً ملفوظ سمجھی جاتی ہے۔ اور ہذا زید قائماً یہ معنوی کی مثال ہے، اس لیے کہ زید کی مفعولیت اس معنی کے اعتبار سے ہے جو مضمون کلام سے سمجھا جاتا ہے نظم کلام میں بغیر اس کی تقدیر و تصریح کے، یعنی اُسیر اور اُبنہ جو ہذا سے سمجھا جاتا ہے قائماً اس سے حال ہے۔

وعاملها الفعل او شبهه: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ حال کا عامل فعل یا شبہ فعل یا معنی فعل ہوتا ہے۔ فعل کسے کہتے ہیں بتانے کی ضرورت نہیں۔ اور شبہ فعل اس اسم کو کہتے ہیں جو فعل ساعمل کرے اور فعل کی ترکیب سے ہو، البتہ معنی فعل کسے کہتے ہیں؟ اس سلسلے میں ایک رائے تو فاضل مصنف کی ہے اور دوسری علامہ رضی کی ہے۔ مصنف کا خیال یہ ہے کہ عامل معنوی وہ ہے جس کے لیے لفظ میں حصہ ہوتا ہے خواہ وہ کلام کی عبارت میں مقدر ہو یا مضمون کلام سے مستفاد ہوتا ہو، اور علامہ رضی کا مذہب یہ ہے کہ فعل معنوی وہ فعل ہے جو مضمون کلام سے مستفاد ہوتا ہے۔ نظم کلام میں بغیر تقدیر اور تصریح کے۔ پس ضربت زیداً قائماً جیسی مثال میں عامل بالاتفاق لفظاً ہے اور ہذا زید قائماً جیسی مثال میں بالاتفاق عامل معنوی ہے اور زید فی الدار قائماً جیسی مثال میں عامل محل نزاع ہے پس مصنف کے نزدیک اس میں عامل معنوی ہے اور رضی کے نزدیک اس میں عامل لفظی ہے۔

وشرطها ان تكون نكرة: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ حال کے لیے نکرہ ہونا ضروری ہے، کیوں کہ حال سے مقصود اس معنی مصدری کو مقید کرنا ہے جو ذوالحال کی طرف منسوب ہوتا ہے اور اتنی بات نکرہ سے حاصل ہو جاتی ہے پس حال کے معرف لانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور ذوالحال کے لیے معرف ہونے کی شرط اس لیے قراردی کی ذوالحال درحقیقت محکوم علیہ ہوتا ہے اور محکوم علیہ میں اصل معرف ہونا ہے غالباً کی قید بڑھا کر مصنف نے بتا دیا کہ کبھی کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔

وارسلها العراك الخ: یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ حال کے لیے نکرہ

ہونا شرط ہے تو یہ قاعدہ شاعر کے قول و ارسالھا العرک اور عربوں کے قول مررت بہ و حدہ سے ٹوٹ گیا، اس لیے کہ العرک حال ہے باوجودیکہ وہ معرف باللام ہے اور وحدہ حال ہے باوجودیکہ وہ اضافت کی وجہ سے معرف ہے تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ سب نگرہ کی تاویل میں ہیں دو وجہوں سے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ العرک اور وحدہ افعال محذوفہ کے مصادر ہیں یہ افعال مصادر کے ساتھ جملہ فعلیہ ہو کر حال واقع ہیں تقدیر عبارت ہے و ارسالھا تعترک العرک ہے و مررت بہ ینفرد وحدہ اور جملہ من حیث الجملہ نگرہ ہوتا ہے، لہذا شرط کے خلاف معاملہ نہیں ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی صورت اگرچہ معرف کی صورت ہے، لیکن وہ معنی نگرہ ہیں جیسے کہ العرک اس میں الف لام زائدہ ہے اور جب الف لام زائدہ ہو گیا تو وہ نگرہ ہو گیا۔ رہی بات وحدہ کی تو وہ اضافت لفظیہ ہے اور اضافت لفظی مفید للتعریف والتخصیص نہیں ہوتی پس تقدیر عبارت ہوگی و ارسالھا معترک اور مررت بہ منفرداً۔

فان كان صاحبها نكرة: یہاں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر ذوالحال نگرہ ہو تو حال کا ذوالحال پر مقدم کرنا واجب ہے، جیسے جاء نبي راکبا رجل. صورت مذکورہ میں ذوالحال کی حال پر تقدیم اس لیے واجب ہے کہ اگر حال مؤخر ہے تو ہنسی حالت میں حال کا صفت کے ساتھ اشتباہ لازم آئے گا جیسے ضربت رجلا مجرداً عن ثيابہ تو اس اشتباہ سے بچنے کے لیے حال کی تقدیم مطلقاً باب کی موافقت میں ضروری کر دیا ہر چند کہ رفی اور جری حالت میں یہ خدشہ نہیں ہے۔ اچھا جب حال کو مقدم کر دیں گے تو صفت کے ساتھ اشتباہ کا خطرہ اس لیے نہیں ہوگا کہ صفت بحیثیت صفت کے موصوف پر مقدم نہیں ہوتی۔

ولا يتقدم على العامل المعنوي: مطلب یہ ہے کہ جب کسی حال کا عامل عامل معنوی ہو تو وہ حال اپنے عامل معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ عامل معنوی ضعیف العمل ہے لہذا وہ معمول متأخر میں تو عمل کرے گا، لیکن معمول متقدم میں عمل نہیں کرے گا، البتہ دھیان رہے کہ جب دو حال دو چیزوں سے دو مختلف اعتباروں سے واقع ہوں تو دونوں حالوں کا اپنے ذوالحال سے متصل ہونا ضروری ہے۔ پھلے حال کو اپنے عامل معنوی پر مقدم ہونا پڑے جیسے زید قائماً كعمرو قاعداً۔

بخلاف الظرف: اس کا مطلب یہ ہے کہ حال اگرچہ عامل معنوی پر نہیں مقدم ہو سکتا، لیکن وہ ظرف پر مقدم ہو سکتا ہے، اس لیے کہ ظرف میں بڑی وسعت ہوتی ہے۔

ولا على المعجور: اس نکلے کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح حال عامل معنوی پر مقدم نہیں ہو سکتا اسی طرح ذوالحال مجرور خواہ وہ مجرور بالا اضافت ہو یا مجرور بحرف الجر اس پر بھی حال کی تقدیم درست نہیں۔ اگر ذوالحال مجرور بالا اضافت ہو تو اس کی تقدیم حال پر بالا اتفاق اس لیے منع ہے کہ حال دو لحال کی فرع ہے اور ذوالحال یہاں مضاف الیہ ہے اور مضاف الیہ کی تقدیم مضاف پر ناممکن ہے تو جب مضاف الیہ کی تقدیم

مضاف پر نہیں ہو سکتی تو مضاف الیہ کے متعلقات یعنی حال کی تو بدرجہ اولیٰ تقدیم منع ہوگی جیسے جاء فنی مجرداً عن النیباب ضاربةً زید پس یہ ترکیب حال کے مضاف پر مقدم ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے۔ اور اگر مجرور بحرف الجبر ہو تو اس میں دو مذہب ہیں مذہب اصح، اور غیر اصح، مذہب اصح یہ ہے کہ حال کی تقدیم ذوالحال مجرور بحرف الجبر پر درست نہیں، کیوں کہ جب مجرور کی تقدیم حرف جبر ناممکن ہے تو مجرور کے متعلقات کی تو بدرجہ اولیٰ تقدیم منع ہوگی۔

اور مذہب غیر اصح یہ ہے کہ حال کی تقدیم مجرور بحرف الجبر پر ٹھیک ہے، کیوں کہ حرف جبر فعل لازم کو متعدی بنایا کرتا ہے پس گویا وہ فعل کے حروف کا جزء ہو گیا اور حال کی تقدیم فعل پر درست ہے۔ لہذا مجرور بحرف الجبر پر بھی درست ہوگی، چنانچہ قرآن کریم میں ذوالحال مجرور بحرف الجبر پر حال کی تقدیم کا استعمال موجود ہے جیسے وما ارسلناک الا کافة للناس ک کافة، للناس مجرور سے حال واقع ہے اور للناس پر مقدم ہے۔ لیکن جمہور کی جانب سے اس کے دو جواب دیئے جاتے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ کافة مصدر محذوف کی صفت سے حال نہیں ہے، چنانچہ تقدیر عبارت ہے وما ارسلناک الا رسالة کافة للناس اور دوسرا جواب یہ ہے کہ کافة خود فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے پس تقدیر عبارت ہوگی وما ارسلناک الا ان تکف کافة للناس پس اس آیت کے ذریعہ مجرور بحرف الجبر پر حال کی تقدیم کے جائز ہونے پر استدلال صحیح نہیں ہے۔

وکل ما دل علی ہیئۃ؛ اس عبارت سے مصنف درحقیقت ان لوگوں کا رد کرنا چاہتے ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ حال کے لیے مشتق ہونا ضروری ہے، چنانچہ اگر کہیں جوامد حال کی صورت میں نظر آتے ہیں تو وہ اس کی تاویل مشتق سے کرنے سے باز نہیں آتے۔

مصنف کے رد کا حاصل یہ ہے کہ کوئی بھی لفظ ہو اگر وہ فاعل یا مفعول بہ کی حالت پر دلالت کرتا ہے تو اس کا حال بنا درست ہے چاہے وہ جامد ہو یا مشتق جیسے هذا بُسْرًا اطیب منه. پس بُسْرًا اور رُطْبًا کے باوجود جامد ہونے کے حال ہونا درست ہے۔ محققین کے نزدیک رطبا اور بُسْرًا میں عامل اطیب ہے۔

قد تكونُ جُمْلَةٌ خَبْرِيَّةٌ فَالاسْمِيَّةُ بِالِوَاوِ وَالضَّمِيرِ، او بِالِوَاوِ او بِالضَّمِيرِ عَلَيَّ
ضَعْفٍ وَالْمُضَارِعُ الْمُثَبَّتُ بِالضَّمِيرِ وَحَدَهُ وَمَا سِوَاهُمَا بِالِوَاوِ وَالضَّمِيرِ او
بِاحِدِهِمَا وَلَا بُدَّ فِي الْمَاضِي الْمُثَبَّتِ مِنْ قَدْ ظَاهِرَةٌ او مُقَدَّرَةٌ وَيَجُوزُ حَذْفُ
الْعَامِلِ كَقَوْلِكَ لِلْمَسَافِرِ رَاشِدًا مَهْدِيًّا وَيَجِبُ فِي الْمَوْكَدَةِ مِثْلَ زَيْدٌ أَبُوكَ عَطُوفًا
اِي أَحَقُّهُ وَشَرُّطُهَا أَنْ تَكُونَ مَقْرُورَةً لِمُضْمُونِ جُمْلَةٍ اسْمِيَّةٍ.

ترجمہ:- اور بھی حال جملہ خبریہ ہوتا ہے پس اسمیہ واو اور ضمیر کے ساتھ یا واو کے ساتھ یا ضمیر

کے ساتھ ضعیف قول پر اور مضارع مثبت ضمیر کے ساتھ تنہا حال واقع ہوگا۔ اور جوان دونوں کے علاوہ ہے واؤ یا ضمیر کے ساتھ یا ان میں سے کسی کے ساتھ (حال واقع ہوگا) اور ماضی مثبت میں قد ضروری ہے خواہ ظاہر ہو یا مقدر اور عامل کا حذف درست ہے جیسے مسافر سے آپ کا قول راشدیناً مہدیناً اور مکہ میں حذف واجب ہوتا ہے جیسے زید ابوک عطوفاً یعنی احفہ اور اس کی شرط یہ ہے کہ وہ جملہ اسمیہ کے مضمون کو ثابت کرنے والا ہو۔

وقد تكون جملة خبرية: حاصل عبارت یہ ہے کہ جس طرح مفرد حال واقع ہو سکتا ہے، اسی طرح جملہ خبریہ بھی حال ہو سکتا ہے، کیوں کہ جس طرح مفرد فاعل اور مفعول بہ کی حالت پر دلالت کرتا ہے اسی طرح جملہ سے بھی یہ مقصود حاصل ہوتا ہے، لہذا جملہ کا بھی حال واقع ہونا درست ہے، البتہ جملہ خبریہ ہونا چاہئے، کیوں کہ حال ذوالحال سے مربوط ہے جب کہ انشاء ربط کو قبول نہیں کرتا۔

فالاسمية بالواو والضمير: آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ حال ذوالحال سے مربوط ہوتا ہے، تو جب جملہ حال واقع ہو تو ربط کی ضرورت ہے، اس لیے کہ جملہ مستقل ہونے کی وجہ سے ذوالحال سے لاپرواہ ہوگا تو چونکہ جملہ خبریہ کی مختلف صورتیں ہیں، اس لیے اب مصنف تفصیل سے بتا رہے ہیں کہ کونسا جملہ حال واقع ہو تو کون حرف ربط ہوگا پس فرماتے ہیں کہ جملہ اسمیہ واؤ اور ضمیر کے ساتھ حال واقع ہوگا کیوں کہ جملہ اسمیہ مستقل ہونے پر زیادہ مؤکد ہوتا ہے، لہذا ربط تو ہی چاہئے اور وہ واؤ اور ضمیر کا ساتھ میں ہوتا ہے۔ جیسے جاء نبي زيد وهو راكب یا دوسری صورت یہ ہے کہ تنہا واؤ کے ساتھ جملہ اسمیہ حال واقع ہو، کیوں کہ واؤ شروع کلام میں وجوباً واقع ہوتا ہے، لہذا وہ شروع ہی کلام سے ربط پر دال ہوگا پس تنہا واؤ سے بھی ربط تو ہی کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے جیسے كنت نبياً و آدم بين الماء و الطين .

البتہ اگر جملہ اسمیہ تنہا ضمیر کے ساتھ حال واقع ہو یعنی ربط تو ہی کی ضرورت تنہا ضمیر سے پوری کی جائے تو پھر یہ ضرور تکلف کیساتھ پوری ہوگی۔ اسی کو مصنف نے علیٰ ضعف کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اچھا تکلف کیوں ہے اس لیے کہ ضمیر واؤ کے مانند شروع کلام میں تو وجوباً واقع نہ ہوگی تو جب یہ شروع کلام میں وجوباً واقع نہ ہوگی تو اول و پہلے ہی سے ربط پر دلالت بھی نہ ہوگی۔ جیسے كلمته فوه المي في .

وما سواهما بالواو الخ: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر جملہ خبریہ جو حال واقع ہو رہا ہے وہ جملہ اسمیہ اور مضارع مثبت کے علاوہ ہے خواہ وہ مضارع منفی ہو یا ماضی منفی ہو اور چاہے ماضی مثبت۔ تو وہ واؤ اور ضمیر کے ساتھ یا ان میں سے کسی ایک یعنی تنہا واؤ یا تنہا ضمیر کے ساتھ حال واقع ہوگا۔ کل ملا کر اس کی نو صورتیں ہیں، کیوں کہ ماسوا کا مصداق تین چیزیں ہیں پھر تینوں جملوں کا استعمال تین طرح سے ہو سکتا ہے اور جب تین کو تین سے ملائیں گے تو نو قسمیں بن جائیں گی ذیل میں مثالیں لکھی جا رہی ہیں۔

مضارع مثبت منفی جو واؤ اور ضمیر کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاء نی زید وما یتکلم غلامہ اور مضارع منفی جو واؤ کے ساتھ تھا حال واقع ہو جیسے جاء نی زید وما یتکلم عمرو، اور مضارع منفی جو تھا ضمیر کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاء نی زید ما یتکلم غلامہ۔ ماضی مثبت جو واؤ اور ضمیر دونوں کے ساتھ حال ہو۔ جیسے جاء نی زید وقد خرج غلامہ۔ ماضی مثبت جو صرف واؤ کے ساتھ حال واقع ہو جیسے جاء نی زید وقد خرج عمرو۔ ماضی مثبت جو تھا ضمیر کے ساتھ حال ہو جیسے جاء نی زید قد خرج غلامہ۔ ماضی منفی جو ضمیر اور واؤ دونوں کے ساتھ حال ہو جیسے جاء نی زید وما خرج غلامہ۔ ماضی منفی جو تھا واؤ کے ساتھ حال ہو جیسے جاء نی زید وما خرج عمرو ماضی منفی جو صرف ضمیر کے ساتھ حال ہو جیسے جاء نی زید ما خرج غلامہ۔

اب سنواں تین اقسام کا استعمال مذکورہ تین طرح سے اس لیے جائز ہے کہ جملہ فعلیہ استقلال میں مؤکد نہیں ہوتا، پس رابط قوی کا متقاضی بھی نہیں ہے، لہذا اس کا استعمال مذکورہ تین طریقوں میں سے چاہے جس طریقہ کے ساتھ کیا جائے اس سے ربط محض کی ضرورت پوری ہو جائے گی اور اس کا حال واقع ہونا درست سمجھا جائے گا۔

ولا بد فی الماضی المثبت: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ماضی مثبت حال واقع ہو پھر اس پر لفظ قد کا دخول ضروری ہے خواہ لفظ قد ظاہر ہو جیسے جاء نی زید وقد خرج غلامہ یا قد مقدر ہو جیسے جاء و کم حصرت صدور ہم یعنی قد حصرت صدور ہم۔ پس قد مقدر ہے۔

اچھا: قد کا دخول ماضی مثبت پر دریں صورت اس لیے ضروری ہے کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک ہونا لازم ہے اور ظاہر ہے کہ ماضی مثبت کے حال واقع ہونے کی صورت میں اس شرط کی رعایت باقی نہیں رہتی، اس لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسا لفظ ہو جو ماضی کو زمانہ حال سے قریب کر دے اور ایسا لفظ، لفظ قد ہے کیوں کہ واضح نے قد کو اصل زمانہ ماضی کو زمانہ حال سے قریب کرنے کے لیے وضع کیا ہے پس ماضی مثبت کے حال واقع ہونے کی صورت میں جب اس پر قد داخل ہوگا تو وہ حال کے عامل ذوالحال سے قریب ہونے پر دلالت کرے گا۔

ویجوز حذف العامل: فرماتے ہیں حال کے عامل پر جب کوئی قرینہ لفظی یا عقلی موجود ہو تو اس کے عامل کا حذف درست ہے، قرینہ لفظی کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد "أَيُّحَسَبُ الْإِنْسَانَ أَنْ لَنْ نَجْمَعَهُ عِظَامَهُ، بَلَى قَادِرِينَ عَلَيَّ أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ" پس قادرین حال سے پہلے نجمعہا فعل کو قرینہ لفظی ان لَنْ نجمع عظامہ کی وجہ سے حذف کر دیا اور قرینہ عقلی کی مثال جیسے مسافر سے ارشاد مہدیا کھنا۔ پس قرینہ یہاں مسافر کی حالت ہے جو عقلی چیز ہے تقدیر عبارت ہوئی سرت ارشاد مہدیا۔

و یجب حذف عامل الحال: اب بتار ہے ہیں کہ حال کے عامل کا حذف واجب کب ہوتا ہے تو اصل مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے معلوم ہونا چاہیے کہ حال کی دو قسمیں ہیں ایک حالی مؤکدہ کہ جس کا اپنے ذوالحال سے عموماً جدا ہونا ناممکن ہوتا ہے اور دوسرے حال مشقلہ جو عموماً اپنے ذوالحال سے جدا ہو جاتا ہے تو حال کے عامل کا حذف پہلی قسم میں واجب ہوتا ہے جیسے زیدنا ابوک عطوفاً پس عامل اُحِقُّہ محذوف ہے۔

پھر حال مؤکدہ سے مطلقاً عامل کا حذف واجب نہیں ہوتا ہے، بلکہ چند شرطیں ہیں جن کی رعایت ضروری ہے۔ اور وہ شرطیں یہ ہیں کہ حال مؤکدہ جملہ اسمہ کے مضمون یعنی مدلول کی تثبیت یعنی تاکید کر رہا ہو۔ اور اس جملہ اسمیہ میں کوئی ایسا جزء نہ ہو جو حال میں عمل کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جملہ کی قید سے وہ حال مؤکدہ خارج ہو گیا جو جملہ کے پورے مضمون کی تو نہیں البتہ بعض اجزائے جملہ کی تاکید کر رہا ہو جیسے انا ارسلناک للناس رسولاً اور اسمیہ کی قید سے اس حال سے احتراز ہو گیا جو جملہ فعلیہ کے مضمون کی تاکید کرتا ہے جیسے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰئِکَةُ وَالْوَالِیْمُ قٰنِیْمًا بِالْقِسْطِ اور اخیر کی قید (کہ اس جملہ کا کوئی جزء حال میں عمل کی صلاحیت نہیں رکھتا ہو) سے احتراز ہو گیا اللّٰهُ شَهِدَ قٰنِیْمًا بِالْقِسْطِ سے اس لیے کہ اس مثال مذکور میں شاہد عمل کی صلاحیت رکھتا ہے۔

خیر جب کسی حال مؤکدہ میں مذکورہ بالا شرطیں پائی جائیں گی تو حال کے عامل کا قرینہ اور قائم مقام کی وجہ سے حذف واجب ہوگا۔ قرینہ معمول کا منصوب ہونا اور قائم مقام تو خود اس کا معمول ہوگا۔

التَّمِیْزُ مَا یَرْفَعُ الْاِبْهَامَ الْمُسْتَقَرَّ عَنْ ذَاتٍ مَّذْکُوْرَةٍ اَوْ مَقْدَرَةٍ فَاَلْاَوَّلُ عَنْ مُفْرَدٍ مَّقْدَارٍ غَالِبًا اِمَّا فِی عَدَدٍ نَحْوِ عِشْرُوْنَ دِرْهَمًا وَسِیَّاتِیْ وَاِمَّا فِی غَیْرِہِ نَحْوِ رَطْلٍ زَیْتًا وَمَنَوَانَ سَمْنَا وَقَفِیْزَانَ بُرًّا وَعَلٰی التَّمْرِ مِثْلَهَا زُبْدًا فِیْفِرْدٌ اِنْ كَانَ جَنَسًا اِلَّا اَنْ یُقْصَدَ الْاَنْوَاعُ وَیُجْمَعُ فِیْ غَیْرِہِ ثُمَّ اِنْ كَانَ بَتْنُوْیْنٍ اَوْ بَنُوْنَ التَّنْثِیَةِ جَاوِزَتْ الْاِضَافَةُ وَالْاَفْلَاوَعْنَ غَیْرِ مَقْدَارٍ مِثْلُ خَاتَمٍ حَدِیْدًا وَالخَفْضُ اَکْثَرُ۔

ترجمہ:- تمیز وہ اسم ہے جو موضوع لہ میں ثابت شدہ ابہام کو دور کرتا ہو۔ ذات مذکورہ یا ذات مقدرہ سے پس اول مفرد مقدار سے اکثر (ابہام دور کرتا ہے) بہر حال عدد میں جیسے عشرون درہما اور عنقریب اس کا بیان آئے گا۔ اور بہر حال عدد کے علاوہ میں جیسے رطل زیتا اور منوان سمننا اور قفیزان بُرا اور علی التمر مٹلھا زُبْدًا پس تمیز کو مفرد لایا جائے گا اگر وہ تمیز جنس ہو مگر یہ کہ انواع کا قصد کیا جائے اور جمع لائی جائے گی اس کے علاوہ میں۔

پھر اگر وہ تمیز تثنوین یا نون تثنیہ کے ساتھ ہو تو اضافت درست ہے ورنہ پس نہیں اور ابہام غیر مقدرہ سے (دور کرتا ہے) جیسے خاتم حدیدًا اور اس تمیز کا مجرور ہونا اکثر ہے۔

توضیح:- تمیز ایسے اسم کو کہتے ہیں جو ذات مذکورہ یا ذات مقدرہ سے اس ابہام کو دور کرتا ہو جو موضوع لہ میں بحیثیت موضوع لہ کے راسخ ہو۔

اسم کی قید سے قطع رزقہ آئی مانت جیسی ترکیب سے احتراز ہو گیا، کیونکہ مانت بھلے قطع رزقہ میں ثابت شدہ ابہام کو دور کرتا ہے، لیکن وہ فعل ہے۔ اور المستقر بمعنی الثابت فی الموضوع لہ کی قید سے احتراز ہو گیا اس صفت سے جو ابہام کو مشترک سے دور کرتی ہے۔ جیسے رايت عینا جارياً۔ اسی طرح مہمات کی صفت جیسے هذا الرجل اور عطف بیان جیسے ابو حفص عمر سے احتراز ہو گیا، کیوں کہ اڈل میں ابہام وضع کے تعدد اور ثانی میں مستعمل فیہ کے تعدد اور ثالث میں عدم شہرت کی وجہ سے ہے باقی موضوع لہ میں اس اعتبار سے کہ وہ لفظ اس معنی کے لیے موضوع ہے کوئی ابہام نہیں ہے۔

مذکورہ او مقدرہ: اس عبارت سے تمیز کی دونوں قسموں کی طرف اشارہ ہے تمیز کی پہلی قسم ذات مذکورہ سے اور دوسری قسم ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے۔

پہلی قسم پھر دو قسموں پر ہے مفرد مقدار۔ اور مفرد غیر مقدار۔ آگے بڑھنے سے پہلے آپ مفرد مقدار کی تعریف سمجھ لیجیے اور جان لیجیے کہ مفرد مقدار کن چیزوں سے تام ہوتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ تمیز کے باب میں مفرد، جملہ اور شبہ جملہ نیز اضافت کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ اس باب میں کسی چیز کے مفرد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جملہ اور شبہ جملہ اور مضاف نہ ہو۔

مقدار اس چیز کو کہتے ہیں جس سے اشیاء کا اندازہ کیا جاتا ہے اور یہ پانچ چیزیں کہلاتی ہیں کیل اور وزن، عدد، ذراع اور قیاس۔

مفرد کبھی توین سے تام ہوتا ہے خواہ توین لفظاً ہو جیسے رطل اور خواہ تقدیراً ہو جیسے ثلثة عشر۔ اور کبھی نون ثننیہ سے جیسے منوان اور کبھی نون جمع سے جیسے مسلمون اور کبھی ایسے نون سے جو نون جمع کے مشابہ ہوتا ہے جیسے عشرون یا اضافت سے جیسے خاتم حدید۔

مفرد مقدار جو بصورت عدد ہوتا ہے، اس کی مثال جیسے عندی عشرون درہمًا۔ اور وہ مفرد مقدار جو عدد نہیں ہوتا اس کی چار صورتیں ہیں کل مفرد مقدار کی پانچ صورتیں ہیں، جیسا کہ ایک قسم او پر مذکور ہو چکی ہے پس عندی رطل زینا اور عندی منوان سمنًا وزن کی مثال ہے اور عندی قفیزان برا کیل کی مثال ہے اور حملی التمرۃ مثلها زینًا قیاس کی مثال ہے اور ذراع کی مثال عندی ذراع ثویا ہے۔

البتہ مصنف نے ذراع کی مثال کو بیان نہیں کیا، کیونکہ مصنف کا مقصود دراصل مثال بیان کرنا نہیں تھا بلکہ ان صورتوں کی نشاندہی مقصود تھی جن سے مفرد کی تمیز ہوتی ہے تاکہ مفرد مقدار کی تمیز منسوب ہو سکے، اس لیے کہ مفرد مقدار فعل کے مشابہ ہوتا ہے اور اس کا تمیز یعنی توین وغیرہ فاعل کے اور تمیز بمنزلہ مفعول کے

ہوتی ہے۔

واضح ہو کہ مصنف نے نون جمع سے تنمیم کی مثال اس لیے نہیں بیان کی کہ نون جمع نون ثنثیہ کے حکم میں ہے۔
فیفرذ ان کا جنسا: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مفرد مقدار کی تمیز اگر جنس ہو تو اس کو جو با مفرد لائیں گے، کیوں کہ جنس کہتے ہیں جو مجرد عن التاء ہو اور قلیل و کثیر سب پر اس کا اطلاق ہوتا ہو پس تمیز کے ثنثیہ اور جمع لانے کا مقصد دلالت علی الکثرة ہے اور جنس دلالت علی الکثرة کے سلسلہ میں کافی ہے، یعنی ثنثیہ اور جمع لانے کا فائدہ بصورت جنس بغیر ثنثیہ اور جمع لانے حاصل ہو رہا ہے تو پھر ثنثیہ اور جمع لانے کی ضرورت کیا ہے، جیسے عندی رطل زیتا۔ ہاں اگر اس جنس سے جو کہ مفرد مقدار کی تمیز واقع ہو رہی ہے انواع کا ارادہ کیا جائے یعنی جنس کے حصص کا خواہ وہ حصص کلی ہوں یا شخصی تو ایسی صورت میں اس جنس کا بھی ثنثیہ اور جمع حسب تقاضا لایا جائے گا جیسے عندی رطل زیتن عندی رطل زیونا ایسا اس لیے ضروری ہے کہ جنس بھلے کثرت پر دلالت کرتی ہو، لیکن انواع کی کثرت پر دلالت نہیں کرتی پس صورت مذکورہ میں ثنثیہ اور جمع لانا ضروری ہے، تاکہ انواع کی کثرت پر دلالت ہو سکے۔

و یجمع فی غیرہ: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر مفرد مقدار کی تمیز جنس نہ ہو تو حسب تمیز تمیز لائی جائے گی پس اگر تمیز جمع ہے تو تمیز جمع لائی جائے گی اور اگر ثنثیہ ہو تو تمیز ثنثیہ لائی جائے گی۔ مصنف نے و یجمع کے ساتھ ویشی یعنی تمیز کے ثنثیہ لانے کا تذکرہ نہیں کیا، اس لیے کہ تمیز کے جمع ہونے کی صورت میں تمیز جمع لانا ضروری ہوتا ہے، تو تمیز کے ثنثیہ ہونے کی صورت میں تمیز کا ثنثیہ ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا۔
 حسب تمیز دریں صورت تمیز اس لیے ضروری ہے کہ اصل یہی ہے کہ تمیز اور تمیز میں مفرد اور ثنثی اور جمع ہونے میں موافقت رہے جیسے عندی عدل ثوباء، عندی عدلان ثوبین، عندی عدلون اثوابا۔

ثم ان كان بتنوين المخ: یہاں سے بتار ہے ہیں کہ اگر مفرد مقدار کی تمامیت تنوین یا نون ثنثیہ سے ہو تو اس کو اس کی تمیز کی طرف مضاف کر سکتے ہیں، کیونکہ تمیز کا مقصد مفرد مقدار سے ابہام کا دور کرنا ہے۔ اور یہ مقصد بصورت اضافت مزید تخفیف کے فائدہ کے ساتھ حاصل ہے، لہذا اضافت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور اگر وہ مفرد مقدار نون جمع یا اضافت سے تام ہوتا رہا تو اس کی اضافت اس کے تمیز کی طرف نہیں کر سکتے نون جمع کی صورت میں تو اس لیے کہ جمع تمیز کی اضافت تمیز کے علاوہ کی طرف بھی ممکن ہے پس اگر اس کا استعمال تمیز کی طرف مضاف ہو کر راجح ہو جائے تو پھر بعض صورتوں میں اشتباہ لازم آئے گا جیسے عشرون رمضان کہ یہاں یہ فاعل نہیں ہے کہ عشرون اپنے تمیز کی طرف مضاف ہے، پس اس کے معنی بیس رمضان کے ہوتے، یا غیر تمیز کی طرف مضاف ہے، لہذا اس کے معنی بیسواں رمضان ہو۔ لہذا باب کی

موافقت میں اشتباہ کے علاوہ کی صورتوں میں بھی اضافت کو منع کر دیا گیا۔

اور اضافت سے تام ہونے کی صورت میں اضافت اس لیے منع ہے کہ کلمہ اضافت سے ہی تو تام ہوا تھا، لہذا ایک بار مضاف ہونے کے بعد اضافت ثانی کا کیا مطلب؟ لہذا وہ تمیز جو اضافت کی وجہ سے تام ہوا ہو وہ تمیز کی طرف مضاف نہیں ہوگا ورنہ حالت اضافت میں مضاف کا دوبارہ مضاف ہونا لازم آئے گا حالانکہ یہ مقصود نہیں ہے۔

وعن غیر مقدار: اب مصنف ذات مذکورہ کی دوسری قسم کو بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی تمیز مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرتی ہے اور مفرد غیر مقدار سے ابہام کو دور کرنے والی تمیز عموماً مجرور ہوتی ہے، کیونکہ تمیز کا مقصد ابہام کو دور کرنا ہے اور وہ اضافت کے ساتھ بھی حاصل ہے، مزید برآں اضافت کی صورت میں تخفیف بھی ہے جیسے عندی خاتم حدید۔

والثانی عن نسبة في جملة او ما ضاها مثل طاب زيد نفسا وزيد طيب ابا وابوة ودارا وعلما او في اضافة مثل يعجبنى طيبه ابا وابوة ودارا وعلما والله ذره فارسا ثم ان كان اسما يصح جعله لما انتصب عنه جازان يكون له ولمتعلقه والافهول لمتعلقه فيطبق فيهما ما قصد الا اذا كان جنسا الا ان يقصد الانواع وان كانت صفة كانت له وطبقه واحتملت الحال ولا يتقدم التميز على عامله والاصح ان لا يتقدم على الفعل خلافا للمآزني والمبرد۔

ترجمہ:- اور دوسری (قسم) اس نسبت سے ابہام کو دور کرتی جو جملہ یا شبہ جملہ میں ہو جیسے طاب زيد نفسا وزيد طيب ابا وابوة ودارا وعلما یا اس نسبت سے جو اضافت میں ہو جیسے يعجبنى طيبه ابا وابوة ودارا وعلما، والله ذره فارسا۔ پھر اگر تمیز ایسا اسم ہو جس کو منصب عنہ کے لیے کرنا درست ہوتا ہے تو جائز ہے کہ وہ تمیز منصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لیے ہو ورنہ پس وہ متعلق کے لیے ہوگی پس تمیز دونوں صورتوں میں مطابق ہوگی اس کے جس کا قصد کیا جائے۔ ہاں جب تمیز جنس ہو مگر یہ کہ انواع کا ارادہ کیا جائے اور اگر تمیز صفت ہو تو وہ منصب عنہ کے لیے ہوگی اور منصب عنہ کے مطابق ہوگی۔ اور وہ صفت حال کا بھی احتمال رکھتی ہے اور تمیز اپنے عامل پر مقدم نہیں ہوگی، اور صحیح ترین مذہب یہ ہے کہ تمیز فعل پر مقدم نہ ہو اختلاف کرتے ہوئے مآزنی اور مبرد سے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف تمیز کی دوسری قسم (یعنی تمیز جو ذات مقدرہ یعنی اس نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے جو جملہ یا شبہ جملہ یا اضافت میں ہوتی ہے) کو بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تمیز کی دوسری قسم وہ ہے جو ابہام کو اس نسبت سے دور کرے جو نسبت جملہ یا شبہ جملہ یا اضافت میں ہوتی ہے۔ جیسے

طاب زید نفساً وزید طیب ابا ابوة ودار وعلماً.

یہاں پر ایک سوال ہے۔ کہ دوسری قسم کا اجمال بتاتا ہے کہ تمیز کی دوسری قسم ذات مقدرہ سے ابہام کو دور کرتی ہے اور تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ تمیز کی قسم ثانی کا تعلق نسبت فی الجملہ اور نسبت فی شبہ الجملہ سے ہے، پس اجمال اور تفصیل میں توافق نہیں ہے۔

جواب یہ ہے کہ ابہام فی طرف النسبة ابہام فی نفس النسبة کو مستلزم ہے۔ اور نفس النسبة سے ابہام کا رفع ابہام عن طرف النسبة کے رفع کو مستلزم ہے، لیکن مصنف نے صرف نسبت پر اکتفاء کیا اس بات پر تشبیہ کے لیے کہ تمیز کی دونوں قسموں میں مقابلہ ذات مقدرہ اور ذات مذکورہ کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ ذات اور نسبت کے اعتبار سے ہے۔ پس اگر تمیز ذات سے ابہام کو دور کرتی ہے تو وہ قسم اول ہے۔ خواہ ذات مذکور ہو جیسے عندی رطل زیناً اور خواہ مقدر ہو جیسے نعم رجلاً اور اگر تمیز نسبت سے ابہام کو دور کرتی ہے تو وہ قسم ثانی ہے خواہ ذات مذکور ہو جیسے طاب زید نفساً یا مقدر ہو جیسے طاب زید اباً.

معلوم ہونا چاہئے کہ تمیز عن النسبة رفع ابہام کے اعتبار سے چار قسموں پر ہے عین اضافی اور عین غیر اضافی اور عرض اضافی اور عرض غیر اضافی۔

عین اضافی کہتے ہیں جو قائم بنفسہ ہو اور اس کے مفہوم میں اضافت الی الغیر کا اعتبار ہو جیسے اب اور عین غیر اضافی کہتے ہیں جو قائم بنفسہ ہو اور اس کے مفہوم میں اضافت الی الغیر کا اعتبار نہ ہو جیسے نفس اور عرض اضافی کہتے ہیں جو قائم بالغیر ہو اور اس کے مفہوم میں اضافت الی الغیر کا اعتبار ہو جیسے ابوة اور عرض غیر اضافی کہتے ہیں جو قائم بالغیر ہو اور اس کے مفہوم میں اضافت الی الغیر کا اعتبار نہ ہو جیسے علم.

تمیز عن النسبة کی ایک اور تقسیم ہے جو باعتبار منصب عنہ کے ہے۔ پس پہلی قسم وہ ہے جو منصب عنہ کے ساتھ مخصوص ہو اور دوسری قسم وہ ہے جو منصب عنہ کے متعلق کے ساتھ مخصوص ہو۔ اور تیسری قسم وہ ہے جو منصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لیے ہو سکتی ہو۔

ملاحظہ خاطر رہے کہ جملہ اور شبہ جملہ کی تمیزوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ پس جو اسم جملہ کی تمیز ہو وہ شبہ جملہ کی بھی تمیز ہو سکتا ہے ایسا ہی اس کے برعکس پس نفساً جملہ کے ساتھ اور ابا وغیرہ شبہ جملہ کے ساتھ مخصوص نہ ہوئے، تمیز کی جتنی صورتیں جملہ میں ہوں گی اتنی ہی شبہ جملہ اور اضافت میں بھی ہوں گی۔

اب سنو چونکہ تمیز کی متعدد اعتبار سے متعدد قسمیں ہیں، اس لیے مصنف نے بجائے ایک مثال کے متعدد حیثیتوں کا لحاظ کرتے ہوئے متعدد مثالیں دی ہیں مثلاً طاب زید نفساً جملہ اور زید طیب اباً شبہ جملہ کی مثال ہے، نیز نفس عین غیر اضافی مخصوص بمنصب عنہ ہے اور اب عین اضافی منصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لیے ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، کیونکہ جب طاب زید اباً یا زید طیب اباً کہا گیا تو

اس کا دو مطلب ہو سکتا ہے، ایک تو یہ کہ زید خود باپ ہونے کے اعتبار سے اچھا ہے۔ کہ وہ اپنے بچوں کے حق میں بہترین مربی اور شفیق ہے۔ دوسرے یہ کہ زید اس لحاظ سے خوش نصیب ہے کہ اس کا باپ اچھا آدمی ہے کہ اس نے زید کی مثالی تربیت کی۔ پس اول منصب عنہ یعنی تمیز کے لیے ہوگا اور دوسرے مطلب کا تعلق منصب عنہ کے متعلق سے ہوگا کہ خود زید کیسا ہے ہمیں اس سے کوئی لینا دینا نہیں، البتہ اس کا باپ ڈھنگ کا آدمی ہے اور اس لحاظ سے زید اقبال مند ہے۔

اور ابوۃ عرض اضافی اور دارعین غیر اضافی، نیز علم عرض غیر اضافی ہے اور یہ تینوں کے تینوں منصب عنہ کے متعلق کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً جب طاب زید ابوۃ کہا جائے گا یا داراً یا علماً کہا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زید کی خوبی اس کے باپ کے شفیق ہونے کی وجہ سے ہے، اسی طرح زید کی خوش اقبالی اس کے گھر یا علم کی وجہ سے ہے، پس معلوم ہوا کہ تمیز جس کی وجہ سے تمیز کو نصب ہو رہا ہے بذات خود خوبی سے خالی ہے۔ البتہ اپنے متعلقات کی وجہ سے اچھا سمجھا جا رہا ہے۔

فی اضافۃ: جو تفصیل تمیز عن النسبۃ فی الجملہ اور شبہ جملہ کی ہے یعنی وہی تفصیل تمیز عن النسبۃ فی الاضافۃ کی ہے۔ مذکورہ تمیز وہ تمیز کہلاتی ہے جو ابہام، اضافت میں پائی جانے والی نسبت سے دور کرے۔
وللہ درۃ فارسنا: مصنف نے یہ مثال دے کر یہ جانے کی کوشش کی ہے کہ تمیز عن النسبۃ جس طرح باند ہوتی ہے، اسی طرح مشتق بھی ہوتی ہے، چنانچہ مذکورہ بالا مثال میں فارسنا مشتق ہے اور ذرۃ کی نسبت جو ضمیر کی طرف ہے اس سے ابہام کو دور کر رہا ہے فارس تمیز عن النسبۃ اس صورت میں ہوگا جب درۃ کی ضمیر کا مرجع معلوم ہو، جیسا کہ مصنف خیال کرتے ہیں ورنہ فارسنا تمیز کی پہلی قسم کی مثال ہوگا۔ چنانچہ صاحب منسل کا یہی خیال ہے۔

ثم ان كان ذاتياً: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمیز اسم ذات ہے یعنی صفت نہیں اور اس تمیز کا منصب عنہ کے لیے کرنا (بایں شرط کہ وہ تمیز منصب عنہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو جیسے کہ نفساً منصب عنہ کیساتھ مختص ہوتا ہے) صحیح ہو تو اس کو منصب عنہ اور اس کے متعلق دونوں کے لیے کیا جاسکتا ہے جیسے طاب زید ابنا۔ مزید توضیح پیچھے گزر چکی ہے ورنہ وہ صرف منصب عنہ کے متعلق کے لیے ہی ہوگا جیسے طاب زید داراً۔ فرماتے ہیں کہ تمیز کی ان دونوں صورتوں میں تمیز حسب مقصود لائی جائے گی خواہ تمیز منصب عنہ کے لفظ کے مطابق ہو جیسے طاب زید ابنا، طاب الزیدان ابوین، طاب الزیدون آباء اور خواہ منصب عنہ سے متعلق معنی کے مطابق ہو جیسے طاب زید ابنا، طاب زید ابوین، طاب زید آباء۔

ہاں اگر تمیز جنس ہو تو مذکورہ صورتوں میں بھی تمیز کو منصب عنہ کے لفظ اور معنی کسی کے بھی مطابق لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ جو مقصد حثیہ اور جمع لانے کا ہوتا ہے وہ جنس سے بغیر حثیہ اور جمع لائے حاصل

ہو جاتا ہے، کیوں کہ جنس قلیل و کثیر سب پر دال ہوتی ہے۔ البتہ مذکورہ صورتوں میں تمیز کو تب حسب مقصود لانا ضروری ہوگا جب اس جنس سے انواع کا ارادہ کیا جائے، کیونکہ جنس انواع کی کثرت پر دلالت نہیں کرتی۔

وان كان في صفة الخ: سب سے پہلے سمجھئے کہ و طبقہ کا واؤ، واؤ عاطف ہے اور طبق مصدر اسم فاعل مطابقت کے معنی میں ہے اور صفت سے مراد اسم مشتق ہے خواہ صریحاً اسم مشتق ہو یا تاویلاً، تاویلاً کی مثال جیسے کفھی زید رجلاً جس کی تقدیر ہے کفھی زید کاملاً فی الرجلیۃ۔

اب سنو عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمیز صفت یعنی اسم مشتق ہو تو وہ منصب عنہ کے ساتھ مخصوص ہوگی، اس لیے کہ صفت موصوف کا تقاضا کرتی ہے پس مذکور موصوف ہونے کا مقدر سے زیادہ حتی دار ہے۔ پس منصب عنہ اس کا موصوف ہو اور صفت کا موصوف کے ساتھ مختص ہونا ظاہر ہے۔ نیز وہ صفت منصب عنہ کے واحد تشبیہ اور جمع ہونے میں مطابق ہوگی۔ یہ مطابقت اس لیے ضروری ہے کہ اسم مشتق تمیز میں ایک ضمیر ہوگی جس کا مرجع منصب عنہ ہوگا پس اگر تمیز صورت مذکورہ میں منصب عنہ کے مطابق نہ ہو تو ظاہری بات ہے کہ پھر ضمیر منصب عنہ کے مطابق نہیں آسکتی، لہذا ضمیر اور مرجع میں مطابقت بھی نہ پائی جاسکے گی، حالانکہ مطابقت ضروری ہے۔ جیسے طاب زید شاعراً، طاب زید والذاد وغیرہ۔

نیز مذکورہ صفت میں حال ہونے کا بھی احتمال ہے۔ یعنی وہ اسم مشتق جیسے تمیز کی اہلیت رکھتا ہے۔ اسی طرح حال کی بھی اہلیت رکھتا ہے، لہذا وہ ترکیب میں حال بھی واقع ہو سکتا ہے جیسے طاب زید فارساً پس فارساً تمیز اور حال دونوں واقع ہو سکتا ہے۔

ولا يتقدم التميز على عاملة الخ: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر تمیز کا عامل اسم جامد ہو تو اس پر تمیز کی تقدیم درست نہیں، کیوں کہ اس کی مشابہت فعل سے ضعیف ہے، لہذا جامد ضعیف العمل ہوا، پس وہ معمول متاخر میں تو عمل کرے گا لیکن معمول متقدم میں عمل پر وہ قادر نہیں۔

اور قول اصح یہ ہے کہ اگر فعل عامل ہو تو اس پر بھی تمیز مقدم نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ تمیز عن النسبۃ دراصل فاعل ہے اور فاعل کی تقدیم فعل پر محال ہے۔

دھیان رہے کہ فاعل عام ہے خواہ وہ نفس فعل کا فاعل ہو جیسے طاب زید نفساً جو حکم میں طاب نفس زید کے ہے اور خواہ وہ فعل کا فاعل ہو اس فعل کو لازم کرنے کے بعد جیسے فجعونا الارض عیوناً جب اس کو باب انفعال میں لے جائیں گے تو ہو جائے گا انفجوت عیونہا یا متعدی کرنے کے بعد جیسے امتلاء الاناء ماءً کہ جب اس کو مثنائی مجرد میں لے جائیں گے تو ملاء ہ الماء ہو جائے گا۔

حاصل بحث یہ ہے کہ تمیز عن النسبۃ فی الواقع فاعل ہے خواہ وہ کسی طرح بھی ہو۔
مہر داور مازنی کا اختلاف ہے، ابو العباس مہر داور ابو عثمان مازنی کا کہنا ہے کہ جب عامل فعل ہو تو تمیز

عن النسبۃ کی اس کے عامل پر تقدیم درست ہے، اس لیے کہ فعل قومی العمل ہوتا ہے پس وہ معمول متقدم اور متأخر دونوں صورتوں میں عمل کرے گا۔

ان دونوں بزرگوں کا استدلال اتہجر سلمنی بالفراق جیہاۃ وما کاد نفسا بالفراق تطیب سے ہے کہ دیکھئے نفسا تطیب سے حال ہے اور اس پر مقدم ہے، معلوم ہوا کہ تقدیم عامل کے فعل ہونے کی صورت میں درست ہے۔

شعر کا ترجمہ ہے کہ کیا سلمیٰ اپنے محبوب کو بتلائے ہجر کر کے چھوڑ دے گی، حالاں کہ خود اس کا جی فراق حبیب پر راضی نہیں، لیکن جمہور کا کہنا ہے کہ تطیب بجائے واحد مؤنث غائب کے واحد مذکر غائب ہے اور نفسا کاد سے تمیز واقع ہے اور تطیب کی ضمیر کا مرجع حبیب ہے، پس تمیز کی تقدیم اپنے عامل پر ثابت نہیں ہو پائے گی اور مصرع ثانی کا مطلب ہوگا، کہ حالاں کہ اس فرقت پر محبوب کا دل راضی نہیں ہے۔

المُسْتَشْنِي مُتَّصِلٌ وَمُنْقَطِعٌ فَالْمُتَّصِلُ هُوَ الْمَخْرُجُ عَنْ مُتَعَدِّ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا بِأَلَا وَأَخَوَاتِهَا وَالْمُنْقَطِعُ الْمَذْكُورُ بَعْدَهَا غَيْرَ مَخْرُجٍ وَهُوَ مَنْصُوبٌ إِذَا كَانَ بَعْدَ إِلَّا غَيْرِ الصِّفَةِ فِي كَلَامٍ مُوجِبٍ أَوْ مُقَدِّمًا عَلَى الْمُسْتَشْنِي مِنْهُ أَوْ مُنْقَطِعًا فِي الْأَكْثَرِ أَوْ كَانَ بَعْدَ خَلَا وَعَدَا فِي الْأَكْثَرِ أَوْ مَا خَلَا وَمَا عَدَا وَلَيْسَ وَلَا يَكُونُ وَيَجُوزُ فِيهِ النِّصْبُ وَيَخْتَارُ الْبَدَلُ فِي مَا بَعْدَ إِلَّا فِي كَلَامٍ غَيْرٍ مُوجِبٍ وَذِكْرُ الْمُسْتَشْنِي مِنْهُ مِثْلُ مَا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ وَإِلَّا قَلِيلًا.

ترجمہ:- مستثنیٰ متصل ہے اور منقطع ہے پس متصل وہ ہے جس کو متعدد سے لفظ یا تقدیراً نکالا گیا ہو، اِلَّا اور اس کے اخوات کے ذریعے۔ اور منقطع وہ ہے جس کو اِلَّا اور اس کے اخوات کے بعد ذکر کیا گیا ہو درانحالیکہ وہ متعدد سے نکالا نہ گیا ہو۔ اور مستثنیٰ منصوب ہوتا ہے جب وہ اِلَّا غیر صفت کے بعد کلام موجب میں واقع ہو یا مستثنیٰ منہ پر مقدم ہو یا مستثنیٰ منقطع ہو اکثر لوگوں کے نزدیک یا مستثنیٰ خِلا اور عِدا کے بعد واقع ہو اکثر لوگوں کے نزدیک یا ماخِلا اور ما عِدا، لیس اور لایکون کے بعد واقع ہو۔ اور مستثنیٰ میں نصب جائز ہوتا ہے اور بدل مختار ہوتا ہے اِلَّا کے مابعد میں کلام غیر موجب میں درانحالیکہ مستثنیٰ منہ مذکور ہو جیسے ما فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ وَإِلَّا قَلِيلًا.

توضیح:- اب مستثنیٰ کے احکام بیان کرنا چاہتے ہیں، مستثنیٰ کی دو قسمیں ہیں متصل اور منقطع۔ وجہ حصر یہ ہے کہ مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ میں دخول استثناء سے پہلے یعنی طور پر معلوم ہوگا یا مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ سے خروج قبل الاستثناء یعنی طور پر معلوم ہوگا۔ صورت اول متصل کہلاتی ہے اور صورت ثانی منقطع۔ اب سوال پیدا ہوتا

ہے کہ مستثنیٰ کی تقسیم درست نہیں ہے، کیوں کہ تقسیم میں شرط ہے کہ مقسم کے لیے کوئی ایسا مفہوم مشترک ہو جو ہر قسم پر صادق ہو اور مستثنیٰ کے لیے ایسا کوئی مفہوم مشترک نہیں ہے؟ جواب یہ ہے کہ مفہوم مشترک عام ہے خواہ حقیقتاً ہو یا اعتباراً تو اگرچہ مستثنیٰ کا حقیقتاً ایسا مفہوم مشترک نہیں ہے لیکن اعتباراً ہے اور وہ یہ کہ مستثنیٰ ہر ایسی چیز ہے کہ جس پر مستثنیٰ کا لفظ نوحا کی اصطلاح میں بولا جائے۔

یہ اب بھی الجھن ختم ہوتی نظر نہیں آتی معاملہ یہ ہے کہ مستثنیٰ کی تقسیم متصل اور منقطع کی طرف درست نہیں ہے، اس لیے کہ تقسیم تعریف پر موقوف ہوتی ہے اور مصنف نے تعریف کیا نہیں؟ جواب یہ ہے کہ مقسم کے بارے میں کسی درجہ میں معلوم ہونا اس کی تقسیم کے لیے کافی ہوتا ہے اور مستثنیٰ کے بارے میں کسی نہ کسی درجہ معلومات حاصل ہے کہ مستثنیٰ لفظ کی قسم سے ہے اور اتنا معلوم ہونا تقسیم کے لیے کافی ہے۔

اب دونوں قسموں کی علیحدہ علیحدہ تعریف سنو، پس مستثنیٰ متصل وہ مستثنیٰ ہے جو متعدد سے نکالا گیا ہو خواہ لفظاً جیسے جاء نی القوم الا زیداً یا تقدیراً جیسے ما جاء نی الا زیداً، الا اور اس کے اخوات کے ذریعے خواہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو یا نہ ہو۔ اور مستثنیٰ منقطع وہ ہے جس کو الا یا اس کے اخوات کے بعد ذکر کیا گیا ہو درانحالیکہ وہ متعدد سے نہ نکالا گیا ہو خواہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہی ہو یا نہ ہو۔ اول کی مثال جاء نی القوم الا زیداً بشرطیکہ زید کہ قوم میں داخل نہ مانا جائے اور دوسرے کی مثال جیسے جاء نی القوم الا حمزاً ۱۔

یہ تعریف محققین کے نزدیک ہے اور مصنف نے اسی کو پسند کیا ہے جب کہ عام لوگوں کے نزدیک متصل اور منقطع کی تعریف دوسری ہے، عوام کے نزدیک مستثنیٰ متصل کی تعریف یہ ہے کہ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہو اور مستثنیٰ منقطع وہ ہے کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے نہ ہو۔

تعریف میں اس اختلاف کا نتیجہ فسجد الملائكة کلہم اجمعون الا ابلیس میں ظاہر ہوگا، کہ محققین کے نزدیک یہ مستثنیٰ متصل ہوگا، کیوں کہ ابلیس کو متعدد یعنی ملائکہ سے نکالا گیا ہے پھلے وہ ملائکہ کی جنس سے نہیں ہے۔ اور عام لوگوں کے نزدیک مستثنیٰ منقطع ہے، کیوں کہ ابلیس ملائکہ کی جنس سے نہیں ہے۔

وہو منصوب: یہاں سے مصنف مستثنیٰ کا اعراب بیان کر رہے ہیں۔ مستثنیٰ کے اعراب کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم مستثنیٰ کا منصوب ہونا ہے۔ مستثنیٰ کا نصب پانچ جگہوں میں ہوتا ہے۔ پہلی جگہ یہ ہے کہ جب مستثنیٰ ایسے الآ کے بعد جو صفت کے لیے نہ ہو کلام موجب میں واقع ہو۔ لگے ہاتھ فو انکہ قیود بھی سمجھتے چلیے پس الآ کو غیر صفت کے ساتھ اس لیے مقید کیا کہ اگر الا صفت کے لیے ہو تو الآ کا مابعد یعنی مستثنیٰ منصوب نہیں ہوگا، بلکہ الا کے ماقبل یعنی مستثنیٰ منہ کے اعراب کے تابع ہوگا جیسے لو کان فیہما اللہ الا اللہ لفسدنا۔ پس اللہ الآ کے ماقبل آلہة کے تابع ہے الآ کے برائے صفت ہونے کی وجہ سے۔

اور کلام موجب سے مراد یہ ہے کہ اس کلام میں نشی، نمی، استفہام نہ ہو جیسے جاء نبي القوم الا زيدا
تو متشبی منصوب ہوگا مفعول کے ساتھ متشبی کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور بدل کے متعین ہونے کی وجہ سے
متشبی میں عامل الآ کے واسطے سے فعل یا معنی فعل ہوتا ہے۔

دوسری جگہ جہاں متشبی کا منصوب ہونا واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ متشبی، متشبی منہ پر مقدم ہو جیسے جاء
نبي الا زيدا ان القوم اس میں نصب اس لیے واجب ہے کہ متشبی بدل اور صفت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا
ہے، کیوں کہ بدل کا مبدل منہ پر اور صفت کا موصوف پر مقدم ہونا محال ہے، لہذا نصب متعین ہے۔

تیسری جگہ جہاں پر متشبی کا منصوب ہونا واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ متشبی منقطع ہوا کثیر لوگوں کے
نزدیک جیسے جاء نبي القوم الاحمارا اس قسم میں متشبی اس لیے منصوب ہوگا کہ بدل متعین ہے، کیوں کہ
بدل کی چاروں اقسام میں زیادہ سے زیادہ بدل الغلط کا احتمال ہو سکتا تھا، لیکن یہاں یہ بھی درست نہیں، اس
لیے کہ بدل الغلط کی بنیاد غفلت اور سہو پر ہوتی ہے جب کہ متشبی منقطع کی بنیاد بیداری اور ہوشیاری پر ہوتی
ہے، اور ان دونوں کے درمیان منافات ظاہر ہے۔

فی الاکثر: اکثر سے مراد اہل حجاز ہیں، اس سے احتراز ہو گیا اقل استعمال سے اور وہ بتوہم ہیں بنو
تیمیم کے نزدیک متشبی منقطع مطلقاً منصوب نہیں ہوتا ہے، بلکہ اس میں تھوڑی سی تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر
متشبی منہ کو حذف کر کے متشبی کو قائم مقام بنایا جاسکتا ہو تو اس میں بدل اور نصب دونوں جائز ہوں گے اور
اگر متشبی منہ کو حذف کر کے متشبی کو قائم مقام نہ بنایا جاسکتا ہو تو نصب متعین ہے جیسے لا عاصم اليوم الا
من رحمہ۔

اور چوتھی جگہ جہاں پر نصب واجب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ متشبی خلا اور عدا کے بعد واقع ہو۔
منصوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خلا اور عدا یہ افعال ہیں اور ان کے اندر ضمیر فاعل کی ہے، لہذا خلا اور
عدا کا مابعد مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ اور خلا و عدا کے بعد واقع ہونے والے متشبی کا
مذکورہ حکم اکثر لوگوں کے نزدیک ہے ورنہ بعض لوگوں کے نزدیک خلا اور عدا حرف جار ہیں، لہذا ان کا
مابعد مجرور ہوگا۔

اور پانچویں جگہ جہاں متشبی منصوب ہوتا ہے ما خلا، ما عدا اور لیس اور لایکون ہے، ما خلا
اور ما عدا میں متشبی اس لیے منصوب ہوتا ہے کہ ما مصدریہ ہے اور ما مصدریہ فعل پر ہی داخل ہوتا ہے، لہذا
خلا اور عدا کا فعل ہونا ضروری ہو گیا نیز ضمیروں کا ان کا فاعل ہونا اور متشبی کا ان دونوں کے بعد مفعول بہ
ہونا لازم ہو گیا، لہذا متشبی مفعول بہ ہونے کی وجہ سے ان کے بعد وجوباً منصوب ہوگا۔ جیسے جاء نبي القوم
ما خلا زيدا و ما عدا زيدا اور لیس اور لایکون کے بعد متشبی کا منصوب ہونا اس لیے واجب ہے کہ

یہ دونوں فعل ناقص ہیں اور دونوں کا اسم ضمیر مستتر ہے اور مستثنیٰ کی حیثیت ان دونوں کے بعد خبر کی ہے اور چونکہ افعال ناقصہ کی خبر وجوبا منصوب ہوتی ہے لہذا مستثنیٰ کا منصوب ہونا واجب ہو گیا جیسے جاء نی القوم لیس زیدًا اور جاء نی القوم لا یکون زیدًا۔

ویجوز فیہ النصب: یہ مستثنیٰ کے اعراب کی دوسری قسم ہے کہ بدل مختار ہو اور نصب درست ہو اور ایسا تب ہوتا ہے جب مستثنیٰ الّا کے بعد کلام غیر موجب میں واقع ہو اور مستثنیٰ منہ کو ذکر نہ کیا جائے تو اس میں نصب جائز ہوتا ہے اور بدل مختار جیسے ما فعلوہ الا قليل والا قليلاً نصب اس لیے جائز ہے، کیوں کہ وہ مستثنیٰ ہے اور بدل اس لیے مختار ہے کہ جب الّا کے مابعد کو بدل پر محمول کریں گے تو الّا کا مابعد اعراب بالاصالة کا مستحق ہو جائے گا اور جب الّا کے مابعد کو مستثنیٰ پر محمول کریں گے تو وہ اعراب بالواسطہ کا مستحق ہوگا۔ اور قاعدہ ہے کہ بالاصالة اعراب کا مستحق ہونا بالواسطہ اعراب کے مستحق ہونے سے زیادہ بہتر ہے، اس لیے بدل مختار ہے۔

فائدہ: - کلام غیر موجب کی قید اس لیے لگائی ہے، تاکہ کلام موجب سے احتراز ہو جائے۔

وَيُعْرَبُ عَلَى حَسَبِ الْعَوَامِلِ إِذَا كَانَ الْمُسْتَثْنَى مِنْهُ غَيْرَ مَذْكُورٍ وَهُوَ فِي غَيْرِ الْمَوْجِبِ لِيُقِيدَ مَثَلُ مَا ضَرَبْنِي إِلَّا زَيْدًا إِلَّا أَنْ يَسْتَقِيمَ الْمَعْنَى مِثْلَ قَرَأْتُ الْيَوْمَ كَذَا وَمِنْ ثَمَّ لَمْ يَجْزُ مَا زَالَ زَيْدٌ إِلَّا عَالِمًا وَإِذَا تَعَدَّرَ الْبَدَلُ عَلَى اللَّفْظِ فَعَلَى الْمَوْضِعِ مِثْلَ مَا جَاءَ نِي مِنْ أَحَدٍ إِلَّا زَيْدٌ وَلَا أَحَدٌ فِيهَا إِلَّا عَمْرُو وَمَا زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْءٌ لَا يُعْبَأُ بِهِ لِأَنَّ مِنْ لَا تَرَادُ بَعْدَ الْإثْبَاتِ وَمَا وَلَا لَا تَقْدُرُ أَنْ عَامِلَتَيْنِ بَعْدَهُ لَأَنَّهُمَا عَمِلَتَا لِلنَّفْيِ وَقَدْ انْتَقَضَ النَّفْيُ بِأَلَّا بِخِلَافِ لَيْسَ زَيْدٌ شَيْئًا إِلَّا شَيْئًا لِأَنَّهَا عَمِلَتْ لِلْفِعْلِيَّةِ فَلَا آثَرَ فِيهَا لِنَقْضِ مَعْنَى النَّفْيِ لِبَقَاءِ الْأَمْرِ الْعَامِلَةِ هِيَ لِأَجْلِهِ وَمِنْ ثَمَّ جَازَ لَيْسَ زَيْدٌ إِلَّا قَائِمًا وَامْتَنَعَ مَا زَيْدٌ إِلَّا قَائِمًا .

ترجمہ: - اور اعراب دیا جاتا ہے حسب عوالم جب مستثنیٰ منہ غیر مذکور ہو اس حال میں کہ وہ غیر موجب میں ہو، تاکہ وہ فائدہ دے جیسے ما ضربنی الا زيدًا مگر یہ کہ معنی درست ہوں جیسے قراءت الا يوم كذا اور اسی وجہ سے نہیں جائزے ما زال زيدًا الا عالمًا، اور جب بدل لفظ پر ناممکن ہو جائے تو پھر محل پر ہوگا جیسے ما جاء نبي من احد الا زيدًا اور لا احد فيها الا عمرو اور ما زيد شيئًا الا شيئًا لا يعبا به اس لیے کہ من نہیں زائد ہوتا ہے اثبات کے بعد اور ما اور لا نہیں مقدر ہوتے عالم ہو کر اثبات کے بعد، کیوں کہ وہ دونوں نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں، جب کہ نفی الّا کے بعد ٹوٹ جاتی ہے

بخلاف لیس زید شینا الا شینا کے اس لیے کہ لیس فعلیت کی وجہ سے عامل ہوتا ہے پس کوئی اثر نہ ہوگا لیس کا عمل کے ٹوٹنے میں معطلی کے ختم ہو جانے کی وجہ سے اس امر کے بقاء کی وجہ سے کہ جس کی وجہ سے لیس غالب ہوتا ہے، اسی وجہ سے جائز ہے لیس زید الا قائماً اور حال ہے ما زید الا قائماً۔

توضیح: - اور مستثنیٰ کے اعراب کی تیسری قسم یہ ہے کہ مستثنیٰ کو عوامل کے اعتبار سے اعراب دیا جائے یہ اس وقت ہوتا ہے جب مستثنیٰ منہ غیر مذکور ہو اور مستثنیٰ کلام غیر موجب میں ہو، تا کہ وہ استثناء صحیح، صحیح فائدہ دے، جیسے ماضیہ الا زید اس مثال میں زید مستثنیٰ ہے اور مستثنیٰ منہ کل واحد غیر مذکور ہے اور نیز کلام غیر موجب ہے اور استثناء صحیح، صحیح فائدہ دے رہا ہے، کیوں کہ یہ ممکن ہے کہ متکلم کو سوائے زید کے اور کسی نے نہ مارا ہو۔

اب تو وہ کا فائدہ سمجھ لیجئے، تو مستثنیٰ منہ کے غیر مذکور ہونے کی قید اس لیے لگائی کہ اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہوگا تو بجائے مذکورہ اعراب کے مستثنیٰ پر نصب جائز اور بدل مختار ہوگا۔ اور غیر موجب کی قید اس لیے لگائی کہ اکثر حالات میں مستثنیٰ کلام موجب میں ہونے کی صورت میں صحیح فائدہ نہیں دیتا ہے، جیسے ضربیہ الا زید یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ تمام آدمیوں کا سوائے زید کے فرد خاص کا مارنا ممکن نہیں ہے۔

جب آپ نے اتنا سمجھ لیا ہے تو اب ایک اعتراض اور اس کا جواب بھی سن لیں۔ سوال یہ ہے کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہوگا تو مستثنیٰ کا اعراب علی حسب العوائل نہ ہو سکے گا، کیوں کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور ہوتا ہے تب بھی مستثنیٰ کا اعراب علی حسب العوائل آتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے ما جاءنی احد الا زید اور ما رايت احداً الا زیداً اور ما مررت باحد الا زیداً۔ لہذا اس تیسری قسم کے علی حسب العوائل اعراب دیئے جانے کی وجہ تخصیص کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ یعرب علی حسب العوائل کا مطلب یہ ہے کہ مستثنیٰ کے اعراب کی تیسری قسم میں مستثنیٰ کو اعراب علی حسب العوائل بغیر جمعیت کے دیا جاتا ہے کیوں کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ہوتا تو مستثنیٰ کا اعراب مبدل منہ کے تابع ہو کر ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ کی بیان کردہ مثالوں سے واضح ہے۔

حاصل یہ نکلا کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو مستثنیٰ کا اعراب بلا جمعیت کے ہوتا ہے اور اگر مستثنیٰ منہ مذکور ہو تو مستثنیٰ پر اعراب علی حسب العوائل آسکتا ہے، لیکن مبدل منہ کے تابع ہو کر۔ لہذا اعتراض بے مقصد ہے۔
الا ان يستقیم المعنی: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کا ضابطہ سابق قراٹ الا یوم تکذا سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ مستثنیٰ مثال مذکور میں کلام موجب میں واقع ہے پھر بھی مستثنیٰ کا اعراب علی حسب العوائل آیا ہے تو مصنف نے اس اعتراض مذکور کا جواب دیا کہ جب استثناء کا معنی درست ہو تو علی حسب العوائل اعراب آنے کے لیے مستثنیٰ کے کلام غیر موجب میں ہونے کی شرط ضروری نہیں جیسے

کہ مثال مذکور میں معنی درست ہیں، لہذا یہاں شرط مذکور شرط نہیں ہے، کیوں کہ مثال مذکور میں مستثنیٰ منہ کل یوم سے ہفتہ یا مہینہ یا سال کے تمام دن مراد ہیں اور یہ ہو سکتا ہے کہ آدمی ہفتہ یا مہینہ یا سال کے تمام دن پڑھے اور جمعہ کے دن نہ پڑھے۔

ومن ثم لم یجز: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ چونکہ مستثنیٰ مفرغ کلام موجب میں نہیں پایا جاسکتا ہے اس لیے کہ بدیں صورت وہ استثناء معنی صحیح کا فائدہ نہیں دیتا مازال زید الا عالمًا کی ترکیب درست نہیں ہے، اس لیے کہ زال نفی کے لیے ہے اور ما بھی نفی کے لیے ہے پس ما زال اثبات کے لیے ہو گیا، کیوں کہ نفی جب نفی پر داخل ہوتی ہے تو وہ اثبات کا فائدہ دیتی ہے پس ما زال زید الا عالمًا کے معنی ہونے ثبت زید علی کل صفة من الصفات الا عالمًا یعنی زید تمام صفات کے ساتھ متصف ہے، سوائے عالم ہونے کے اور یہ غیر ممکن ہے اس لیے کہ اس تقدیر پر یہ لازم آتا ہے کہ زید متضاد صفات کے ساتھ ایک ہی وقت میں متصف ہو اس لیے کہ اس ترکیب کا مطلب یہ ہے کہ زید میں عالم ہونے کے سوا تمام صفات موجود ہیں خواہ وہ آپس میں متضاد ہی کیوں نہ ہوں جیسے قیام و قعود، شبعان اور جوعان وغیرہ اور اس کا غلط ہونا واضح ہے۔

واذا تعدل البدل علی اللفظ: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کا سابقہ قاعدہ کہ جب مستثنیٰ منہ مذکور ہو اور مستثنیٰ کلام غیر موجب میں ہو تو اس میں نصب جائز ہے اور بدل مختار ہوتا ہے مندرجہ ذیل مثالوں سے ٹوٹ گیا جیسے ما جاء نبي من احد الا زيد، ولا احد فيهما الا عمرو اور ما زيد شيئاً الا شيئاً لا يعبا به، کیوں کہ مذکورہ بالا مثالوں میں مستثنیٰ کا رفع متعین ہے جب کہ حسب قاعدہ پہلی مثال میں مستثنیٰ کو محرور ہونا چاہئے اور دوسری اور تیسری مثال میں منصوب ہونا چاہئے حالانکہ ایسا نہیں ہے تو مصنف نے جواب دیا کہ جب بدل لفظ پر محذور ہو تو بدل کو مبدل منہ کے محل پر محمول کیا جاتا ہے اور ان تینوں مثالوں میں مبدل منہ محلاً مرفوع ہے، لہذا مختار پر بقدر امکان عمل کرتے ہوئے مستثنیٰ منہ کے محل سے بدل ہی قرار دیا گیا ہے، لہذا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ ہمارا قاعدہ ٹوٹ گیا ہے۔

لان من لا تواد بعد الاثبات: یہاں سے فاضل مصنف دلیل بیان کر رہے ہیں کہ مستثنیٰ منہ کے لفظ پر بدل کی گنجائش کیوں نہیں ہے؟ فرماتے ہیں کہ ایسا اس لیے ہے کہ لفظ سے بدل قرار دینے کی صورت میں لفظ من کا اثبات کے بعد اضافہ کرنا لازم آتا ہے، اس لیے کہ بدل چونکہ حکمیر عامل کے حکم میں ہوتا ہے پس اگر لفظ من سے بدل قرار دیا جائے گا تو وہ ”من“ جو مبدل منہ میں عامل ہے، لفظاً اس کا بدل میں بھی اعتبار لازم آیا اور بدل الا کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے مثال مذکور میں مثبت ہو جاتا ہے اور معاملہ یہ ہے کہ من کا اضافہ بعد الاثبات نہیں ہوتا۔ اس لیے لفظ سے بدل قرار دینے کی صورت میں یہ خرابی لازم آتی ہے۔

اور دوسری اور تیسری مثال میں اسی طرح لفظ سے بدل قرار دینے کی صورت میں ما اور الا کا اثبات کے بعد مقدر ماننا لازم آتا ہے جب کہ ما اور الا کو بحیثیت عامل کے الآ کے بعد مقدر نہیں مانا جاسکتا ہے کیوں کہ ما اور الا نفی کی وجہ سے عمل کرتے ہیں، جب کہ نفی الا کی وجہ سے ختم ہو چکی ہے۔ پس ان دونوں مثالوں میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، لہذا مجبوراً مستثنیٰ منہ کے محل سے قرار دیا گیا۔

بخلاف لیس زید شیئا الا شیئا: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب نفی کے معنی الآ کے بعد ختم ہو جاتے ہیں تو جب کلمہ نفی مستثنیٰ منہ میں عامل ہو تو پھر مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل قرار نہیں دیا جاسکتا، جب کہ لیس زید شیئا الا شیئا میں مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ کے لفظ سے بدل قرار دیا گیا ہے، حالاں کہ نفی کے معنی الآ کے ذریعہ ختم ہو گئے۔ پس ماضی کی علت کی تقریر صحیح نہیں ہے۔ تو مصنف نے جواب دیا کہ لیس زید شیئا الا شیئا کو لا احد فیہا الا عمرو پر قیاس کر کے ناجائز نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ لیس فعل ہے، اور وہ اسی حیثیت سے عامل ہے، لہذا نفی کے معنی کے الآ کے بعد ٹوٹ جانے کا اس کے عمل پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیوں کہ لیس کے عامل ہونے کی بنیاد فعل ہوتا ہے اور یہ بنیاد نفی کے معنی کے ختم ہو جانے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ جب کہ لا احد فیہا الا عمرو میں عمل کی بنیاد الآ کے ذریعہ ختم ہو جاتی ہے، اس لیے اس میں لفظ سے بدل قرار دینا صحیح نہیں۔ کہتے ہیں کہ اس فرق کی وجہ سے لیس زید لا قائمًا کی مثال ٹھیک ہے اور ما زید الا قائمًا کی مثال درست نہیں ہے۔

وَمَخْفُوضٌ بَعْدَ غَيْرِ وَسِوَى وَسِوَاءٍ وَبَعْدَ حَاشَا فِي الْاَكْثَرِ وَاَعْرَابٌ غَيْرَ فِيهِ
كَاعْرَابِ الْمَسْتَثْنَى بِالْآ عَلَى التَّفْصِيلِ وَغَيْرُ صِفَةٍ حُمِلَتْ عَلَى الْآ فِي الْاِسْتِثْنَاءِ
كَمَا حُمِلَتْ الْآ عَلَيْهَا فِي الصِّفَةِ اِذَا كَانَتْ تَابِعَةً لِجَمْعٍ مَنكُورٍ غَيْرِ مَحْضُورٍ لِتَعْدِيرِ
الْاِسْتِثْنَاءِ مِثْلَ لَوْ كَانَ فِيهِمَا الْهَاءُ الْا لَلَّهِ لَفَسَدَتَا وَضَعْفٍ فِي غَيْرِهِ وَاَعْرَابٌ سِوَى
وَسِوَاءِ النَّصْبِ عَلَى الظَّرْفِ عَلَى الْاَصْحَحِ .

ترجمہ:- اور مستثنیٰ مجرور ہوگا غیر اور سوی اور سواء کے بعد اور حاشا کے بعد اکثر لوگوں کے نزدیک اور غیر کا اعراب استثناء میں مستثنیٰ بالآ کے اعراب کی طرح ہے۔ اور غیر صیغہ صفت ہے جو الا فی الاستثناء پر محمول ہوتا ہے جیسا کہ الا غیر فی الصفة پر بشرطیکہ الاتباع ہو ایسی جمع منکور کے جو غیر محصور ہو استثناء کے امتناع کی وجہ سے جیسے لَوْ كَانَ فِيهِمَا الْهَاءُ الْا لَلَّهِ لَفَسَدَتَا. اور ضعیف ہے اس کے علاوہ کی صورت میں اور سوی اور سواء کا اعراب نصب ہوگا ظرف ہونے کے ناظر صحیح ترین قول کے مطابق۔

توضیح:- یہاں سے مستثنیٰ کے اعراب کی چوتھی قسم بیان کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مستثنیٰ غیر

اور سوی اور سواء کے بعد مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہوتا ہے اور حاشا کے بعد بھی اکثر لوگوں کے نزدیک مجرور ہوتا ہے، کیوں کہ حاشا حرف جار ہے، جو تمام حروف جارہ کی طرح اپنے مدخول کو مجرور کرتا ہے۔ فی الاکثر کی قید سے مجرد کے قول سے احتراز کیا ہے، کیوں کہ مجرد کے نزدیک حاشا فعل اور ضمیر اس میں فاعل اور مستثنیٰ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔

واعراب غیر فیہا الخ: اور غیر کا اعراب باب استثناء میں مستثنیٰ بالآ کے اعراب کی طرح پوری تفصیل کے ساتھ ہے، اور ایسا اس لیے ہے کہ غیر کے بعد جب مستثنیٰ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہو گیا اور اصل مستثنیٰ کے اعراب کا ظہور اس پر ناممکن ہو گیا تو مستثنیٰ کا اعراب غیر کو منتقل ہو گیا۔

وغیر صفة حلت الخ: یہاں سے یہ بتاتے ہیں کہ لفظ غیر صفت کا صیغہ ہے، کیوں کہ غیر ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے جو مغایرت کے معنی میں ہوتا ہے، لیکن کبھی کبھی غیر کو معنی موضوع لہ کے علاوہ الآ فی الاستثناء کے معنی پر محمول کر لیا جاتا ہے جیسا کہ الآ کو غیر فی الصفة کے معنی پر محمول کر لیتے ہیں یعنی غیر الآ کی طرح استثناء کے معنی کے لیے آتا ہے جیسا کہ الآ کبھی صفت کے معنی کے لیے غیر کی طرح مستعمل ہوتا ہے۔ اور ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ غیر جس طرح مغایرت پر دلالت کرتا ہے الآ بھی اسی طرح مغایرت کے معنی پر دلالت کرتا ہے، البتہ الآ غیر کے معنی میں تب ہوتا ہے جب الآ ایسی جمع کے تابع ہو جو نکرہ ہو اور غیر محصور ہو، تاکہ مستثنیٰ کے معنی متعذر ہو جائیں، کیوں کہ جب تک الآ کا استعمال استثناء کے لیے صحیح ہوگا تب تک وہ صفت کے معنی کے لیے مستعمل نہیں ہو سکتا۔

اب قیود کا فائدہ سنئے! تو جمع کے تابع ہونے کی شرط اس لیے قرار دیا کہ جمع متعدد پر دلالت کرتی ہے اور جب الآ بطور صفت کے جمع کے بعد آئے گا تو متعدد کے بعد ہوگا تو اب دریں حالت الآ صفت کی حالت الآ حرف استثناء کی حالت کے مطابق ہو جائے گی، کیوں کہ الآ حرف استثناء مستثنیٰ منہ متعدد کے بعد ہی ہوتا ہے۔ اور جمع کے نکرہ ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ اگر جمع معرف باللام ہو تو یا تو لام استغراق کے لیے ہوگا یا عہد کے لیے۔ پہلی صورت میں مستثنیٰ متصل متعذر نہ ہوگا اور دوسری صورت میں لام سے اشارہ یا تو ایسی جماعت کی طرف ہوگا جس میں مستثنیٰ یقینی طور پر داخل ہوگا یا ایسی جماعت کی طرف ہوگا جس سے مستثنیٰ یقینی طور پر خارج ہوگا پس اگر پہلی صورت ہو تو مستثنیٰ متصل پھر متعذر نہیں اور اگر دوسری صورت ہو تو مستثنیٰ منقطع متعذر نہیں ہے۔

جب کہ الآ کے غیر کے معنی میں ہونے کی شرط یہ ہے کہ الآ کا مستثنیٰ کی دونوں قسموں کے لیے ہونا متعذر ہو۔ اور غیر محصور ہونے کی شرط اس لیے لگائی کہ محصور دونوں قسموں پر ہے جنس مستغرق اور جنس مستغرق بعض معلوم العدد اور دونوں تقدیروں پر الآ کے مابعد کا اس کے ماقبل میں داخل ہونا ضروری ہے، لہذا مستثنیٰ متصل

حذر نہ ہو سکے گا جو الا کے غیر کے معنی میں ہونے کی شرط کے خلاف ہے۔ بہر حال جب یہ ساری شرطیں پائی جائیں گی تو الا صفت کے معنی میں مستعمل ہو سکے گا۔ جیسے لو کان فیہما الہة اللہ لفسدنا پس الا جمع یعنی الہة کے بعد واقع ہے، جو منکور غیر محصور ہے، لہذا الا غیر کے معنی صفتی میں ہوگا اور آیت کا مطلب ہوگا کہ اگر زمین و آسمان میں ایسے چند معبود ہوتے جو اللہ کا غیر ہیں تو نظام عالم بگڑ جاتا نیز اس آیت میں الا کو استثناء کے معنی پر محمول کرنے سے ایک دوسرا مانع بھی موجود ہے وہ یہ ہے کہ اگر الا کو استثناء کے معنی پر محمول کیا جائے تو معنی ہوں گے کہ اگر زمین و آسمان میں ایسے چند معبود ہوتے جن سے اللہ مستثنیٰ ہے تو نظام عالم بگڑ جاتا۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں وحدانیت کے اثبات پر دلالت نہ ہوگی جب کہ مقصود اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو ثابت کرنا ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب الا غیر کے معنی میں ہو کہ وہ غیر اللہ کی نفی پر دلالت کرتا ہے اور غیر اللہ کی نفی وحدانیت کو مستلزم ہے۔

وضعف فی غیرہ الخ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا شرطوں کے بغیر الا کو غیر کے معنی میں لینا ضعیف ہے، اس لیے کہ بغیر ان شرطوں کے الا کو استثناء کے معنی میں لینا درست ہوگا۔ اور جب معنی استثناء صحیح ہو سکتے ہیں تو استثناء کے علاوہ دوسرے یعنی غیر کے معنی پر محمول کرنا غیر مناسب ہوگا۔

واعراب سوی و سوا: یہاں سے سوی اور سوا کا اعراب بتا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ سوی اور سوا کا اعراب ظرفیت کی وجہ سے نصب ہوگا اس لیے کہ یہ دونوں فی الاصل مکان کی صفت ہیں جیسے قرآن میں ہے مکاناً سوئاً پھر موصوف کو حذف کر کے صفت کو موصوف کا قائم مقام بنا دیا پس یہ دونوں مکان کے معنی میں ہو گئے اور مکان ظرف ہے لہذا یہ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہوں گے یہ مذہب اصح ہے۔

اور مذہب غیر اصح یہ ہے کہ جو کوئیوں کا مذہب ہے وہ یہ ہے کہ سوی اور سوا کا اعراب غیر کے اعراب کی طرح ہوگا یعنی علی حسب المواقع رفع، نصب اور جرء اور مبرد کا مذہب یہ ہے کہ سوی اور سوا مکان کے معنی میں نہیں ہیں، البتہ نصب متعین ہے۔ جیسے لقد تقطع بینکم کہ بین فاعل ہونے کے باوجود منصوب ہے۔

خبر کان واخواتها هو المُسندُ بعد دخولها مثلُ کان زیداً قائماً وامرأةً كأمرِ خبرِ المبتدأِ ویتقدمُ معرفةً وقد يُحذفُ عاملاً فی نحو النَّاسِ مجزئونَ بأعمالهم إنَّ خيراً الخیرِ وإنَّ شراً فشرُّ، ویجوزُ فی مثلِها ارجیةٌ اوجہٌ ریجِبُ الحذفُ فی مثلِ أمَّا أنتَ مُطلقاً انطلقتِ ای لِأَنَّ کنتَ مُطلقاً.

ترجمہ: - کان اور اس کے اخوات کی خبر وہ مسند ہوتی ہے کان اور اس کے اخوات کے داخل

ہونے کے بعد جیسے کان زید قائماً اور کان کی خبر کا معاملہ مبتداء کے خبر کے معاملہ کی طرح ہے اور کان اور اس کے اخوات کی خبر معرفہ ہونے کے باوجود مقدم ہو سکتی ہے اور کبھی اس کے عامل کو الناس مجزیوں باعمالہم ان خیرا فخیرو ان شراً فشر جیسے میں حذف کر دیا جاتا ہے۔ اور اس جیسے میں چار و چہیں جائز ہیں اور کان کا حذف واجب ہوتا ہے اما انت منطلقاً انطلقت جیسے میں یعنی لان کنت منطلقاً۔

توضیح:- یہاں سے مصنف کان اور اس کے اخوات کی خبر کے بارے میں بتا رہے ہیں، کہ کان اور اس کے اخوات کی خبر، کان یا اس کے اخوات میں سے کسی کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے یعنی ان کے دخول کے بعد ان کا اثر قبول کرتی ہے۔ جیسے کان زید قائماً۔

وامرہ کامر خبر المبتداء: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کان اور اس کے اخوات کی خبر کا معاملہ احکام، اقسام اور شرائط میں مبتداء کے خبر کے معاملہ کی طرح ہے، لہذا مبتداء کی خبر کا ایک بار اور تفصیلی مطالعہ کر لیا جائے۔

وینتقدم: اس عبارت سے مصنف نے ایک وہم کو دور کیا ہے۔ وہم یہ تھا کہ آپ نے فرمایا کہ کان اور اس کے اخوات کی خبر کا حکم مبتداء کے خبر کی طرح ہے تو مبتداء کی خبر معرفہ ہونے کی حالت میں مبتداء پر مقدم نہیں ہو سکتی، حالانکہ کان اور اس کے اخوات کی خبر معرفہ ہونے کے باوجود اپنے اسم پر مقدم ہو سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ کان اور اس کے اخوات کی خبر کو مبتداء کی خبر کے مانند کہنا درست نہیں ہے تو اس کا مصنف نے جواب دیا ہے کہ ہاں بلاشبہ کان اور اس کے اخوات کی خبر کا معاملہ مبتداء کے خبر کی طرح ہی ہے۔ اب جہاں تک کان اور اس کے اخوات کی خبر کا معرفہ ہونے کے باوجود اپنے اسم پر مقدم ہو جانے کی بات ہے تو اس میں اتنا فرق اس لیے ہو گیا ہے کہ کان اور اس کے اخوات خبر اور اسم میں اعراب کے مختلف ہونے کی وجہ سے اشتباہ نہ ہوگا، جب کہ اسم و خبر ظاہرۃ الاعراب ہوں یعنی قرینہ موجود ہو جیسے کان المنطلق زید بہر حال اگر کان اور اس کے اخوات کی خبر اور اسم ظاہرۃ الاعراب نہ ہو بایں طور کہ دونوں کا اعراب تقدیری ہو جیسے کان موسیٰ عیسیٰ یا ایک تقدیری اور دوسرا محلی ہو جیسے کان الفسیٰ ہذا تو خبر کی تقدیم درست نہ ہوگی، کیوں کہ خبر کے معرفہ ہونے کی صورت میں بصورت تقدیم خبر جس طرح خبر کے مبتداء کے ساتھ اشتباہ کا اندیشہ ہوتا ہے ٹھیک عدم قرینہ کی صورت میں یہاں بھی یہی مسئلہ پیدا ہوگا۔

وقد یحذف: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ خود کان کو الناس مجزیوں باعمالہم ان خیرا فخیرو ان شراً فشر جیسے ترکیب میں حذف کر دیتے ہیں، اچھا حذف صرف کان کا تو ہو سکتا ہے، اس کے اخوات کا نہیں، اس لیے کہ کان کا استعمال اس قدر ہے کہ اگر اس کو حذف کر دیا جائے تو وہ ان کی طرف منتقل ہو سکتا ہے جب کہ دیگر اخوات میں یہ بات نہیں ہے۔

الناس مجزیون الخ جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں ان پھر اسم اور فاعل کو ذکر کیا گیا ہو۔ فرماتے ہیں کہ اس میں چار وجہیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی وجہ پہلے کا نصب اور دوسرے کا رفع، نصب تو اس لیے کہ وہ کان محذوف کی خبر ہے اور کان کی خبر منصوب ہوتی ہے اور ثانی کا رفع تو اس لیے کہ وہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مبتدا کی خبر مرفوع ہوتی ہے۔ لہذا تقدیر عبارت ہوگی ان کان عملہم خیرا فجزائہم خیرا وان کان عملہم شرأ فجزائہم شرأ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں جگہ نصب ہو یا تائب ہوگا جب خیرا دونوں جگہ کان محذوف کی خبر ہو اور ظاہر ہے کہ کان کی خبر منصوبات میں سے ہے پس تقدیر ہوگی ان کان عملہم خیرا فکان جزائہم خیرا اور تیسرا احتمال دونوں کا رفع ہے پہلے کا رفع تو اس لیے کہ وہ کان محذوف کا اسم ہے اور کان کا اسم مرفوع ہوتا ہے اور دوسرے کا رفع اس لیے کہ وہ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور مبتدا کی خبر کا مرفوع ہونا عالم آشکارہ ہے۔ تقدیر عبارت ہے ان کان فی عملہم خیرا فجزائہم خیرا وان کان فی عملہم شرأ فجزائہم شرأ۔

اور چوتھا احتمال یہ ہے کہ پہلے کا رفع اور دوسرے کا نصب بہر حال پہلے کا رفع تو اس لیے کہ وہ کان محذوف کا اسم ہے اور دوسرے کا نصب اس لیے کہ وہ کان محذوف کی خبر ہے پس تقدیر عبارت ہوگی۔ ان کان فی عملہم خیرا فکان جزائہم خیرا۔ ان وجوہ کی قوت اور ان کا ضعف قلت حذف اور کثرت حذف کے اعتبار سے ہے۔

ویجب الحذف: یہاں سے بتا رہے ہیں کہ کان کا حذف اما انت منطلقا انطلقت جیسی مثال میں واجب ہے۔ اصل عبارت لان کنت مطلقا انطلقت ہے سب سے پہلے لام جائزہ کو تخفیفاً حذف کیا پھر کان اختصاراً حذف ہو گیا اور کان کے عوض میں ما لے آئے اور ضمیر متصل کو منفصل سے بدل دیا پس ان ما منطلقا انطلقت ہو گیا پھر ان کا ما میں ادغام ہو گیا اما انت منطلقا انطلقت ہو گیا تو یہاں حذف واجب ہے قرینہ اور قائم مقام دونوں کے پاسے جانے کی وجہ سے بہر حال قرینہ تو معمول منطلقا کا منصوب ہونا ہے۔ اور قائم مقام تو وہ ما ہے جو کان کی جگہ پر ہے۔

اسم ان و اخواتها هو المسند اليه بعد دخولها مثل ان زیذا قائم۔

ترجمہ:۔۔ منصوبات میں سے ان اور اس کے اخوات کا اسم بھی ہے جو مسند الیہ ہوتا ہے ان یا اس کے اخوات کے داخل ہونے کے بعد جیسے ان زیذا قائم۔
تفصیل مرفوعات میں گذر چکی ہے۔

المنصوب بلا التي لِنفى الجنس هو المسند اليه بعد دخولها يليها نكرة مضافا او مشبها به مثل لا غلام رجُلٍ ظريفٌ فيها ولا عشرين درهماً لك فان كان مفردا

فَهُوَ مَبْنِيٌّ عَلَى مَا يُنْصَبُ بِهِ وَإِنْ كَانَ مَعْرِفَةً أَوْ مَقْصُولًا بَيْنَهُ وَبَيْنَ لَا وَجِبَ الرَّفْعِ وَالتَّكْرِيرُ وَمِثْلُ قَضِيَّةٍ وَلَا أَبَا حَسَنِ لَهَا مَتَاوَلٌ .

ترجمہ:- منصوب بلائے نفی جنس وہ اسم ہے جو مستدالیہ ہوتا ہے اس کے یعنی لائے نفی جنس کے داخل ہونے کے بعد جو متصل ہوتا ہے اس سے در انحالیکہ وہ اسم نکرہ ہو مضاف ہو یا مشابہ مضاف ہو جیسے لا غلام رجل ظریف فیہا اور لا عشرین درہمًا لک پس اگر اسم لاء مفرد ہو تو وہ منصوب ہوگا اس چیز پر کہ جس کے ساتھ نصب دیا جاتا ہے اور اگر معرفہ ہو یا جدائی واقع ہو اسم لا اور لا کے درمیان تو رفع اور تکریر واجب ہے اور قضیۃ ولا ابا حسن لہا تاویل شدہ ہے۔

توضیح:- یہاں سے مصنف اس منصوب کی تعریف کر رہے ہیں جو لائے نفی جنس کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ منصوب بلائے نفی جنس وہ اسم ہے جو مستدالیہ ہوتا ہے لا کے داخل ہونے کے بعد در انحالیکہ وہ مستدالیہ لاء سے متصل ہو جو نکرہ ہو، مضاف یا شبہ مضاف ہو، اب تیود کا فاکہہ سمجھئے مستدالیہ کے لائے سے متصل ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ لا ضعیف العمل ہے وہ فصل کے ساتھ عمل کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو سکتا۔ اور نکرہ ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ لا جنس کی نفی کے لیے آتا ہے اور جنس کثرت کا تقاضہ کرتی ہے جب کہ معرفہ ہونا قلت کا تقاضہ کرتا ہے اور ان دونوں باتوں میں منافات ہے۔ اور مضاف یا شبہ مضاف ہونا اس لیے شرط ہے کہ یہ دونوں اسم کے بڑے خواص میں سے ہیں تو اس سے اسمیت کی جہت طاقتور ہوگی اور حرف سے مشابہت کا پہلو کمزور ہو گیا۔

اب مثال دیکھئے جیسے لا غلام رجل ظریف فیہا ولا عشرین درہمًا لک پہلی مثال نکرہ مضاف کی ہے اور دوسری نکرہ مشابہ مضاف کی ہے، پہلی مثال میں فیہا خبر بعد الخبر ہے، تاکہ آدمی کے غلام کی ظرافت کی نفی سے کذب لازم نہ آئے۔

فان كما مفردا: پس اگر مستدالیہ مفرد ہو یعنی مضاف اور مشابہ مضاف نہ ہو تو وہ اس حرف یا حرکت پر مبنی ہوگا جس کے ساتھ وہ لاء کے دخول سے پہلے منصوب ہوتا تھا، بہر حال اس کا مبنی ہونا تو اس لیے ہے کہ وہ من استفراقیہ کے معنی کو متضمن ہے اور من استفراقیہ حرف ہونے کی وجہ سے مبنی ہے، لہذا جو من یعنی حرف کے معنی کو متضمن ہوگا وہ بھی مبنی ہوگا۔

مستدالیہ من استفراقیہ کے معنی کو اس لیے متضمن ہے کہ وہ سائل کے اس سوال کے جواب میں واقع ہے جو کلمہ من پر مشتمل ہے جیسے بل من رجل فی الدار اور قاعدہ ہے کہ مذکور فی السؤال ایسے ہے جیسے جواب میں اس کا اعادہ کیا گیا ہو اور فتح پر مبنی ہونا اس لیے ہے تاکہ حرکت بنا سے حرکت اعراب سے کے موافق ہو جائے جیسے لا رجل فی الدار۔

وان كان معرفة او مفصلاً: یہ اسم لا کے شرط ثانی اور اول پر تفریع ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر لاکہ اسم نکرہ کے بجائے معرفہ ہو یا لا اور اس کے اسم کے درمیان بجائے اتصال کے انفصال ہو تو ان دونوں صورتوں میں لا کے اسم کا رفع اور خود لاکہ کا تکرار واجب ہوتا ہے پہلے کی مثال جیسے لازید فی الدار ولا عمرو۔

مذکورہ مثال میں زید بجائے نکرہ کے معرفہ ہے جو کہ لاکہ اسم ہے، چنانچہ زید مرفوع ہے اور لا مکرر ہے اور دوسرے کی مثال جیسے لا فی الدار رجل ولا امرأة اس مثال میں رجل لاکہ اسم ہے لیکن لاسے متصل نہیں ہے بلکہ منفصل ہے، چنانچہ رجل مرفوع ہے اور لا مکرر ہے۔ پہلی مثال میں تو رفع اس لیے واجب ہے کہ جب لاکہ معرفہ میں ظاہر نہیں ہوا تو اس میں رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے واجب ہو گیا اور لا کا تکرار اس لیے ضروری ہے کہ لاکہ تکرار کثرت میں سے فوت شدہ کی خبر دینے والا ہو جائے۔ اور دوسری مثال میں رفع اس لیے واجب ہے کہ لافصل کی وجہ سے ضعیف العمل ہے اور لا کا تکرار اس لیے ضروری ہے تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے، کیوں کہ سوال ہے افی الدار رجل او امرأة۔

ومثل قضية ولا ابا حسن لها متاول: مذکورہ عبارت سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ ما قبل میں یہ بات طے ہو چکی ہے کہ لاکہ اسم جب معرفہ ہو تو لا کے اسم کا رفع اور خود لا کا تکرار واجب ہوتا ہے۔ پس یہ قاعدہ شاعر کے قول قضية ولا ابا حسن لها سے ٹوٹ گیا اس لیے کہ لاکہ اسم اس میں معرفہ ہے اس کے باوجود نہ تو وہ مرفوع ہے اور نہ ہی خود لا مکرر ہے تو مصنف نے اپنے قول متاؤل سے اس کا جواب دیا کہ قضية ولا ابا حسن لها نکرہ کی تاویل میں ہے اور جب ابا حسن نکرہ کی تاویل میں ہو گیا تو وہ اب حسب ضابطہ منصوب ہوگا۔

اب رہی بات نکرہ کے تاویل میں ہونے کی تو اس کی دو وجہیں ہیں، پہلی وجہ یہ ہے کہ اس عبارت میں مضاف محذوف ہے، تقدیر عبارت یوں ہے قضية ولا مثل ابي حسن لها اور مثل کا لفظ زیادتی ابہام کی وجہ سے اضافت کے باوجود معرفہ نہیں ہوتا۔ اور جب بات ایسی ہے تو ابا حسن لفظ مثل کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے نکرہ کے حکم میں ہوگا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ ابا حسن کنایہ ہے صاحب علم کے وصف مشہور سے اور صاحب علم کا وصف مشہور حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنا ہے تو اب اس قول کا مطلب یہ ہوا کہ مسئلہ موجود ہے لیکن کوئی اس کا فیصلہ کرنے والا نہیں اس صورت میں ابا حسن کا نکرہ ہونا عالم آشکارا ہے، لہذا ہمارا قاعدہ نہیں ٹوٹا۔

ومثل لا حول ولا قوة الا بالله خمسة اوجه فتحتها وفتح الاول ونصب الثاني ورفعه ورفعهما ورفع الاول على ضعف وفتح الثاني واذا دخلت الهمزة لم يتغير

العمل وَمَعْنَاهَا الاستفهامُ والعرضُ والتمنى ونعتُ المبنى الاولُ مفردًا يليه مبنىٌ
ومعربٌ رفعًا ونصبًا مثل لا رجلٌ ظريفٌ وظريفٌ وآلا فالاعرابُ .

ترجمہ :- اور لاحول ولا قوة الا باللہ جیسے میں پانچ وجہیں ہیں دونوں کا فتح، اور پہلے کا
فتح اور دوسرے کا نصب پہلے کا فتح اور دوسرے کا رفع، دونوں کا رفع پہلے کا رفع ضمت کے ساتھ اور دوسرے
کا فتح۔ اور جب ہمزہ داخل ہو جائے تو عمل میں تبدیلی نہیں آتی البتہ ہمزہ کے معنی استفہام اور عرض اور تمنی
کے ہوتے ہیں۔ اور مبنی کی پہلی صفت جو مفرد ہو اور جو مبنی سے متصل ہو معرب اور مبنی ہوگی رفع اور نصب کے
ساتھ جیسے لا رجلٌ ظريفٌ وظريفًا ورنہ پس معرب ہوگی۔

توضیح :- سب سے پہلے سمجھئے کہ اس جیسی ترکیب سے کوئی ترکیب مراد ہے پس لاحول ولا
قوة الا باللہ جیسے سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں لاعلی سبیل العطف مکرر ہو اور ہر لا کے بعد نکرہ
مفردہ بلا فاصل ہو تو اس میں پانچ احتمال ہیں۔ پہلی وجہ دونوں کا فتح جیسے لاحول ولا قوة الا باللہ ایسا
اس لیے کہ دونوں جگہ لا جنس کی نفی کے لیے ہے اور لا کا اسم نکرہ مفردہ بلا فاصل ہے اور جب لا کا اسم اس
طرح ہو تو وہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے۔ دوسری وجہ پہلے کا فتح اور دوسرے کا نصب ہے جیسے لاحول ولا قوة
الا باللہ ایسا اس لیے کہ پہلا لائے جنس کی نفی کے لیے ہے اور لاء کا اسم نکرہ مفردہ بلا فاصل ہے اور جب لاء
کا اسم اس طرح ہو تو وہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے اور دوسرے کا نصب اس لیے کہ دوسرا لاء، لاء زائدہ ہے جو نفی کی
تاکید کے لیے ہے اور دوسرے لاء کا اسم پہلے لاء کے محل قریب پر معطوف ہوگا اور اس کا محل قریب نصب
ہے، لہذا یہ بھی منصوب ہوگا اور تیسری وجہ پہلے کا فتح اور دوسرے کا رفع ہے جیسے لاحول ولا قوة الا
باللہ بہر حال پہلے کا فتح تو اس کی وجہ گذر چکی ہے رہی بات دوسرے کے رفع کی تو اس لیے کہ دوسرا لاء زائدہ
نفی کی تاکید کے لیے ہے اور دوسرے کا اسم پہلے کے اسم کے محل بعید پر معطوف ہے اور پہلے کے اسم کا محل
بعید رفع ہے، مبتدا ہونے کی وجہ سے، لہذا یہ بھی مرفوع ہوگا اور چوتھی وجہ دونوں کا رفع ہے، جیسے لاحول
ولا قوة الا باللہ دونوں کا رفع اس لیے ہے، تاکہ جواب سوال کے مطابق ہو جائے۔ ان چاروں صورتوں
میں جملہ کا عطف جملہ پر بھی ہو سکتا ہے، اس لیے کہ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ خبر ہے اور مفرد کا عطف مفرد پر بھی
ہو سکتا ہے، کیوں کہ دونوں کی خبر ایک ہے۔ پانچویں وجہ یہ ہے کہ اول ضعف کے ساتھ مرفوع ہو اور دوسرا
مفتوح ہو جیسے لاحول ولا قوة الا باللہ۔ رفع تو اس لیے کہ لائے اول بمعنی لیس ہے اور لا بمعنی لیس
کا اسم مرفوع ہوتا ہے، لہذا یہ بھی مرفوع ہوگا اور ضعیف اس لیے کہ لا بمعنی لیس قلیل العمل ہے اور دوسرے
کا فتح اس لیے کہ لائے ثانی جنس کی نفی کے لیے ہے اور اس کا اسم نکرہ مفردہ بلا فاصل ہے اور لا کا اسم جب
اس طرح ہوتا ہے تو وہ مفتوح ہوتا ہے، لہذا یہ بھی مفتوح ہوگا البتہ اس وجہ خاص میں جملہ کا عطف جملہ پر ہوگا

مفرد کا عطف مفرد پر نہیں ہو سکتا ورنہ اسم واحد کا مرفوع اور منصوب دونوں ہونا لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔
ہاں اگر اول کا رفع اس لیے مانا جائے کہ لا کا عمل باطل ہو چکا ہے، کیوں کہ لا کے عمل کے ابطال کے لیے
لا کا تکرار ضروری ہوتا ہے اور وہ موجود ہے تو ایسی صورت میں عطف الجملۃ علی الجملۃ کے ساتھ عطف المفرد
علی المفرد بھی روا ہوگا۔

وإذا دخلت الهمزة: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جب ہمزہ استفہام لائے نفی جنس پر داخل
ہو جائے تو لا کا عمل کچھ بھی نہیں بدلتا البتہ لا مذکور صورت مذکور میں کبھی استفہام کے معنی میں ہوتا ہے جیسے
الآ رجل فی الدار اور کبھی عرض کے معنی میں ہوتا ہے جیسے الا تنزل عندی اور کبھی تمنا کے لیے ہوتا ہے
جیسے الا ماء اشربہ۔ صورت مذکور میں لا کا عمل معرب اور مبنی ہونے میں اس لیے نہیں بدلتا کہ لا کی تاثیر
میں معرب اور مبنی ہونے کی حیثیت سے ہمزہ استفہام کے اس پر دخول کی وجہ سے کوئی فرق نہیں آتا پس عمل
میں تبدیلی بھی نہیں ہوئی اگرچہ معنی میں تبدیلی ہو جاتی ہے جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔

البتہ ایک سوال رہ جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کا قاعدہ مذکور شاعر کے قول الا رجل جزاء اللہ
خیراً سے ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ اس مثال میں لا کا عمل حرف استفہام کے اس پر داخل ہونے کی وجہ
سے مبنی سے معرب کی طرف بدل گیا ہے تو جواب یہ ہے کہ لا اس مثال میں جنس کی نفی کے لیے نہیں ہے کہ
اس پر حرف استفہام داخل ہو بلکہ یہ ایک مستقل حرف، حرف تفضیض ہے۔ اس پر خلجان ہوتا ہے کہ حرف تفضیض
فعل پر داخل ہوتا ہے جب کہ یہ اسم پر داخل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فعل عام ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً تو
فعل اگرچہ یہاں لفظاً نہیں ہے لیکن تقدیراً ہے، تقدیر عبارت ہے الا ترونی رجلاً جزاء اللہ خیراً۔

ونعت السبئی الاول الخ: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اسم لا مبنی کی صفت اول جو مفرد ہو اور
مبنی سے متصل ہو تو وہ معرب اور مبنی دونوں ہو سکتی ہے جیسے لا رجل ظریف و ظریف و ظریفاً یعنی
ظریف جو کہ رجل کی صفت اول مفرد بلا فصل ہے ہر سہ حالتوں کا مستحق ہو سکتا ہے، اس کی علت اور مزید
تفصیل جاننے سے پہلے قیدوں کا فائدہ سمجھ لینا مناسب ہوگا۔ پس اسم لا مبنی کی قید سے اسم لا معرب
خارج ہو گیا جیسے لا غلاماً رجل ظریفاً اور اول کی قید سے اسم لا مبنی کی صفت ثانی سے احتراز ہو گیا جیسے
لا رجل ظریف کریم فی الدار اور مفرداً کی قید سے صفت، بصورت مضاف سے احتراز ہو گیا جیسے
لا رجل حسن الوجه اور بلیہ کی قید سے اسم لا مبنی کی صفت اول مفرد مفعول سے احتراز ہو گیا۔ جیسے
لا غلام فیہا ظریف، جب ان مذکورہ بالا قیدوں کے ساتھ اسم لا مبنی کی صفت اول ہوگی تو وہ معرب اور
مبنی دونوں ہو سکتی ہے مبنی علی الفتح اس لیے ہوگی کہ موصوف اور صفت کے درمیان اتحاد اور اتصال ہوتا ہے،
لہذا صفت کو موصوف پر محمول کر دیا یا صفت کو موصوف پر اس لیے محمول کیا کہ حرف نفی صفت کی طرف متوجہ ہوتا

ہے کیوں کہ حرف لثمی جب مقید پر داخل ہوتا ہے تو مقید سے قید کی لثمی کر دیتا ہے۔

اور معرب اس لیے ہوتا ہے کہ اصل توابع میں یہ ہے کہ تابع اپنے متبوع کا معرب ہونے میں تابع ہو پھر معرب کی دو صورتیں ہیں، چنانچہ معرب مذکور مرفوع بھی ہوگا اور منصوب بھی ہوگا۔ مرفوع اس لیے ہوگا کہ صفت کو موصوف کے محل بعید پر محمول مانا جائے اور منصوب اس لیے ہوگا کہ صفت کو موصوف کے محل قریب پر محمول قرار دیا جائے۔ جیسا کہ اوپر مثال گذر چکی ہے۔

والا فالاعراب: اس نکلے کا حاصل یہ ہے کہ اگر اسم لامبئی کی صفت میں مذکورہ بالا تمام قیدوں میں سے کوئی قید بھی فوت ہو جائے تو ایسی صورت میں اسم لامبئی کی صفت معرب ہوگی البتہ معرب ہونا بصورت رفع اور نصب دونوں ہوگا۔

والعطف علی اللفظ وعلى المحل جائز فی مثل لا اب وابنا وابن ومثل لا ابنا له ولا غلامی له جائز تشبیہا له بالمضاف لمُشار کتہ له فی اصل معناه ومن ثم لم یجز لا ابنا فیها ولس بمضاف لفساد المعنی خلافا لسیویہ ویُحذف کثیرا فی مثل لا علیک ای لا باس علیک.

ترجمہ: - اور عطف لفظ پر اور محل پر جائز ہے لا اب وابنا وابن جیسے میں اور لا ابنا ولا غلامی له جیسی ترکیب جائز ہے، اس کے مضاف کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اس کے مضاف کا شریک ہونے کی وجہ سے اس کے اصلی معنی میں اور اسی وجہ سے نہیں جائز ہے الا ابنا فیها اور وہ مضاف نہیں ہے فساد معنی کی وجہ سے مخالفت کرتے ہوئے سیویہ کی اور اسم لامبئی کو اکثر حذف کر دیا جاتا ہے لا علیک جیسے میں یعنی لا باس علیک.

توضیح: - یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسم لامبئی کے لفظ اور عمل دونوں پر عطف ہو سکتا ہے۔ البتہ یہاں مبنی ہونے کی گنجائش نہیں ہے، اس لیے کہ صرف عطف کے ذریعہ سے معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان فصل پایا جاتا ہے اور معطوف علیہ اور معطوف میں بالذات مغایرت ہوتی ہے۔

ایک بات اور ملحوظ رہے کہ معطوف سے مراد وہ کمرہ ہے جو بغیر لا کے تکرار کے ہو جیسے لا اب وابنا وابن مذکورہ مثال میں اب جو کہ لا کا اسم ہے مبنی علی الفتح ہے، ابنا کمرہ کا واو عطف کے ذریعہ اس پر عطف کیا گیا ہے، لہذا ابنا کو اب کے لفظ سے معطوف قرار دینے کی صورت میں منصوب پڑھیں گے اور محل پر معطوف قرار دینے کی صورت میں مرفوع پڑھیں گے۔

ومثل لا ابنا له الخ: مذکورہ بالا عبارات ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ ضابطہ ہے کہ جب لا

کا اسم نکرہ ہو اور لا سے متصل ہو تو وہ بني علی الفتح ہوتا ہے تو مذکورہ ضابطہ لا ابا له ولا غلامی له سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ لا کا اسم نکرہ ہے جو لا سے متصل ہے پھر بھی منصوب ہے، جب کہ بني علی الفتح ہونا چاہئے۔ تو مصنف نے جواب دیا اپنے قول لا ابا له ولا غلامی سے کہ اس جیسی ترکیب میں باوجود لا کے اسم کے نکرہ ہونے اور لا سے متصل ہونے کے لا کے اسم کا منصوب ہونا جائز ہے، اس لیے کہ صورت مذکورہ میں لا کا اسم مضاف کے مشابہ ہے لا کے اسم کے ان دونوں ترکیبوں میں مضاف کے ساتھ مضاف کے اصل معنی یعنی اختصاص میں مشارکت کی وجہ سے یعنی جس طرح اختصاص مضاف میں ہوتا ہے، اسی طرح ان ترکیبوں میں اسم لا میں اختصاص پایا جاتا ہے اس لیے دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہوئے، پس اسی مشابہت کی وجہ سے حکم اصلی کے بجائے اسم لا کا مذکورہ بالا حکم ہو گیا اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں لام اضافت اسم لا کے بعد واقع ہو اور اس پر مضاف کے احکام جاری ہوتے ہوں۔

ومن ثم لم يعجز الخ: اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ چون کہ لا ابا فیہا اور مضاف میں امر مشترک نہ ہونے کی وجہ سے مشابہت نہیں ہے، کیوں کہ اضافت یہاں بمعنی فی مقصود نہیں ہے۔ لہذا جس طرح لا ابا له اور لا غلامی له کی ترکیب کا منصوب ہونا اضافت کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے درست ہے، اس ترکیب مذکور کا منصوب ہونا صحیح نہیں، البتہ یہ ترکیب بني علی الفتح ہوگی۔

ولیس بمضاف لفساد المعنی: خلاصہ یہ ہے کہ لا ابا له اور لا غلامی له بھلے مضاف کے مشابہ ہوں لیکن حقیقتاً مضاف نہیں ہیں، کیوں کہ مضاف ماننے کی تقدیر پر معنی میں فساد لازم آتا ہے، کیوں کہ ان دونوں ترکیبوں کے معنی مرادی جنس اب اور جنس غلام کے ثبوت کی نفی بغیر خبر کی تقدیر کے ہے جب کہ اضافت کی صورت میں یہ معنی بغیر خبر کی تقدیر کے حاصل نہیں ہوتے ہیں، کیوں کہ ان دونوں ترکیبوں کے معنی اضافت کی تقدیر پر لا ابا ولا غلامیہ موجودان ہوگا، البتہ مسئلہ مذکورہ میں سیبویہ کا اختلاف ہے، کیوں کہ یہ دونوں ترکیبیں ان کے نزدیک جائز ہیں لہذا اضافت فی الواقع ہوگی ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ ترکیبیں اضافت کا فائدہ دیتی ہیں اور وہ اختصاص ہے۔ اب جہاں تک لام کا مسئلہ ہے تو سیبویہ کا کہنا ہے کہ یہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان پایا جانے والا لام، لام مقدر کی تاکید کے لیے ہے۔

ويعذف كثيرا الخ: اس عبارت سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ لا علیک جیسی مثال میں عموماً لا کے اسم کو حذف کر دیتے ہیں عموماً کا فائدہ دینے کے لیے۔ لا علیک جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں لا کی خبر مذکور ہو، اس لیے کہ اگر لا کی خبر مذکور نہ ہو بلکہ محذوف ہو تو لا کے اسم کا حذف جائز نہ ہوگا۔ تاکہ اعجاب لازم نہ آئے اصل عبارت ہے لا باس علیک۔

خبرٌ ما ولا المشبهتين بليس هو المُسندُ بعدَ دُخولها وهي لغةٌ حجازيةٌ واذا زِيدَتْ إن مَعَ ما او انقَضَ النفيُ بالآ او تقدَّمَ الخبرُ بطل العملُ واذا عطفَ عليه بموجب فالرفعُ .

ترجمہ:- ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر وہ ہے جو مسند ہوتی ہے ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد اور یہ لغت حجاز ہے اور جب ان ما کے ساتھ زیادہ کر دیا جائے یا نفی الاک کی وجہ سے ٹوٹ جائے یا خبر مقدم ہو جائے تو عمل باطل ہو جائے گا۔ اور جب ما اور لا کی خبر پر کسی موجب کے ذریعہ عطف کیا جائے تو معطوف پر رفع ہوگا۔

توضیح:- ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر کی تعریف کر رہے ہیں کہ ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر وہ ہے جو ان دونوں کے داخل ہونے کے بعد مسند ہوتی ہے یعنی ان کا اثر قبول کرتی ہے۔ ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر کا منصوب ہونا یہ اہل حجاز کی لغت ہے ورنہ بنو نمیر کے نزدیک ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر منصوب نہیں ہوتی بلکہ مرفوع ہوتی ہے۔ ان کا استدلال یہ شعر ہے وَمَهْفَهْفٌ كَالعَضْنِ قَلتْ لَه انتسب ÷ فاجاب ما قتل المحب حرام۔ کہ حرام ما کی خبر ہونے کے باوجود بجائے منصوب ہونے کے مرفوع ہے پس معلوم ہوا کہ ما عمل نہیں کرتا یعنی اپنی خبر کو نصب نہیں دیتا ورنہ شاعر بجائے حرام رفع کے ساتھ پڑھنے کے نصب کے ساتھ پڑھتا۔ جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ شاذ ہے اور شاذ کا اعتبار نہیں ہوتا مزید تفصیل مرفوعات کی بحث میں گذر چکی ہے۔

آگے فرماتے ہیں کہ ان کو ما کے ساتھ زیادہ کر دیا جائے جیسے ما ان زید قائم یا نفی کے معنی الاک کی وجہ سے ٹوٹ جائیں جیسے ما زید الا قائم یا خبر اسم پر مقدم ہو جائے جیسے ما قائم زید تو ما کا عمل باطل ہو جاتا ہے۔ پہلی صورت میں تو اس لیے کہ ما ضعیف العمل ہے وہ فصل کے ساتھ عمل نہیں کرتا ہے اور دوسری صورت میں تو اس لیے کہ ما کا عمل نفی کی وجہ سے ہے اور جب نفی الاک کی وجہ سے ٹوٹ گئی تو پھر اس کا عمل بھی ختم ہو گیا اور تیسری صورت میں تو اس لیے کہ ما اور لا ضعیف العمل ہیں تو دونوں ترکیب کے پلٹ جانے کے ساتھ عمل نہیں کر سکتے لہذا یہاں بھی عمل ختم ہو جائے گا۔

واذا عطف: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب ما اور لا مشابہ بلیس کی خبر پر کسی موجب یعنی ایسے عطف کے ذریعہ جو ایجاب کا فائدہ دیتا ہے عطف کیا جائے تو معطوف مرفوع ہوگا اس لیے کہ وہ عطف نفی کے توڑنے میں الاک کی طرح ہے پس ما اور لا کا اثر معطوف تک نہ پہنچ سکے گا لہذا بجائے خبر کے لفظ پر معطوف ہونے کے وہ محل پر معطوف ہوگا جیسے ما زید مقیما بل مسافر یا لکن مسافر۔

المجروراتُ هُوَ مَا اشْتَمَلَ عَلَى عِلْمِ الْمُضَافِ إِلَيْهِ وَالْمُضَافِ إِلَيْهِ كُلِّ اسْمٍ نَسَبَ إِلَيْهِ شَيْءٌ بِوِاسِطَةِ حَرْفِ الْجَرِّ لَفْظًا أَوْ تَقْدِيرًا مَرَادًا فَالتَّقْدِيرُ شَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ اسْمًا مَجْرَدًا تَنْوِينُهُ لِاجْلِهَا وَهِيَ مَعْنَوِيَّةٌ وَلَفْظِيَّةٌ فَالْمَعْنَوِيَّةُ أَنْ يَكُونَ الْمُضَافُ غَيْرَ صِفَةٍ مُضَافَةٍ إِلَى مَعْمُولِهَا وَهِيَ إِمَّا بِمَعْنَى اللّامِ فِي مَا عَدَا جِنْسِ الْمُضَافِ وَظَرْفَهُ وَإِمَّا بِمَعْنَى مَنْ فِي جِنْسِ الْمُضَافِ أَوْ بِمَعْنَى فِي، فِي ظَرْفِهِ وَهُوَ قَلِيلٌ مِثْلَ غُلَامٍ زَيْدٍ وَخَاتَمٍ فَضِيَّةٍ وَضَرْبِ الْيَوْمِ وَتَفْيِيدُ تَعْرِيفًا مَعَ الْمَعْرِفَةِ وَتَخْصِيصًا مَعَ النُّكْرَةِ وَشَرْطُهَا تَجْرِيدُ الْمُضَافِ مِنَ التَّعْرِيفِ وَمَا اجْزَاهُ الْكُوفِيُّونَ مِنَ الثَّلَاثَةِ الْاِثْوَابِ وَشَبَّهَ مِنَ الْعَدَدِ ضَعِيفٌ

ترجمہ: - مجرورات وہ ہیں کہ جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہوں اور مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے کہ جس کی طرف کسی چیز کی حرف جر کے واسطے سے نسبت کی گئی ہو خواہ حرف جر لفظاً ہو یا تقدیراً جو مراد ہو پس تقدیراً اس کی شرط یہ ہے کہ مضاف ایسا اسم ہے جس کو تنوین سے اضافت کے واسطے خالی کر لیا گیا ہو اور وہ معنوی ہوتی ہے اور لفظی۔ پس معنوی یہ ہے کہ مضاف اپنے معمول کی طرف مضاف ہونے والی صفت کا غیر ہو اور وہ یا تو بمعنی لام ہوگی مضاف کی جنس اور اس کے ظرف کے ماسوا میں اور یا بمعنی من ہوگی مضاف کی جنس کی صورت میں یا بمعنی فی ہوگی مضاف الیہ کے مضاف کا ظرف ہو سکی صورت میں اور وہ بہت کم ہے۔ جیسے غلام زید اور خاتم فضیة اور ضرب الیوم۔ اور وہ تعریف کا فائدہ دیتی ہے معرفہ کے ساتھ اور تخصیص کا نکرہ کے ساتھ اور اس کی شرط مضاف کا خالی ہونا تعریف سے۔ اور وہ جس کو کوفیوں نے جائز قرار دیا ہے الثلاثة الاثواب اور اس کے مانند عدد میں ضعیف ہے۔

توضیح: - لفظ مجرورات کی وہی تفصیل ہے جو مرفوعات کی ہے۔ لہذا اس کی تفصیل مرفوعات کی ابتدائی بحث میں ملاحظہ کر لیا جائے۔

مجرورات اسم ہے جو مضاف الیہ کی علامت پر مشتمل ہو یعنی شیئی کے مضاف الیہ ہونے کی علامت پر۔ اور مضاف کی علامت مرفورات اور جمع مؤنث ہالم میں کسرہ ہے اور غیر منصرف میں فتح اور اسمائے ستہ مکمہ، تشنیہ اور جمع مذکر سالم میں یاء ہے۔

مضاف الیہ ہر ایسا اسم ہے کہ جس کی طرف شیئی کی حرف جر کے واسطے سے نسبت کی گئی ہو خواہ حرف جر لفظاً ہو یا تقدیراً ہو اور مضاف الیہ کا اسم ہونا عام ہے خواہ وہ اسم صریح ہو یا اسم تاویلی۔

مضاف الیہ کی اسی تعریف پر ایک سوال ہوتا ہے کہ یہ تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں، اس لیے

کہ مضاف الیہ کی مذکورہ تعریف کی رو سے اضافت لفظیہ مضاف الیہ سے خارج ہو جاتی ہے، کیوں کہ بعض لوگ اضافت لفظیہ میں حرف جر کی تقدیر کے قائل نہیں ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جو کچھ مصنف کے کلام سے متن میں ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اضافت جو اضافت لفظیہ اور معنویہ کی طرف منقسم ہوتی ہے وہ اضافت بتقدیر حرف جر ہے اور قاعدہ ہے کہ شیء کی قسم اپنے مقسم کے خلاف نہیں ہوتی تو جب مقسم حرف جر کی تقدیر کے ساتھ ہوگا تو بھلا اس کی قسمیں حرف جر کی تقدیر کے ساتھ کیوں کرنے ہوں گی لہذا یہ کہنا کہ اضافت لفظیہ حرف جر کی تقدیر کے ساتھ نہیں ہوئی غلط ہے، یہ الگ بات ہے کہ مصنف نے اضافت لفظیہ کے بیان کے دوران اس کی وضاحت نہیں کی جس سے کچھ لوگوں کو دھوکا لگ گیا۔ پس مضاف الیہ کی تعریف جامع ہے۔

مراداً: یہ کل ایک سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ مضاف الیہ کی تعریف دخول غیر سے مانع نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں مفعول فیہ، قسمت یوم الجمعہ جیسی ترکیب کا داخل ہوا جا رہا ہے، کیوں کہ یوم ایک اسم ہے جس کی طرف ایک شیء کی اضافت بوسلطہ حرف جر یعنی بوسلطہ فی کے کی گئی ہے باوجود اس کے کہ وہ مضاف الیہ نہیں ہے۔ تو مصنف نے اپنے قول مراداً سے جواب دیا کہ مضاف الیہ وہ اسم ہے کہ جس کی طرف کسی چیز کی بوسلطہ حرف جر کے نسبت کئی گئی ہو خواہ حرف جر لفظی ہو یا تقدیری درانحالیکہ وہ حرف جر من حیث العمل اثر کو باقی رکھنے کے ساتھ ساتھ مراد ہو یعنی حرف جر کا اثر ظاہر ہوتا ہو۔ اور یوم الجمعہ میں اگرچہ جمعہ کی فی تقدیر کے واسطے سے یوم کی طرف نسبت ہے، لیکن وہ فی تقدیراً مراد نہیں ہے، لہذا مضاف الیہ کی تعریف دخول سے غیر مانع ہے۔

فالتقدیر شرطہ: یہاں سے حرف جر کی تقدیر کے شرائط بیان کر رہے ہیں پس حرف جر کی تقدیر کی پہلی شرط یہ ہے کہ مضاف اسم ہو، کیوں کہ اضافت کے لوازم اسم کے ساتھ مخصوص ہیں، اضافت کے لوازم تعریف، تخصیص اور تخفیف ہیں لہذا اگر مضاف فعل ہو تو حرف جر کا تلفظ لازم ہے فعل کو مفعول تک پہنچانے کے لیے جیسے مورد بزیذ نیز وہ مضاف جو اسم ہوتوین اور تنوین کے قائم مقام نون مشنیہ اور نون جمع سے بھی خالی ہو اس لیے کہ تنوین اور قائم مقام تنوین کلمہ کے تمام ہونے اور مابعد سے کلمہ کے انقطاع کو واجب کرتی ہے جب کہ اضافت اتصال اور امتزاج کو واجب کرتی ہے پس جب نحو یوں نے دو کلموں کے درمیان اتصال کا ارادہ کیا اس طرح کہ پہلا کلمہ دوسرے کلمہ سے تعریف یا تخصیص یا تخفیف کو حاصل کرے تو ان لوگوں نے پہلے کلمہ سے کلمہ کے تمام ہونے کی علامت کو حذف کر دیا اور اس کو دوسرے کلمہ کے ذریعے پورا کر دیا۔

اضافت جو حرف جر کی تقدیر کے ساتھ ہوتی ہے دو قسموں پر ہے معنوی اور لفظی، وجہ حصر یہ ہے کہ مضاف یا تو ایسا صفت کا صیغہ ہوگا جو مضاف الیہ میں اضافت سے پہلے عامل ہوگا یا نہیں اول لفظی اور ثانی معنوی ہے۔

فالمعنوية ان يكون المضاف الخ: یہاں سے اضافت معنوی کی تعریف کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اضافت معنوی کہتے ہیں ایسی اضافت کو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہونے والی صفت کا غیر ہو یعنی اول تو مضاف بالکل صفت کا صیغہ نہ ہو جیسے غلام زید یا صفت کا صیغہ تو ہو لیکن وہ مضاف الیہ میں عامل نہ ہو جیسے کریم المصو۔ اس لیے کہ کریم شہر نہیں بلکہ شہر واسلے ہوتے ہیں۔

اضافت معنوی یا اعتبار حرف جر کی تقدیر کی نوعیت کے تین قسموں پر ہے اول بمعنی لام ثانی بمعنی من ثالث بمعنی فی۔ اضافت بمعنی لام اس وقت ہوگی جب مضاف الیہ نہ تو مضاف کی جنس ہو اور نہ ہی مضاف کے لیے ظرف ہو۔ جیسے غلام زید اور اور صورت ثانی اس وقت ہوگی جب مضاف الیہ مضاف کی جنس ہو جیسے خاتم فضة اور صورت ثالث اس وقت ہوگی جب مضاف الیہ مضاف کا ظرف ہو۔ جیسے ضرب الیوم۔

جب آپ نے اتنا سمجھ لیا تو اب دلیل حصر سمجھئے کہ اضافت کے تقدیر کی تین ہی صورتیں کیوں ہیں؟ تو وجہ یہ ہے کہ مضاف الیہ یا تو مضاف کا ظرف ہوگا یا نہیں صورت اول میں اضافت بمعنی فی ہوگی جیسے ضرب الیوم اور اگر مضاف الیہ مضاف کا ظرف نہیں ہے تو پھر چند صورتیں ہیں یا تو مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تبارین کی نسبت ہوگی یا تساوی کی یا عموم خصوص مطلق کی یا عموم خصوص من وجہ کی اگر تبارین کی نسبت ہو تو وہ اضافت بمعنی لام ہوگی جیسے عجلۃ ذراجة اور اگر تساوی کی نسبت ہو تو اضافت متمتع ہے، کیوں کہ ایسی صورت میں اضافت بے فائدہ ہوگی جیسے اسد اور لیث حبس اور منع اور اگر تیسری صورت ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا تو عام کی اضافت خاص کی طرف ہوگی یا اس کے الٹا اگر پہلی صورت ہو تو اضافت بمعنی لام ہوگی اور صورت ثانی میں اضافت متمتع ہے، اضافت میں فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے جیسے احد الیوم اور اگر دونوں کے درمیان عام خاص من وجہ کی نسبت ہو تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں یا تو مضاف اصل ہوگا بلحاظ مضاف الیہ کے یا اس کے برعکس۔ اگر پہلی صورت ہے تو اضافت بمعنی لام ہوگی جیسے فضة خاتمک خیر من فضة خاتمی اور اگر دوسری صورت ہے تو اضافت بمعنی من ہوگی جیسے خاتم فضة۔ مضاف کے بلحاظ مضاف الیہ کے اصل ہونے سے مراد یہ ہے کہ مضاف الیہ کو مضاف سے لیا گیا ہو جیسے کہ پہلی مثال میں ہے اور مضاف الیہ کے بلحاظ مضاف کے اصل ہونے سے مراد یہ ہے کہ مضاف کو مضاف الیہ سے لیا گیا ہو جیسے کہ دوسری مثال میں ہے۔

وهو قليل: اور اضافت بمعنی فی عربوں کے یہاں قلیل الاستعمال ہے، اسی لیے اکثر نحو یوں کے نزدیک اضافت بمعنی فی کو اضافت بمعنی لام کی طرف لوٹا دیا گیا ہے، کیوں کہ ضرب الیوم کے معنی ہیں ضرب له اختصاص بالیوم۔

وتلفيد تعريفها مع المعرفة: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اضافت معنوی مضاف الیہ کے معرفہ

ہونے کی حالت میں مضاف کی تعریف کا فائدہ دیتی ہے، اس لیے کہ اضافت معنوی کی ہیئت ترکیبہ مضاف کو معلوم کرنے کے لیے وضع کی گئی ہے۔ البتہ ایک بات دھیان رہے کہ مذکورہ بالا حکم سے غیر اور مثل مستعملی ہیں، چنانچہ اگر غیر یا مثل مضاف الیہ معرفہ کی طرف مضاف ہوں تو بھی ان میں زیادتی ابہام کی وجہ سے تعریف نہیں پیدا ہوگی ہاں اگر ان کے مضاف الیہ کی کوئی ایک ہی ضد ہو تو ان کے معرفہ کی طرف مضاف ہونے سے ان میں تعریف آجائے گی جیسے علیک بالحرکتہ غیر السکون اور اضافت معنوی تخصیص کا فائدہ دیتی ہے جب وہ نکرہ کی طرف مضاف ہو یعنی مضاف الیہ نکرہ کی طرف کیوں کہ تخصیص نام ہے شرکاء کی تقلیل کا اور کوئی شک نہیں ہے کہ غلام رجل میں غلام کے رجل کی طرف اضافت سے پہلے غلام و رجل اور غلام امرأۃ کے درمیان اشتراک تھا، لیکن جب رجل کی طرف مضاف ہو گیا تو اس سے غلام المرأة نکل گیا۔

اب آگے اضافت معنوی کی شرط بیان کر رہے ہیں فرماتے ہیں کہ اضافت معنوی کی شرط یہ ہے کہ مضاف تعریف سے خالی ہو، اس لیے کہ اگر مضاف تعریف سے خالی نہ ہو تو مضاف الیہ کی دو صورتیں ہیں یا تو مضاف الیہ معرفہ ہوگا یا نکرہ ہوگا۔ پہلی صورت میں بصورت اضافت تحصیل حاصل لازم آئے گی اور دوسری صورت میں اعلیٰ کے حاصل ہونے کے باوجود ادنیٰ کا حاصل کرنا یا شاہ کا گدا سے مانگنا لازم آئے گا۔

وما اجازہ الکوفیون: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے قاعدہ بیان کیا کہ مضاف کا تعریف سے خالی ہونا ضروری ہے اور یہ قاعدہ الثلاثة الاثواب سے ٹوٹ جاتا ہے، اس طرح الخمسة الدراہم اور اس جیسی ترکیبیں قاعدہ سابق کے خلاف ہیں کیوں کہ یہ اضافت معنوی ہیں باوجود اس کے کہ مضاف اس میں معرف باللام ہے تو معنی نے ما اجازہ الکوفیون سے جواب دیا کہ الثلاثة الاثواب اور الخمسة الدراہم کی جیسی مثالیں اضافت معنوی ہونے کے باوجود جو کوفیوں نے حرف تعریف سے خالی نہیں کیا ہے، بلکہ الف لام کے ساتھ استعمال کیا ہے یہ ضعیف ہے کیوں کہ یہ استعمال ضابطہ کے خلاف ہے نیز فصحاء کے استعمال کے خلاف ہے، اس لیے کہ فصحاء ثلثة الاثواب اور خمسة الدراہم استعمال کرتے ہیں، لہذا ہمارا قاعدہ نہیں ٹوٹا۔

واللفظیۃ ان یكون المضاف صفة مضافة الی معمولها مثل ضارب زید وحسن الوجه ولا تفیذ الا تخفیفا فی اللفظ ومن ثم جاز مررت برجل حسن الوجه وامتنع مررت بزید حسن الوجه وجاز الضارب زید والضارب زید وامتنع الضارب زید خلافا للفرء وضعف ع الواهب المائة الهجان وعیدها واما جاز

الضاربُ الرجلُ حملاً على المختارِ في الحسنِ الوجهِ والضاربُك وشبهه فيمن
قال انه مضاف حملاً على ضاربك

ترجمہ:- اور اضافت لفظیہ یہ ہے کہ مضاف ایسی صفت ہو جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہو
جیسے ضارب زید اور حسن الوجه اور اضافت لفظیہ نہیں فائدہ دیتی ہے، مگر تخفیف کا لفظ میں۔ اور اسی
وجہ سے جائز ہے مردت ہر رجل حسن الوجه اور متنع ہے مردت بزید حسن الوجه اور جائز ہے
الضارباً زید اور محال ہے الضارب زید مخالفت کرتے ہوئے فراء کی اور ضعیف ہے ع الواهب
المائة الهجان وعبدھا اور بے شک جائز ہے الضارب الرجل محمول کرتے ہوئے مختار پر حسن
الوجه میں اور جائز ہے الضاربك اور اس کے مشابہ اسی شخص کے قول میں جس نے کہا کہ وہ مضاف ہیں
حمل کرتے ہوئے ضاربک پر۔

توضیح:- اب اضافت لفظیہ کی تعریف کر رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اضافت لفظیہ ایسا
صفت کا صیغہ کہلاتا ہے جو اپنے معمول کی طرف مضاف ہوتا ہے جیسے ضارب زید اور حسن الوجه۔ اضافت
لفظیہ سے صرف لفظ میں تخفیف کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ تعریف اور تخصیص کا نہیں۔ اضافت لفظیہ میں
حاصل ہونے والی تخفیف کی متعدد صورتیں ہیں یا تو کبھی وہ مضاف کی جانب میں ہوتی ہے یا کبھی مضاف الیہ
کی جانب میں اور کبھی دونوں کی جانب میں۔ مضاف کی جانب میں تخفیف تو یوں یا قائم مقام تو یوں یعنی نون
مشبہ اور نون جمع کی صورت میں ہوگی اور مضاف الیہ کی جانب میں ضمیر کے حذف کی صورت میں تخفیف ہوگی
نیز ضمیر کو شبہ فعل میں پوشیدہ ماننے کی صورت میں بھی تخفیف کا تحقق ہوتا ہے۔

اب آپ اس فرق کو بھی سمجھ لیجیے کہ اضافت معنوی لفظ اور معنی دونوں میں مفید الفائدہ ہوتی ہے اور
اضافت لفظی صرف لفظ میں مفید الفائدہ ہوتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اضافت معنوی کے اندر مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان لفظ اور معنی دونوں میں
انفصال ہوتا ہے، لہذا جب اضافت کی جاتی ہے تو لفظ میں اتصال حاصل ہوتا ہے، چنانچہ اس پر فائدہ لفظیہ
مرتب ہوتا ہے نیز عند الاضافت معنی میں بھی اتصال حاصل ہوتا ہے تو اس پر فائدہ معنویہ مرتب ہوتا ہے۔
اور اضافت لفظی میں مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان اتصال فی المعنی اور انفصال فی اللفظ ہوتا
ہے، لہذا جب اضافت کی جاتی ہے تو اتصال فی اللفظ حاصل ہوتا ہے، چنانچہ اس پر صرف فائدہ لفظیہ مرتب
ہوتا ہے۔

ومن ثم جاز مردت ہر رجل حسن الوجه: خلاصہ عبارت یہ ہے کہ اضافت لفظیہ صرف

تخفیف فی اللفظ کا ہی فائدہ دیتی ہے تو اس وجہ سے مررت برجل حسن الوجه کہنا تو درست ہوگا اور مررت بزید حسن الوجه کہنا ناجائز ہوگا۔ پہلی ترکیب اس لیے درست ہوگی کہ جب اضافت لفظیہ مفید لتعریف نہیں ہے تو رجل نکرہ کا حسن الوجه صفت بن سکتا ہے، کیوں کہ وہ بھی تعریف یا تخصیص کا فائدہ حاصل نہ ہونے کی وجہ سے نکرہ ہی رہا پس موصوف اور صفت میں مطابقت پائی گئی کیوں کہ رجل کی طرح حسن الوجه بھی نکرہ۔ جب کہ ترکیب ثانی میں تعریف یا تخصیص کے تدارک ہونے کی وجہ سے زید معروف اور صفت حسن الوجه نکرہ میں مطابقت نہیں ہے، حالاں کہ موصوف اور صفت کے درمیان مطابقت تعریفاً اور تکمیراً ضروری ہوتی ہے۔

اچھا اگر اضافت لفظیہ مفید لتعریف یا تخصیص ہوئی تو منظر بدلا ہوتا کہ پہلی ترکیب عدم موافقت کی وجہ سے ناجائز اور ترکیب ثانی موافقت کی وجہ سے جائز ہوتی۔

وجاز الضارب زید: یہ دونوں ترکیبیں اس لیے درست ہیں کہ ان میں حسب ضابطہ تخفیف کا فائدہ حاصل ہے۔ پہلی مثال میں نون ثنویہ اور دوسری مثال میں نون جمع کا حذف ہے جو عین تخفیف ہے اور یہی اضافت لفظیہ کا فائدہ ہے۔ البتہ الضارب زید کی ترکیب درست نہیں ہے۔

اس لیے کہ اس میں اضافت لفظیہ کا فائدہ تخفیف حاصل نہیں ہے، کیوں کہ الضارب کی تین الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے اضافت کی وجہ سے نہیں، لہذا اضافت لفظیہ کی وجہ سے اس ترکیب میں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا پس یہ ناجائز ہے، لیکن فراء کا خیال ہے کہ الضارب زید کی ترکیب درست ہے وہ کہتے ہیں کہ اضافت لفظیہ کا فائدہ تخفیف اس میں حاصل ہے اور وہ تین الف لام کی وجہ سے حذف ہوتا ہے، لہذا یہ ترکیب صحیح ہے۔ جمہور کی طرف سے فراء کا جواب یہ ہے کہ لام محقق الذات ہے اور اضافت محقق الصفات۔ اور ضابطہ ہے کہ محقق الذات محقق الصفات پر مقدم ہوتا ہے جب بات یہ ہے تو دخول لام اضافت پر مقدم ہوگا، لہذا تین الف لام کی وجہ سے ہوگا نہ کہ اضافت کی وجہ سے۔

وضعف ع الواهب المائة النخ: یہ عبارت فراء کی دوسری دلیل کا جواب ہے، فراء کا کہنا یہ ہے کہ اس شعر کے اندر عبدھا ”حز“ کے ساتھ ہے جو المائة پر معطوف ہے اور مائة میں الواهب جو کہ مضاف ہے عامل ہے اور قاعدہ ہے کہ جو معطوف علیہ میں عامل ہوتا ہے وہی معطوف میں بھی عامل ہوتا ہے، لہذا حسب ضابطہ الواهب، عبدھا میں عامل ہوگا تو معنی ہوگا الواهب عبدھا اور یہ ترکیب درست ہے، پس جب الضارب زید بعینہ الواهب عبدھا کی طرح ہے تو مناسب ہے کہ الضارب زید کی بھی ترکیب درست ہو۔ جس طرح کہ الواهب عبدھا کی ترکیب درست ہے جو کہ شاعر فصیح کے کلام میں استعمال ہوا ہے، تو مصنف نے اس کا جواب دیا کہ الضارب زید کے جواز پر الواهب عبدھا سے

استدلال درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں عہدہ کے مجرور ہونے کی کوئی صراحت نہیں ہے، بلکہ عہدہ کے منصوب ہونے کا امکان ہے بایں طور کہ وہ مانعہ کے محل پر معطوف ہو اور مانعہ محلاً مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بسا اوقات معطوف میں اس چیز کو انگیز کر لیا جاتا ہے جو معطوف علیہ میں نہیں کیا جاتا۔

وانما جاز الضارب الرجل: فراء نے الضارب زید کے جواز پر تیسری دلیل پیش کی ہے یہ اس کا جواب ہے فراء کی اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ الضارب الرجل کی ترکیب درست ہے اور الضارب زید، الضارب الرجل پر محمول ہے، لہذا یہ ترکیب بھی درست ہے تو مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ الضارب زید کو الضارب الرجل پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، اس لیے کہ الضارب الرجل کی ترکیب بھی حسب ضابطہ درست نہیں ہونا چاہئے، لیکن چون کہ الحسن الوجہ پر الضارب الرجل کو محمول کر لیا گیا ہے تو جس طرح الحسن الوجہ درست ہے اسی طرح الضارب الرجل کی ترکیب بھی درست ہے، گو ضابطہ کے خلاف ہے جب کہ الضارب زید کو الحسن الوجہ پر محمول نہیں کر سکتے، اس وجہ سے کہ الحسن الوجہ میں مضاف معرف باللام ہے اور مضاف الیہ اسم جنس معرف باللام ہے اور الضارب زید میں ایسا نہیں ہے برخلاف الضارب الرجل کے کہ اس میں الحسن الوجہ کی طرح مضاف معرف باللام اور مضاف الیہ اسم جنس معرف باللام ہے، لہذا اس کو تو مشابہت کی وجہ سے الحسن الوجہ پر محمول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن الضارب زید کے لیے کوئی چانس نہیں ہے۔

وجاز الضاربك: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ فراء نے الضارب زید کی ترکیب کے جواز پر ایک اور طرح سے استدلال کیا جس کا مصنف نے جواب دیا ہے۔

فراء کا استدلال یہ ہے کہ الضارب زید درست ہے، اس لیے کہ وہ الضاربك پر محمول ہے اور الضاربك کی ترکیب کی درستگی مسلم ہے، لہذا الضارب زید کے جواز پر بھی انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی تو مصنف نے اپنے قول وجاز الضاربك سے جواب دیا کہ الضاربك اور اس کے مشابہ الضاربی اور الضاربه وغیرہ اس شخص کے قول کے مطابق جو ان کے مضاف ہونے کا قائل ہے ضاربك پر حمل کرتے ہوئے جائز ہے۔ یعنی حسب ضابطہ الضاربك جیسی ترکیب درست نہیں ہے، کیوں کہ اضافت لفظی ہونے کے باوجود اس میں تخفیف کا فائدہ حاصل نہیں ہے، کیوں کہ تنوین الف لام کی وجہ سے ساقط ہوئی ہے نہ کہ اضافت کی وجہ سے، لیکن اس کے باوجود اس کو ضاربك پر محمول کرتے ہوئے جائز قرار دیا اور چون کہ ضاربك بلا تخفیف جائز ہے، لہذا اس میں بھی بلا تخفیف جواز کی گنجائش پیدا ہوگی۔

در اصل قاعدہ یہ ہے کہ جب لوگ اسم فاعل اور اسم مفعول مجرد عن اطلاق کو ان کے مفعولوں سے ملا کر چاہتے ہیں دراصل ان کے مفعولات ضمائر ہوں تو نحویوں نے اضافت کا التزام کیا ہے اور انہوں نے ضاربك کے تخفیف کے تحقق کی طرف توجہ نہیں کی، لہذا جب ضاربك بلا تخفیف درست ہے تو الضاربك کو بھی لوگوں نے اسی پر علاقہ کی وجہ سے محمول کر دیا۔ اور علاقہ ان دونوں کے درمیان یہ ہے کہ یہ دونوں ایک باب سے ہیں اور مضاف دونوں میں شبہ فعل ہے اور مضاف الیہ دونوں میں ضمیر متصل ہے اور تثنیہ دونوں میں قبل الاضافت ساقط ہوئی ہے بخلاف الضاربك کے کہ مضاف اگرچہ اس میں صفت یعنی شبہ فعل ہے، لیکن مضاف الیہ ضمیر نہیں لہذا افراد کا استدلال درست نہیں ہے۔

وَلَا يُضَافُ مَوْصُوفٌ إِلَى صِفَةٍ لَا صِفَةَ إِلَى مَوْصُوفِهَا مِثْلُ مَسْجِدِ الْجَامِعِ وَجَانِبِ الْغَرْبِيِّ وَصَلْوَةِ الْأُولَى وَبَقْلَةِ الْحَمَقَاءِ مَتَاوَلٌ وَمِثْلُ جَرْدُ قَطِيفَةٍ وَاخْتِلافِ ثِيَابٍ مَتَاوَلٌ وَلَا يُضَافُ اسْمٌ مِمَّا نَبِلَ لِلْمُضَافِ إِلَيْهِ فِي الْعُمُومِ وَالْخُصُوصِ كَلَيْثٍ وَاسَدٍ وَحَبَسٍ وَمَنْعٍ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ بِخِلَافِ كُلِّ الدَّرَاهِمِ وَعَيْنِ الشَّيْءِ فَإِنَّهُ يَخْتَصُّ بِهِ وَقَوْلُهُمْ سَعِيدٌ كَرِزٌ وَنَحْوُهُ مَتَاوَلٌ .

ترجمہ:- اور نہیں مضاف ہوتا ہے کوئی موصوف کسی صفت کی طرف اور نہ کوئی صفت کسی موصوف کی طرف اور مسجد الجامع اور جانب الغربی اور بقلة الحمقاء جیسے تاویل کیے ہوئے ہیں اور جرد قطيفة اور اخلاق ثياب تاویل شدہ ہیں اور ایسا اسم جو عموم اور خصوص میں مضاف الیہ کا مماثل ہو مضاف نہیں ہوتا جیسے لیت اور اسد اور حبس اور منع فائدہ نہ ہونے کی وجہ سے بخلاف کل الدرہم اور عین الشیء کے، کیوں کہ وہ اس کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے اور ان کا قول سعید کرز اور اس جیسا تاویل شدہ ہے۔

توضیح:- حاصل عبارت یہ ہے کہ موصوف صفت کی طرف اور نہ ہی صفت موصوف کی اور مضاف ہو سکتی ہے وجہ یہ ہے کہ ترکیب توصیفی اور ترکیب اضافی دونوں کے الگ الگ معنی ہیں، چنانچہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا قائم مقام نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ ترکیب توصیفی کی بنیاد صفت اور موصوف کے درمیان اتحاد پر ہے اور ترکیب اضافی کی بنیاد مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان مغاوت پر ہے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں کے درمیان منافات ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ موصوف مضاف اس لیے نہیں ہوگا کہ موصوف صفت سے انحصار ہوتا ہے یا اس کے مساوی ہوتا ہے جب کہ مضاف، مضاف الیہ کے لیے یہ دونوں چیزیں لازم نہیں ہیں۔

اور صفت موصوف کی طرف اس لیے مضاف نہ ہوگی کہ بایں صورت صفت کا اپنے متبوع یعنی اپنے

موصوف پر مقدم ہونا لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔

و مثل مسجد الجامع و جانب العربی: یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا کہ موصوف کی اضافت صفت کی طرف نہیں ہو سکتی تو یہ مذکورہ بالا قاعدہ مسجد الجامع اور جانب العربی وغیرہ سے ٹوٹ گیا، کیوں کہ ان تمام مثالوں میں موصوف اپنی صفت کی طرف مضاف ہے۔ تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ ساری مثالیں تاویل شدہ ہیں چنانچہ پہلی مثال میں وقت مقدر ہے۔ تقدیر عبارت ہے مسجد الوقت الجامع اور دوسری مثال میں مکان مقدر ہے تقدیر عبارت جانب مکان الغربی ہے اور تیسری مثال میں الساعة مقدر ہے۔ تقدیر عبارت ہے صلوة الساعة الاولیٰ اور چوتھی مثال میں حبة مقدر ہے تقدیر عبارت ہے بقلة الحبة الحمقاء۔ پس اگر ان امور مقدرہ کا امثلہ مذکورہ میں لحاظ کیا جائے تو اعتراض دونوں طرح سے ختم ہو جاتا ہے کہ نہ تو موصوف مضاف ہے اور نہ ہی صفت مضاف الیہ ہے، اس لیے کہ امور مذکورہ کی تقدیر کے بعد جو مضاف ہے وہ موصوف نہیں اور جو مضاف الیہ ہے وہ صفت نہیں پس ہمارا قاعدہ اپنی جگہ پر مسلم ہے۔

و مثل جرد قطیفة: یہ بھی ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال ہے کہ آپ کا یہ ضابطہ کہ صفت موصوف کی طرف مضاف نہیں ہوتی جرد قطیفة وغیرہ سے ٹوٹ جاتا ہے، اس لیے کہ جرد قطیفة میں جرد، قطیفة کی صفت ہے، اسی طرح اخلاق ثیاب میں اخلاق، ثیاب کی صفت ہے بایں ہمہ وہ اپنے موصوف کی طرف مضاف ہیں تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ سب متاویل ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ یہ اضافت بمعنی من ہے اور جرد یہ قطیفة کی صفت نہیں ہے اور نہ ہی اخلاق، ثیاب کی صفت ہے (اگرچہ ہمارے قول قطیفة جرد میں جرد اور ثیاب اخلاق میں اخلاق صفت ہے) اس لیے کہ جب موصوف کو حذف کر دیا اور صفت موصوف کی جگہ پر استعمال ہونے لگی تو موصوف کے لانے کی کوئی ضرورت نہ رہی پھر بعض استعمالات میں اشتباہ پیدا ہو گیا اور وہ یہ کہ جرد کس جنس سے اور اخلاق کس جنس سے تعلق رکھتے ہیں تو لوگ ان کے موصوف کو لے آئے اور ان صفتوں کو بطور بیان کے ان کے موصوفوں کی طرف مضاف کر دیا تو یہ صفت کی اضافت موصوف کی طرف بحیثیت صفت، موصوف کے نہیں ہے، لہذا ہمارا ضابطہ نہیں ٹوٹا۔

ولا یضاف اسم مماثل للمضاف الیہ الخ: یہاں سے مصنف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر مضاف، مضاف الیہ کے مماثل ہو عام اور خاص ہونے میں جیسے لیث اور اسد وغیرہ تو اضافت درست نہ ہوگی۔ کیوں کہ صورت مذکورہ میں اضافت سے کوئی فائدہ حاصل ہونے والا نہیں اس لیے کہ جب مضاف اور مضاف الیہ عام اور خاص ہونے میں برابر ہی ہیں تو نہ تعریف حاصل ہوگی اور نہ تخصیص جو کہ اضافت کا

لازمی فائدہ ہے، البتہ کل الدرہم اور عین الشیء میں اضافت درست ہے، کیوں کہ کُلُّ اضافت سے پہلے عام تھا، اس لیے کہ وہ درہم و دنیا اور دیگر تمام چیزوں پر صادق آتا تھا۔ اسی طرح عین اضافت پہلے موجود اور معدوم دونوں کا احتمال رکھتا تھا، لیکن اضافت کے بعد کل درہم کے ساتھ اور عین موجود کے ساتھ مخصوص ہو گیا، پس یہ بات فاضل ہو گئی کہ مضاف ان مثالوں میں عام ہے اور مضاف الیہ خاص۔ لہذا یہ مماثلین میں سے ایک کی دوسرے کی طرف اضافت کے باب سے نہیں ہیں پس اضافت کل الدرہم اور عین الشیء میں مفید تھیں ہوئی۔

وقولہم سعید کرز: یہ عبارت کا کُز ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ سعید اور کرز یہ دو ایسے اسم ہیں جو عموم اور خصوص میں ایک دوسرے کے مماثل ہیں، کیوں کہ یہ دونوں فرد واحد کے نام ہیں، اس کے باوجود ایک دوسرے کی طرف مضاف ہیں جب کہ آپ کہہ چکے ہیں کہ مماثلین میں ایک کی دوسرے کی طرف اضافت نہیں ہو سکتی تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ مآول ہے یعنی تاویل کیا ہوا ہے۔ تاویل یہ ہوئی ہے کہ مراد مضاف سے مسمیٰ اور مدلول ہے جب کہ مضاف الیہ سے مراد اسم اور لفظ ہے تو دونوں مماثل نہیں ہوئے۔ پس جب آپ نے سعید کرز کہا تو گویا آپ نے جاء نی مدلول ہذا اللفظ و مسماه کہا۔ لہذا ہا را ضابطہ نہیں ٹوٹا۔

وَإِذَا أُضِيفَ الْأِسْمُ الصَّحِيحُ أَوْ الْمَلْحَقُ بِهِ إِلَى يَاءِ الْمُتَكَلِّمِ كَسِرِ آخِرِهِ وَالْيَاءِ مَفْتُوحَةٍ أَوْ سَاكِنَةٍ فَإِنْ كَانَ آخِرُهُ الْفَاءَ تَثَبَّتْ وَهَدَّيْلٌ تُقْلِبُهَا لِغَيْرِ التَّثْنِيَةِ يَاءٌ وَإِنْ كَانَ يَاءً أَدْعَمَتْ وَإِنْ كَانَ وَآوً قَلِبَتْ يَاءً وَأُدْعِمَتْ وَفَتِحَتِ الْيَاءُ لِلْسَّاكِنِينَ وَإِنَّمَا الْأَسْمَاءُ السُّتَّةُ فَآخِي وَابِي وَاجاز الْمَبْرُودُ آخِي وَابِي وَتَقُولُ حَمِي وَهِنِي وَيُقَالُ فِي فِي الْآكْثَرِ وَفِي إِذَا قُطِعَتْ قَبْلَ آخِ وَابٍ وَحَمٍ وَهْنٍ وَفَمٍ وَفَتِحَ الْفَاءِ أَفْصَحُ مِنْهُمَا وَجَاءَ حَمٍ مِثْلَ يَدٍ وَخَبٍ وَدَلْوٍ وَعَصَا مُطْلَقًا وَجَاءَ هَنٌ مِثْلَ يَدٍ مُطْلَقًا وَذُو لَا يُضَافُ إِلَى مُضْمَرٍ وَلَا يُقَطَّعُ.

ترجمہ:- اور جب مضاف کیا جائے اسم صحیح یا جو اس کے ساتھ ملحق ہو یا مسمیٰ متکلم کی طرف تو اس کے آخر کو کسرہ دیا جائے گا در انحالیکہ یا مفتوح ہوگی یا یاء ساکن ہوگی پس اگر اس کا آخر الف ہو تو ثابت رکھا جائے گا اور ہذیل اس کو یاء سے بدل دیتے ہیں تثنیہ کے علاوہ کی صورت میں اور اگر یاء ہو (آخر میں) تو ادغام کر دیا جائے گا اور اگر دو ہو تو یاء سے بدل دیا جائے گا اور ادغام کر دیا جائے گا اور اجتماع ساکنین کی وجہ سے فتح دیا جائے گا، اور بہر حال اسمائے ستہ میں آخی اور ابی کہا جائے گا اور مبرد نے ابی اور آخی جائز

قراردیا ہے اور تم حمی اور ہنی کہو اور اکثر استعمال میں فنی کہا جائے گا اور اقل استعمال میں فنی کہا جائے گا اور جب اضافت ان اسماء کی ختم کردی جائے گی تو کہا جائے گا آخ اور اب اور حم اور ہن اور فم اور فاء کا فتح زیادہ فصیح ہے ان دونوں سے اور ید اور خبء اور دلو اور عصا کے مثل حم مطلق آیا ہے، اور ہن، ید کے مثل مطلق آیا ہے اور ذو مضر کی طرف مضاف نہیں ہوتا اور نہ ہی اضافت سے الگ کیا جاتا ہے۔

توضیح: - جب اسم صحیح یا قائم مقام صحیح کی اضافت یا مکتلم کی طرف ہو تو خود اس اسم مضاف کا آخر مکسور ہوگا اور یا تو برائے تخفیف مفتوح ہوگی یا برائے اخصیت ساکن۔
اب سنئے اسم صحیح اور قائم مقام صحیح مضاف کا آخر اس لیے مکسور ہوگا کہ یا اپنے ما قبل کسرہ چاہتی ہے اور خود یا مکتلم میں دو صورتیں ہیں ایک یا کا مفتوح ہونا برائے خفت اور دوسرے برائے اخصیت ساکن ہونا، البتہ فتح اصل ہے، اس لیے کہ ایک حرفی کلمات میں اصل حرکت ہے، تاکہ ابتداء بالسکون نہ حقیقتاً اور نہ حکماً لازم آئے اور حرکات میں اصل فتح ہے خفت کی وجہ سے۔

وان كان اخره الف: اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسم جو یا مکتلم کی طرف مضاف ہو، اگر اس کے آخر میں الف ہو تو وہ باقی رہتا ہے جیسے عَصَا ایسا اس لیے ہے کہ کسی طرح کی تبدیلی کا کوئی باعث موجود نہیں ہے۔ البتہ ہذیل نحوی کا خیال ہے کہ اس اسم کے آخر کے الف کو جو یا مکتلم کی طرف مضاف ہو بشرطیکہ وہ الف برائے حثیہ نہ ہو یا سے بدل دیا جاتا ہے۔ پھر یا کا یا میں ادغام ہو جاتا ہے جیسے عَصَا، رَحَى عَصَا اور رَحَا سے تاکہ یا مکتلم کے ساتھ مشاکلت حاصل ہو جائے اور اگر حثیہ کا الف ہو تو وہ بالاتفاق یا سے بدلے گا۔ جیسے غَلَامَاً تاکہ مرفوع کا غیر مرفوع سے اشتباہ نہ ہو اور اگر اس مضاف الی یا مکتلم کے آخر میں یا ہو تو یا کا یا میں ادغام ہو جائے گا جیسے فَاضِي اور اگر مضاف الی یا مکتلم کے آخر میں واؤ ہو تو واؤ یا سے بدل جاتا ہے پھر یا کا یا میں ادغام ہو جاتا ہے، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ جب واؤ اور یا ایک کلمہ میں اکٹھا ہو جائیں اور پہلا ان میں ساکن ہو تو واؤ یا ہو جاتی ہے اور یا کا یا میں ادغام ہو جاتا ہے جیسے مسلمی یا در ہے کہ ان تینوں صورتوں میں یا مکتلم پر فتح ہوگا، تاکہ حرکت نہ ہونے کی تقدیر پر اجتماع ساکنین لازم نہ آئے اور فتح کو اس لیے اختیار کیا کہ وہ اخف الحركات ہے۔

واما الاسماء الستة: اس کا حاصل یہ ہے کہ اسمائے ستہ عند الاضافۃ الی یا مکتلم بغیر محذوف کے اعادہ کے ملفوظ ہوں گے، اس لیے کہ محذوف کو نسبتاً منسباً کر دیا گیا ہے، چنانچہ اخی، ابی بولا جائے گا بغیر واؤ محذوف کا اعادہ کیے ہوئے۔ لیکن مبرد کا خیال ہے کہ تمام اسمائے ستہ تو خیر نہیں البتہ اخی اور ابی کا تلفظ اخی اور ابی ہوگا بایں طور کہ پہلے حرف محذوف کا اعادہ ہوگا پھر واؤ کا یا سے قلب ہو کر یا کا یا میں

کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے اسی طرح حم میں واؤ محذوف کا اعادہ ہو پھر وہ واؤ ہمزہ سے بدل کر استعمال ہو اور یہ استعمال بھی ہر دونوں صورتوں میں ہوگا۔ اور چوتھی صورت یہ ہے کہ جیسے عصا میں اولاً واؤ محذوف کا اعادہ ہوتا ہے پھر الف سے بدل کر استعمال ہوتا ہے اسی طرح حم کہ اولاً حَمَوُ پھر حَمَا، عصا کی طرح ہو جائے اور یہ طریق استعمال بھی ہر دونوں صورتوں میں ہوگا۔ یہی مطلقاً کا مطلب بھی ہے کہ یہ چاروں طریقہ استعمال مضاف اور مفرد ہر دونوں صورتوں میں روا ہیں۔

آگے فرماتے ہیں کہ هَنَ کا استعمال ید کی طرح بغیر اعادہ واؤ محذوف ہر دونوں صورتوں میں جائز ہے۔
و ذُو لَا يَصَافُ الِی مَضْمَرِ النَّخِ: ذُو کی اضافت ضمیر کی طرف اس لیے روا نہیں ہے کہ ذُو کی وضع اسم جنس کو اسم کی صفت بنانے کے لیے ہوئی ہے جب بات یہ ہے تو ظاہر ہے کہ ضمیر اسم جنس نہیں ہوتی اور ضمیر کی طرف مضاف کرنے کی صورت میں خلاف مقصود وضع لازم آئے گا۔
 اور مقطوع عن الاضافة بھی اسی لیے نہیں ہوتا کہ ذُو کی وضع اسم جنس کو اسم کی صفت بنانے کے لیے بطور وسیلہ کے ہوتی ہے اور یہ مقصد بغیر اضافت کے ممکن نہیں۔

التوابع كُلُّ ثَانٍ باعراب سابقه من جهةٍ واحدةٍ۔

ترجمہ: - تابع ہر ایسا ثانی ہے جو اپنے سابق کے اعراب کے ساتھ ہو ایک جہت سے۔

توضیح: - جب مصنف ان اسماء کے بیان سے فارغ ہو گئے جو اصالۃً مستحق اعراب ہوتے ہیں تو ان اسماء کا بیان شروع کیا جو بواسطہ اعراب کے مستحق ہوتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ توابع پانچ ہیں نعت، تاکید، عطف، بیان، بدل اور معطوف، دلیل حصر یہ ہے کہ مقصود بالنسبۃ تین حال سے خالی نہیں یا تو وہ تابع ہوگا یا متبوع یا دونوں پس اگر وہ اول ہو تو وہ بدل ہے اور اگر ثانی ہو تو تابع کے لانے سے مقصود یا تو ایسے معنی پر دلالت کرنا ہے جو متبوع میں ثابت ہیں یا متبوع کے معنی کو راسخ کرنا یا اس کی وصاحت کرنا ہے پس اول نعت اور ثانی تاکید اور ثالث عطف بیان ہے اور اگر مقصود بالنسبۃ تابع اور متبوع دونوں ہوں تو معطوف بالحرف۔

سب سے پہلے معلوم ہو کہ کل ثانی كُلُّ متاخر کے معنی میں ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تابع متبوع کے بعد ہر ایسا اسم ہے کہ اگر اس کا متبوع کے ساتھ لحاظ کیا جائے تو وہ اس کے مقابلے میں دوسرے نمبر پر ہو خواہ وہ ذکر میں کہیں بھی ہو۔

جب آپ نے اتنا جان لیا تو اب تابع کی تعریف سنو کہ تابع ہر ایسے دوسرے کو کہتے ہیں جو اپنے سابق کے اعراب کی جنس کے ساتھ ہو جہت واحدہ تخصیہ سے۔

فائدہ: - چند ایک ضروری باتیں اور سمجھ لیجیے کہ فاعل کا وزن دو قسموں پر ہے ایک صفتی اور

دوسرے اسی، پس تابع فاعل اسی ہے صفتی نہیں ہے، لہذا اس کی جمع فواعل کے وزن پر آ سکتی ہے جیسے کہ کابل فاعل اسی ہے اس کی جمع کو اہل کے وزن پر آتی ہے البتہ فاعل صفتی کی جمع فواعل کے وزن پر نہیں آتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہاں اسم کے توابع کا بیان مقصود ہے، لہذا اگر فعل یا حرف کے توابع کو توابع کی تعریف مذکورہ بالا شامل نہیں ہے تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں نیز کل ثان کو کل متاخر کے معنی میں کر لینے کی وجہ سے یہ اعتراض ختم ہو جائے گا کہ جب ایک متبوع کے ایک سے زائد توابع ہوں مثلاً جاء نبي عالم عاقل فاضل عابد وغیرہ تو ظاہر ہے کہ ایک تابع کو چھوڑ کر کوئی ثانی اور کوئی ثالث اور رابع ہے، لہذا اس پر کل ثان صادق نہیں آئے گا تو پھر وہ تابع بھی نہیں ہو سکتے حالانکہ وہ سب تابع ہیں، لہذا تابع کی تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں لیکن جب کل ثان بمعنی کل متاخر ہو گیا تو تابع کی تعریف سب کو عام ہو گئی۔

اسی طرح جب باعراب السابق معنی میں نکلس اعراب السابق ہو گیا تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جب تابع، متبوع کے اعراب کے ساتھ ہوگا تو پھر متبوع بلا اعراب ہوگا۔ نیز بجهة واحده شخصية کی قید سے باب اعطيت کے مفعول ثانی کا مسئلہ حل ہو گیا، کیوں کہ باب اعطيت کے مفعول ثانی کا اعراب بھلے وہی ہے جو مفعول اول کا ہے اور بحیثیت مفعول کے ہے لیکن بجهة واحده نوعية ہے جب کہ شخصية ہونا چاہیے۔

النعۃ تابع یدل علی معنی فی متبوعہ مطلقاً وفائدتہ تخصیص او توضیح وقد یكون لمجرد الشاء او الذم او التوكید نحو نفخة واحده ولا فصل بین ان یكون مشتقاً او غیره اذا كان وضعه لغرض المعنی عموماً نحو تميمی وذی مال او خصوصاً مثل مررت برجل ای رجل ومررت بهذا الرجل وبزید هذا.

ترجمہ:- نعت ایبا تابع ہے جو اپنے متبوع کے معنی پر مطلقاً دلالت کرتا ہے اور نعت کا فائدہ تخصیص یا توضیح ہے اور کبھی نعت محض تعریف یا مذمت یا تاکید کے لیے ہوتی ہے جیسے نفخة واحده اور کوئی فرق نہیں ہے، اس کے درمیان کہ نعت مشتق ہو یا اس کے علاوہ ہو بشرطیکہ نعت کی وضع معنی کی غرض کے لیے عموماً ہو جیسے تميمی اور ذوال مال یا خصوصاً ہو جیسے مررت برجل ای رجل اور مررت بهذا الرجل وبزید هذا.

توضیح:- جب مصنف تابع کی تعریف سے فارغ ہو گئے تو اب اس کی تقسیم کر رہے ہیں پس سب سے پہلے نعت کی تعریف بیان کر رہے ہیں کہ نعت ایسے تابع کو کہتے ہیں جو اپنے متبوع کے معنی پر مطلقاً دلالت کرے یعنی متبوع کے معنی پر وہ دلالت کسی خاص مادہ کے ساتھ مخصوص نہ ہو بلکہ کوئی بھی مادہ ہو وہ

متبوع کے معنی پردال ہو۔

مصنف کا قول النعت تابع جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور ان کا قول يدل على معنى فى متبوعه فصل ہے جس سے تمام توابع سے احتراز ہو گیا۔

مطلقاً کا ایک مطلب تو وہ ہوا جو اوپر مذکور ہوا، کیوں کہ بدل تاکید اور معطوف بحرف بھی گویا یہ معنی پر دلالت کرتے ہیں جو ان کے متبوع میں حاصل ہوتے ہیں لیکن اپنے مواد کی خصوصیت کی وجہ سے۔

اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ نعت ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کے معنی پر بحال النسبة کی قید کے بغیر دلالت کرتا ہے بخلاف تاکید کے کہ وہ متبوع کے معنی پر بحال النسبة کی قید کے ساتھ دلالت کرتا ہے۔

فائدہ :- نعت کا فائدہ متعدد ہوتا ہے، جب متبوع معرفہ ہو تو فائدہ وضاحت ہوتا ہے جیسے زید الظریف تو صیح نام ہے معارف میں حاصل ہونے والے احتمالات کے ختم ہو جانے کا چنانچہ مثال مذکور میں زید ظریف اور غیر ظریف دونوں کا احتمال رکھتا تھا لیکن جب زید کی صفت ظریف لے آئے تو پیدا شدہ احتمال ختم ہو گیا۔

دوسرا فائدہ تخصیص ہے اور یہ فائدہ موصوف کے نکرہ ہونے کی صورت میں حاصل ہوتا تھا جیسے رجل عالم تخصیص کہتے ہیں نکرات میں عموم اور ابہام کے کم کرنے کو۔ چنانچہ مثال مذکور میں رجل، رجل کے ہر فرد کا احتمال رکھتا ہے لیکن جب اس کی صفت عالم لے آئے تو عموم اور احتمال ختم ہو گیا اور رجل اس فرد کے ساتھ مخصوص ہو گیا جو صفت علم کے ساتھ متصف ہو۔

صفت کا تیسرا فائدہ مدح ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب مخاطب کو بیان سے پہلے معلوم ہو کہ موصوف، بیان کی جانے والی صفت کے ساتھ متصف ہے جیسے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور صفت کا چوتھا فائدہ مذمت ہے، جیسے اعدو بالله من الشيطان الرجيم اور پانچواں فائدہ تاکید ہے جیسے نفخة واحدة پس نفخة کی تاء وحدت کے لیے ہے اور واحدة اس کی تاکید ہے۔

ولا فصل بين ان يكون مشتقا او غيره: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ نعت کے لیے مشتق ہونا ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ نعت سے مقصود ایسے معنی پر دلالت ہے جو متبوع میں موجود ہوں تو یہ مقصد جس طرح اسما مشتقہ سے پورا ہوتا ہے جامد سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، لہذا نعت ہونا اسما مشتقہ کا خاصہ نہیں رہا، البتہ اسمائے جامدہ کے لغت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اسمائے جامدہ کی وضع کا مقصد متبوع میں موجود معنی پر دلالت ہو خواہ یہ دلالت تمام استعمالات میں ہوں یہی عموماً کا مطلب ہے جیسے تسمی اور ذوال مال پس تسمی ہمیشہ ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو قبیلہ، بنو جمیم کی طرف منسوب ہو اور ذوال مال ذوال مالدار کی ذات پر دلالت کرتا ہے اور خواہ اس اسم جامدہ کی دلالت معنی متبوع پر خصوصاً یعنی بعض استعمالات میں ہو جیسے

مررت ہر رجل ائی رجل پس ائی رجل اس ترکیب میں ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو متبوع کی ذات میں ثابت ہیں اور وہ معنی ہیں کمال فی الرجولیت لہذا اس کا صفت واقع ہونا درست ہے اور ائی رجل، ائی رجل عندک میں اس معنی مذکور پر دلالت نہیں کرتا، لہذا اس کا نعت واقع ہونا درست نہیں ہے اور مررت بهذا الرجل میں هذا ذات مبہم پر دلالت کرتا ہے اور الرجل ذات مبہم کے تعین پر دلالت کرتا ہے اور یہ تعین ایسے معنی ہیں جو ذات مبہم یعنی متبوع میں ثابت ہیں پس الرجل کا صفت واقع ہونا درست ہے۔ اور الرجل جاء فی الرجل میں اس معنی پر یعنی ذات مبہم کے تعین پر دلالت نہیں کرتا، لہذا اس کا صفت واقع ہونا درست نہیں اور مررت بزيد هذا کی ترکیب میں هذا ایسے معنی پر دلالت کرتا ہے جو زید میں ثابت ہیں اور وہ معنی ہیں زید کا اشارہ حسیہ کے ساتھ مشاریہ ہونا پس هذا کا باوجود جلد ہونے کے زید کی صفت واقع ہونا درست ہے، جب کہ هذا مررت بهذا زید کی ترکیب میں اس معنی مذکور پر دلالت نہیں کرتا، لہذا اس کا صفت واقع ہونا درست نہیں۔

وتوصف النكرة بالجملة الخبرية ويلزم الضمير وتوصف بحال الموصوف وبحال متعلقه نحو مررت برجل حسن غلامه فالاول يتبعه في الاعراب والتعريف والتكبير والافراد والتشبيه والجمع والتذكير والتانيث والثاني يتبعه في الخمسة الأول وفي البواقي كالفعل ومن ثم حسن قام رجل قاعد غلامه وضعف قاعدون غلامه ويجوز قعود غلامه.

ترجمہ:- اور نکرہ کو صفت بنایا جاتا ہے جملہ خبریہ کی اور لازم ہوتی ہے ضمیر اور صفت لائی جاتی ہے موصوف کے حال اور اس کے متعلق کے حال کے ساتھ جیسے مررت برجل حسن غلامہ پس اول موصوف کے تابع ہوتی ہے اعراب اور تعریف اور تکبیر اور افراد اور تشبیہ اور جمع اور تذكیر و تانیث میں اور ہم ثانی اس کے تابع ہوتی ہے شروع کی پانچ چیزوں میں اور باقی میں فعل کی طرح ہے اور اسی وجہ سے بہتر ہے قام رجل قاعد غلامہ اور ضعیف ہے قاعدون غلامہ اور جائز ہے قعود غلامہ.

توضیح:- وتوصف النكرة الجملة الخبرية: اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح مفرد صفت واقع ہوتا ہے اسی طرح جملہ بھی صفت واقع ہوتا ہے، کیوں کہ صفت سے مقصد ایسے معنی پر دلالت ہے جو متبوع میں ثابت ہوں تو یہ غرض جس طرح مفردات سے حاصل ہوتی ہے جملہ سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ لہذا جس طرح مفرد کا صفت بنتا صحیح ہے، اسی طرح جملہ کا بھی صفت واقع ہونا درست ہے۔

البتہ وہ جملہ، جملہ خبریہ ہونا چاہئے خواہ اسمیہ ہو یا فعلیہ۔ ظرفیہ ہو یا شرطیہ۔ خبریہ کی قید اس لیے لگائی

کہ صفت موصوف کے ساتھ مربوط ہوتی ہے جب کہ انشاء ربط کو قبول نہیں کرتا الا یہ کہ تاویل بعید کا سہارا لیا جائے۔ رہی بات جملہ کے صرف نکرہ کی صفت واقع ہونے کی تو اس لیے کہ جملہ من حیث الجملہ نکرہ کے حکم میں ہوتا ہے، لہذا جملہ خبریہ صرف نکرہ کی ہی صفت واقع ہوگا معرفہ کی صفت نہیں واقع ہو سکتا۔

ویلزم الضمیر: اس کا مطلب یہ ہے کہ جب جملہ صفت واقع ہو تو اس میں ایک ایسی ضمیر چاہئے کہ جو موصوف کی طرف اوست رہی ہو، کیوں کہ موصوف اور صفت کے درمیان اتحاد اور ربط ہوتا ہے جب کہ جملہ مستقل بالذات ہونے کی وجہ سے بجائے موصوف کے مربوط ہونے اس سے بے نیاز ہوتا ہے، لہذا جملہ میں رابطہ ضروری ہے اور رابطہ عائد ہی ہو سکتا ہے، اس لیے جملہ میں موصوف کی طرف لوٹنے والی ضمیر ضروری ہے۔

وتوصف بحال الموصوف الخ: مصنف یہاں سے صفت کی تقسیم کر رہے ہیں کہ صفت کی دو قسمیں ہیں ایک صفت بحال الموصوف اور دوسری قسم صفت بحال متعلق الموصوف، صفت بحال الموصوف اس صفت کو کہتے ہیں جو واقعہ بالذات صفتی معنی کو موصوف کے لیے ثابت کرے اور صفت بحال متعلق الموصوف وہ صفتی معنی ہے جو بالذات موصوف کے متعلق کے لیے ثابت ہو اور بالاعتبار موصوف کے لیے۔ پہلے کی مثال جاء نی رجل عالمہ اور دوسرے کی مثال مردت بوجہ حسن غلامہ۔

فالاول يتبعه في الاعراب الخ: قسم اول اپنے متبوع کی دس چیزوں میں تابع ہوتی ہے وہ دس چیزیں یہ ہیں اعراب یعنی رفع، نصب اور جر میں، معرفہ اور نکرہ ہونے میں، مفرد، ثننیہ اور جمع ہونے میں، تذکیر اور تانیث میں اب سب کی عطفیں سینے! تو موصوف اور صفت کے درمیان اعراب میں درہر سہ حالت مطابقت اس لیے ضروری ہے کہ نعت یعنی صفت کا اعراب اسی جہت سے ہوتا ہے جس جہت سے منعت کا اعراب ہے، لہذا نعت کے اعراب کا منعت کے اعراب کے مثل ہونا ضروری ہے۔ اور تعریف اور تنکیر کے لحاظ سے مطابقت اس لیے ضروری ہے کہ نعت سے مراد معنی کے اعتبار سے منعت ہی ہوتا ہے، لہذا جب دونوں مراد ایک ہوئے تو دونوں میں بایں لحاظ مطابقت بھی لازمی ہوگئی۔ اور بقیہ پانچ چیزوں میں مطابقت اس لیے شرط ہے کہ معنی کے لحاظ سے صفت اس ذات کا نام ہے جو اس صفت کے لیے متبوع یعنی موصوف بنائی گئی ہے۔

البتہ یہ یاد رہے کہ بیک وقت دس میں سے صرف چار چیزیں ہی کسی کلمہ میں پائی جائیں گی اس لیے کہ ان میں آپس میں منافات ہے مثلاً جو مرفوع ہوگا وہ اسی وقت میں منصوب اور مجرور نہ ہوگا، اسی طرح جو معرفہ ہوگا وہ نکرہ نہ ہوگا جو مذکر ہوگا وہ مؤنث نہ ہوگا، اور جو مفرد ہوگا وہ ثننیہ اور جمع نہ ہوگا۔

اور قسم ثانی موصوف کی شروع کی پانچ چیزوں میں تابع ہوتی ہے یعنی رفع، نصب، جر، تعریف اور تنکیر اور باقی پانچ چیزوں یعنی افراد، ثننیہ اور جمع، تذکیر اور تانیث میں فعل کی طرح ہے، اس لیے کہ نعت کی قسم ثانی

فعل کے مشابہ ہے اور فعل جب اسم ظاہر کی طرف مسند ہوتا ہے تو فعل ہمیشہ مفرد ہوتا ہے اور جب ضمیر کی طرف مسند ہوتا ہے تو واحد کے لیے واحد، تشبیہ کے لیے تشبیہ، اور جمع کے لیے جمع ہوتا ہے۔ اور جب فعل اسم ظاہر مؤنث حقیقی کی طرف بلا فصل مسند ہو یا ضمیر مؤنث کی طرف مطلقاً مسند ہو تو اس وقت فعل کی تانیث واجب ہوتی ہے اور جب فعل اسم ظاہر مؤنث غیر حقیقی کی طرف مسند ہو یا اسم ظاہر مؤنث کی طرف فصل کے ساتھ مسند ہو تو اس میں فعل کی تذکیر و تانیث کے درمیان اختیار ہوتا ہے نیز یہ اختیار فاعل کے اسم ظاہر جمع مکرر کی صورت میں بھی رہتا ہے تو اسی طریقہ سے ان تمام چیزوں میں دوسری قسم کی صفت موصوف کے متعلق کے حق میں ہوگی۔

ومن ثم: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ چونکہ دوسری قسم کی صفت اخیر کے پانچ باتوں میں فعل کی طرح ہے، لہذا قام رجل قاعد غلمانہ کی ترکیب عمدہ ہے، اس لیے کہ قاعد غلمانہ یقعد غلمانہ کے درجہ میں ہے اور قام رجل قاعدون غلمانہ کی ترکیب ضعیف ہے، اس لیے کہ قاعدون غلمانہ یقعدون غلمانہ کے حکم میں ہے، جب کہ قاعدہ ہے کہ فاعل تشبیہ اور جمع کی علامت کا اس فعل کے ساتھ لاحق کرنا جو اسم ظاہر کی طرف مسند ہو ضعیف ہے، اس لیے کہ اس طرح کرنے میں دو فاعلوں کا جمع کرنا لازم آتا ہے۔ اور قام رجل قعود غلمانہ کی ترکیب درست ہے، کیوں کہ قعود جمع مکرر ہے اور جمع مکرر مفرد کے حکم میں ہوتا ہے پس قعود باوجود جمع ہونے کے گویا جمع نہیں ہے، لہذا اضابطہ نہیں ٹوٹا۔

والمضممر لا يُوصَفُ ولا يُوصَفُ بهِ والموصوفُ اخصُّ او مُساوٍ ومن ثم لم يُوصَفَ ذو اللام الا بمثله او بالمضافِ اليه مثله وانما التزم وصَفُ بابِ هذا بذی اللام للابہام ومن ثم ضَعُفَ مررثُ بهذا الابيض وحسنُ بهذا العالمِ .

ترجمہ:- اور ضمیر نہ موصوف ہوئی ہے اور نہ صفت بنائی جاتی ہے۔ اور موصوف اخص یا مساوی ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ذو اللام کی صفت نہیں لائی جاتی مگر اس کے مثل کے ساتھ یا اس اسم کے ساتھ جو اس کے مثل کی طرف مضاف ہو اور بلاشبہ لازم ہے بابِ هذا کی صفت ذو اللام کے ساتھ ابہام کی وجہ سے اور اسی وجہ سے ضعیف ہے مررثُ بهذا الابيض اور عمدہ ہے بهذا العالمِ .

والمضممر لا یوصف الخ: ضمیر کے موصوف نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ضمیر متکلم اور مخاطب اعرف المعارف ہیں لہذا ان دونوں کے توضیح کی کوئی ضرورت نہیں رہی بات ضمیر غائب کی تو ضمیر غائب اعرف المعارف نہیں ہے، لیکن وہ بھی باب کی موافقت میں متکلم اور مخاطب پر محمول ہے۔ رہی بات ضمائر کے لیے صفت مارج اور ذام کی تو چونکہ ضمیر اعرف المعارف ہونے کی وجہ سے صفت توضیح اور تخصیص کی محتاج نہیں ہے، لہذا باب کی موافقت میں یعنی صفت توضیح اور تخصیص کے عدم احتیاج کی ادعا عایت میں صفت مارج اور

ذام کی بھی گنجائش نہیں رہی تاکہ جملہ ضمائر کا حکم ایک سا ہو جائے۔

اور ضمائر صفت اس لیے نہیں ہو سکتیں کہ صفت اسے کہتے ہیں جو متبوع کے معنی پر دال ہو جب کہ ضمیر ذات پر دلالت کرتی ہے وہ کسی ایسے معنی پر دلالت کی متحمل نہیں جو اس کے متبوع میں پائے جاتے ہیں، لہذا ضمیر کے صفت بننے کا کوئی سوال ہی نہیں۔

والموصوف اخص او مساو: اس کا حاصل یہ ہے کہ چونکہ موصوف کا صفت سے اخص یا کم از کم صفت کے مساوی ہونا ضروری ہے اس لیے معرف باللام کی صفت معرف باللام یا موصول ہوگا یا وہ اسم ہوگا جو معرف باللام کی طرف مضاف ہو پہلے کی مثال جاء نی الرجل ن الظریف دوسرے کی مثال جاء نی الرجل اللدی کان عندک امس، تیسرے کی مثال جاء نی الرجل صاحب الفرس.

وانما التزم وصف باب هذا: یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کہا موصوف میں شرط یہ ہے کہ موصوف، صفت سے خاص ہو یا صفت کے مساوی ہو تو اس بنیاد پر مناسب ہے کہ اسم اشارہ کی صفت اسم اشارہ لانا درست ہو، کیوں کہ دونوں میں مساوات پائی جائے گی اس کے باوجود نحویوں نے باب ہذا کی صفت معرف باللام کو لازم قرار دیا ہے۔ تو مصنف نے اپنے قول وانما التزم وصف باب ہذا سے جواب دیا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ باب ہذا میں پایا جانے والا ابہام اصل وضع کے لحاظ سے جنس کے بیان کا تقاضہ کرتا ہے پس جب جنس سے ابہام کے رفع کا ارادہ کیا جائے تو یا تو وہ ابہام مضاف کے ذریعہ، یا اسم اشارہ کے ذریعہ یا معرف باللام کے ذریعہ دور کیا جاسکتا تھا، لیکن پہلی صورت میں استعارہ من المستعیر لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں اور دوسری صورت میں ایک اسم اشارہ میں پائے جانے والے ابہام کا دور کرنا دوسرے اسم اشارہ سے ممکن نہیں، کیوں کہ اسم اشارہ مبہم بالذات ہوتا ہے تو وہ دوسرے سے ابہام کو کیوں کر دور کر سکے گا پس معرف باللام ضرورۃً متعین ہو گیا۔

ومن ثم ضعف: اس کا ما حاصل یہ ہے کہ چون کہ باب ہذا کی صفت معرف باللام کے ساتھ ابہام کو دور کرنے کے لیے لازم ہے، لہذا مردت بهذا الابيض کی ترکیب ضعیف ہے، کیوں کہ سفیدی صرف ایک ہی جنس کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لہذا جنس مبہم کی وضاحت اس سے نہ ہوگی، جب کہ مررت بهذا العالم کی ترکیب عمدہ ہے، اس لیے کہ علم انسان کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ مردوں میں غالب ہے پس العالم سے جنس مبہم کا بیان ہو جائے گا جو کہ مقصود ہے۔

العطف تابع مقصوداً بالنسبة مع متبوعه ويتوسط بينه وبين متبوعه أحد الحروف العشرة وسياتى مثل قام زيدٌ وعمراً واذا عطف على المرفوع المتصل أكد. بمنفصل مثل ضربت انا وزيداً الا ان يقع لفصل فيجوز تركه مثل ضربت اليوم

وزیدٌ واذا عطفَ علی الضمیر المجرور أُعیدَ الخافض نحو مررت بك ووزید.

ترجمہ:- عطف ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کے ساتھ مقصود بالنسبہ ہوتا ہے اور اس حروف میں سے کوئی ایک معطوف اور اس کے متبوع کے درمیان ہوتا ہے۔ اور عنقریب (اس کا بیان) آجائے گا۔ جیسے قام زید و عمرو اور جب عطف کیا جائے مرفوع متصل پر تو منفصل سے تاکید لائی جائے گی جیسے ضربت انا و زید مگر یہ کہ فصل واقع ہو پس جائز ہے اس کا ترک جیسے ضربت الیوم و زید اور جب عطف کیا جائے ضمیر مجرور پر تو اعادہ کیا جائے گا حرف جار کا جیسے مررت بك و بزید۔

توضیح:- سب سے پہلے معلوم ہو کہ عطف معطوف کے معنی میں ہے۔ معطوف ایسا تابع ہے جو اپنے متبوع کے ساتھ مقصود بالنسبہ ہوتا ہے پس مصنف کا قول ”تابع“ جنس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور ان کا قول مقصود بالنسبہ فصل ہے، چنانچہ اس سے بدل کے ماسوا تمام توابع سے احتراز ہو گیا اور ان کے قول مع متبوع سے بدل سے احتراز ہو گیا۔

اتنا جان لینے کے بعد ایک سوال اور اس کا جواب سمجھئے۔ سوال یہ ہے کہ معطوف کی تعریف مذکور اپنے افراد کے لیے جامع نہیں ہے، اس لیے کہ اس تعریف سے معطوف بلا اور بل اور لکن، او، اما ام نکل گیا اس لیے کہ مقصود ان حروف کے ساتھ دوامروں میں سے کوئی ایک ہوتا ہے تابع یا متبوع دونوں نہیں ہوتے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ متبوع کے مقصود ہونے سے مراد یہ ہے کہ متبوع، تابع کے ذکر کے لیے وسیلہ نہ ہو اور تابع کے مقصود ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ متبوع پر متفرع نہ ہو اور کوئی شک نہیں ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں ان حروف کے ساتھ اس معنی اور مراد مذکور کے اعتبار سے مقصود ہیں۔

و بتوسط بینہ و بین متبوعہ: اس کا حاصل صرف اتنا ہے کہ معطوف علیہ اور اس کے معطوف کے درمیان حرف عطف ہوتا ہے جیسے قام زید و عمرو اور اس نکلنا کا اضافہ تعریف کی زیادتی تو صیح کے لیے ہے۔

واذ عطف المرفوع المتصل: مصنف یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ جب کسی اسم ظاہر کا ضمیر مرفوع متصل پر عطف کیا جائے تو اس معطوف علیہ یعنی ضمیر مرفوع متصل کی ضمیر مرفوع منفصل سے تاکید لانا ضروری ہے، کیونکہ ضمیر مرفوع متصل لفظاً اور معنی جزء فعل کی طرح ہے تو اگر متصل پر بغیر منفصل کی تاکید کے عطف کیا جائے تو کلمہ کے بعض حروف پر عطف کرنا لازم آئے گا اور یہ باطل ہے جیسے ضربت انا و زید البتہ اگر معطوف علیہ ضمیر مرفوع متصل اور معطوف کے درمیان فصل واقع ہو جائے تو منفصل کے ساتھ تاکید کا ترک درست ہے، اس لیے کہ کلام میں طبعاً فصل کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔

لہذا اختصار ترک تاکید کے ذریعہ بہتر ہے۔ خواہ فصل حرف عطف سے پہلے ہو جیسے ضربت الیوم و زید یا فصل حرف عطف کے بعد ہو جیسے ما أشرکنا ولا آباءنا۔

ویجوز ترکہ: مصنف کے قول ویجوز ترکہ میں اشارہ ہے کہ بصورت فصل اگر معطوف علیہ ضمیر مرفوع متصل کی تاکید منفصل کے ساتھ کوئی لانا چاہتا ہے تو اس کی گنجائش ہے۔ جیسے فککبوا فیہا ہم والفاؤن۔ صورت مذکورہ میں ترک تاکید واجب نہیں ہے۔

وإذا عطف علی الضمیر المجرور: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر ضمیر مجرور پر کسی اسم کا عطف کیا جائے تو حرف جار کا اعادہ ضروری ہوتا ہے اس لیے کہ جار اور مجرور کے درمیان کا اتصال فعل اور اس کے فاعل کے درمیان کے اتصال سے اشد ہوتا ہے پس جب ضمیر مرفوع متصل پر عطف بلا منفصل کے ساتھ تاکید لائے درست نہیں ہے تو ضمیر مجرور پر عطف بغیر اعادہ جار کے کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ اس لیے حرف جار کا اعادہ ضروری ہے۔

والمعطوف فی حکم المعطوف علیہ ومن ثم لم یجز فی مازید بقائم او قائمًا ولا ذاہب عمرو الا الرفع وانما جاز الذی یطیر فیغضب زید الذباب لانها فاء السببية واذ عطف علی عاملین مختلفین لم یجز خلافًا للفراء الا فی نحو فی الدار زید والحجرۃ عمرو خلافًا لسیبویہ .

ترجمہ:- اور معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے اور اس وجہ سے نہیں جائز ہے مازید بقائم او قائمًا اور لا ذاہب عمرو میں مگر رفع اور بے شک جائز ہے الذی یطیر فیغضب زید الذباب اس لیے کہ فاء سببیت کی ہے۔ اور جب عطف کیا جائے دو مختلف عاملوں پر تو نہیں جائز ہے مخالفت کرتے ہوئے فراء کی مگر فی الدار زید والحجرۃ عمرو جیسے میں مخالفت کرتے ہوئے سببویہ کی۔

والمعطوف فی حکم المعطوف علیہ: حاصل عبارت یہ ہے کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ان تمام چیزوں میں ہوتا ہے جو معطوف علیہ میں جائز اور ناجائز ہوں۔ اور معطوف علیہ جو کچھ ترک کیا واقع ہوگا وہی معطوف واقع ہوگا جیسے جاء نی زید العالم والعافل کہ معطوف علیہ صفت واقع ہے تو معطوف بھی صفت واقع ہو سکتا ہے، اسی طرح جاء الذی صلی وصام کہ صام صلی کی طرح صلہ ہے۔

اسی طرح جو چیز معطوف علیہ میں ضروری ہوگی وہ معطوف میں بھی ضروری ہوگی مثلاً اگر معطوف علیہ میں ضمیر جملہ یا صلہ ہونے کی وجہ سے ضروری ہے تو معطوف میں بھی ضمیر عائد ضروری ہوگی۔

البتہ وہی ان رہے کہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں انھیں احوال عارضہ میں ہوتا ہے کہ جو احوال معطوف علیہ کو اس کے ماثل کے اعتبار سے لاحق ہوتے ہیں، لہذا معرب اور مبنی ہونے واحد، مشبہ، جمع وغیرہ میں معطوف کا معطوف علیہ کے حکم میں ہونا ضروری نہیں ہے، کیوں کہ یہ احوال معطوف علیہ کو اس کی ذات کے اعتبار سے لاحق ہوتے ہیں۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ معطوف، معطوف علیہ کے حکم میں بھی ہوگا جب معطوف علیہ میں جو حکم پایا جاتا ہے اس کا تقاضہ کرنے والا معطوف میں نہ پایا جائے تو پھر معطوف علیہ کا حکم معطوف پر نافذ نہ ہوگا۔ جیسے کہ یارجل والحارث کہ راجل منادی ہونے کی وجہ سے معرفہ ہو گیا لہذا اس پر الف لام داخل نہیں ہو سکتا ورنہ دو آگے تعریف کا بلا فصل ایک ہی کلمہ میں داخل ہونا لازم آئے گا۔ جب کہ الحارث پر الف لام کا داخل ہونا درست ہے، کیوں کہ حرف نداء کے اس پر نہ ہونے کی وجہ سے الف لام کے دخول کی صورت میں دو آگے تعریف کا بیک وقت اس پر داخل ہونا لازم نہیں آئے گا اسی وجہ سے کہ معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے مازید بقائم او قائماً ولا ذاہب عمرو میں ذاہب مرفوع ہوگا عطف کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے مجرور یا منصوب نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ معطوف علیہ بقائم یا قائماً میں ہو کی ضمیر ہے جو ما کے اسم کی طرف راجع ہے، جب کہ معطوف ذاہب اسم ظاہر کی طرف مسند ہونے کی وجہ سے ضمیر سے خالی ہے، لہذا عطف درست نہ ہوگا پس ولا ذاہب عمرو، بقائم پر عطف کی وجہ سے مجرور یا قائماً پر معطوف ہو کر منصوب نہیں ہو سکتا، کیوں کہ یہ ترکیب ما کی خبر نہیں ہو سکتا جب کہ بقائم یا قائماً خبر ہے۔

وانما جاز الخ: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ آپ کا یہ قاعدہ کہ جب معطوف معطوف علیہ کے حکم میں ہوتا ہے تب عطف درست ہوتا ہے ورنہ نہیں الذی بطیر فیغضب زید الذباب سے ٹوٹ گیا، اس لیے کہ بطیر میں ایک ضمیر ہے جو الذی موصول کی طرف لوٹ رہی ہے اور فیغضب اس پر معطوف ہے جب کہ اس میں کوئی ضمیر نہیں کیوں کہ فیغضب کا اسم ظاہر فاعل موجود ہے تو مصنف نے اپنے قول وانما جاز سے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کا اعتراض تب درست ہوتا جب فاء برائے عطف ہوتی لیکن یہاں پر فاء برائے سمیت ہے، لہذا قاعدہ نہیں ٹوٹا۔

واذا عطف علی عاملین الخ: خلاصہ یہ ہے کہ جب دو مختلف عاملوں کے دو مختلف معمولوں پر ایک ہی حرف عطف کے ذریعہ عطف کیا جائے تو یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ دو آگے حرف عطف ضعیف العمل ہے دو مختلف عاملوں کا قائم مقام نہیں ہو سکتا، یعنی اس کی ایسی لیاقت نہیں ہے کہ وہ دو مختلف عاملوں کے اثر دو مختلف معمولوں تک پہنچانے میں واسطہ بن سکے البتہ فی الدار زید والحجرة عمرو جیسی ترکیب میں دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر ایک ہی حرف عطف کے واسطے سے عطف درست ہے۔

فی الدار زید والحجرة عمرو جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں مجرور، معطوف اور معطوف علیہ دونوں کی جانب میں مقدم ہو، ترکیب مذکورہ میں الدار میں فی عامل ہے اور اس پر الحجرة کا عطف ہے، اور زید میں ابتداء عامل ہے اور اس پر عمرو کا عطف ہے۔ اس ترکیب کے درست ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ عطف کلام عرب میں خلاف قیاس بنا گیا ہے اور کسی ترکیب کے صحیح ہونے

کے لیے اتنا کافی ہے کہ اسے عرب استعمال کرتے ہوں بھلے اس کا عمل سماع کے مورد پر ہی منحصر رہے یہ تو جمہور کا نظریہ ہے۔ اب ذرا فراء کی بھی رائے سنتے چلیے تو فراء کے نزدیک مطلقاً دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر عطف درست ہے خواہ معطوف اور معطوف علیہ کی جانب میں مجرور مقدم ہو یا نہ ہوں۔ وہ عربوں کے اس قول ما کل سوداء ثمرۃ و بیضاء شحمة سے استدلال کرتے ہیں (ہر کالی چیز کھجور اور سفید چیز چربی نہیں ہوتی) اس میں بیضاء سوداء پر معطوف اور سوداء میں کُلُّ عامل ہے اور شحمة ثمرۃ پر معطوف ہے اور ثمر میں عامل ما ہے نیز فراء کا استدلال شاعر کے اس قول سے بھی اکل المرء تحسین امرأ و نار توقد باللیل نارا (کیا تو ہر آدمی کو آدمی اور ہر رات میں جلتی آگ کو آگ خیال کرتی ہے) جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہ دونوں مثالیں سماع کے مورد کے ساتھ مخصوص ہیں ان پر دوسری ترکیبوں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا یا یہ دونوں قول ما اول ہیں یعنی پہلا قول ما کل سوداء ثمرۃ و ما کل بیضاء شحمة کی تاویل میں ہے جب کہ دوسرا قول اکل امرء تحسین امرء و اکل نار توقد باللیل تحسین نارا کے معنی میں ہے۔

جب کہ سیبویہ کا نظریہ جمہور اور فراء دونوں سے مختلف ہے سیبویہ کا کہنا ہے کہ دو مختلف عاملوں کے معمولوں پر ایک حرف عطف کے واسطے سے مطلقاً عطف درست نہیں خواہ مجرور معطوف علیہ اور معطوف سے مقدم ہو یا نہ ہو ان کی دلیل یہ ہے کہ حرف عطف قائم مقام عامل کے ہوتا ہے اور واؤ ضعیف العمل ہے، لہذا یہ دو مختلف عاملوں کا قائم مقام نہیں بن سکتا، لہذا اس پر عطف بھی جائز نہیں، ہاں اگر ایک عامل کے دو مختلف معمولوں پر ایک حرف عطف کے ذریعہ عطف کیا جائے تو یہ بالاتفاق درست ہے جیسے ضرب زید عمرو او خالد بکرا۔

التاکیدُ تابعٌ یقرّرُ امرَ المتبوعِ فی النسبۃِ او الشُمولِ وَهُوَ لفظیٌّ وَمعنویٌّ فاللفظیُّ تکریرُ اللفظِ الاولِ نحو جاءَ نى زیدٌ و یجری فی الالفاظِ کُلِّها وَالمعنویُّ بالفاظِ محصورةٍ وَهی نفسُهُ وَعینُهُ وَکلاهُما وَکُلُّهُ وَاجْمَعُ وَاکتَعُ وَابتعُ وَابصعُ فالاولانِ یعمّانِ باختلافِ صیغتهما وَضمیرهما تقولُ نفسهُ وَنفسها وَانفسهما وَانفسهم وَانفسهنَّ وَالثانی للثنائی تقولُ کلاهُما وَکلتاهُما وَالباقی لغيرِ المثنی باختلافِ الضمیرِ فی کلہِ وَکلها وَکُلهم وَکلهنَّ وَالصّیغِ فی البواقی تقولُ جمعٌ وَجمعاءً وَاجمعونَ وَجمّع .

ترجمہ: تاکید ایسا تابع ہے جو متبوع کی حالت نسبت یا شمول میں ثابت کرتا ہے اور وہ لفظی اور معنوی ہوتا ہے، پس تاکید لفظی پہلے لفظ کا مکرر ہونا ہے جیسے جاء نى زیدٌ و یجری فی الالفاظِ کُلِّها اور معنوی ہوتا ہے، پس تاکید لفظی تمام الفاظ

میں جاری ہوتی ہے۔ اور تاکید معنوی محدود الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ نفسہ اور عینہ اور کلاہما اور کلناہا اور باقی ثثنیہ کے علاوہ کے لیے ہیں ضمیر کے اختلاف کے ساتھ کلاہ اور کلہما اور کلہم اور کلہن اور صیغوں کے اختلاف کے ساتھ باقی میں تم کہو اجمع اور جمعاء اور اجمعون اور جمع۔

توضیح:- اب تاکید کی تعریف کر رہے ہیں تو تاکید ایسا تابع ہے جو متبوع کی حالت، نسبت یعنی اس کے منسوب یا منسوب الیہ ہونے میں یا متبوع کے شمول میں ثابت کرتا ہے یعنی اس بات کو راسخ کرتا ہے کہ متبوع اپنے تمام افراد کو عام ہے۔ مصنف کا قول ”تابع“ جس ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور ان کا قول بقور المتبوع فصل ہے، چنانچہ اس سے تمام توابع سے احتراز ہو گیا۔

اب سنیے کہ تاکید کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ تو تاکید کے تمام الفاظ کا مقصد یا تو سامع سے غفلت کے نقصان کو دور کرنا ہے یا شکلم کے بارے میں غلط گمان یا مجاز یا تخصیص کے گمان کو ختم کرنا ہے۔ تاکید کی دو قسمیں ہیں لفظی اور معنوی اور وجہ حصر یہ ہے کہ یا تو تاکید صرف لفظ اول کے تکرار سے ہوگی یا معنی کے تکرار سے ہوگی پہلی صورت تاکید لفظی کی ہے اور دوسری صورت تاکید معنوی کی، تاکید لفظی کہتے ہیں لفظ اول کے تکرار کو جیسے جاء نی زید زید۔ لفظ اول سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ لفظ ترکیب میں سب سے پہلے واقع ہو، بلکہ اس کا مطلب ہے لفظ اول بلحاظ ثانی کے خواہ وہ لفظ ترکیب کے شروع میں ہو یا کہیں بھی ہو پس نہیں کہا جاسکتا کہ جاء نی زید زید میں زید لفظ اول نہیں ہے، بلکہ اول جاء اور زید لفظ ثانی ہے لہذا تاکید کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی، حالانکہ وہ تاکید لفظی کی مثال ہے اس لیے کہ زید لفظ اول ہے بلحاظ زید ثانی کے پس تعریف اس پر صادق ہے۔

ویجرى فى الالفاظ: اس کا مطلب یہ ہے کہ تاکید لفظی تمام الفاظ میں خواہ وہ اسم ہوں یا فعل، حرف ہوں یا جملے، مرکبات تقید یہ ہوں یا غیر تقید یہ سب میں پائی جاسکتی ہے۔

اور تاکید معنوی مخصوص اور محدود الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے اور وہ نفس، عین، کلا اور کلنا، کل، اکتع، اجمع، ابتع، ابصع ہیں۔

قالاولان يعمان: اب موقع استعمال اور طریقہ استعمال بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ نفس اور عین ان کا استعمال واحد، ثثنیہ، جمع اور مؤنث سب کی تاکید کے لیے ہو سکتا ہے البتہ صیغہ اور ضمیر دونوں حسب مؤنث تبدیل ہوتے رہیں گے، چنانچہ واحد مذکر کی تاکید کی صورت میں نفسہ اور عینہ اور واحد مؤنث کی تاکید کی صورت میں نفسہا اور اعینہا استعمال ہوگا اور ثثنیہ مذکر اور مؤنث کے لیے المران اور المرانان نفسہما اور عینہما استعمال ہوگا، انفسہما کا استعمال بھی ثثنیہ مذکر اور مؤنث کے لیے ہو سکتا ہے اور صیغہ جمع کا استعمال یا تو ثثنیہ کو جمع کے ساتھ الحاق کی وجہ سے یا ثثنیہ کے اقل جمع ہونے کی وجہ

سے ہے۔

ابن کیران کا کہنا ہے کہ مذکورہ بالا موقع کے لیے نفساھما اور عیناھما کا استعمال ہوگا البتہ استعمال اول افضل ہے، کیوں کہ قلوبکما کا استعمال قلبا کما سے بہتر ہے۔

اور قسم ثانی یعنی کلا اور کلنا کا استعمال تشبیہ کی تاکید کے لیے ہوتا ہے مذکر کے لیے کلاھما اور مؤنث کے لیے کلناھما برائے تاکید مستعمل ہوگا۔ اور باقی الفاظ تاکید یعنی کل اور اجمع اور اکتع اور ابتع اور ابصع ماسوائے تشبیہ سب کے لیے مستعمل ہوں گے البتہ کل بجائے صیغہ کے ضمیر کے اختلاف کے ساتھ استعمال ہوگا جب کہ اجمع اور اس کے اخوات کا استعمال صرف صیغوں کے اختلاف کے ساتھ ہوگا چنانچہ مفرد کے لیے اجمع اور مفرد مؤنث کے لیے جمعاء اور جمع مذکر کے لیے اجمعون اور جمع مؤنث کے لیے جُمع استعمال کیا جائے گا۔ اسی طرح اس کے اخوات کا حال ہے۔

فائدہ:- دھیان رہے کہ جب اکتع، ابتع اور ابصع کو اجمع سے علیحدہ کر کے یعنی بغیر اجمع کے استعمال کیا جائے تو ان کے کوئی معنی ہوں گے یا نہیں تو اس میں اختلاف ہے تو بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ تینوں اسماء جب جمع کے ساتھ مستعمل ہوں گے تو اجمع کے معنی میں ہوں گے باقی جب بغیر اجمع کے مستعمل ہوں تو علیحدہ ان کے کوئی معنی نہیں ہیں جب کہ دوسرے بعض حضرات کی رائے ہے کہ اگر یہ اجمع کے ساتھ مستعمل ہوں تب تو اجمع کے معنی میں ہی ہوں گے لیکن اگر بغیر اجمع کے استعمال ہوں تو ان کے مستقل معنی ہوتے ہیں۔ چنانچہ اکتع مشتق ہے حَوْلَ کتَع سے جو مکمل کے معنی میں ہے۔ اسی طرح ابصع مشتق ہے عربوں کے قول بَصَعَ العَرَفُ سے جو بے کے معنی میں ہے اور اگر ابصع ہے تو بَصَعَ سے مشتق ہوگا جو سیراب ہونے کے معنی میں ہے۔ اور ابتع مشتق ہے بتع سے جو لمبی گردن کے معنی میں ہے۔

ولا یؤکد بکلّ و اجمع الا ذو اجزاء یصحّ الفتراقھا حسّاً او حکماً مثل اکرمت القوم کلّھم واشتریت العبد کُلّہ بخلاف جاء زید کُلّہ و اذا اکتد الضمیر المرفوع المتصل بالنفس والعین اکتد بمنفصل مثل ضربت انت نفسک و اکتع واخواہ اتباع لا جمع فلا تتقدّم علیہ و ذکرھا ذونہ ضعیف .

ترجمہ:- اور نہیں تاکید لائی جاتی مگر ایسے اجزا والی چیز کی کہ جن اجزاء کا جدا ہونا حساً یا حکماً درست ہو جیسے اکرمت القوم کلّھم واشتریت العبد کُلّہ بخلاف جاء زید کُلّہ کے اور جب تاکید لائی جائے ضمیر مرفوع متصل کی نفس اور عین کے ساتھ تو تاکید لائی جائے گی منفصل کے ساتھ جیسے ضربت

انت نفسک. اور اکتع اور اس کے بھائی اجمع کے تابع ہیں پس وہ نہیں مقدم ہو سکتے اجمع پر اور ان کا ذکر بغیر اجمع کے ضعیف ہے۔

ولا يؤكده كل الخ: اس ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ کل اور "اجمع" سے تاکید اسی چیز کی لائی جاسکتی ہے کہ جس کے اجزاء کا حساً یا حکماً جدا ہونا ممکن ہو اور ایسا اس لیے ضروری ہے کہ کل، کلیت اور اجمع، جمعیت پر دلالت کرتا ہے اور یہ معنی ذواجزاء میں ہی متحقق ہو سکتے ہیں پہلے کی مثال اکرمت القوم کلہم ہے کہ کلہم قوم کی تاکید کے واسطے ہے اور قوم کے افراد کا محسوس طور پر ایک دوسرے سے جدا ہونا عالم آشکارا ہے۔ اور اشتریت العبد کلہ حکماً افتراق کی مثال ہے پس کلہ العبد کی تاکید کے لیے ہے اور عہد کے اجزاء بلحاظ بعض افعال یعنی بیع و شراء جدا ہوتے ہیں، کیوں کہ اسکے نصف یا ٹکٹ یا ربح کا خریدنا ممکن ہے۔ بعض افعال کی قید اس لیے لگائی کیوں کہ عہد کا افتراق بعض دوسرے افعال جیسے نجی اور ذہاب کے ممکن نہیں کہ بعض عبد آئے اور اس کا نصف آخر نہ آئے۔

چوں کہ کل اور اجمع کے ساتھ تاکید کے لیے مذکورہ بالا شرط ضروری ہے، لہذا جاء زید کلمہ کہنا درست نہ ہوگا اس لیے زید کے اجزاء کا افتراق باعتبار جمعیت کے نہ حساً ممکن ہے جو ظاہر اور باہر ہے اور نہ ہی حکماً ممکن ہے، کیوں کہ جمعیت میں نصف یا ٹکٹ وغیرہ کا کوئی تصور نہیں۔

واذا اکدا الضمير المرفوع الخ: خلاصہ عبارت یہ ہے کہ جب ضمیر مرفوع متصل کی نفس اور عین کے ساتھ تاکید لانا مقصود ہو تو اولاً ضمیر منفصل کو ذکر کیا جائے پھر نفس اور عین کے ساتھ تاکید ہو جیسے ضربت انت نفسک ایسا اس لیے ضروری ہے کہ اگر ضمیر مرفوع متصل کی نفس اور عین کے ساتھ بغیر ضمیر مرفوع متصل کے ساتھ تاکید کے لائے تاکید لائی جائے تو تاکید کا بعض مواقع میں فاعل کے ساتھ اشتباہ لازم آئے گا جیسے زید اکرمنی ہو نفسہ پس اگر مثال مذکور میں ہو ضمیر مرفوع متصل مستتر کی ما نفسہ کے ساتھ بغیر ضمیر منفصل کو ذکر کیے ہوئے لے آئی جائے تو نفسہ جو تاکید کے لیے ہے اس کا فاعل کے ساتھ اشتباہ ہو جاتا کیونکہ کچھ پتہ نہ چلتا کہ فاعل اسم ضمیر ہے بلکہ اغلب یہ ہے کہ ذہن نفسہ کے فاعل ہونے کی طرف جاتا حالانکہ وہ فاعل نہیں بلکہ فاعل کی تاکید ہے۔

اب قیود کا فائدہ سمجھنے پہلی قید ہے کہ ضمیر مرفوع کی تاکید لانا ہو تب ایسا حکم ہے اس لیے کہ ضمیر منصوب اور مجرور کی بغیر منفصل کے ساتھ تاکید لائے ہوئے نفس اور عین کے ساتھ تاکید لائی جاسکتی ہے، کیوں کہ یہاں فاعل کے ساتھ اشتباہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے جیسے ضربتک نفسک اور مرتبک نفسک۔ دوسری قید ہے متصل کی اس لیے کہ اگر منفصل کی تاکید نفس اور عین کے ساتھ منظور ہو تو بھی ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لازمی نہیں کیوں کہ یہاں بھی اشتباہ سے امن ہے۔ جیسے انت نفسک۔

تیسری قید ہے نفس اور عین کے ساتھ تاکید لانے کی۔ اس لیے اگر ضمیر مرفوع متصل کی نفس اور عین کے علاوہ کے ساتھ تاکید لانی ہو تو ضمیر منفصل کے ساتھ تاکید لائے ہوئے بغیر بھی تاکید لائی جاسکتی ہے کیوں کہ یہاں بھی فاعل کے ساتھ اشتباہ کا کوئی خطرہ نہیں ہے ایسا اس لیے ہے کہ کل اور اجمعون عامۃ عوامل سے متصل نہیں ہوتے، بلکہ دور ہوتے ہیں بخلاف نفس اور عین کے کہ وہ زیادہ تر عوامل سے متصل ہوتے ہیں۔

واکثع واخوآه: یہاں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ اکثع اور ابتع اور ابصع، اجمع کے تابع ہیں اور اجمع گویا اصل ہے، لہذا اس کے دو اثر ہوں گے پہلا یہ کہ اکثع وغیرہ اجمع پر مقدم نہیں ہو سکتے تابع ہونے کی وجہ سے کیوں کہ تابع متبوع پر مقدم نہیں ہو سکتا، اور دوسرا یہ کہ اکثع وغیرہ بغیر اجمع کے ذکر کیے مذکور نہیں ہو سکتے ورنہ تابع کا بلا متبوع کے مذکور ہونا لازم آئے گا۔

اب ایک بات اور سمجھ لیجیے کہ اکثع اور ابتع اور ابصع میں ذکر کی ترتیب کیا ہوگی تو فصیح یہ ہے کہ اجمع کے بعد اکثع پھر ابتع اور آخر میں ابصع ذکر کیا جائے گا جیسے جاء نی القوم کلہم اجمعون واکثعون وابتعون وابصعون جب کہ بغدادیہ اور جزلی کی رائے ہے کہ اجمع کے بعد اکثع کا تو نمبر ہے لیکن ابصع، ابتع پر مقدم ہے اور ابن کیسان کا کہنا ہے کہ اجمع کے بعد تینوں میں سے چاہے جس کو پہلے ذکر کیا جائے ان تینوں میں برائے ذکر کی کوئی ترتیب نہیں ہے۔

الْبَدَلُ تَابِعٌ مَقْصُودٌ بِمَا نُسِبَ إِلَى الْمَتْبُوعِ ذُوْنَهُ وَهُوَ بَدَلُ الْكُلِّ وَالْبَعْضِ وَالِاشْتِمَالِ وَالغَلْطِ فَالْأَوَّلُ مَدْلُولُهُ مَدْلُولُ الْأَوَّلِ وَالثَّانِي جِزْءُهُ وَالثَّلَاثُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْأَوَّلِ مُلَابَسَةٌ بَغَيْرِهِمَا وَالرَّابِعُ أَنْ تَقْصِدَ إِلَيْهِ بَعْدَ أَنْ غَلَطْتَ بَغَيْرِهِ وَيَكُونَانِ مَعْرِفَتَيْنِ وَنَكْرَتَيْنِ وَمَخْتَلِفَتَيْنِ وَإِذَا كَانَ نَكْرَةً مِنْ مَعْرِفَةٍ فَالْنَعْتُ مِثْلُ بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٌ كَاذِبَةٌ وَيَكُونَانِ ظَاهِرَيْنِ وَمُضْمَرَيْنِ وَمَخْتَلَفَيْنِ وَلَا يُبَدَّلُ ظَاهِرٌ مِنْ مُضْمَرٍ بَدَلُ الْكُلِّ إِلَّا مِنَ الْغَائِبِ نَحْوُ ضَرْبَتُهُ زَيْدًا.

ترجمہ: بدل ایسا تابع ہے جو مقصود ہوتا ہے اس چیز کے ساتھ جس کی طرف متبوع کی نسبت کی گئی ہو اور وہ بدل الکل اور بدل البعض اور بدل الاشتمال اور بدل الغلط ہے۔ پس اول اس کا مدلول اول کا مدلول ہے اور ثانی (اس کا مدلول) اس کا جزء ہے (یعنی اول کے مدلول کا جزء ہے) اور ثالث اس کے اور اول کے درمیان ایسا تعلق ہے جو ان دونوں کے علاوہ ہے۔ اور چوتھے یہ ہے کہ تو اس کا ارادہ کرے اس کے علاوہ کے ساتھ غلطی کرنے کے بعد۔ اور وہ دونوں معرفہ ہوں گے اور دونوں نکرہ اور دونوں مختلف اور جب

نکرہ ہو معرفہ سے تو صفت (لازمی) ہے جیسے بالناصیة ناصیة کا ذبہ اور بدل اور مبدل منہ اسم ظاہر ہوتے ہیں اور ضمیر اور دونوں مختلف ہوتے ہیں اور نہیں بدل لایا جاتا ضمیر سے بدل الکل مگر غائب سے جیسے ضربتہ زیداً۔

توضیح:- سب سے پہلے بدل کی تعریف سنو۔ بدل کہتے ہیں ایسے تابع کو جو مقصود ہوتا ہے اس چیز کے ساتھ کہ جس کی طرف متبوع منسوب ہو متبوع مقصود نہ ہو۔

مصنف کا قول ”تابع“ بمنزلة جنس کے ہے جو تمام توابع کو شامل ہے اور ان کا قول ”مقصود“ سے غیر معطوف سے احتراز ہو گیا اور ان کے قول ”ذَوْنُ مَتْبُوعِهِ“ کی قید سے معطوف خارج ہو گیا۔

بدل کی چار قسمیں ہیں بدل الکل، بدل البعض، بدل الاشتمال اور بدل الغلط۔ دلیل حصر یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ دو حال سے خالی نہیں یا تو دونوں کے درمیان کوئی تعلق ہوگا یا نہیں۔ دوسری صورت بدل الغلط ہے اور صورت اول تین حال سے خالی نہیں یا تو بدل، مبدل منہ کا کل ہو گیا یا جزء ہوگا یا ان دونوں میں سے ایک دوسرے پر مشتمل ہوگا پس اول بدل الکل ہے ثانی بدل البعض اور ثلث بدل الاشتمال ہے۔

فالاول مدلوله مدلول الاول: اب ہر چہ اقسام کی تعریف کر رہے ہیں۔ پس بدل الکل ایسے بدل کو کہتے ہیں کہ اس کا مدلول بعینہ وہ ہو جو مبدل منہ کا مدلول ہوتا ہے جیسے جاء نی زید اخوک۔

بدل الکل کی اس تعریف پر اعتراض ہے کہ اس تعریف بالا کی رو سے بدل الکل اور عطف بیان کے درمیان کوئی فرق نہیں رہ جاتا، اس لیے کہ عطف بیان میں بھی ثانی کا مدلول وہی ہوتا ہے جو اول کا ہوتا ہے جو اب اس کا یہ ہے کہ دیکھو فرق ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر مقصود بالجزم اول ہو اور ثانی وضاحت کے لیے ہو تو وہ عطف بیان ہے اور اگر مقصود بالجزم ثانی ہو اور اول برائے تمہید ثانی ہو تو وہ بدل الکل ہے۔

اور بدل البعض کہتے ہیں ایسے بدل کو کہ اس کا مدلول، مبدل منہ کے مدلول کا جزء ہو جیسے قطعت زید یدہ اور بدل الاشتمال ایسے بدل کو کہتے ہیں کہ بدل اور مبدل منہ کے درمیان کلیت اور جزئیت کے علاوہ کوئی تعلق ہو جیسے سلب زید نوبہ اور بدل الغلط کہتے ہیں ایسے بدل کو کہ جس کا ارادہ اس کے علاوہ کے ساتھ غلطی کرنے کے بعد کیا جائے جیسے جاء نی زید حمار۔

ویکونان معرفتین: اس کا حاصل یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ کے معرفہ اور نکرہ ہونے میں چار احتمال ہیں اول یہ کہ بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ ہوں، دوم دونوں نکرہ ہوں، سوم اول نکرہ ہو اور ثانی معرفہ ہو چہارم اس کے الٹا پس یہ چار صورتیں ہوئی اور بدل کی باعتبار کل یا جزء وغیرہ کی چار صورتیں ہیں پس چار کو جب چار سے ملایا جائے گا تو سولہ صورتیں حاصل ہو جاتی ہیں اب ہر ایک کی مثال دیکھو۔

بدل اور مبدل منہ دونوں نکرہ ہوں

| | |
|--------------------------|--------------|
| جاء نى رجل غلام لزيد | بدل النكل |
| جرح رجل رأس له | بدل البعض |
| اعجبني رجل علم له | بدل الاشتغال |
| سقط رجل حمار له من الجبل | بدل الغلط |

مبدل منہ نکرہ ہو اور بدل معرفہ

| | |
|------------------|--------------|
| جاء نى رجل اخوه | بدل النكل |
| ضرب تلميذ رأسه | بدل البعض |
| اعجبني بنت علمها | بدل الاشتغال |
| لقى رجل حماره | بدل الغلط |

بدل اور مبدل منہ دونوں معرفہ ہوں

| | |
|-------------------|--------------|
| جاء نى زيد اخوك | بدل النكل |
| ضربت زيد رأسه | بدل البعض |
| اعجبني زيد علمه | بدل الاشتغال |
| جاء نى زيد الحمار | بدل الغلط |

مبدل منہ معرفہ ہو اور بدل نکرہ

| | |
|--------------------|--------------|
| جاء نى زيد غلام له | بدل النكل |
| ضرب زيد رأس له | بدل البعض |
| اعجبني سليم علم له | بدل الاشتغال |
| لقى سليم حمار له | بدل الغلط |

و اذا كان نكرة: یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب بدل نکرہ ہو اور مبدل منہ معرفہ تو بدل کی صفت لانا ضروری ہے تاکہ مقصود کا غیر مقصود سے من کل الوجوه انقص ہونا لازم نہ آئے اور جب بدل نکرہ کی صورت میں صفت لے آئیں گے تو بدل کی نکارت کی صفت کے ذریعہ تلافی ہو جائے گی۔

ویکونان ظاہرین: اس کا حاصل یہ ہے کہ بدل اور مبدل منہ میں باعتبار اسم ظاہر اور اسم ضمیر کے چار احتمال ہیں اول یہ کہ دونوں اسم ظاہر ہوں۔ دوسرے یہ کہ دونوں اسم ضمیر ہوں تیسرے یہ کہ مبدل منہ اسم ظاہر ہو اور بدل اسم ضمیر اور چوتھے اس کے الٹا اور بدل کی بھی چار قسمیں ہیں چار کو چار میں ملانے سے سولہ صورتیں حاصل ہو گئیں۔

بدل اور مبدل منہ دونوں اسم ظاہر ہوں اس کی مثالیں بیحد وہ مثالیں ہیں جو بدل کے چاروں اقسام کی تعریف کے ذیل میں گزری ہیں۔ بقیہ کی مثالیں نقشہ ذیل میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مبدل منہ اسم ظاہر ہو اور بدل ضمیر

| | |
|-------------------------|--------------|
| ضربت زيد اياه | بدل النكل |
| يد زيد قطعت زيدا اياه | بدل البعض |
| جهل زيد كرهت زيدا اياه | بدل الاشتغال |
| حمار زيد كرهت زيدا اياه | بدل الغلط |

دونوں ضمیر ہوں

| | |
|--------------------------|--------------|
| زيد ضربته اياه | بدل النكل |
| يد زيد قطعتہ اياها | بدل البعض |
| جهل الزيدين كرهتهما اياه | بدل الاشتغال |
| حمار الزيدين كرهتها اياه | بدل الغلط |

مبدل منہ ضمیر ہو اور بدل اسم ظاہر

| | |
|-----------------|--------------|
| زید ضربتہ احاک | بدل الکل |
| زید قطعته یدہ | بدل البعض |
| زید کرہتہ جہلہ | بدل الاشتمال |
| زید کرہنہ حمارہ | بدل الغلط |

ولا یبدل ظاہر الخ: حاصل عبارت یہ ہے کہ اسم ظاہر کو ضمیر متکلم اور ضمیر مخاطب سے بدل الکل نہیں قرار دیا جاسکتا، کیوں کہ متکلم اور مخاطب کی ضمیر اسم ظاہر کے مقابلہ میں دلالتہ اقویٰ اور اخص ہے پس اگر اسم ظاہر کو ان دونوں سے بدل الکل قرار دیا جائے تو مقصود کا غیر مقصود سے بدل لول میں متحد ہونے کے باوجود آدون اور انقص ہونا لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے، لہذا اسم ظاہر کو بدل الکل متکلم اور مخاطب کی ضمیر سے تو نہیں قرار دیا جاسکتا ہے البتہ بدل البعض، بدل الاشتمال اور بدل الغلط قرار دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، کیوں کہ ان قسموں میں دونوں کا بدل لول متحد نہیں رہتا نیز بدل سے وہ فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے جو مبدل منہ سے نہیں ہوا تھا۔

الا من الغائب: حاصل یہ ہے کہ اسم ظاہر کو بدل الکل متکلم اور مخاطب کی ضمیر سے تو نہیں قرار دیا جاسکتا لیکن اگر ضمیر غائب سے اسم ظاہر کو بدل الکل قرار دیا جائے تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ ضمیر غائب اور اسم ظاہر دونوں ہم رتبہ ہیں، کیوں کہ اسم ظاہر غائب کے درجہ میں ہی سمجھا جاتا ہے جیسے ضربتہ زیداً۔

عطف البیان تابع غیر صفة یوضح متبوعہ مثل اقسام باللہ ابو حفص عمر، وفصلہ من البذل لفظاً فی مثل انا ابن التارک البکری بشر۔

ترجمہ:- عطف بیان ایسا تابع ہے جو صفت نہ ہو، جو اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہو جیسے اقسام باللہ ابو حفص عمر اور عطف بیان بدل سے لفظاً ممتاز ہے انا ابن التارک الکبریٰ بشر جیسے میں۔
توضیح:- اب عطف بیان کی تعریف کر رہے ہیں پس عطف بیان وہ تابع ہے جو صفت نہ ہو کر متبوع کی وضاحت کر رہا ہے۔

پورا شعر یوں ہے اقسام باللہ ابو حفص عمر "ما مسہا من نقب ولا ذہب اغفر له اللہم ان کان فجور۔ شعر کا ترجمہ یوں ہے۔ ابو حفص عمر اللہ کی قسم کھا گئے کہ اس کی اونٹنی میں نہ سوراخ کا نشان ہے اور نہ اس کی پیٹھ پر زخم۔ اے اللہ تو عمر کو بخش دے اگر انھوں نے جھوٹی قسم کھائی ہے۔ پس مصنف کا قول "تابع" جس ہونے کی وجہ سے تمام توابع کو شامل تھا۔ البتہ غیر صفة سے فصول کا سلسلہ شروع ہوا تو

خود اس سے لغت خارج ہوئی اور یوضح متبوعہ سے دیگر توابع نکل گئے۔

دھیان رہے کہ عطف بیان کا مین سے اشہر ہونا ضروری نہیں ہے اور بدل اور عطف بیان میں معنوی فرق تو واضح ہے کہ اول میں تابع مقصود بالنسبہ ہوتا ہے، جب کہ ثانی میں متبوع۔ لفظاً بھی دونوں میں فرق انا ابن التارک البکری بشر جیسے میں واضح ہے۔

پورا شعر ہے انا ابن التارک البکری بشر ÷ وعلیہ الطیرُ ترقبہ وقوعاً

ترجمہ:- میں بکری بشر کے قاتل کا بیٹا ہوں۔ جس پر پرندے ٹوٹ پڑنے کے لیے منتظر ہیں۔

اس ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں عطف بیان ایسے معرف باللام سے قرار دیا جائے کہ جس کی طرف صفت معرف باللام مضاف ہو جیسے الضارب الرجل زید، التارک البکری بشر، تو ترکیب مذکور میں بشر البکری سے عطف بیان ہے اب اگر کوئی اسے البکری سے بجائے عطف بیان کے بدل قرار دیتا ہے تو چوں کہ بدل تکریر عامل کے حکم میں ہوتا ہے، لہذا الضارب جس طرح البکری کا عامل ہے اسی طرح بشر کا بھی سمجھا جائے گا پس اس کی صورت التارک بشر بعینہ الضارب زید کی صورت کی طرح ہوگی اور الضارب زید کی ترکیب درست نہیں ہے، لہذا التارک بشر کی بھی ترکیب درست نہ ہوگی۔ ظاہر ہے کہ یہ خرابی بدل ماننے سے لازم آئی۔ معلوم ہوا کہ بدل قرار دینا درست نہیں بلکہ عطف بیان ہی قرار دیا جائے گا۔ تقریر مذکور سے ترکیب مذکور میں بدل اور عطف بیان میں لفظاً فرق واضح ہو گیا کہ جو عطف بیان ہوگا وہ انا ابن التارک البکری بشر جیسے میں بدل واقع ہونے کے احتمال سے محفوظ ہے۔

المبني ما ناسب مبني الاصل أو وقع غير مركب .

ترجمہ:- مبنی وہ اسم ہے جو مبنی اصل کے مناسب ہو یا غیر مرکب واقع ہو۔

توضیح:- قولہ المبني: جب اسم معرب کی بحث مکمل ہوگی تو اب اسم مبنی کی بحث شروع کر رہے ہیں تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسم مبنی ایسے اسم کو کہتے ہیں جو مبنی اصل کے اس طرح مناسب ہو کہ وہ مناسبت اعراب کی رکاوٹ میں مؤثر ہو۔

اب قیدوں کا فائدہ سمجھ لیں۔ اسم کی قید سے مضارع، مبنی کی تعریف سے نکل گیا اگرچہ مضارع، مبنی اصل یعنی فعل ماضی کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے کیوں کہ جس طرح ماضی نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے اسی طرح فعل مضارع بھی نکرہ کی صفت واقع ہوتا ہے، لیکن کیا کیا جائے کہ یہاں تو تعریف اسم مبنی کی بیان ہو رہی ہے اور مضارع کا تعلق اسم سے نہیں بلکہ فعل سے ہے۔ نیز مناسبت مؤثرہ کی قید سے غیر منصرف مبنی کی تعریف سے خارج ہو گیا بھلے دو فریعتوں کے پائے جانے میں وہ فعل ماضی کے مشابہ ہے، اس لیے کہ غیر

منصرف کی فعل ماضی کے ساتھ مشابہت اور مناسبت ایسی نہیں ہے جو غیر منصرف پر اعراب کے آنے کو روک سکے بلکہ فعل ماضی کے ساتھ دو فریقتوں کے دونوں میں پائے جانے کی وجہ سے ہر چند مناسبت ہے، لیکن پھر بھی غیر منصرف پر اعراب آتا ہے جب کہ مبنی اعراب کو قبول نہیں کرتا۔ اب ایک اور بات سمجھ لیں کہ مبنی دو قسموں پر ہے، ایک مطلق مبنی دوسرے اسم مبنی۔ پس مصنف نے یہاں جو تعریف بیان کی ہے وہ اسم مبنی کی ہے اور اس بات کو دھیان میں رکھتے ہوئے کہ اس تعریف کے مخاطب وہ حضرات ہیں جو مطلق مبنی کی حقیقت سے آگاہ ہیں، لہذا یہ کہنا بجا نہ ہوگا کہ مبنی مجہول ہے اور مبنی کی تعریف میں لفظ مبنی ذکر کیا گیا ہے تو گویا مبنی کی تعریف مبنی سے ہونے کی وجہ سے مجہول کی تعریف مجہول سے ہوئی اور یہ باطل ہے۔

دھیان رہے کہ مصنف نے عام نحاۃ کی تعریف مالا یختلف باختلاف العوامل سے ہٹ کر مذکورہ بالا تعریف اس لیے کی کہ مبنی کی حقیقت کا سمجھنا اور اس کا علم اصل ہے اور آخر کے مختلف نہ ہونے کی معرفت فرع ہے پس مناسب یہی تھا کہ اصل پر فرع کو متفرع کیا جائے یعنی پہلے مبنی کی حقیقت معلوم ہو پھر اس کے آخر کی حالت کا حکم جانا جائے۔

جبکہ جمہور نحاۃ کی تعریف مشہور پر اصل کو فرع پر متفرع کرنا لازم آتا ہے جو خلاف انصاف ہے۔ یہ بات بھی نظروں سے اوجھل نہ رہے کہ اسم مبنی بھی دو قسموں پر ہے یا تو کوئی اسم مبنی، مبنی اس لیے ہوگا کہ موجب اعراب یعنی وہ ترکیب سے خالی ہے جیسے اسمائے معدودہ اور الف، با، تا، ثا وغیرہ یا زید، عمرو وغیرہ یا وہ اسم مبنی، مبنی اس لیے ہے کہ موجب اعراب کے حاصل ہوتے ہوئے وہ مانع اعراب سے دوچار ہے یعنی اس پر اعراب کے حصول کے راستہ میں رکاوٹ ہے۔

مانع اعراب، مبنی اصل یعنی حروف فعل ماضی اور امر حاضر معروف میں سے کسی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ کسی اسم کی مبنی اصل کے ساتھ مناسبت متعدد طریقوں سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ کوئی اسم، مبنی اصل کے مشابہ ہو جائے جیسے اسماء مضمرات اشارات اور موصولات حروف کے احتیاج میں مشابہ ہیں یعنی جس طرح حرف کا معنی بغیر ضم ضمیر کے نہیں سمجھ میں آتا ہے اور وہ اپنے معنی پر دلالت کرنے میں ضم ضمیر کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح اسمائے اشارات مثلاً الیہ کے اور مضمرات مرجع کے نیز موصولات صلہ کے محتاج اور حاجت مند ہوتے ہیں۔

دوسرا طریقہ حصول مناسبت کا یہ ہے کہ کوئی اسم، مبنی اصل کے معنی کو شامل ہو جیسے اسمائے استفہام اور اسمائے شرط، حرف استفہام اور حرف شرط کے معنی کو شامل ہوتے ہیں۔

تیسرا طریقہ مناسبت یہ ہے کہ کوئی اسم، مبنی اصل کے واقع ہونے کی جگہ میں واقع ہو جائے جیسے نوال اور تواریک انوال اور انوار کی جگہ میں واقع ہیں۔

چوتھا طریقہ یہ ہے کہ کوئی اسم بنی اس اسم سے مشابہت رکھتا ہے جو بنی اصل کی جگہ میں واقع ہوتا ہے جیسے حصار اور طمان جو ہر چند بنی اصل کی جگہ میں خود تو نہیں واقع ہیں لیکن بنی اصل کی جگہ میں واقع ہونے والے نزال اور قرانک سے ان کو مشابہت حاصل ہے۔

پانچواں طریقہ یہ ہے کہ کوئی اسم اس اسم کی جگہ میں واقع ہو کہ جسے بنی اصل سے مشابہت حاصل ہے۔ جیسے یازید میں زید منادئی جو کاف اسی کے جگہ میں واقع ہے کہ جسے کاف حرنی خطابی سے مشابہت حاصل ہے۔

چھٹا طریقہ یہ ہے کہ کوئی اسم بنی اصل کی طرف مضاف ہو جائے جیسے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد من عذاب یومئذ۔ میم کے فتح کے ساتھ کہ تقدیر میں یوم اذ کان کذا کی طرف مضاف ہے اور کان بنی اصل ہے۔
فائدہ:- جب اتنا ساتھ آپ نے دے دیا تو پانچ باتیں اور سمجھ لیں کہ مشابہت، مناسبت، مجانست، مماثلت اور مشاکلت کسے کہتے ہیں۔

تو مشابہت کہتے ہیں دو چیزوں کے کسی ایسے وصف میں اشتراک کو کہ وہ وصف ان دونوں میں سے کسی ایک کے لیے لازم ہو اور کوئی ایک اس وصف کے ساتھ مشہور بھی ہو جیسے بہادر آدمی کی بہادری میں شیر کے ساتھ مشابہت، پس بہادری شیر کے لیے لازم بھی ہے اور وہ شجاعت میں مشہور بھی ہے۔
مناسبت دو چیزوں کے کسی ایسے وصف میں اشتراک کا نام ہے کہ جو وصف ان دونوں کے لیے لازم ہو خواہ کوئی اس کے ساتھ مشہور ہو یا نہ ہو جیسے شجاعت اور ٹٹی۔

مجانست کہتے ہیں دو چیزوں کا جنس میں مشترک ہونا جیسے آم کا جامن کے ساتھ پھل ہونے میں شریک ہونا۔
مماثلت دو چیزوں کے نوع میں مشترک ہونے کو کہتے ہیں جیسے دسہری، اور چوسا کا آم ہونے میں شریک ہونا۔

مشاکلت کہتے ہیں دو چیزوں کا صورت میں مشترک ہونا جیسے دیوار پر بنے ہوئے شیر کی صورت کا جنگل کے واقعی شیر کے جشہ کے ساتھ شریک ہونا۔

قولہ او وقع غیر مرکب: اس کا حاصل یہ ہے کہ یا تو اسم بنی اسے کہتے ہیں جو اپنے غیر کے ساتھ اس طرح مرکب نہ ہو کہ اس کے ساتھ اس کا عامل موجود ہو عام ازیں کہ وہ عامل لفظی ہو یا معنوی۔ لہذا عامل کی قید کی وجہ سے غلام زید میں مضاف بنی ہی رہے گا کیونکہ ترکیب مع الغیر تو ہے لیکن وہ عامل سے محروم ہے، لہذا جب تک اس کے ساتھ عامل نہیں ہوگا مضاف بنی ہی کہلائے گا۔ اور عامل میں تعیم کر لینے کی وجہ سے زید قائم بنی میں داخل نہ ہو سکے گا اس لیے کہ یہاں ترکیب مع الغیر عامل معنوی کے ساتھ پائی جا رہی ہے۔ لہذا بنی کی تعریف جامع بھی ہے اور مانع بھی۔

یہاں ایک اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ مبنی، معرب کا مقابل ہے اور معرب کی تعریف میں عدم المشابہت کا لحاظ کیا گیا ہے، لہذا مقابلہ کی رعایت کا تقاضا یہ تھا کہ مبنی کی تعریف مشابہت سے کی جاتی لیکن مصنف نے ایسا نہ کر کے مناسبت سے مبنی کی تعریف کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ معرب میں جس عدم المشابہت کا اعتبار کیا گیا ہے اس کا حاصل یہی مناسبت ہے جو مبنی کی تعریف میں ملحوظ ہے، لہذا مقابلہ کا لحاظ رہا۔

وَالْقَابَةُ ضَمٌّ وَفَتْحٌ وَكَسْرٌ وَوَقْفٌ وَحُكْمُهُ أَنْ لَا يَخْتَلِفُ آخِرُهُ لِاخْتِلَافِ الْعَوَالِمِ

ترجمہ:۔ اور مبنی کے القابہ ضم اور فتح اور کسر، اور وقف ہیں اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا آخر عوائل کے اختلاف سے نہیں بدلتا۔

توضیح:۔ والقابہ الخ یہاں سے بتا رہے ہیں کہ اسم مبنی کی حرکات و سکنات کو جس چیز سے بیان کیا جاتا ہے وہ اس کا لقب کہلاتا ہے اور وہ بحالت حرکت ضم و فتح اور کسر ہے جب کہ بحالت سکون وقف ہے۔ ضم کو ضم اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا حصول دونوں ہونٹوں کے ملنے کے نتیجے میں ہوتا ہے۔ اور کسر کو کسر اس لیے کہتے ہیں کہ اس کے ادائیگی کے وقت نیچے کے ہونٹ جھک جاتے ہیں اور فتح کو فتح اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی ادائیگی کے وقت منہ کھلا رہتا ہے۔ اور وقف کو وقف اس لیے کہتے ہیں کہ سانس اس میں حرکت سے رک جاتا ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اہل بصرہ کے نزدیک ہی ایسا ہے کہ مبنی اور معرب کے حرکات و سکنات کو ظاہر اور بیان کرنے کے لیے الگ الگ عنوان ضروری ہے ورنہ اہل کوفہ اس کو ضروری نہیں مانتے بلکہ ان کے یہاں معرب کے اعراب مبنی کے القاب کی جگہ اور مبنی کے القاب معرب کے اعراب کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ مصنف نے یہاں القاب کا عنوان اور معرب میں انواع الاعراب کا عنوان الگ الگ اس لیے اختیار کیا کہ انواع اعراب ہر نوع کے علیحدہ معنی پر دلالت کرنے کی وجہ سے مختلف بالحقیقت ہیں جب کہ یہ بات القاب مبنی میں نہیں ہے۔ کیوں کہ ان سے سوائے الفاظ اور کچھ مراد نہیں ہے۔

وهي المضمرات وأسماء الإشارة والموصولات والمركبات والكنائيات وأسماء الأفعال والأصوات وبعض الظروف .

ترجمہ:۔ اور مبنی ضمائر اسمائے اشارات اور موصولات، مرکبات اور کنایات اور اسمائے افعال اور اصوات اور کچھ ظروف ہیں۔

توضیح:۔ ہی ضمیر کا مرجع المبنی ہے۔ رہی بات یہ کہ ضمیر اور مرجع میں مرجع کے ذکر ہونے کی وجہ سے مطابقت نہیں ہے تو عرض ہے کہ ضمیر کا مؤنث لانا باعتبار خبر کے ہے، کیوں کہ مشہور قاعدہ ہے اذا دار المضممر بين المرجع والخبر فرعاية الخبر اولی۔

ظروف کو بعض کے ساتھ اس لیے مقید کیا کہ تمام ظروف مثنیٰ نہیں ہیں بلکہ بعض معرب بھی ہیں۔ رہی بات کہ اشارات میں ذان اور ذین عند البعض معرب ہیں اسی طرح ائی اور ایتۃ بالاتفاق معرب ہیں باوجود اس کے اشارات اور موصولات کو بعض کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا ہے دراصل بات یہ ہے کہ ذان اور ذین کے معرب ہونے کا جو قائل ہے اس کے اس نظریہ کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے اور اسے صحیح نہیں مانا ہے لہذا یہ نظریہ جب لائق اعتبار نہ ہو تو گویا تمام ہی اشارات مثنیٰ ہیں اسی طرح ائی اور ایتۃ کا معرب ہونا بھی بعض حالات کے ساتھ مقید اور مختص ہے یعنی کہ ان دونوں کا صدر صلہ محذوف نہ ہو لہذا اس کا بھی اعتبار نہیں ہے، پس موصولات کو بھی بعض کے ساتھ مقید کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اسماء میں چونکہ اصل معرب ہونا ہے، لہذا کسی اسم کے مثنیٰ ہونے کی علت کا معلوم ہونا ضروری ہے پس معلوم ہو کہ کسی اسم کے مثنیٰ ہونے کی وجہ یا تو عدم الترتیب ہے یا مثنیٰ اصل کے ساتھ مناسبت اول، اصوات ہیں کیوں کہ وہ یا تو ایک دوسرے سے مرکب نہیں ہوتے جیسے غاق اور اگر وہ مرکب بھی ہوتے تو وہ حکلیث اور نقل کے طور پر ہوتے ہیں اور ثانی یعنی اصل کے ساتھ مناسبت تو اس میں تین احتمال ہیں یا تو مناسبت ماضی کے ساتھ ہوگی یا امر حاضر یا پھر حرف کے ساتھ پس اول و ثانی اسمائے افعال ہیں اور ثالث یا تو مناسب ہوگا حرف کے من حیث الستی یا نہیں۔ پس صورت اولیٰ میں وہ کنایات ہیں جیسے کم اور کذا، مذ اور منذ، عن اور علیٰ اور صورت ثانی میں نیز یا تو وہ حرف کے معنی کو مضمّن ہوگا یا محتاج ہونے میں وہ حرف کے ساتھ مناسبت رکھتا ہوگا۔ پہلی صورت میں وہ مرکبات ہیں اور دوسری صورت میں دو احتمال ہیں یا تو محتاج الیہ حقیقتاً یا حکماً جملہ ہوگا، یا نہیں۔ پہلی صورت یعنی جملہ ہونے کی صورت میں وہ اسمائے موصولات ہیں اور دوسری صورت یعنی جب وہ جملہ نہ ہو تو محتاج الیہ پھر دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ مذکور ہوگا یا نہیں مذکور ہوگا، صورت ثانی ظروف ہیں اور صورت اول میں محتاج الیہ یا تو اشارۃً حیہ ہوگا یا فیبت یا مخاطب یا تکلم کا قرینہ ہوگا اول اسمائے اشارات اور ثانی مضمرات ہیں۔

المُضْمَرُ مَا وُضِعَ لِمَتَكَلِّمٍ أَوْ مُخَاطَبٍ أَوْ غَائِبٍ تَقَدَّمَ ذِكْرُهُ لِفِعَالٍ أَوْ مَعْنَى أَوْ حَكْمًا وَهُوَ مُتَّصِلٌ أَوْ مُنْفَصِلٌ، فَالْمُنْفَصِلُ الْمُسْتَقِلُّ بِنَفْسِهِ وَالْمُتَّصِلُ غَيْرُ الْمُسْتَقِلِّ بِنَفْسِهِ وَهُوَ مَرْفُوعٌ وَمَنْصُوبٌ وَمَجْرُورٌ.

ترجمہ:- ضمیر وہ اسم ہے جو متکلم یا مخاطب یا ایسے غائب کے لیے وضع کیا گیا ہو کہ جس کا ذکر سابق میں ہو چکا ہو خواہ لفظاً اس کا ذکر مقدم ہو چکا ہو یا معنی یا حکماً اور وہ متصل یا منفصل ہوتی ہے، پس ضمیر منفصل، مستقل بنفسہ ہوتی ہے اور متصل غیر مستقل بنفسہ ہوتی ہے اور وہ مرفوع اور منصوب اور مجرور ہوتی ہے۔
توضیح:- المضمّر: یہاں سے معنی ضمیر کی تعریف بیان کر رہے ہیں کہ ضمیر ایسے اسم کو

کہتے ہیں جسے متکلم کے لیے من حیث المتکلم یا مخاطب کے لیے من حیث الخطاب وضع کیا گیا ہو نیز یا ایسے غائب کے لیے وضع کیا گیا ہو کہ جس کا ذکر اس ضمیر سے پہلے لفظاً یا معنی یا حکماً ہو چکا ہو۔
اس تعریف سے معلوم ہو گیا کہ ضمیر کی تین قسمیں ہیں ضمیر متکلم، ضمیر مخاطب اور ضمیر غائب۔ ضمیر غائب کی تعریف تقدم ذکرہ لفظاً او معنی او حکماً کی قید سے مقید اس لیے کیا تاکہ اسماء ظاہرہ سے احتراز ہو جائے کیوں کہ وہ غائب تو ہوتے ہیں لیکن سابق میں ان کا ذکر کیا جانا خواہ لفظاً ہو یا معنی یا حکماً شرط نہیں ہوتا جیسا کہ ضمیر غائب میں ہوتا ہے۔

تقدم لفظی وہ ہے کہ مقدم ملفوظ ہو اب خواہ مقدم کا ملفوظ ہونا حقیقتاً ہو یا حکماً ہو اول کی مثال جیسے ضرب زیدہ غلامہ وراثتی کی مثال جیسے ضرب غلامہ زیدہ کہ اس میں ہر چند غلامہ پہلے اور زیدہ بعد میں ہے لیکن چون کہ فاعل رجحہ فعل سے متصل ہونے کی وجہ سے غلامہ پر مقدم ہے لہذا ضمیر کے ذکر سے پہلے مرجع لفظاً مذکور ہو گیا گو حکماً سہی۔

اور تقدم معنوی وہ ہے کہ مقدم من حیث اللفظ مذکور نہ ہو بلکہ من حیث المعنی مذکور ہو اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ ہے کہ وہ معنی لفظ معین سے مفہوم ہوں جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد اَعْدِلُوا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ کہ ہو ضمیر کا مرجع عدل ہے جس پر اعدل و ذلت کر رہا ہے پس مرجع معنایاً مقدم ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ وہ معنی سیاق کلام سے سمجھا جائے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَلَا تَوَيْبُ لِكُلِّ وَاٰحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ کہ جب ما قبل میں میراث کا بیان ہوا تو معلوم ہو گیا کہ اس جگہ کوئی مؤثر ہے، لہذا من حیث المعنی اس کے لیے ضمیر کا استعمال کرتے ہوئے وَلَا تَوَيْبُ فرما دیا گیا۔ پس ضمیر کے ذکر سے پہلے مرجع کا معنی مذکور ہونا پایا گیا کہ جس پر سیاق کلام ذلت کر رہا ہے۔

تقدم حکمی ایسے کو کہتے ہیں کہ جس میں مقدم نہ تو من حیث اللفظ اور نہ ہی من حیث المعنی مذکور ہو، بلکہ مقدم مفروض ہو یعنی اس کے قصہ کی تعظیم کے طور پر مان لیا گیا ہو۔ جیسے قل هو الله احد میں لفظ هُوَ ہے کہ اس کا مرجع سابق میں نہ تو من حیث اللفظ اور نہ من حیث المعنی مذکور ہے لیکن تعظیم القصة اس کے مرجع کے تقدم کو مان لیا گیا ہے۔

تقدم حکمی ضمیر شان اور ضمیر قصہ نیز نعم اور رُب کی ضمیروں میں ہوتا ہے۔

قولہ متصل او منفصل: یہاں سے ضمیروں کی تقسیم بتا رہے ہیں کہ اس کی دو قسمیں ہیں کہ کوئی بھی متکلم، مخاطب اور غائب کی ضمیروں کی قسم ہو وہ یا تو متصل ہوگی یا منفصل ایسا اس لیے ہے کہ ضمیر تلفظ میں یا تو کسی دوسرے کلمہ کے ملانے کا محتاج ہوگی یا نہیں اول متصل ہے اور ثانی منفصل۔

فالمنفصل المستقل بنفسه الخ: مستقل بنفسہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ منفصل کا تلفظ بغیر کسی

دوسرے کلمے کے ملائے ہوئے ہو سکتا ہے وہ اس سلسلے میں کہ ضم ضمیرہ کا محتاج نہیں ہے۔ اور متصل کے غیر مستقل ہنسہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تلفظ بغیر دوسرے کلمے کو ملائے ہوئے نہیں ہو سکتا، پس وہ اپنے تلفظ میں ضم ضمیرہ کا محتاج ہے۔

وہو مرفوع: یہاں سے ضمیر کی ایک دوسری تقسیم کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ مطلق ضمیر باعتبار انواع اعراب کے تین قسموں پر ہے، مرفوع، منصوب اور مجرور تین ہی قسمیں اس لیے ہیں کہ ضمیر کا عامل یا تو متقاضی رفع ہوگا یا اس کا تقاضا نصب کا یا پھر اس کا تقاضا جر کا ہوگا۔ پس اول مرفوع اور ثانی منصوب اور ثالث مجرور ہوگا۔

ایک سوال سمجھ لیجئے۔ وہ یہ ہے کہ ضمیر کی اولاً متکلم اور مخاطب اور غیبت کی طرف تقسیم کی گئی ہے، لہذا تقسیم اول کے بعد مرفوع اور منصوب نیز مجرور کی طرف تقسیم، تقسیم بعد تقسیم ہے جو سوائے تحصیل حاصل کے اور کچھ نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تقسیم اول بلحاظ مرجع کے ہے اور تقسیم ثانی باعتبار اعراب کے ہے۔ لہذا تحصیل حاصل لازم نہیں آیا۔

فَالْأَوْلَىٰ أَنْ مَتَّصِلٌ وَمَنْفَعِلٌ وَالثَّالِثُ مَتَّصِلٌ فَقَطْ فَذَلِكَ خَمْسَةُ أَنْوَاعِ الْأَوَّلِ ضَرْبَاتٌ وَضَرْبَاتٌ إِلَىٰ ضَرْبَيْنِ وَضَرْبَيْنِ وَالثَّانِي أَنَا إِلَىٰ هُنَّ وَالثَّالِثُ ضَرْبِنِي إِلَىٰ ضَرْبَهُنَّ وَإِنِّي إِلَىٰ أَنَّهُنَّ وَالرَّابِعُ آيَاتِي إِلَىٰ آيَاتِهِنَّ وَالثَّامِسُ غَلَامِي إِلَىٰ غَلَامِهِنَّ وَلَهُنَّ.

ترجمہ:- پس شروع کے دونوں متصل اور منفصل دونوں ہوتے ہیں اور تیسری قسم صرف متصل ہوتی ہے پس یہ پانچ قسمیں ہوئیں اول ضَرْبَاتٌ اور ضَرْبَاتٌ سے ضَرْبَيْنِ اور ضَرْبَيْنِ اور دوسری قسم انا سے ہن تک ہے اور تیسری قسم ضَرْبِنِي سے ضَرْبَهُنَّ تک اور اننی سے اِنَّهُنَّ تک اور چوتھی قسم آيَاتِي سے آيَاتِهِنَّ تک اور پانچویں قسم غَلَامِي سے غَلَامِهِنَّ اور لهن تک۔

توضیح:- اب یہاں سے بتا رہے ہیں کہ ضمیر مرفوع اور منصوب متصل بھی ہوتی ہے اور منفصل اور ضمیر مجرور صرف متصل ہی ہوتی ہے لہذا اکل پانچ قسمیں ہوئیں مرفوع متصل، مرفوع منفصل اور منصوب متصل اور منصوب منفصل اور مجرور متصل۔

معلوم ہو کہ متصل کا تقاضا تو یہ تھا واحد، ثنثیہ اور جمع مذکر اسی طرح واحد، ثنثیہ اور جمع مؤنث ہر ایک کے لیے صیغہ متکلم ہوتا ہے، لیکن عربوں نے متکلم کے لیے صرف دو لفظ چھ معنوں پر دلالت کرنے کے لیے وضع کیے اور مخاطب کے لیے پانچ الفاظ چھ معنوں پر دلالت کرنے کے لیے کیوں کہ مذکر مخاطب کا ثنثیہ اور مؤنث مخاطب کا ثنثیہ مشترک ہے اور غائب کے لیے بھی اسی طرح پانچ الفاظ چھ معنوں کے لیے موضوع ہیں، کیوں کہ ہما ثنثیہ مذکر اور مؤنث غائب دونوں میں مشترک ہے، لہذا اکل ضمائر کے لیے ساٹھ الفاظ ہیں جو

ہے تو اس سلسلے میں مختار مذہب یہ ہے کہ ایسا ضمیر ہے اور لواحق یعنی می اور نا اسی طرح نک اور ؤ وغیرہ مرجع کے مفرد اور تشنیہ، جمع متکلم، مخاطب اور غائب نیز مذکر اور مؤنث ہونے پر دلالت کرنے کے لیے ہیں جب کہ ایک دوسرا مذہب یہ ہے کہ ایسا حرف عماد ہے یعنی ایسا حرف ہے جس پر مابعد بھروسہ اور اعتماد کرتا ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ مابعد اپنے ماقبل پر نکلتا ہے۔ اور لواحق ضمیر ہیں اور تیسرا مذہب یہ ہے کہ مجموعہ ضمیر ہے لیکن قول ثانی اس لیے مرجوح ہے کہ اس قول کی بنا پر لازم آتا ہے کہ ضمیر منصوب صرف متصل ہو منفصل نہ ہو۔ ظاہری بات ہے کہ یہ خلاف حقیقت ہے اور قول ثالث پر یہ خرابی پیدا ہوتی ہے کہ لواحق اور لخواحق کا مجموعہ جب ضمیر ہو جائے گا تو پھر مرجع کے احوال یعنی مفرد، تشنیہ اور جمع وغیرہ پر دلالت فوت ہو جائے گی اور یہ غیر پسندیدہ ہے۔

الخامس: ضمیر مجرور غلامی کی ضمیر سے غلامہن کی ضمیر تک اور لینی کی ضمیر سے لہن کی ضمیر تک ہے۔

طریقہ تشریف یہ ہے غلامی، غلامنا، غلامک، غلامکما، غلامکم، غلامک، غلامکنا، غلامکمن، غلامکمن، غلامکمن، غلامکمن، غلامکمن، غلامکمن، لئی، لنا، لک، لکما، لکم، لک، لکما، لکن، لہ، لہما، لہم، لہا، لہما، لہن۔
منصف نے دو مثالیں مجرور متصل کی دو قسمیں بتانے کے لیے دی ہیں کہ مجرور متصل دو قسموں پر ہے ضمیر مجرور متصل بالاسم اور ضمیر مجرور متصل بالحرف پہلی مثال ضمیر مجرور متصل بالاسم کی ہے اور دوسری مثال ضمیر مجرور متصل بالحرف کی ہے۔

فالمرفوع المتصل خاصة يستتر الماضي للغائب والغائبة والمضارع للمتكلم مطلقاً والمخاطب والغائب والغائبة وفي الصفة مطلقاً ولا يسوغ المنفصل إلا لتعذر المتصل وذلك بالمتقدم على عامله او بالفصل لغرض او بالحذف او بكون العامل معنویاً او حرفاً والضمير مرفوع او بكونه مسنداً اليه صفة جرت على غير من هي له مثل اياك ضربت وما ضربت الا انا، واياك والشراء، وانا زيد وما انت قائماً، وھند زيد ضاربتہ ھي۔

ترجمہ:- پس ضمیر مرفوع متصل بطور خاص فعل ماضی کے واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب کے صیغوں میں اور فعل مضارع کے متکلم کے صیغوں میں مطلقاً اور واحد مذکر حاضر اور واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب کے صیغوں میں نیز صفت کے صیغوں میں مطلقاً پوشیدہ ہوتی ہے۔ اور ضمیر منفصل نہیں لائی جاتی ہے مگر متصل کے معذر ہونے کی وجہ سے اور یہ معذر ہونا کبھی ضمیر کے اپنے عامل پر مقدم ہو جانے

کی وجہ سے ہوتا ہے یا کسی مقصد کے تحت فصل کی وجہ یا حذف کی وجہ سے یا عامل کے معنوی یا حرف ہونے کی وجہ سے درانحالیکہ ضمیر مرفوع ہو یا ضمیر کی طرف ایسی صفت کے مسند ہونے کی وجہ سے کہ جو اس ذات کے علاوہ پر محمول ہے کہ وہ صفت جس ذات کے لیے ہے۔ جیسے اَيْتَاكَ ضَرْبًا اور ما ضَرْبِكَ إِلَّا اَنَا اور اَيْتَاكَ وَالشَّرَّ اور اَنَا زَيْدًا اور مَا اَنْتَ قَائِمًا اور هِنْدًا زَيْدًا ضاربتہ ہی۔

توضیح:- اب یہاں سے بتا رہے ہیں کہ مرفوع متصل بطور خاص ماضی کے واحد مذکر غائب میں اور واحد مؤنث غائب میں پوشیدہ ہوتی ہے جیسے زید ضرب اور ہند ضربت۔ ثنثیہ مذکر اور مؤنث غائب اسی طرح جمع مذکر غائب اور مؤنث غائب میں مستتر اس لیے نہیں ہوتی ہے، تاکہ مفرد کے ساتھ اشتباہ نہ پیدا ہو۔

خاصة: خاصہ کی قید اس لیے لگائی کہ ضمیر کا پوشیدہ ہونا صرف ضمیر مرفوع متصل میں ہی تحقق ہو سکتا ہے، کیوں کہ ضمیر مرفوع متصل شدت اتصال کی وجہ سے بمنزلہ فعل کے جزء کے ہے، کیوں کہ فعل اس پر دال ہوتا ہے۔ باقی ضمیر منصوب اور ضمیر مجرورہ مستتر نہیں ہوتی ہیں اسی طرح استتار صرف ضمیر مرفوع متصل کا ہوگا منفصل کا بھی نہیں ہوگا، کیوں کہ وہ اپنے عامل سے جدا ہوتی ہے، لہذا جدا ہو کر عامل میں مستتر ہونے کی کوئی شکل نہیں ہے۔

والمضارع: ضمیر مرفوع متصل مضارع کے متکلم کے صیغوں میں مطلقاً مستتر ہوتی ہے۔ مطلقاً کا مطلب یہ ہے کہ چاہے وہ صیغہ متکلم مفرد کے لیے ہو یا ثنثیہ اور جمع کے لیے اسی طرح خواہ وہ مذکر کے لیے ہو یا مؤنث کے لیے سب میں ضمیر مرفوع متصل پوشیدہ ہوتی ہے۔

نیز واحد مذکر حاضر کے صیغہ میں بھی ضمیر مرفوع متصل پوشیدہ ہوتی ہے جیسے تल्ली میں انت پوشیدہ ہے۔ مضارع کے واحد مؤنث حاضر، جمع مذکر حاضر و جمع مؤنث حاضر نیز ثنثیہ کے صیغوں میں ضمیر اس لیے پوشیدہ نہیں ہوتی تاکہ اشتباہ پیدا نہ ہو۔

البتہ مضارع کے واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب کے صیغوں میں ضمیر پوشیدہ ہوگی جیسے عامر، یجاہد، ہند، تسمع۔ دونوں ثنثیہ جمع مذکر غائب اور جمع مؤنث غائب میں بھی پوشیدہ نہیں ہوتی ورنہ اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔

وفي الصفة: واضح ہو کہ صفت سے مراد اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ اور اسم تفضیل ہے۔ اور مطلق کا مطلب ہے کہ اسانے مشتقہ چاہے مفرد ہوں یا ثنثیہ اور جمع مذکر ہوں یا مؤنث سب میں ضمیر مرفوع متصل پوشیدہ ہوتی ہے جیسے زید ضارب، الزیدان ضاربان، الزیدون ضاربون، ہند ضاربة اور ہندان ضاربتان، ہندات ضاربات۔

اسمے مشقہ میں الف تشنیہ اور واد جمع کو ضمیر نہیں قرار دیا جاسکتا کیوں کہ ضمیر میں تغیر نہیں ہوتا ہے جب کہ الف تشنیہ اور واد جمع عامل کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں، پس ضمیر بارز کا کوئی امکان اسمے مشقہ میں نہیں ہے۔

ولا یسوغ المنفصل: اب یہاں سے ان مواقع کی نشاندہی کر رہے ہیں کہ جہاں ضمیر متصل کا استعمال ممکن نہیں رہتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب تک ضمیر متصل کا استعمال ممکن ہوگا ضمیر منفصل کا استعمال نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ ضمیروں کی وضع ایجاز اور اختصار کے پیش نظر ہوتی ہے اور متصل بمقابلہ منفصل کے زیادہ مختصر ہے، البتہ جب متصل کا استعمال معذرا اور ناممکن ہو جائے تو اب مجبوراً منفصل کا استعمال روا رکھا جائے گا۔ اس سلسلے کا سب سے پہلا موقع یہ ہے کہ جب عامل پر ضمیر مقدم ہو جائے تو پھر بجائے متصل کے منفصل کا استعمال کیا جائے گا جیسے ایاک ضربت ایسا اس لیے ہے کہ ضمیر کا اتصال عامل کے آخر میں ہوتا ہے شروع میں نہیں ہوتا۔

دوسرا موقع یہ ہے کہ ضمیر متصل اور اس کے عامل کے درمیان کسی مقصد کے تحت فصل ہو۔ یعنی وہ مقصد ضمیر اور اس کے عامل کے درمیان فصل کے ساتھ ہی مشروط ہو پس اگر ضمیر اور اس کے عامل کے درمیان پائے جانے والے فصل کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تو مقصود فوت ہو جاتا ہے پس ایسی صورت میں ضمیر مرفوع کو بجائے متصل لانے کے منفصل ذکر کیا جائے گا کیوں کہ انفصال اتصال کے منافی ہے اور ترک فصل سے مقصد فوت ہو جاتا ہے جیسے ما ضربک الا انا پس اس مثال میں فصل سے مقصود تخصیص ہے جو بصورت اتصال حاصل نہیں ہو سکتی۔

تیسرا موقع یہ ہے کہ ضمیر کا عامل محذوف ہو جائے جیسے ایاک والشو کہ اصل میں ہے اتق نفسک والشو پس اتق تنگی مقام کی وجہ سے حذف کر دیا گیا تو ضمیر کے متصل ذکر کرنے کا موقع بھی ختم ہو گیا کیوں کہ اتصال ملفوظ سے ہوتا ہے محذوف سے نہیں۔ پس جب وہ نہیں بچا کہ جس سے ضمیر متصل ہوتی تو اس کے متصل ذکر کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہ رہی، چنانچہ اس کو منفصلاً ایاک کی شکل میں ذکر کیا گیا۔

اور چوتھا موقع یہ ہے کہ ضمیر کا عامل بجائے لفظی کے معنوی ہو جائے تو بھی ضمیر متصل نہ ذکر کے منفصل ذکر کی جائے گی جیسے انا زید پس انا کا عامل معنوی ہے کیوں کہ وہ ترکیب میں مبتداء واقع ہے اور ضمیر کا اتصال عامل لفظی کے ساتھ ہوتا ہے عامل معنوی کے ساتھ نہیں ہوتا ہے۔

پانچواں موقع یہ ہے کہ عامل حرف ہو اور ضمیر مرفوع ہو جیسے ما انت قائمنا کہ ما عامل حرف اور ضمیر انت مرفوع ہے، کیوں کہ وہ اسم واقع ہے۔ لہذا ضمیر کو بجائے متصل لانے کے منفصل ذکر کیا، کیوں کہ ضمیر مرفوع قوی ہے اور حرف ضعیف ہے اور قوی کا اتصال ضعیف کے ساتھ عربوں کی لغت کے خلاف ہے۔

چھنا موقع یہ ہے کہ ضمیر کی طرف ایسی صفت مندر ہو کہ جس کا حمل اس ذات کے علاوہ پر ہو جس کے لیے وہ صفت ہے۔ تو ایسی صورت میں اگر ضمیر کو صفت سے منفصل کر کے علیحدہ ذکر نہ کریں تو بعض صورتوں میں اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔ جیسے زید، عمرو ضاربہ ہو۔ کہ اس مثال میں ضارب ایک صفت ہے کہ جس کی اسناد ضمیر کی طرف ہے اور اس کا حمل من لہ کے علاوہ پر ہے اس لیے کہ صفت ضرب اصلاً زید کے لیے ثابت ہے اور حمل عمرو پر ہے پس اگر ضمیر کو منفصل کے بجائے متصل ذکر کرتے تو ذہن اس طرف جاسکتا تھا کہ ضارب مثال مذکور میں بجائے زید کے عمرو کی صفت ہے، کیوں کہ وہی ضمیر سے قریب بھی ہے۔ پس جب بجائے متصل کے خلاف قیاس منفصل ذکر کیا گیا تو معلوم ہو جائے گا کہ پھر اس کا مرجع بھی خلاف قیاس عمرو نہیں بلکہ زید ہے پس صفت کا ثبوت بھی عمرو کے لیے نہیں بلکہ زید کے لیے ہے۔

واضح رہے کہ ایسے موقع پر اشتباہ بعض اوقات ہوتا ہے جیسا کہ مثال مذکور میں ہے باقی بعض اوقات صورت مذکورہ میں اشتباہ نہیں ہوتا جیسے کہ ہند زید ضاربتہ ہی ہے کہ اس مثال میں اگر ضمیر ہی بجائے متصل لانے کے متصل بھی ذکر کر دی جائے تو بھی یہ طے تھا کہ وہ ہند کی صفت ہے زید کی نہیں ہے۔ لیکن باب کی موافقت میں مطلق یہ حکم کر دیا گیا کہ جملہ ایسے موقعوں میں ضمیر متصل نہ لاکر منفصل لائے جائے گی۔

وَإِذَا اجْتَمَعَ ضَمِيرَانِ وَلَيْسَ أَحَدُهُمَا مَرْفُوعًا فَإِنَّ كَانِ أَحَدُهُمَا أَعْرَفَ وَقَدَّمْتَهُ فَلِلَّذِي الْخِيَارُ فِي الثَّانِي نَحْوِ اعْطَيْتُكَ وَاعْطَيْتُكَ آيَاهُ وَضَرَبْتُكَ وَضَرَبِي آيَاكَ وَالْأَفْهَمُ مَنْفَعْلٌ نَحْوِ اعْطَيْتُهُ آيَاهُ وَآيَاكَ وَالْمَخْتَارُ فِي خَبَرِ بَابِ كَانِ الْانْفِصَالُ وَالْأَكْثَرُ لَوْلَا أَنْتَ الْآخِرَهُ وَعَسَيْتَ الْآخِرَهَا وَجَاءَ لَوْلَاكَ وَعَسَاكَ الْآخِرَهُمَا.

ترجمہ: اور جب دو ضمیریں جمع ہو جائیں در انحالیکہ دونوں میں سے کوئی مرفوع نہ ہو تو اگر ان میں سے کوئی ایک اعرف ہو دوسرے سے اور تم نے اس کو مقدم بھی کر دیا ہو تو تم کو ثانی میں اختیار ہے جیسے اعطیتک اور اعطیتک آیاہ و ضربیک و ضربی آیاہ و رنہ وہ منفصل ہوگی جیسے اعطیتہ آیاہ اور آیاک اور پسندیدہ باب کان میں انفصال ہے اور اکثر لولا انت الی آخرہ اور عسیت الی آخرہ ہے اور لولاک اور عساک آخر تک ہے۔

توضیح: یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب دو ضمیریں ایک جگہ جمع ہو جائیں اور دونوں میں سے کوئی بھی مرفوع نہ ہو تو اگر ان دونوں ضمیروں میں سے کوئی اعرف ہو بمقابلہ دوسرے کے اور اعرف کو آپ نے مقدم بھی کر دیا ہے تو ضمیر ثانی کے متصل اور منفصل لانے میں آپ کو اختیار ہے کہ چاہے اس کو متصل لائیں جیسے اعطیتک اور چاہے اس کو منفصل ذکر کریں جیسے اعطیتک آیاہ اسی طرح ضربیک اور ضربی آیاک۔

دونوں وجہوں کی گنجائش لفظ اور معنی دو اعتباروں کی وجہ سے ہے۔ اتصال اس اعتبار سے ہے کہ ضمیر اول کے ذریعہ فعل کے ساتھ اس کا فصل قابل لحاظ نہیں سمجھا گیا، کیوں کہ اعطیتکہ میں ضمیر خطاب کا اصلاً اتصال فعل کے ساتھ ہے تو ضمیر غائب مفعول کا انفصال ہی ہوا، لیکن اس کو متصل اس اعتبار سے کہا جا رہا ہے کہ ضمیر خطاب مفعول کے ذریعہ ضمیر غائب مفعول کا فعل سے فصل قابل شمار نہیں یعنی گویا کہ کوئی فصل ہی نہیں، لہذا اس کا متصل ہونا ثابت ہو گیا۔

اور انفصال اس اعتبار سے ہے کہ فصلہ کے ذریعہ فصل پایا جا رہا ہے جیسے اعطیتک ایاہ۔ اب قیدوں کا فائدہ سمجھنے پہلی قید یہ ہے کہ دونوں ضمیروں میں سے کوئی بھی مرفوع نہ ہو، کیوں کہ اگر کوئی مرفوع ہوئی تو پھر ضمیر ثانی میں فصل تحقق نہ ہوگا اس لیے کہ ضمیر مرفوع بمنزلہ فعل کے جزء کے ہے لہذا گویا یوں ہو گیا کہ ضمیر مرفوع اور فعل میں کوئی فصل ہی نہیں۔ لہذا ضمیر ثانی کا اتصال ضروری ہے جیسے اکرمتک۔

دوسری قید ہے کہ ان میں سے کوئی ایک اعراف ہو بمقابلہ دوسرے کے اس لیے اگر دونوں میں کوئی اعراف ہونے کے بجائے دونوں مساوی ہوں تو پھر ثانی کا منفصل ہونا واجب ہوگا، تاکہ دو تساویان میں سے ایک کی دوسرے پر تقدیم بلا مرجح لازم نہ آئے جیسے اعطاها ایاہا۔

تیسری قید ہے کہ آپ نے ضمیر اعراف کو مقدم بھی کر رکھا ہو اور اگر اس کے خلاف ہو یعنی ضمیر اعراف مؤخر ہو جیسے اعطیتہ ایاک میں پس ضمیر خطاب بمقابلہ ضمیر غائب کے اعراف ہے، لہذا صورت مذکورہ میں انفصال واجب ہے، تاکہ اعراف کا مؤخر کرنا لازم نہ آئے، کیوں کہ اگر متصل لایا جاتا ہے اور اعطیتہو کہ کہا جاتا ہے تو ضمیر اعراف مؤخر ہو جاتی ہے جو خلاف اصل ہے پس اس سے بچاؤ کے لیے اس کو منفصل لانا ہی ضروری ہے، کیوں کہ صورتہ متکلم اعراف کو مؤخر لانے سے معذور ہے اور شروع ہی وہلہ سے اس کو خلاف اصل منفصل لانے میں کوئی طعن اور عیب نہیں ہے۔

اب سنیے مصنف نے قاعدہ مذکورہ کی دو مثالیں دی ہیں یہ بتانے کے لیے کہ وہ دونوں ضمیریں جو غیر مرفوع جمع ہو رہی ہیں وہ دونوں منصوب بھی ہو سکتی ہیں جیسا کہ مثال اول میں ہے اور دونوں میں سے ایک منصوب اور دوسری مجرور بھی ہو سکتی ہیں جیسا کہ مثال ثانی میں ہے کہ پہلی ضمیر مجرور اور دوسری منصوب ہے۔

والا فهو منفصل: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر دونوں میں سے کوئی بھی اعراف نہ ہو بلکہ مساوی درجہ کی ہوں یا کوئی ایک۔ اعراف تو ہے لیکن اعراف بجائے مقدم ہونے کے مؤخر ہے تو ضمیر ثانی کا منفصل لانا ضروری ہے۔ تاکہ صورت اول میں مساوی درجہ کی ضمیروں میں سے ایک کی دوسرے پر تقدیم بلا مرجح کلمہ واحدہ میں لازم نہ آئے اور ثانی میں اضعف کی اتوی پر کلمہ واحدہ میں تقدیم نہ ہو جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا

گیا۔ اول کی مثال اعطیتہ ایاه کہ دونوں ضمیر غائب ہیں اور ثانی کی مثال اعطیتہ ایاک ہے اس میں ہر چند ضمیر ثانی خطاب کی ہے جو غائب یعنی ضمیر اول سے اعرف ہے لیکن مقدم نہ ہو کر مؤخر ہے۔

والمختار فی خبر باب مکان الانفصال: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب کان کی خبر ضمیر ہو تو اس کو متصل اور منفصل دونوں طرح ذکر کیا جاسکتا ہے متصل تو اس لیے کہ وہ مرفوع کے بعد واقع ہونے کی وجہ سے مفعول کے مشابہ ہے، کیوں کہ مفعول، مرفوع یعنی فاعل کے بعد واقع ہوتا ہے اور یہ بھی مرفوع یعنی اسم کان کے بعد واقع ہے اور مفعول کی ضمیر واجب الاتصال ہوتی ہے، اس لیے متصل بھی ذکر کر سکتے ہیں۔ اور منفصل بھی لا سکتے ہیں، کیوں کہ یہ فی الاصل مبتداء کی خبر ہے، کیوں کہ کان کا اسم و خبر حقیقتاً مبتداء اور خبر ہوتے ہیں اور مبتداء کی خبر واجب الانفصال ہوتی ہے، کیوں کہ اس کا عامل معنوی ہوتا ہے۔

پس ضمیر کا اتصال اور انفصال دونوں جائز ہے، لیکن انفصال اولیٰ ہے، کیوں کہ اصل کی رعایت بمقابلہ مشابہت کے اولیٰ ہے۔ اول کی مثال کنتہ اور ثانی کی مثال کنت ایاه۔

والاکثر لولا انت: یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عموماً لولا کے بعد ضمیر مرفوع منفصل استعمال ہوتی ہے، کیوں کہ لولا کا مابعد مبتداء ہے جس کی خبر محذوف ہوتی ہے اور مبتداء واجب الانفصال ہے، کیوں کہ اس کا عامل معنوی ہوتا ہے، جب کہ ضمیر کا اتصال عامل لفظی کے ساتھ ہوتا ہے۔

پوری گردان یوں ہوگی لولا انت، لولا انتما، لولا انتم، لولا انت، لولا انتما، لولا انتن، لولا هو، لولا ہما، لولا ہم، لولا ہا، لولا ہما، لولا ہن، لولا انا، لولا نحن۔

وعسیت الی آخرها: اور عسی کے بعد ضمیر مرفوع متصل استعمال ہوتی ہے اس لیے کہ عسی کا مابعد فاعل ہوتا ہے اور فاعل واجب الاتصال ہے پوری گردان اس طرح ہے عسیت، عسیما، عسیتم، عسیت، عسیتما، عسیتن، عساہ، عساہما، عساہن، عسیت، عسینا۔ معنیٰ نے یہاں سابقہ طریقہ کے برخلاف گردان بجائے متکلم کے مخاطب سے شروع کی ہے یہ بتانے کے لیے کہاں طرح بھی گردان درست ہے۔

وجاء لولاک: یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں لولا کبھی ضمیر مجرور متصل کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے، اسی طرح عسی کبھی منصوب متصل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔ دونوں کی گردان یوں ہے۔ لولاک، لولاکما، لولاکم، لولاک، لولاکما، لولاکن، لولاہ، لولاہما، لولاہم، لولاہا، لولاہما، لولاہن، لولای، لولانا۔

عساک، عساکما، عساکم، عساک، عساکما، عساکن، عساہ، عساہما، عساہم، عساہا، عساہما، عساہن، عسای، عسانا۔

معلوم ہو کہ لولا اور عسلی میں دو مذہب ہیں انخس اور سیبویہ کا۔ انخس کا مسلک یہ ہے کہ مابعد لولا ضمیر مجرور ہے جو ضمیر مرفوع کی جگہ میں مستعمل ہے، کیوں کہ ضمائر ایک دوسرے کی جگہ میں استعمال ہو جاتی ہیں جیسے اناکانت۔ (کہ میں آپ کی طرح ہوں) میں ضمیر مرفوع، ضمیر مجرور کی جگہ استعمال ہو گئی ہے۔ اور سیبویہ کا کہنا یہ ہے کہ لولا اس جگہ حرف جار ہے اور اس کا مابعد مجرور ہے، لہذا وہ اپنی جگہ ہی مستعمل ہے۔

اور عسلی کے سلسلے میں انخس کا کہنا یہ ہے کہ مابعد عسلی ضمیر منصوب ہے جو ضمیر مرفوع کی جگہ میں واقع ہے۔ اور سیبویہ کا کہنا یہ ہے کہ عسلی فعل کے معنی میں ہے، کیوں کہ دونوں کے معنی قریب قریب ہیں اور عسلی کا مابعد منصوب ہے جو اپنی جگہ میں ہی مستعمل ہے۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ انخس معمول میں تصرف کے قائل ہیں، چنانچہ وہ اول میں ضمیر مجرور اور ثانی میں ضمیر منصوب کو ضمیر مرفوع کی جگہ میں واقع مانتے ہیں اور سیبویہ قائل ہیں ہی تصرف کے قائل ہیں۔

ونون الوقایہ مع الباء لازمة فی الماضی وفي المضارع عربياً عن نون الاعراب وانت مع النون فيه ولدن وان واخواتها مخیرٌ ويختارُ فی لیست ومن وعن وقد وقطٌ وعكسها لعلٌ

ترجمہ:- اور نون وقایہ یائے متکلم کے ساتھ ماضی میں لازم ہے اور مضارع میں درانحالیکہ وہ نون اعرابی سے خالی ہو۔ اور نون اعرابی کے ساتھ مضارع میں لدن اور ان اور اس کے اخوات میں مختار ہے۔ اور لیست اور من اور عن اور قد اور قط میں نون وقایہ مختار ہے اور اس کا الثانی لعل ہے۔

توضیح:- یہاں سے نون وقایہ کا موقع استعمال بتا رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ نون وقایہ کا استعمال یائے متکلم کے ساتھ فعل ماضی میں لازم اور ضروری ہے، تاکہ ماضی کا آخر اس کسرہ سے محفوظ رہے جو اخت ج رہے کہ جو اسم کے ساتھ مخصوص ہے اس مناسبت سے اس نون کا نون وقایہ نام بھی رکھا گیا۔ جیسے ضربنی، اکرمنی۔

نیز نون وقایہ مضارع میں بھی لازم ہے بشرطیکہ مضارع نون اعرابی سے خالی ہو، تاکہ مضارع کا آخر اس کسرہ سے محفوظ رہے۔

وانت مع النون: یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب مضارع نون اعرابی کے ساتھ ہو تو نون وقایہ کے لانے اور نہ لانے کے سلسلے میں اختیار ہے جیسے تضربانسی، تضربونسی لانے کی وجہ سے تو وجہ سابق ہے یعنی آخر مضارع کا کسرہ سے محفوظ رکھنا، اور ترک کی اس لیے اجازت ہے کہ چون کہ نون اعرابی موجود ہے، لہذا نون وقایہ کا مطلب اس سے حاصل ہو جائے گا لہذا اس کی کوئی ضرورت نہ رہی نیز اجتماع

نونات سے گریز کے لیے بھی۔

اسی طرح لذن میں بھی نون وقایہ کے لانے اور ترک دونوں کی اجازت ہے، نون وقایہ کا اثبات محافظت سکون اور حفاظت بناء کی وجہ سے ہے اور حذف اس کے ساتھ حرفی اسم ہونے کی وجہ سے اسی طرح ان، آن، کان، لکن، لیت میں اثبات اور حذف نون وقایہ دونوں کی گنجائش ہے اثبات نون وقایہ تو اس لیے ہے کہ یہ حروف فعل کے مشابہ ہیں، لہذا جیسے فعل میں نون وقایہ کا لائق صحیح ہے اسی طرح جو اس کے مشابہ ہو اس میں بھی درست ہے۔

اور حذف تو اس لیے درست ہے کہ کئی نونات کا اجتماع پسندیدہ نہیں، چنانچہ شروع کے چار حروف میں کئی نونات کا اجتماع ہو جاتا ہے البتہ اخیر کے دو یعنی لیت اور لعل میں بصورت لائق حقیقتاً اگرچہ کئی نونات کا اجتماع نہیں ہوتا ہے لیکن حکماً ایسا ہی ہے اس لیے کہ یہ آخر کے دو شروع کے چار پر محمول ہیں۔

و یختار فی لیت: اب اس کا حاصل یہ ہے کہ لیت میں بھلے نون وقایہ کا حذف درست ہے، لیکن نون وقایہ کا اثبات پسندیدہ ہے، کیوں کہ فعل کے ساتھ مشابہت بھی رکھتا ہے نیز لائق کی صورت میں نونات کا حقیقتاً اجتماع بھی نہیں پس اخوات پر محمول کرنا خلاف اصل ہے۔

نیز من اور عن اور قد اور قط میں بھی لائق نون مختار ہے، تاکہ محافظت علی السکون حاصل رہے جو کہ بناء میں اصل ہے۔ اور لعل میں ترک نون وقایہ مختار ہے، کیوں کہ لامات کے تکرار اور کثرت حروف کی وجہ سے اس میں ثقل ہے۔

وَبِتَوَسُّطِ بَيْنِ الْمُبْتَدَاءِ وَالْخَبَرِ قَبْلَ الْعَوَامِلِ وَبَعْدَهَا صِيغَةُ مَرْفُوعٍ مُنْفَصِلٍ مُطَابِقٍ لِلْمُبْتَدَاءِ وَيُسَمَّى فَصْلاً لِيُفْصَلَ بَيْنَ كَوْنِهِ خَبِراً وَنَعْتاً وَشَرْطُهُ أَنْ يَكُونَ الْخَبَرُ مَعْرِفَةً أَوْ أَفْعَالاً مِنْ كَذَا مِثْلَ كَانَ زَيْدٌ هُوَ الْفَضْلُ مِنْ عَمْرٍو وَلَا مَوْضِعَ لَهُ عِنْدَ الْخَلِيلِ. وَبَعْضُ الْعَرَبِ يَجْعَلُهُ مَبْتَدَاءً وَمَا بَعْدَهُ خَبِراً.

ترجمہ: - مبتدا اور خبر کے درمیان عوامل سے پہلے اور ان کے بعد صیغہ مرفوع منفصل واقع ہوتا ہے جو مبتدا کے مطابق ہوتا ہے اور اس کا نام فصل رکھا جاتا ہے، تاکہ وہ اس کے خبر اور صفت ہونے کے درمیان فرق کر دے، اور اس کی شرط یہ ہے کہ خبر معرفہ ہو یا اسم تفضیل مستعمل بمن ہو جیسے کان زید ہو افضل من عمرو اور اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہے خلیل کے نزدیک اور بعض عرب اس کو مبتدا اور اس کے مابعد کو اس کی خبر قرار دیتے ہیں۔

توضیح: - یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مبتدا اور خبر کے درمیان اس پر عامل کے دخول سے پہلے اور عامل کے دخول کے بعد صیغہ مرفوع منفصل واقع ہوتا ہے جو مفرد اور تشبیہ اور جمع نیز تذكیر تانیث متکلم،

خطاب اور غیبت میں مبتداء کے مطابق ہوتا ہے تاکہ ضمیر اور مرجع میں مطابقت باقی رہے۔

اب سمجھئے کہ مبتداء اور خبر پر کون سے عامل لفظی داخل ہو سکتے ہیں تو وہ کان اور اس کے اخوات، ان اور اس کے اخوات ہیں نیز علمت اور اس کے اخوات ہیں ما اور لا المشبہتین بلیس بھی داخل ہوتے ہیں، کیوں کہ یہ افعال اور حروف درحقیقت مبتداء اور خبر پر ہی داخل ہوتے ہیں البتہ اتنا ہے کہ ان کے دخول کے بعد عامل بجائے معنوی ہونے کے لفظی ہو جاتا ہے اور ان کا نام مبتداء ہونے کے بجائے اسم و خبر اور مفعول اول و ثانی ہو جاتا ہے۔

اب مثالیں سنئے کسی طرح کے عامل کے داخل ہونے سے پہلے کی مثال جیسے زید ہو القائم ہے کہ زید پر کوئی عامل لفظی داخل نہیں ہے اور زید اور اس کی خبر کے بیچ میں ضمیر فصل لے آئے ہیں جو القائم کے خبر اور صفت ہونے کے درمیان فرق کر رہی ہے، کیوں کہ القائم میں معرفہ ہونے کی وجہ سے خبر اور صفت دونوں ہونے کی صلاحیت موجود ہے پس ضمیر فصل کے دخول سے پہلے سامع کو اس کے صفت ہونے اور خبر ہونے دونوں کا شبہ ہو سکتا تھا، لیکن ضمیر فصل کے آنے کے بعد صفت ہونے کا شبہ جاتا رہا، کیوں کہ موصوف اور صفت میں فصل نہیں ہوا کرتا۔ کنت انت الرقیب دخول عامل یعنی کان کے داخل ہونے کے بعد اسم و خبر کے درمیان ضمیر فصل یعنی انت کے لانے کی مثال ہے۔ انہ ہو الغفور الرحیم حرف مشبہ بالفعل کی مثال ہے۔ اور علمت زید ہو القائم، علمت اور اس کے اخوات کی مثال ہے۔ مازید ہو الکرم مشابہ بلیس کی مثال ہے۔ مصنف نے صیغہ مرفوع منفصل کہا، ضمیر مرفوع منفصل نہیں کہا اس لیے کہ ضمیر فصل کے ضمیر ہونے میں اختلاف ہے۔

ویسمی فصلاً: اور اس ضمیر کا نام ضمیر فصل ہے، کیوں کہ یہ نعت اور خبر کے درمیان فرق کر دیتی ہے، بشرطیکہ ضمیر کا مابعد خبر اور نعت دونوں ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے اور اگر ضمیر کے ماقبل میں مبتداء اور موصوف اور اس کے مابعد میں خبر اور صفت دونوں ہونے کا احتمال نہ ہو تو بھی ضمیر فصل کا لانا جائز ہے تاکہ ضمیر کے وقوع میں توسیع ہو جائے۔ اب دونوں احتمال کا نہ ہونا خواہ اعراب مختلف ہونے کی وجہ سے ہو جیسے کان زید ہو القائم کہ زید کان کا اسم ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور القائم خبر کان ہونے کی وجہ سے منصوب ہے پس صفت ہونے کا احتمال نہیں رہا، کیوں کہ موصوف صفت کے اعراب میں مطابقت ضروری ہوتی ہے۔ اور خواہ مبتداء کے ضمیر ہونے کی وجہ سے ہو جیسے کنت انا ہو المجاہد پس جب مبتداء ضمیر ہو جائے تو مبتداء کے موصوف اور خبر کے صفت ہونے کا احتمال ختم ہو جاتا ہے، کیوں کہ ضمیر نہ موصوف ہوتی ہے اور نہ ہی صفت۔ بلکہ اس کا مبتداء اور اس کے مابعد کا خبر ہونا متعین ہے۔

وشرطہ ان یکون معرفة: مبتداء اور خبر کے درمیان ضمیر فصل لانے کی شرط یہ ہے کہ خبر معرفہ ہو یا

خبر اسم تفضیل ہو جو من کے ساتھ مستعمل ہو، کیوں کہ اسم تفضیل مستعمل بمن لام تعریف کے اس پر دخول کے متنع ہونے کی وجہ سے معرفہ کے ہی حکم میں ہے، کیوں کہ معرفہ پر لام تعریف کا دخول منع ہوتا ہے اسی طرح اس پر بھی منع ہے۔

خبر کا معرفہ یا اسم تفضیل مستعمل بمن ہونا اس لیے شرط ہے کہ ضمیر فصل رفع اشتباہ کے لیے ہوتی ہے اور اشتباہ کا تحقق خبر کے معرفہ ہونے کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔

ولا موضع له: خلیل کہتے ہیں ضمیر فصل کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے جب کہ بعض عرب ضمیر فصل کا استعمال حکم نجات مبتداء اور اس کے مابعد کا خبر کے طور پر کرتے ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر ضمیر فصل کا مابعد مرفوع ہے تو خود وہ مبتداء ہوگی اور اگر اس کا مابعد منصوب ہو تو وہ ضمیر الفصل کہلائے گی۔

ويتقدم قبل الجملة ضمير غائب يسمي ضمير الشان والقصة يفسر بالجملة بعده ويكون منفصلاً ومتصلاً، مستترا وبارزا على حسب العوامل نحو هو زيد قائم وكان زيد قائم وانه زيد قائم وحذفه منصوبا ضعيفا لامع ان اذا حُفِفت فانه لازم.

ترجمہ: - اور جملہ سے پہلے ایک ضمیر غائب ہوتی ہے جس کا نام ضمیر شان اور ضمیر قصہ رکھتے ہیں جس کی اس کے بعد واقع ہونے والے جملہ سے تفسیر کی جاتی ہے اور وہ ضمیر منفصل اور متصل، مستتر اور بارز ہر طرح عوامل کے مطابق ہوتی ہے جیسے ہو زيد قائم اور كان زيد قائم وانه زيد قائم اور اس ضمیر کا حذف در انحالیکہ منصوب ہو ضعیف ہے، مگر یہ کہ وہ ضمیر ان مخفف من المثلہ کے ساتھ ہو تو لازم ہے۔

توضیح: - سب سے پہلے معلوم ہو کہ بتقدم کے بعد قبل کا لانا تاکید کے لیے ہے، کیوں کہ ضمیر کا مخرج پر مقدم ہونا غیر معهود ہے۔

اب سماعت فرمائیں کہ جملہ سے پہلے ایک ضمیر غائب ہوتی ہے جس کا نام اس ضمیر کے مذکر ہونے کی صورت میں ضمیر شان رکھا جاتا ہے اور مؤنث ہونے کی صورت میں اسے ضمیر قصہ کہا جاتا ہے، اس لیے کہ ضمیر کے بعد واقع ہونے والا جملہ یا تو مذکر کی حالت بیان کرے گا یا مؤنث کی، یا دونوں کی۔ اول ضمیر شان ہے جیسے ہو اسامة مجاهد اور ثانی ضمیر قصہ ہے جیسے ہی فاطمة ذكبة اور ثالث یا تو عمدہ اس میں مذکر ہوگا یا مؤنث صورت اول میں ضمیر شان جیسے ہو ضرب زيد هند اور ثانی قصہ ہے جیسے ہی ضربت هند زيد، کہ جس کی تفسیر اس ضمیر کے بعد واقع ہونے والے جملہ سے کی جاتی ہے۔

آسانی کے لیے پورا قاعدہ سن لیجئے کہ جملہ سے پہلے ایک ضمیر غائب ہوتی ہے اس کی تفسیر ايسے جملہ سے کی جاتی ہے جو اس ضمیر کے بعد واقع ہوتا ہے۔ جملہ ضمیر کا مفسر اس لیے ہوتا ہے کہ اس ضمیر میں ابہام ہوتا

ہے اور یہ ضمیر باب ضمائر کے خلاف ہے اور تعظیم قصہ کی غرض سے اس کو نحو یوں نے وضع کیا ہے، اس لیے کہ کسی بات کو مبہم ذکر کرنا پھر اس کی تفسیر لانا دل میں بہ نسبت اس کے زیادہ وقعت پیدا کرتا ہے کہ اس بات کو شروع ہی سے تفسیر کے ساتھ بیان کیا جائے۔

ویکون منفصلاً: اس کا حاصل یہ ہے کہ ضمیر شان اور ضمیر قصہ حسب عامل منفصل بھی ہوگی اور متصل مستتر بھی اور ضمیر بارز بھی ہوگی، یعنی جیسا عامل ہوگا ویسی ضمیر ہوگی، اس لیے کہ اس کا عامل یا تو اتصال کی صلاحیت رکھتا ہوگا یا نہیں ثانی منفصل ہے اور اول یا تو ضمیر کے استتار کے قابل ہوگا یا نہیں تو اول مستتر ہے اور ثانی بارز جیسے ہو زید قائم یہ ضمیر شان کے منفصل ہونے کی مثال ہے، کیوں کہ وہ متبدل ہے اور مبتدا کا عامل معنوی ہوتا ہے جب کہ ضمیر کا اتصال عامل لفظی کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور کان زید قائم یہ ضمیر متصل مستتر کی مثال ہے، کیوں کہ ضمیر شان کا عامل فعل ہے اور خود ضمیر مرفوع ہے پس ضمیر غائب مرفوع مفرد کا فعل میں بلا فصل استتار واجب ہے۔

اور اِنَّه زید قائم یہ ضمیر بارز کی مثال ہے، کیوں کہ ضمیر شان منصوب ہے اور اس کا عامل حرف ہے اور حرف میں ضمیر کا استتار ناممکن ہوتا ہے اور جیسے ظننتہ زید قائم کہ اس میں ضمیر شان متصل بارز ہے، کیوں کہ ضمیر منصوب بھلے اس کا عامل فعل ہو اس کا استتار نہیں ہو سکتا۔

وحذفه منصوباً: اس کا حاصل یہ ہے کہ ضمیر شان اور قصہ جب منصوب ہو تو اس کا ضعف کے ساتھ حذف کرنا جائز ہے، منصوب کی قید سے مرفوع نکل گیا کیوں کہ ضمیر مرفوع عمدہ ہوتی ہے اور اس کا حذف کرنا بغیر قائم مقام کے درست نہیں اور منصوب ہونے کی صورت میں حذف اس لیے جائز ہے کہ وہ فضلہ کی صورت پر واقع ہے اور فضلہ کا حذف درست ہوتا ہے لہذا اس کا بھی حذف درست ہوگا۔

اور ضعف کے ساتھ اس لیے ہے کہ ایسی ضمیر جو کہ مراد ہے اس کا بغیر کسی دلیل کے لفظوں سے حذف ہو رہا ہے یعنی ایسی ضمیر جس کا حذف صرف لفظوں سے ہوگا نیت میں بعد الحذف بھی ہوگی اس کا حذف ہو رہا اور کوئی دلیل اس کے وجود پر دلالت کرنے کے لیے نہیں ہے، کیوں کہ خبر مستقل کلام ہے اور رابطہ بھی اس میں نہیں کہ جو حذف ضمیر پر دلال ہو۔ جیسے ان من یدخل الكنيسة يومًا ینلق فیہا جاذراً و طباء۔ کہ اصل میں اِنَّه ضمیر کے ساتھ تھا، شعر کا ترجمہ ہے کہ دن گر جا گھر میں جائے گا تو اس کی ملاقات نیل گائے کے بچوں یا ہرنوں سے ہوگی۔

الامع ان اذا خففت: البتہ اگر ضمیر شان منصوب ان خففت من المشقلہ کے ساتھ ہو تو پھر وہ ضمیر لازم الذکر ہوگی جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے و آخر دعوانہ ان الحمد لله رب العالمین ایسا اس لیے ہے کہ ان خففتہ کسورہ من المشقلہ کا اعمال بعد التحقیف بھی نثر کلام میں موجود ہے جیسے وَاِنْ كُنَّا لَمَّا

لِيُؤْتِيَهُمْ جِبْ كِه اَن مفتوحہ کا اعمال بعد التختيف نثر کلام میں نہیں ہے پس لوگوں نے اس کے اعمال کو ضمير شان میں فرض کر لیا تاکہ فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئے کیوں کہ اگر ضمير شان اَن مفتوحہ مخففہ من المشقلہ کا اعمال فرض نہ کیا جاتا تو یہ غیر مناسب بات ہوتی کہ جس کی فعل سے زیادہ مشابہت ہے وہ تو محروم اعمال رہے اور کم مشابہت والا بازی لے جائے۔

اسماء الاشارة ما وُضِعَ لِمُشَارِ اليه وهى ذَا لِلْمَذْكَرِ وَلِمِشَاءُ ذَانِ وَذَيْنِ وَلِلْمَوْثِ تَا وَذِي وَتِي وَتَهُ وَذِهِ وَتَهِي وَذِيهِ وَلِمِشَاءُ تَانِ وَتَيْنِ وَلِجْمَعِهَا اَوْلَاءِ مَدًّا وَقَصْرًا وَيَلْحَقُهَا حَرْفُ التَّنْبِيهِ وَيَتَّصِلُ بِهَا حَرْفُ الْخَطَابِ وَهِيَ خَمْسَةٌ فِي خَمْسَةِ فَيَكُونُ خَمْسَةً وَعِشْرِينَ وَهِيَ ذَاكَ الِى ذَاكَ وَذَانِكَ الِى ذَانِكَ وَكَذَلِكَ الْبَوَاقِي.

ترجمہ:- اسمائے اشارہ وہ اسم ہے جو مشار الیہ کے لیے وضع کیا گیا ہو اور وہ ڈانڈ کے لیے آتا ہے۔ اور اس کی تشبیہ ڈان اور ذین ہے۔ اور مؤنث کے لیے تَا اور ذِي اور تِي اور تَهُ اور ذِهِ اور تَهِي اور ذِيهِ آتا ہے۔ اور اس کی تشبیہ کے لیے تَان اور تَيْن ہے اور ان دونوں کی جمع کے لیے اَوْلَاءِ مَدِّ اور قصر (دونوں طرح) استعمال ہے اور لاحق ہوتا ہے اسم اشارہ کو حرف تنبیہ اور متصل ہوتا ہے اس کے ساتھ حرف خطاب اور وہ پانچ، پانچ میں ہیں پس وہ پچیس ہو گئے اور وہ ذَاكَ سے ذَاكَن تک اور ذَانِكَ سے ذَاكَن تک اور اسی طرح باقی کلمات۔

توضیح:- اسم اشارہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جس کی وضع مشار الیہ کے لیے اشارہ حیہ کے طور پر کی گئی ہو خواہ یہ اشارہ حیہ جو ارج اور اعضاء سے حقیقتاً ہو اور خواہ حکماً ہو۔

اشارہ حیہ کی قید سے ضمیر غائب اور لام عہد ذہنی سے احتراز ہو گیا کیوں کہ ہر چند ان کی وضع مشار الیہ کے لیے ہی ہوتی ہے، لیکن اشارہ ذہنیہ کے طور پر ہوتی ہے اور اشارہ حیہ کے تعمیم الی الحکمگی کی وجہ سے ذَالِكُمْ اللّٰهُ رَبُّكُمْ جیسی مثالیں اسم اشارہ کی تعریف سے خارج نہیں ہوں گی کیوں کہ اللہ ہر چند غیر محسوس ہے لیکن خوب اچھی طرح اہل ایمان کے اذہان میں خدا کا تصور جاگزیں کرنے کے لیے محسوس کے مرتبہ میں کر لیا گیا ہے پس اللہ کی طرف اشارہ اگرچہ حقیقتاً نہیں ہے لیکن حکماً اشارہ حیہ ہے۔

وہی ذَا: یہاں سے اسم اشارہ کے تعدد کی طرف اشارہ ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ ڈانڈ کو واحد کے لیے مستعمل ہوتا ہے خواہ عاقل ہو یا غیر عاقل۔ اور ذَاكَا تشبیہ حالت رفعی میں ذَان اور حالت نصبی میں ذَيْن استعمال ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ ذَان اور ذَيْن کا اختلاف اسی طرح تَان اور تَيْن کا اختلاف عوامل کے اختلاف کی وجہ سے نہیں ہے جس کی وجہ سے انھیں معرب کہا جائے بلکہ یہ اختلاف وضع کی وجہ سے ہے کہ تشبیہ مرفوع کے لیے ذَان اور تَان کی وضع ہوئی اور تشبیہ منصوب اور مجرور کے لیے ذَيْن اور تَيْن کی وضع

ہوئی۔ پس جب اس اختلاف کی بنیاد عوامل کے اختلاف کے بجائے وضع کا اختلاف ہے لہذا ان کا معنی ہونا صحیح ہے۔ کیوں کہ علت بناء ان میں موجود ہے اور واحد مؤنث کے لیے تا اور ذی اور تہی اور تہہ اور ذہ اور تہی اور ذہی مستعمل ہوتے ہیں۔ یہ سارے الفاظ ذا سے بنے ہیں چنانچہ ذا کے ذال کوتا سے بدل دیا تو تا ہو گیا اور ذال کو بدلے بغیر اس کے الف کو یا سے بدل دیا تو ذی ہو گیا اور الف کو جب ہاء سے بدلا تو ذہ ہو گیا اور جب ذال کوتا سے اور الف کو یا سے بدلا تو تہی ہو گیا اور جب ذال کوتا سے اور الف کو ہاء سے بدلا تو تہہ ہو گیا اور جب آخر میں دونوں بدلیں کو جمع کر دیا تو تہی اور ذہی ہو گیا۔

خبر: وہ کلمات جو واحد مؤنث کے لیے استعمال ہوتے ہیں ان سب میں اصل تا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ تشبیہ ان کلمات میں سے صرف تا سے تان اور تین آتا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ اصل تا ہی ہے اس کے برعکس ایک قول یہ ہے کہ اصل ذی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ ذاند کر کے مقابلہ میں ہے پس اس کا تقاضا یہ ہے کہ جب ذا واحد مذکر کے لیے ہے تو ذی واحد مؤنث کے لیے ہو۔ اور ایک دوسرا قول یہ ہے کہ تا اور ذی دونوں مؤنث کے لیے ہونے میں اصل ہیں کیوں کہ یہ دونوں بقیہ کلمات مؤنث پر مقدم ہیں۔ اور واحد مؤنث کی تشبیہ تان اور تین آتی ہیں۔

اور مذکر اور مؤنث کی جمع اولاء مذ اور قصر دونوں طرح استعمال ہوتی ہے یعنی اسم اشارہ مذکر اور مؤنث کی جمع محدود اور متصور دونوں طرح مستعمل ہے اول کی مثال اولاء اور ثانی کی مثال اولیٰ۔
و بلحقھا حرف التنبیہ: سب سے پہلے معلوم ہو لائق یہاں دخول کے معنی میں ہے، کیوں کہ لائق کسی چیز کے شروع کے بجائے آخر میں ہوتا ہے۔ عبارت کا ما حاصل یہ ہے کہ مخاطب کو اولاً متنبہ کرنے کے لیے شروع اسمائے اشارہ میں ہاء تشبیہ کا دخول ہوتا ہے کیوں کہ مناسب بات یہی ہے کہ مخاطب پہلے متنبہ کیا جائے پھر کسی چیز کی طرف اس کو اشارہ کیا جائے جیسے ذا سے هذا، ذان سے هذان، تا سے هاتان، اور اولاء سے هؤلاء۔

و یتصل بہا حرف الخطاب: اسمائے اشارہ کے ساتھ یعنی آخر میں حرف خطاب بھی متصل ہوتا ہے، تاکہ مخاطب کا مفرد، تشبیہ اور جمع ہونا نیز مذکر اور مؤنث ہونا معلوم ہو جیسے ذاك، ذانکما، اور تانک، تانکما اور اولئک۔

اور حرف خطاب پانچ ہیں، ک، گمما، کم، کب، کن قیاس کا تقاضا تو چھ حروف کا تھا لیکن چون کہ تشبیہ مذکر اور مؤنث دونوں کا مشترک ہے لہذا پانچ حروف ہی بنے۔ اور اسماء اشارہ بھی پانچ ہیں ذا اور ذان تا اور تان اور اولاء پس پانچ کو پانچ میں ضرب دینے سے اسم اشارہ کی پچیس قسمیں حاصل ہو گئیں۔

اور وہ حسب ذیل ہیں۔

اسم اشارہ واحد مذکر ذَاكَ، ذَاكَمَا، ذَاكُم، ذَاكَ، ذَاكُنْ

اسم اشارہ تشبیہ مذکر ذَانِكَ، ذَانِكَمَا، ذَانِكُمْ، ذَانِكِ، ذَانِكُنْ

اسم اشارہ واحد مؤنث تَاكَ، تَاكَمَا، تَاكُم، تَاكِ، تَاكُنْ

ذِيكَ، ذِيكَمَا، ذِيكُم، ذِيكِ، ذِيكُنْ

اسم اشارہ تشبیہ مؤنث تَانِكَ، تَانِكَمَا، تَانِكُمْ، تَانِكِ، تَانِكُنْ

اسم اشارہ جمع مذکر اور مؤنث، اُولَئِكَ، اُولَئِكَمَا، اُولَئِكُمْ، اُولَئِكِ، اُولَئِكُنْ

تشبیہ مذکر اور مؤنث کی رفیعی حالت پر نصی اور جری کو قیاس کر لیجیے جیسے ذینک اور تینک۔ اسی طرح جمع بالقصر پر جمع کو قیاس کر لیجیے جیسے اولاتک۔

وَيُقَالُ ذَا لِلْقَرِيبِ وَذَالِكَ لِلْبَعِيدِ وَذَاكَ لِلْمُتَوَسِّطِ وَتَلْكَ وَتَانِكَ وَذَانِكَ مَشْدَدَتَيْنِ وَاُولَا لِكَ مِثْلَ ذَالِكَ وَامَا تَمْ وَهَنَا وَهَنَا فَلِلْمَكَانِ خَاصَّةً

ترجمہ:- اور کہا جاتا ہے کہ ذَا اسم اشارہ، مشار الیہ قریب کے لیے ہے اور ذَالِكَ مشار الیہ بعید کے لیے ہے اور ذَاكَ متوسط کے لیے اور تَلْكَ اور تَانِكَ اور ذَانِكَ در انحالیکہ دونوں مشدد ہوں اور اُولَا لِكَ، ذَالِكَ کی طرح بعید کے لیے ہیں اور بہر حال تَمْ اور هَنَا اور هَنَا تو بطور خاص مکان کے لیے ہیں۔

توضیح:- ذَا مشار الیہ قریب کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے کہ قلت حروف، قلت مسافت پر دل ہیں اور ذَالِكَ مشار الیہ بعید کے لیے مستعمل ہوتا ہے، اس لیے کہ کثرت مسافت کی کثرت پر دلالت کرتی ہے۔ اور ذَاكَ متوسط کے لیے ہے، کیوں کہ ذَاكَ کے حروف ذَا اور ذَالِكَ کے حروف کے درمیان ہیں پس وہ درمیانی مسافت پر دل ہیں۔

اب ایک سوال البتہ ہے کہ قیاس کا مقتضی تو یہ تھا کہ قریب کے بعد اور بعید سے پہلے اسم اشارہ متوسط کا بیان ہوتا لیکن مصنف نے بعید سے مؤخر کیوں کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ توسط کا مؤخر کرنا اس لیے ہے کہ توسط کا ثبوت قریب اور بعید کے ثبوت کے بعد ہی ممکن ہے۔

اور تَلْكَ اور تَانِكَ اور ذَانِكَ تشدید کے ساتھ اور اُولَا لِكَ لام کے ساتھ ذَالِكَ کی طرح بعید کے لیے ہی مستعمل ہوں گے اور تَاكَ اور تَانِكَ اور ذَانِكَ بغیر تشدید اور اُولَا لِكَ بغیر لام کے متوسط کے لیے استعمال ہوں گے اور جو کلمات متوسط کے لیے ہیں حرف خطاب کے حذف کے بعد وہ قریب کے لیے استعمال ہونے لگتے ہیں۔

واما تم: عام اسمائے اشارہ زمان اور مکان دونوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں البتہ تم جو کائنات فتح اور سیم کی تشدید کے ساتھ اور ہٹنا جو کہ ہاء کے ضمہ اور نون کے غیر مشددہ کے ساتھ ہے اور ہٹنا جو کہ ہاء کے فتح اور نون کی تشدید کے ساتھ ہے، یہ استعمال اکثری ہے ورنہ ہاء کے کسرہ اور نون کی تشدید کے ساتھ بھی اس کا استعمال جائز ہے۔ یہ تینوں کلمات خاص طور سے مکان کے لیے ہی مستعمل ہوتے ہیں الا یہ کہ برائے تشبیہ مجازاً زمان کے لیے بھی استعمال ہو جاتے ہیں جیسے هُنَالِكَ الْوَالِيَةُ لِلَّهِ الْحَقُّ پس یہاں ہٹنا مجازاً زمان کے لیے ہے جو یومئذ کے معنی میں ہے جیسا کہ کبھی زمان کو مجازاً مکان کے ساتھ تشبیہ دے دی جاتی ہے پھر اس کا استعمال مکان کے معنی میں ہوتا ہے جیسے موافقت الاحرام بول کر مجازاً موضع احرام مراد لیتے ہیں حالانکہ موافقت وقت کے معنی میں تھا۔

المَوْصُولُ مَا لَا يَتَمُّ جِزَاءً اِلَّا بِصَلَةٍ وَعَائِدٍ وَصَلَتُهُ جَمَلَةٌ خَبِيرَةٌ وَالْعَائِدُ ضَمِيرٌ لَهُ وَصَلَةُ الْاَلْفِ وَاللَّامِ اسْمُ الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُولِ وَهِيَ الَّذِي وَالْتَبِي وَاللَّذَانِ وَاللَّتَانِ بِالْاَلِفِ وَالْيَاءِ وَالْاُولَى وَالَّذِينَ وَاللَّائِي وَاللَّاءِ وَاللَّامِي وَاللَّامِي وَاللَّوَاتِي وَمَنْ وَمَا وَايٌّ وَايَّةٌ وَذُو الطَّائِيَةِ وَذَا بَعْدَ مَا لِلْاِسْتِفْهَامِ وَالْاَلْفِ وَاللَّامِ

ترجمہ: موصول اس اسم کو کہتے ہیں جو جزء تام نہ ہو، مگر صلہ اور عائد کے ساتھ اور اس کا صلہ جملہ خبریہ ہوتا ہے اور عائد اس کی ضمیر ہوتی ہے اور الف ولام کا صلہ اسم فاعل یا اسم مفعول ہوتا ہے اور اسمائے موصولات الذی اور التی اور اللذان اور اللتان الف اور یاء کے ساتھ اور الاولی اور اللذین اور اللاتی اور اللاء اور اللامی اور اللاتی اور اللواتی اور من و ما اور ای ایة اور ذو قبیلہ طے والا اور ذا جو ما استفہامیہ کے بعد ہو اور الف ولام ہیں۔

توضیح:۔۔۔ سب سے پہلے معلوم ہو کہ جزء کے منصوب ہونے میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ جزء منصوب ہو تمیز ہونے کی بنیاد پر اور اس کی صفت محذوف ہو پس مطلب ہوگا الموصول ما لا یکون جزءاً تاماً الا بصلۃ وعائد اور مطلب یہ ہے کہ ان لا یتتم لا یصیر کے معنی میں ہو اور جزء لا یصیر فعل ناقص کی خبر ہو اور اس کا موصوف تاماً محذوف ہو پس مطلب ہوگا الموصول ما لا یصیر جزءاً تاماً الا بصلۃ وعائد۔ حاصل یہ ہے کہ موصول ایسے اسم کو کہتے ہیں جو صلہ اور عائد کے بغیر جزء تام نہ ہو سکتا ہو۔

اور جزء تام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ایسے جزء اولی ہونے میں کہ مرکب جس کی طرف اولاً مغل ہوتا ہے کسی دوسرے امر کے ملائے جانے کا محتاج نہ ہو جیسے کہ مبتداء اور خبر فاعل اور مفعول چنانچہ جب مرکب کھولتے ہیں تو اولاً یہی اجزاء نکلتے ہیں مثلاً زید قائم ایک مرکب ہے جب اس کی ترکیب دور کی جائے گی تو زید اور قائم نکلیں گے۔ جو مبتداء اور خبر ہیں۔

مصنف نے اس عبارت کے ذریعہ علامہ رضی پر رد کیا ہے، کیوں کہ علامہ رضی کے یہاں جزء تام کا مطلب ہے کلام کارکن ہونا جیسے مند اور مند الیہ فضلات وغیرہ نہیں کیوں کہ وہ رکن کلام نہیں ہوتے اور صلہ سے مراد اس کے معنی لغوی ہیں، اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے، کیوں کہ اصطلاحی صلہ اس جملہ کو کہتے ہیں کہ جو موصول کے بعد مذکور ہو اور ایسی ضمیر کو شامل ہو جو موصول کی طرف لوٹے پس اس اصطلاحی صلہ کا سمجھنا موصول کے سمجھنے پر موقوف ہے، لہذا اگر موصول کی تعریف اس اصطلاحی صلہ کے ساتھ کی جائے تو دور لازم آئے گا۔ اور جہد میں وعائد کا لفظ زیادہ کرنا اس کا قرینہ ہے کہ صلہ سے اصطلاحی صلہ مراد نہیں، کیوں کہ اگر اصطلاحی صلہ مراد ہوتا تو وعائد کی ضرورت نہ ہوتی، اس لیے وعائد خود اصطلاحی صلہ کے مفہوم میں داخل ہے۔ دوسرے یہ کہ لفظ عائد اذا اور حیث وغیرہ کے اخراج کے لیے ہے کیوں کہ یہ الفاظ صلہ لغوی کے محتاج ہوتے ہیں حالاں کہ موصول نہیں ہیں پس عائد کہہ کر ان کو خارج کر دیا کہ موصول، صلہ اور عائد دونوں کا محتاج ہوتا ہے اور یہ الفاظ صرف موصول کے محتاج ہوتے ہیں عائد کے نہیں۔

وصلتہ جملہ خبریہ: موصول کا صلہ جملہ خبریہ ہوتا ہے۔ صلہ تو بیان موصول کے لیے ہوتا ہے اور بیان جملہ سے حاصل ہوتا ہے اس لیے اس کا صلہ جملہ ہوگا اور خبریہ اس لیے ہوگا کہ صلہ موصول کے ساتھ مربوط ہوتا ہے جب کہ انشاء ربط کو قبول نہیں کرتا ہے۔ پس ربط کا مقصد خبریہ سے ہی پورا ہوگا، لہذا خبریہ ہونا ضروری ہوا۔ پس حاصل یہ نکلا کہ موصول کا صلہ جملہ خبریہ یا جو اس کے معنی میں ہو، ہوتا ہے جیسے اسم فاعل، اسم مفعول۔ اور عائد ایسی ضمیر ہوگی جو موصول کی طرف راجع ہو، تاکہ موصول اور صلہ کا ربط استوار رہے۔

وصلۃ الالف واللام: وہ الف ولام جو موصول کے معنی میں ہوتا ہے اس کا صلہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہوگا اس لیے لام موصول صورت میں لام حرنی کے مشابہ ہوتا ہے اور اسم فاعل اور اسم مفعول بھی معنی جملہ اور صورتاً مفرد ہوتے ہیں پس اسم فاعل اور اسم مفعول کو الف لام موصول کا صلہ طے کر دیا گیا تاکہ مشابہت اور حقیقت دونوں کی رعایت ہو جائے۔

وہی الذی: اب یہاں سے اسمائے موصولات کو بیان کر رہے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ الذی مفرد مذکر کے لیے استعمال ہوتا ہے اور النہی مفرد مؤنث کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور اللذان اور اللتان حالت رفعی میں الف ماقبل مفتوح کے ساتھ اور حالت نھی اور جری میں یاء ماقبل مفتوح کے ساتھ موضوع ہیں اول تشبیہ مذکر اور ثانی تشبیہ مؤنث کے لیے استعمال ہوتا ہے اور الاولی جمع مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے آتا ہے۔ البتہ جمع مذکر میں اس کا استعمال زیادہ رائج اور مشہور ہے۔ اور الذین جمع مذکر کے ساتھ مخصوص ہے اور اللہمی اور اللواتی جمع مؤنث کے ساتھ خاص ہیں اور اللاتنی اور اللاتی یاء کے ساتھ مذکر اور مؤنث دونوں میں مستعمل ہوتے ہیں البتہ ان کا استعمال مؤنث میں اشر ہے۔

اللاتی میں ایک استعمال یاء کے حذف اور تاء کے کسرہ کا بھی ہے یعنی اللات اور اللواتی میں تاء اور یاء دونوں کے حذف کے ساتھ اللوا استعمال بھی ثابت ہے۔

مَنْ الذی کے معنی میں عموماً ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی اس کے برخلاف غیر ذوی العقول میں بھی استعمال ہو جاتا ہے جیسے فَمِنْهُمْ مَنْ یَمْشِیْ عَلٰی بَطْنِهِ۔ اور ما عموماً غیر ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن کبھی ذوی العقول کے لیے بھی مستعمل ہو جاتا ہے جیسے وَالسَّمَاءُ وَمَا بَنَاهَا مِنْ۔

دھیان رہے کہ مذکورہ بالا توضیح سے اب کوئی اعتراض نہیں واقع ہوگا کہ من تو صرف ذوی العقول اور ما غیر ذوی العقول کے ساتھ مختص ہیں پھر دوسرے معنوں میں کیونکر مستعمل ہوئے۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ ما اور من کا استعمال مذکورہ مفرود و تشبیہ اور جمع سب کے لیے یکساں بغیر کسی فرق کے ہوتا ہے۔

اور ذوقبیلہ بنی طے کی لغت میں الذی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے شاعر کا قول فَاِنَّ الْمَاءَ اَبٰی وَجَدٰی ÷ وَبِیْرِ ذُو حَفْرَتٍ وَذُو طَوِیْثٍ مَعْنٰی مِنْ التِّیِّ حَفْرَتِهَا اَوِ التِّیِّ طَوِیْثِهَا كَمَا هُوَ۔ شعر کا ترجمہ ہے بلاشبہ پانی تو میرے باپ اور دادا کا ہے اور میرا کنواں وہ ہے کہ جسے میں نے کھودا ہے اور اس کا منہ باندھا ہے۔

اور ذابو ما استفہامیہ کے بعد ہوتا ہے وہ بھی الذی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسے ما ذابقرات معنی میں ہے ما الذی قرات آپ نے کیا پڑھا۔

وَالْعَاتِدُ الْمَفْعُولُ یَجُوزُ حَذْفُهُ وَاِذَا اخْبِرْتَ بِالذِّیِّ صَدْرَتِهَا وَجَعَلْتَ مَوْضِعَ الْمَخْبِرِ عَنْهُ ضَمِیْرًا لَهَا وَاخْبَرْتَهُ خَبْرًا عَنْهُ فَاِذَا اخْبِرْتَ عَنْ زَیْدٍ مِنْ ضَرْبِ زَیْدًا قُلْتَ الذِّیِّ ضَرْبَتُهُ زَیْدٌ وَكَذٰلِكَ الْاَلْفُ وَاللَّامُ فِی الْجُمْلَةِ الْفَعْلِیَّةِ خَاصَّةً لِیَصْحَحَ بِنَاءُ اِسْمِ الْفَاعِلِ اَوْ الْمَفْعُولِ فَاِنَّ تَعَدَّرَ اَمْرٌ مِنْهَا تَعَدَّرَ الْاِخْبَارُ وَمِنْ ثَمَّ اِمْتِنَعَ فِی ضَمِیْرِ الشَّانِ وَالْمَوْصُوفِ وَالصِّفَةِ وَالْمَصْدَرِ الْعَامِلِ وَالْحَالِ وَالضَّمِیْرِ الْمُسْتَحَقِّ لَغَیْرِهَا وَالْاِسْمِ الْمَشْتَمَلِ عَلَیْهِ۔

ترجمہ:- اور عائد جب کہ مفعول ہو تو اس کا حذف کرنا جائز ہے۔ اور جب تو الذی کے ذریعہ خبر دے تو اس کو شروع میں لا اور خبر عن کی جگہ اس کے لیے کوئی ضمیر کر دے اور اسے تو خبر بنا کر ضمیر کے بعد لا پس کہ جب تو زید کے بارے میں ضربت زید کی ترکیب میں خبر دینا چاہے تو تو کہے الذی ضربتہ زید اور اسی طرح الف اور لام جملہ فعلیہ میں خاص طور سے تاکہ اسم فاعل اور اسم مفعول کا بنانا صحیح ہو جائے پس اگر ان میں سے کوئی ایک بات ناممکن ہو جائے تو اخبار (الذی کے ذریعہ) ناممکن ہو جائے گا اور اسی وجہ

سے منتفع ہے ضمیر شان میں اور موصوف اور صفت میں اور اس مصدر میں جو کہ عامل ہو اور حال میں اور ایسی ضمیر میں جو اپنے غیر کی مستحق ہو۔ اور اس اسم میں جو اسی پر مشتمل ہو۔

توضیح:- اس کا حاصل یہ ہے کہ جب وہ ضمیر جو صلہ سے موصول کی طرف لوٹتی ہے مفعول ہو تو اس کا حذف کرنا درست ہے، اس لیے کہ وہ فضلہ ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے جیسے اللہ یسئط الرزق لمن یشاء من عبادہ میں کہ لمن یشاءہ تھا پس مفعول ضمیر کو حذف کر دیا۔ اور اس حذف عائد کی گنجائش مانع نہ ہونے کی شرط کے ساتھ ہے پس اگر کسی جگہ عائد کے مفعول ہونے کے باوجود حذف سے کوئی مانع ہے تو پھر اس کو حذف کرنا درست نہ ہوگا جیسے الذی ضربتہ فی دارہ زید پس اس ترکیب میں ایک ہی صلہ میں دو ضمیریں اکٹھا ہو گئی ہیں اس لیے عائد مفعول کو حذف نہیں کریں گے۔

ایک بات اور یاد رہے کہ صلہ سے موصول کی طرف لوٹنے والی ضمیر جب مفعول ہو تو حذف کی اجازت ہے اور اگر مرفوع ہو جائے یا مجرور ہو تو حذف کی اجازت نہیں۔ مرفوع ہونے کی صورت میں تو ممانعت اس لیے ہے کہ فاعل عمدہ ہوتا ہے اور عمدہ کا حذف درست نہیں اور مجرور کی صورت میں ممانعت اس لیے ہے کہ کثرت حذف لازم نہ آئے کیوں کہ مجرور کا حذف جار کے ساتھ میں ہوگا۔ پس دونوں کا ایک ساتھ حذف لازم آئے گا۔

واذا اخبرت بالذی صدوتھا: یہ باب اخبار بالذی ہے اسے نحو یوں نے طلبہ کے اب تک پڑھے ہوئے مختلف مسائل کا امتحان لینے کے لیے قیام کیا ہے۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جب بذریعہ الذی کسی ایسی چیز کی خبر دینا چاہتے ہیں جو من وجہ معلوم ہو اور من وجہ معلوم نہیں ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ الذی نو شروع جملہ میں لائیں اور مخبر عنہ (یعنی جزء جملہ کی جس کی آپ خبر بذریعہ الذی دینا چاہتے ہیں) کی جگہ پر آپ کوئی ایسی ضمیر لے آویں جو موصول کی طرف لوٹے اور مخبر عنہ یعنی جزء جملہ کو خبر کے طور پر اس ضمیر کے بعد لے آئیے۔

فاذا اخبرت عن زید: مذکورہ بالا قاعدہ کو مثال سے سمجھا رہے ہیں کہ مثلاً آپ ضربت زیداً میں زید کی خبر الذی کے ذریعہ دینا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ شروع میں الذی لائیے اور زیداً مفعول کی جگہ میں کوئی ضمیر لائیے جو الذی کی طرف لوٹ رہی ہو، تاکہ موصول اور صلہ کا ربط قائم رہے پھر زیداً کو خبر بنا کر ضمیر کے بعد لاکریں کہئے الذی ضربتہ زیداً۔

واضح رہے کہ مخبر عنہ کی جگہ میں ضمیر کے لانے کا مطلب یہ ہے کہ ترکیب میں جو محل و مقام مخبر عنہ یعنی اس جزء جملہ کا تھا اب وہی محل اور مقام ضمیر کا ہو جائے گا یعنی ضمیر ترکیبی اعتبار سے مخبر عنہ کی جگہ اور گدی سنبھال لے گی۔

وَكذلك الالف واللام الخ: جس طرح الذی سے خبر کسی جزء جملہ کی دی جاتی ہے اسی طرح الف ولام سے بھی جملہ فعلیہ متصرفہ میں خاص کر۔ پس جملہ فعلیہ میں جب وہ متصرفہ ہو اور اس کے شروع میں کوئی ایسا حرف نہ ہو کہ جس کے معنی اسم فاعل اور اسم مفعول سے نہ حاصل ہو سکتے ہوں جیسے سین اور سوف حرف نفی اور حرف استفہام تو اس کے کسی جز کی خبر جس طرح الذی سے دی جاسکتی ہے اسی طرح الف ولام سے بھی جیسے ضربت زیدًا پس زیدًا کی خبر جس طرح الذی ضربتہ زیدًا لاکر دینا درست ہے اسی طرح الف ولام سے بھی درست ہے جیسے الضاربہ زید اور ضرب عمرو سے جیسے الذی ضرب عمرو اور المضروب عمرو۔

اب قیدوں کا فائدہ سمجھئے الف لام کے ذریعہ خبر دینے کی پہلی شرط ہے کہ وہ جملہ فعلیہ ہوتا کہ اس سے اسم فاعل اور اسم مفعول کا بنانا درست ہو کیوں کہ الف ولام کا صلہ اسم فاعل اور اسم مفعول ہی ہوتا ہے اور یہ دونوں فعل سے ہی بنائے جاتے ہیں، چنانچہ اسم فاعل فعل مضارع معروف اور اسم مفعول مضارع مجہول سے بنتا ہے۔ پس اگر جملہ اسمیہ ہو تو اس میں اخبار صرف الذی کے ذریعہ ہو سکتا ہے جیسے زید منطلق میں یوں کہیں گے الذی ہو منطلق زید اسی طرح اگر سین یا سوف مضارع کے شروع میں ہوں تو چوں کہ ایسے فعل سے اسم فاعل بننے والا سین اور سوف کے معنی سے خالی ہوگا، اس لیے اس کی اخبار صرف الذی سے ہوگی جیسے سبصلی زید سے یوں کہیں گے الذی ہو یصل زید۔

ایک قید اور ہے کہ اس فعلیہ کے افعال متصرفہ ہو کیوں کہ اگر وہ افعال متصرفہ نہیں ہیں یعنی گردان نہیں ہوتی جیسے افعال مقار بہ تو پھر ان سے اسم فاعل اور اسم مفعول بھی نہیں آسکتا، لہذا ان کی اخبار الف اور لام کے ذریعہ ممکن بھی نہیں۔

فان تعذر امر منها: خلاصہ یہ ہے کہ اخبار بالذی کی جو تین شرطیں تھیں اول یہ کہ الذی کا شروع جملہ میں لانا دوسرے یہ کہ خبر عنہ کی جگہ کوئی ضمیر لانا جو الذی کی طرف راجع ہو تیسرے کہ خبر عنہ کو بعد ضمیر خبر بنا کر لانا تو اگر ان میں سے کوئی بھی ناممکن ہو جائے تو پھر اخبار بالذی بھی ناممکن ہو جائے گا۔

اسی وجہ سے کہ جب اخبار بالذی کے شرائط مثلثہ میں سے کوئی شرط فوت ہو جائے تو اخبار بالذی ناممکن ہو جاتا ہے ضمیر شان میں اخبار بالذی ناممکن ہے تیسری شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے جیسے ہو زید قائم پس الذی ہو زید قائم درست نہیں ہے، کیوں کہ ضمیر شان کا جملہ مفسر پر مقدم ہوتا ہے، تاکہ مفسر کی مفسر پر تقدیم نہ ہو جب کہ اخبار بالذی کی صورت میں یہ تقدیم فوت ہو جاتی ہے۔

اسی طرح موصوف اور صفت میں اخبار بالذی درست نہیں ہے کیوں کہ دوسری شرط موصوف اور صفت میں ناممکن ہے، اس لیے کہ اگر موصوف کی خبر الذی کے ذریعہ دی جاتی تو موصوف کی جگہ میں ضمیر کا لانا ہوگا

جو بمنزلہ موصوف ہوگا اور اگر صفت کی خبر الذی کے ذریعہ دی جاتی ہے تو ضمیر صفت کی جگہ میں آئے گی جو بمنزلہ صفت ہوگی جب کہ ضمیر موصوف اور صفت میں سے کوئی بھی چیز نہیں ہو سکتی ورنہ ضمیر کا موصوف اور صفت ہونا لازم آئے گا۔ کیوں کہ مشہور ضابطہ ہے الضمیر لا یصف ولا یوصف بہ پس ضرب زید العاقل میں نہ تو الذی ضرب ہو العاقل زید کہنا صحیح ہے اور نہ ہی الذی ضرب زید ہو العاقل کہنا ہی درست ہے۔

والمصدر العامل: اور اسی طرح اخبار بالذی عمل کرنے والے مصدر میں بغیر معمول کے منع ہے جیسے عجت من ذق القصار الثوب پس اگر بذریعہ الذی، ذق القصار الثوب کی بغیر ثوب کے الذی کے ذریعہ خبر دی جائے تو جو ضمیر ذق القصار مصدر عامل کی جگہ میں لائے جائے گی اس کا ثوب میں عمل کرنا لازم آئے گا حالانکہ ضمیر کا عامل ہونا ممنوع ہے۔ ہاں اگر مصدر عامل کے ساتھ اس کا معمول موجود ہو اور اس کی خبر الذی کے ذریعہ ہو تو درست ہے جیسے الذی عجت منه ذق القصار الثوب۔ اسی طرح اخبار بالذی حال میں ممنوع ہے جیسے جاء نی زید را کبا پس اگر زاکبا جو کہ حال کی خبر بذریعہ الذی دی جائے اور اس کی جگہ ضمیر لائی جائے تو ظاہر ہے کہ ضمیر کے معرفہ ہونے کی وجہ سے حال کا معرفہ ہونا لازم آئے گا، حالانکہ حال کا کمرہ ہونا واجب ہے۔

والضمیر المستحق لغيرها: اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ایسی ضمیر کی خبر الذی کے ذریعہ دینا چاہتے ہیں جو الذی کے ماسوا کی مستحق ہو یعنی اس کا مرجع الذی نہ ہو تو ایسی ضمیر میں اخبار بالذی منع ہے اس لیے کہ اگر آپ اس ضمیر کی الذی کے ذریعہ خبر لاتے ہیں تو پھر وہ غیر بلا ضمیر کے رہ جائے گا اس لیے کہ یہ ضمیر تو الذی کی طرف لوٹے گی جیسے زید ضربتہ پس ضمیر مفعول کہ جس کا مرجع زید ہے اگر الذی کے ذریعہ اس کی خبر دی جائے اور کہا جائے الذی زید ضربتہ یہ کہنا صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ ضمیر مفعول جو کہ اس ضمیر کی جگہ واقع ہے کہ جس کا بذریعہ الذی خبر دینا مقصود ہے اگر الذی کی طرف لوٹی ہے تو مبتدا یعنی زید اس ضمیر سے محروم رہ جائے گا کہ جس کا وہ حق دار ہے اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ جب جملہ خبر ہو تو اس میں کوئی مبتدا کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہونا ضروری ہے اور اگر یہ ضمیر مبتدا کی طرف راجع ہوتی ہے تو موصول بغیر عائد کے ہو جائے گا اور ایسا بھی درست نہیں ہے۔

والاسم المشتمل علیہ: اس اسم کی بھی بذریعہ الذی خبر دینا صحیح نہیں ہے جو اس ضمیر پر مشتمل ہو کہ جو ضمیر الذی کے غیر کے لیے ہے۔ جیسے زید ضربت غلامہ پس غلام جو کہ ایسی ضمیر کو شامل ہے جو کہ بجائے الذی زید کی طرف راجع ہے اور زید اس کا مرجع ہونے کی وجہ سے اس کا حق دار ہے تو اگر غلام کی خبر الذی کے ذریعہ دی جائے اور کہا جائے الذی زید ضربتہ غلامہ پس ضربتہ میں ضمیر مفعول جو

علامہ کی جگہ میں اگر زید کی طرف لوثی ہے تو موصول بلا عائد کے رہ جاتا اور اگر الذی کی طرف لوثی ہے تو مبتدا محروم عائد ہو جاتا ہے۔

وما الاسیة موصولة واستفهامیة وشرطیة وموصوفة وتامة بمعنی شیء وصفة ومن كذلك الا فی التامة والصفة وائی وایة کمن وهی مُعرَبة وحدها الا اذا حُذِفَ صدرُ صلتِها وفی ماذا صَنَعْتَ وَجْهَانِ احدهما ما الذی وجوابه رَفَعُ والاخر ائی شیء وجوابه نصب.

ترجمہ:- اور ما اسمیہ، موصولہ اور استفہامیہ، شرطیہ اور موصوفہ اور تامة بمعنی شیء اور صفت ہوتا ہے۔ اور من اسی طرح سے مگر تامة اور صفت ہونے میں اور ائی اور ایة من کی طرح ہے اور وہ تنہا معرب ہوتا ہے مگر جب اس کا صدر صلہ حذف کر دیا جائے اور ماذا صَنَعْتَ میں دو وجہیں ہیں ایک ما بمعنی الذی اور اس کا جواب مرفوع ہوگا اور دوسرا ما ای شیء کے معنی میں ہوگا اور اس کا جواب منصوب ہوگا۔

توضیح:- ما استفہامیہ متعدد معنوں کے لیے آتا ہے، مجملہ ان معنوں میں ایک موصولہ ہوتا ہے جو علمو ما غیر ذوی العقول کے لیے آتا ہے جیسے اعجبنی ما صنعته پس ما یہاں موصولہ ہے اور کبھی ما موصولہ ذوی العقول کے لیے بھی مستعمل ہو جاتا ہے جیسے والسماء وما بناها میں ما موصولہ ہے جو ذوالعقول یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوا ہے دوسرے کبھی ما شرطیہ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ما یفتح اللہ للناس من رحمة فلا مُمسیک لہا میں ما شرطیہ ہے تیسرے ما کبھی استفہامیہ ہوتا ہے جیسے وما تلک بیمنیک یا مؤمنی چوتھے ما کبھی موصوفہ ہوتا ہے جو بمعنی شیء ہوتا ہے اب اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ ما موصوفہ بمفرد ہو جیسے مرت بما مُعجب لک پس معنی میں مرت بشیء مُعجب لک دوسرے یہ ما موصوفہ بالجملہ ہو جیسے ہمارا قول رُبما تکرہ النفوس من الامر له فرجة کحل العقال ترجمہ: بہت دفعہ نفوس کسی بات سے ناگواری پاتے ہیں کہ جس کے لیے کشادگی ہوتی مانند رتشی کے کھل جانے کے پس ما کی صفت جملہ تکرہ النفوس ہے معنی ہوئے اب شیء تکرہ النفوس من الامر له فرجة کحل العقال.

پانچویں ما تامة بمعنی شیء ہوتا ہو، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَبِعَمَّا هِیَ الْهتِ الْاِوَعْلٰی کے نزدیک شیء منکر کے معنی میں ہوگا اور سیبویہ کے نزدیک الشیء معرف کے معنی میں ما تامة ہوگا، لہذا اِوَعْلٰی کے نزدیک نعم شیء ہو اور سیبویہ کے نزدیک نعم الشیء ہو تقدیر عبارت ہوگی۔ اور چھٹے ما صفت کے معنی میں بھی ہوتا ہے جیسے اضرب ضرباً ما پس ما صفت کے لیے ہے۔

ومن كذلك: اس کا حاصل یہ ہے کہ من بھی تامة اور صفت ہونے کے سوا باقی چار احتمالات میں

ما کی ہی طرح ہے، چنانچہ من موصولہ بھی ہوتا ہے جیسے اکرمت من جاءك پس من موصولہ ہے اور جاءك اس کا صلہ ہے۔ اور من استفہامیہ بھی ہوا ہے جیسے من غلامك اور من ضربت۔ اور شرطیہ بھی ہوتا ہے جیسے من يضرب اضرب اور من موصولہ بھی ہوتا البتہ کبھی اس کی صفت مفرد ہوتی ہے جیسے شعر و کفی بنا فضلاً علی من غیرنا۔ حب النبی محمد ایانا پس من موصولہ ہے جس کی صفت غیرنا مفرد ہے۔ ترجمہ: ان لوگوں پر جو ہمارے سوا ہیں کافی ہے ہم کو محبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم سے۔ اور من موصولہ کی صفت جملہ بھی ہوتی ہے جیسے من جاءك اکرمته کہ من کی صفت جاءك جملہ ہے۔

اب ان کلمات بالا کے معنی ہونے کی وجہ سے لو۔ من اور ما موصولہ معنی ہیں حرف کے مشابہ ہونے کی وجہ سے محتاج ہونے میں کہ جس طرح حرف ضم ضمیمہ کا محتاج ہوتا ہے یہ دونوں صلہ کا محتاج ہیں اور من اور ما استفہامیہ اس طرح من اور ما شرطیہ کا معنی ہونا حرف استفہام اور حرف شرط کے متضمن ہونے کی وجہ سے ہے کہ استفہامیہ حرف استفہام اور شرطیہ حرف شرط کو شامل ہے۔ اور ما تامہ اور صفت کا معنی ہونا لفظ موصولہ کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے۔

واى واية كمن: اور اى واية موصولہ، موصولہ استفہامیہ اور شرطیہ ہونے میں من کی طرح ہے البتہ تامہ اور صفت جیسے من نہیں ہوتا اى اور اية بھی نہیں ہوتے موصولہ کی مثال جیسے ایتهم اشد علی الرحمن عتیا، موصولہ کی مثال جیسے یا ایہا الرجل اور استفہامیہ کی مثل جیسے ایتهم اخوك اور شرطیہ کے مثال جیسے ایاماً تدعوا فله الاسماء الحسنی، اية کی مثالیں بعینہ اى کی ہیں پس اى کو ہٹا کر اية اس کی جگہ پر لے آؤ۔

وهي معربة وحدها: اس کا ما حاصل یہ ہے کہ موصولات میں تنہا اى اور اية ہی معرب ہوتے ہیں اب رہی یہ بات کہ موجب بناء کے پائے جانے کے باوجود یہ معرب کیوں ہوتا ہے تو درحقیقت اسی امر پر تشبیہ کرنا ہے کہ اى اور اية کے اخوات میں اصل معرب ہی ہونا ہے لیکن صرف اى اور اية ہی معرب ہوئے اور باقی معنی ہو جاتے ہیں اس لیے کہ اى اور اية کی مفرد کی طرف اضافت لازم اور ضروری ہے اور اضافت الی المفرد اسم متمکن کے خواص میں سے ہے، لہذا اس کی وجہ سے اسمیت کی جہت طاقتور ہوگئی اور حرف سے مشابہت کمزور ہوگئی لہذا معنی ہونا بھی معدوم ہو گیا اور معرب ہونا لازم ہو گیا البتہ اس کے اخوات میں اضافت الی المفرد لازم نہیں ہے لہذا وہ حرف سے مشابہ ہونے کی وجہ سے معنی ہوں گے۔

الا اذا حذف صدر صلتها: خلاصہ عبارت یہ ہے کہ اى اور اية کی چار حالتیں ہیں اول یہ ہے کہ اى اور اية مضاف نہ ہوں اور صدر صلت مذکور ہو، جیسے رآنی ائی ہو مجاہدہ دوسرے یہ کہ مضاف نہ ہوں اور صدر صلت محذوف ہو جیسے رآنی ائی مجاہد کہ صدر صلہ ہو محذوف ہے۔

تیسرے یہ کہ مضاف ہو اور صدر صلہ بھی مذکور ہو جیسے رآنی الیہم ہو مجاہد اور چوتھے یہ کہ مضاف اور صدر صلہ محذوف ہو جیسے نَمَّ لَنَسْوَعَنَّ مِنْ كَلِّ شَيْعَةَ اِيْهِمْ اَشْدُّ عَلٰی الرَّحْمٰنِ عِنْيَا كَرِ اَصْلٍ میں الیہم ہو اشد ہے۔ پس شروع کے تین احتمالات میں ای اور اية معرب ہوں گے اور آخری صورت مبنی ہونے کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس چوتھی صورت میں ای اور اية کی حرف کے ساتھ مشابہت محذوف کی طرف محتاج ہونے کی وجہ سے مؤکد ہوگی پس حرف کی طرح یہ بھی مبنی قرار پائے۔

واضح ہو کہ جو امثلہ ای کی ہیں وہ ساری اية کی ہو سکتی ہیں پس اسی پر قیاس کر کے اية کی مثالیں نکال لی جائیں۔

وفی ما ذا صنعت: ما ذا صنعت میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ما ذا صنعت ما الذی صنعت کے معنی میں ہو یعنی ما استفہامیہ اور ذا الذی کے معنی میں ہو پس ما مبتدا واقع ہوگا اور موصول اپنے صلہ سے مل کر خبر واقع ہوگا اور ضمیر محذوف ہوگی تقدیر عبارت یوں ہوگی ما الذی صنعتہ اور اس کا جواب مرفوع ہوگا مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے۔ جواب کا مرفوع ہونا اس لیے ہے تاکہ جواب سوال کے جملہ اسمیہ ہونے میں مطابق ہو جائے یوں نصب کی بھی گنجائش ہے بشرطیکہ اس فعل کو مقدر مانا جائے جو سوال میں مذکور ہے لیکن یہ غیر اولیٰ ہے۔

دوسری ترکیب یہ ہے کہ ما ذا صنعت کے معنی ای شیء صنعت کے ہوں اس صورت میں ای شیء مفعول بہ ہونے کی وجہ سے موقع نصب میں ہے، لہذا یہ جملہ فعلیہ ہوگا پس اس کا جواب بھی منصوب ہوگا فعل محذوف کا مفعول بہ ہونے کی بنیاد پر تاکہ جواب جملہ فعلیہ ہونے میں سوال کے مطابق ہو جائے۔

اسماء الافعال ما کان بمعنی الامر والماضی نحو زوید زیداً ای امہلہ وھیہات ذالک ای بعد وفعال بمعنی الامر من الثلاثی قیاس بمعنی کنزال بمعنی انزل وفعال مصدرًا معرفة کفجار وصفة مثل یا فساق مبنی لمشابهتہ له عدلاً وزنة وفعال علمًا للاغیان مؤنثا کقطام وغللاب مبنی فی الحجاز ومغرب فی تمیم الا ما کان فی اخرہ راء نحو حضار.

ترجمہ:- اسماء الافعال جو کہ امر یا ماضی کے معنی میں ہوں جیسے زوید زیداً جو امہلہ کے معنی میں ہے اور ہیہات ذالک ای بعد یعنی ہیہات بعد کے معنی میں ہے اور فعال بمعنی امر ثلاثی مجرد سے قیاس ہے جیسے نزال بمعنی انزل اور فعال جو مصدر معرفہ ہو جیسے فجار اور صفت ہو جیسے یا فساق۔ مبنی ہے اس کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اس کے (یعنی فعال بمعنی امر کے) عدل اور وزن میں اور فعال جو نام ہو کسی ذات مؤنث کا جیسے قطام اور غلاب مبنی ہے مجازی لغت میں اور معرب ہے تمیم میں مگر جب کہ

اس کے آخر میں راء ہو جیسے حضار۔

توضیح:- مبیات میں سے اسمائے افعال بھی ہیں یہ مبنی ہوتے ہیں اس لیے کہ بعض کی وضع ماضی کی سی ہے جیسے قدر جو معنی میں یکفیک کے ہے باقی اسماء افعال کو اسی پر محمول کر لیا گیا ہے یا یہ کہا جائے کہ جو اسم فعل امر یا ماضی کے معنی میں ہے اس کو اسی سے مشابہت اور مناسبت حاصل ہے پس وہ امر یا ماضی کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے مبنی کہلاتا ہے۔

اور امر کو مقدم کرنا اس بات کی طرف توجہ دلانے کے لیے ہے کہ اکثر اسماء افعال امر کے معنی میں ہوتے ہیں اور عزت اسی کے لیے ہے جو کثیر ہو۔

اب اسم فعل کی تعریف سنئے کہ اسم فعل ایسے اسم کو کہتے ہیں جو امر حاضر معروف یا ماضی کے معنی میں ہو جیسے زَوَيْدٌ زيدا معنی میں اَمْهَلَةٌ کے ہے یعنی اس کو مہلت دے دو پس یہ امر کے معنی میں ہے اور ہیہات ذالک بَعْدَ کے معنی میں ہے یعنی وہ دور ہو۔

اب ایک اعتراض سمجھ لیجئے وہ یہ ہے کہ اسم فعل کی یہ تعریف اپنے افراد کے لیے جامع نہیں، کیوں کہ اس تعریف کی رو سے اَفْ بمعنی اتضجر اور اُوْهُ بمعنی اتوجع اسمائے افعال کی تعریف سے نکل گئے، کیوں کہ یہ مضارع کے معنی میں ہیں تو جواب یہ ہے کہ اَفْ اصل میں تضجرت اور اُوْهُ معنی میں توجعت فعل ماضی کے معنی میں ہے لیکن تعبیر مضارع حالی سے کی گئی اس لیے ان دونوں کے معنی انشاء ہیں اور حال انشاء کے مناسب ہوتا ہے۔ پس تعریف جامع ہے۔

وَفَعَالٍ بِمَعْنَى الْأَمْرِ مِنَ الثَّلَاثِي: اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ فعال جو بمعنی امر ہو اور ثلاثی مجرد سے مشتق ہو قیاسی ہے جیسے نِزَالٌ بمعنی انزل، ضَرَابٌ بمعنی اضرب قیاسی کا مطلب یہ ہے کہ ہر فعال ثلاثی سے فعال بمعنی امر کا مشتق ماننا صحیح ہے۔ پس ایسا ہونا سیبویہ کے نزدیک عموماً ہوتا ہے، لازماً نہیں ہوتا، کیوں کہ قَعَادٌ اور قَوَامٌ فعال ثلاثی ہے پھر بھی وہ قَمٌ اور اَقْعَدٌ کے معنی میں نہیں ہے پس معلوم ہوا فعال ثلاثی کا بھی امر ہونا سیبویہ کے نزدیک اکثری ہے واجب نہیں ہے۔ اور غیر ثلاثی وہ قیاسی نہیں ہوتا البتہ سماعی ہوتا ہے جیسے قِرَاءَةٌ اور غِرَاءٌ مبرد کہتے ہیں فعل خواہ از ثلاثی ہو یا باغی وہ سماعی ہی ہوتا ہے جب کہ انفصاح کہتے کہ فعال مطلقاً قیاسی ہوتا ہے۔

وَفَعَالٍ بِمَصْدَرًا: اور وہ فعال جو مصدر معروف ہو جیسے فَجَارٌ جو الفجوة اور الفجور کے معنی میں ہے اسی طرح وہ فعال جو مؤنث کی صفت ہو جیسے فَسَاقٌ بمعنی یا فاسقة مبنی ہیں کیوں کہ یہ دونوں فعال بمعنی امر کے مشابہ ہیں وزن اور عدل میں۔ وزن میں مشابہ ہونا ظاہر ہے رہی بات عدل کی تو جس طرح فعال بمعنی امر مبالغہ کے لیے امر فاعلی سے معدول ہے اسی طرح فعال مصدریہ مصدر معروف سے معدول ہے اور

فعال صفت یہ اپنے فاعل سے معدول ہے۔

وفعال علما: اور وہ فعال جو کسی ذات مؤنث کا نام ہو جیسے قطام اور غلاب تو اس میں دو مذہب ہیں اہل حجاز انہیں مبنی کہتے ہیں و جب یہ ہے کہ یہ اس فعال کے وزن اور عدل میں مشابہ ہیں جو فعال بمعنی امر ہوتا ہے، جب کہ بنو تمیم کہتے ہیں کہ اگر اس فعال کے آخر میں را ہے تب تو ان کی اکثریت اہل حجاز کی طرح مبنی ہونے کی ہی قائل ہے ورنہ ان کے نزدیک وہ فعال معرب ہوگا، کیوں کہ مبنی ہونے کی علت نہیں پائی جاتی اور اس کا علم مؤنث معدول ہونا اس کے معرب ہونے اور غیر منصرف ہونے کو واجب کرتا ہے۔

جب کہ بنو تمیم کے اقلیت اس بات کے حق میں ہے کہ مطلقاً وہ فعال جو کسی مؤنث کا نام ہو خواہ ذوات الراء ہو یا نہ ہو مبنی نہیں ہے۔ جیسے حضار جو ایک ستارہ کا نام ہے اور قطام اور غلاب جو عورتوں کے نام ہیں۔

الإصوات كُلُّ لَفْظٍ حُكِّيَ بِهِ صَوْتُ أَوْ صَوْتٌ بِهِ الْبِهَانُ فَالْأَوَّلُ كَعَفَاقٍ وَالثَّانِي كَنَجْجٍ.

ترجمہ:- اصوات ہر ایسا لفظ کہلاتا کہ جن سے کسی آواز کی نقل کی جائے یا اس کے ذریعہ جانوروں کو آواز دیا جائے۔ اول کی مثال عفاق ہے اور ثانی کی مثال نَجْج ہے۔

توضیح:- اسمائے اصوات مبنی اس لیے ہوتے ہیں کہ وہ ترکیب سے خالی ہوتے ہیں یعنی مرکب نہیں ہوتے۔

اسمائے اصوات ایسے تمام الفاظ کہلاتے ہیں کہ جن کے ساتھ کسی آواز کی نقل کی جاتی ہے یا اس لفظ کے ذریعہ جانوروں کو آواز دی جائے خواہ ہانکنے کے لیے ہو یا بٹھانے یا اور کسی غرض سے اسی طرح سے وہ لفظ بھی اصوات میں شامل ہے جو آدمی کی ابتدائی آواز ہوتی ہے اور کسی خاص کیفیت کے طاری ہونے کے وقت اس کی زبان سے نکلتا ہے جیسے شرمندہ آدمی شرمندگی کے لاحق ہونے کے وقت وی کہتا ہے اول کی مثال عفاق ہے جو کوئے کی آواز کی نقل کے وقت بولا جاتا ہے اور دوسرے کی مثال نَجْج ہے جو اونٹ کو بٹھانے کے لیے کہا جاتا ہے۔

المركباتُ كُلُّ اسْمٍ مِنْ كَلِمَتَيْنِ لَيْسَ بَيْنَهُمَا نِسْبَةٌ فَإِنْ تَضَمَّنَ الثَّانِي حَرْفًا بَيْنِيَا كَخَمْسَةَ عَشْرٍ وَحَادِي عَشْرٍ وَاخْوَاتِهَا الْإِثْنِي عَشْرُ وَالْأَعْرَبُ الثَّانِي كَبُعْلَبِكُ وَبُنَى الْاَوَّلِ عَلَى الْاِصْحَ.

ترجمہ:- مرکب ہر ایسا اسم کہلاتا ہے جو ایسے دو کلموں سے بنا ہو کہ ان کے درمیان کوئی نسبت نہ ہو پس اگر ثانی حرف کو مضمّن ہو تو دونوں جزء مبنی ہوں گے جیسے خمسة عشر اور حادی عشر اور اس کے اخوات سوائے اثنی عشر کے ورنہ دوسرے جزء کو اعراب دیا جائے گا (یعنی وہ معرب ہوگا) جیسے بعلبک اور اول جزء مبنی ہوگا صحیح ترین قول کے مطابق۔

توضیح:- مرکب ہر ایسے اسم کو کہتے ہیں جو ایسے دو کلموں سے مرکب ہو کہ جن کے درمیان نہ

اب ورنہ ہی ترکیب سے پہلے کوئی ایسی نسبت رہی ہو کہ جو دو کلموں میں سے ایک کی دوسرے کے ساتھ ترکیب کی ظاہریت سے مفہوم ہو۔

دو کلمے عام ہیں خواہ حقیقتاً وہ دو کلمے ہوں جیسے کہ مثالیں آگے آرہی ہیں یا حکماً دو کلمے ہوں جیسے سیبویہ کہ اس کا دوسرا جزء کلمہ نہیں ہے بلکہ صوت ہے پس جزء ثانی اگرچہ حقیقتاً کلمہ نہیں ہے، لیکن حکماً تو ہے اسی طرح خواہ وہ دونوں کلمے اسم ہوں یا ایک اسم اور ایک فعل ہو، یا ایک اسم اور ایک حرف ہو یا دونوں فعل ہوں یا ایک فعل اور ایک حرف ہو یا دونوں حرف ہوں۔

نسبت نہ ہونے کی قید سے عبد اللہ اور تائبٌ مشراً جیسی مثالیں خارج ہو گئیں کیوں کہ ان میں سے ہر ایک کے اجزاء میں علیت سے پہلے نسبت تھی بھلے علیت کے بعد وہ نسبت باقی نہ رہی۔

فان تضمن الثانی حرفاً: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر مرکب کا جزء ثانی حرف کو متضمن ہو تو اس کے دونوں جزء مبنی ہوں گے اول جزء اس لیے مبنی ہوگا کہ اس کا آخر وسط کلمہ میں واقع ہو گیا اور وسط کلمہ کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا ہے، لہذا وہ مبنی ہوگا اور جزء ثانی معنی حرف کو متضمن ہونے کی وجہ سے مبنی ہوگا جیسے خمسة عشر اور حادی عشر۔

مصنف نے اس قاعدہ کی وضاحت کے لیے دو مثالیں دی ہیں س بات پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ ان مرکبات کا مبنی ہونا ثابت ہے، خواہ اس کے دونوں جزوں میں سے کوئی ایک ایسا عدد ہو جو عشرہ کے ساتھ مرکب ہو یا ایسا اسم فاعل کا صیغہ ہو جو عدد سے مشتق ہو چنانچہ پہلی مثال عدد مع العشرہ کی ہے اور دوسری مثال مشتق من العدد کی ہے۔

حادی عشر میں یا کافتح ہے صحیح ترین قول کے مطابق اس لیے کہ اعداد مرکبہ کا شروعاتی کلمہ مبنی علی الفتح ہوتا ہے۔ البتہ تخفیفاً یا بالسکون بھی درست ہے اور یہی حکم ثانی عشر کا ہے اخوات سے مراد احد عشر تا تسعة عشر اور حادی عشر تا تسع عشر سوائے انہی عشر کے۔ سب مبنی ہیں۔

البتہ دھیان رہے کہ حادی عشر میں جزء ثانی حرف کو حکماً متضمن ہے، کیوں کہ یہ احد عشر سے مشتق ہے جو حقیقتاً حرف کو متضمن ہے، چنانچہ اس کی اصل ہے احد عشر ہے پس حرف کا متضمن ہونا عام ہے خواہ حقیقتاً ہو اور خواہ حکماً ہو اسی طرح خواہ وہ حرف متضمن حرف عطف ہو یا غیر حرف عطف۔

الا انہی عشر: اس کا استثناء بنیاً سے ہے اخوات سے نہیں پس مطلب یہ ہوا کہ انہی عشر کے دونوں جزء مبنی نہیں ہوتے بلکہ اس کا پہلا جزء معرب ہوتا ہے کیوں کہ نون کے ساقط ہونے میں وہ مضاف کے مشابہ ہے کہ جس طرح نون ثنیہ اضافت کے وقت ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اس کا بھی نون عند

الترکیب ساقط ہو جاتا پس مشابہت کی وجہ سے اس کو اضافت کا ہی حکم دے دیا گیا البتہ جزء ثانی تضمن حرف کی وجہ سے مبنی ہے۔

والا اعرب الثانی: اور اگر دوسرا جزء حرف کو شامل نہ ہو تو پھر جزء ثانی معرب ہو جائے گا، کیوں کہ مبنی ہونے کی علت معدوم ہوگئی جیسے بعلک۔ البتہ جزء اول قول اصح پر مبنی ہوگا کیوں کہ اس کا آخر وسط کلمہ میں واقع ہے جس کا کوئی کل اعراب نہیں ہوتا ہے۔

غیر اصح کا مد مقابل دوسری دو لغتیں ہیں کہ دونوں جزء معرب ہوں اور اول کی ثانی کی طرف اضافت ہو ثانی کے غیر منصرف ہونے کی حیثیت کے ساتھ دوسرا احتمال یہ ہے کہ دونوں معرب ہوں اور اول ثانی کی طرف مضاف ہو لیکن ثانی منصرف ہو۔

الکنايات كم و كذا للعدد و كيت و ذيت للحديث فكم الاستفهامية مميّزها منصوب مفرد والخبرية مجرور مفرد ومجموع وتدخل من فيهما ولهما صدر الكلام وكلاهما يقع مرفوعاً ومنصوباً ومجروراً فكل ما بعده فعل غير مشتغل عنه بضمير كان منصوباً معمولاً على حسبه وكل ما قبله حرف جرّ او مضاف فمجرور والآ فمرفوع مبتداء ان لم يكن ظرفاً وخبر ان كان ظرفاً وكذلك اسماء الاستفهام والشرط وفي مثل عمة لك يا جبرير وخالة ثلثة او جبه وقد يحذف في مثل كم مالك وكم ضربت.

ترجمہ: اسمائے کنایات کم اور کذا عدد کے لیے ہیں اور کیت اور ذیت حدیث کے لیے ہیں کم استفہامیہ اس کی تمیز منصوب مفرد ہوتی ہے۔ اور خبریہ مجرور مفرد اور جمع ہوتی ہے اور من ان دونوں میں داخل ہوتا ہے اور ان دونوں کے لیے صدر کلام ہوتا ہے اور دونوں مرفوع اور منصوب اور مجرور (ترکیب میں) واقع ہوتے ہیں پس ہر وہ (کم) جس کے بعد ایسا فعل ہو جو اس سے اس کی ضمیر (اور اس کے متعلق) کی وجہ سے اعراض نہ کر رہا ہو تو وہ منصوب ہوگا اپنے عامل کے مطابق۔ اور ہر وہ ”کم“ جس کا ماقبل حرف جریا مضاف ہو تو وہ مجرور ہوگا ورنہ وہ مرفوع مبتداء ہوگا بشرطیکہ ظرف نہ ہو اور خبر ہوگا اگر ظرف ہو۔ اور اسی طرح اسمائے استفہام اور شرط ہیں۔ اور عمة لك يا جبرير و خالة جیسی ترکیب میں تین وجہیں ہیں اور کم مالک اور کم ضربت جیسے میں تمیز کو حذف کر دیا جاتا ہے۔

توضیح: کنایات کنایہ کی جمع ہے لفظ اور اصطلاح میں کنایہ کہتے ہیں کہ شی معین کو ایسے لفظ سے بیان کیا جائے جو اس معین چیز پر دلالت کرنے میں صریح نہ ہو کسی مقصد کے تحت مثلاً اُس بات کا

سامع پر مبہم رکھنا منظور ہے جیسے آپ جاء فلان کہہ کر جاء زید مراد لیں تو یہ کنایہ ہے۔

واضح ہو کہ یہاں کنایہ سے مراد وہ لفظ ہے کہ جس سے کنایہ کیا جاتا ہے پس کم و کذا کا الکنایات پر بحیثیت خبر کے حمل صحیح ہو گیا۔ نیز تمام کنایات مراد نہیں ہیں بلکہ بعض مراد ہیں پس یہاں قیاس یہ چاہتا تھا کہ ظروف کی طرح بعض کی قید لگا کر بعض الکنایات کہا جاتا لیکن چون کہ نحو یوں کی اصطلاح ٹھہر گئی کہ کنایات سے بعض معین کنایات ہی مراد ہوتے ہیں اس لیے بعض کے لفظ کی حاجت نہ رہی۔ اور بعض کنایات معبودہ کی تعریف دشوار تھی اس لیے خود ان الفاظ ہی کو شمار کر دیا۔ اور کہا کم و کذا۔

کم و کذا: کم کا مبنی ہونا دو وجہوں سے ہے ایک تو اس کی وضع حرف کے وضع پر ہے تو دوسرے کم استفہامیہ حرف کے معنی کو مضمّن ہے اور کم خبریہ کم استفہامیہ پر محمول ہے۔ اور کذا یہ کاف حرف تشبیہ اور اسم اشارہ سے مرکب ہے پس مجموعہ بمنزلہ کلمہ واحدہ کے ہو گیا جو کم کے معنی میں ہے پس ذاب دستور اپنی اصل بنا پر باقی رہا کیوں کہ وہ اسم اشارہ ہونے کی وجہ سے اصلاً مبنی ہے پس بعد مرکب ہونے کے بھی وہ پورے مجموعہ کے ساتھ مبنی ہی ہے۔ اور کم و کذا کا استعمال عدد سے کذا کے لیے ہوتا ہے خواہ کم استفہامیہ ہو یا خبریہ۔

و کیت و ذیت: کیت و ذیت اور بات جملہ سے کنایہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں یہ دونوں اس لیے مبنی ہوتے ہیں کہ یہ دونوں جملہ کی جگہ میں واقع ہیں اور جملہ من حیث الجملہ نہ معرب ہوتا ہے اور نہ مبنی پس جب مفرد جملہ کی جگہ میں واقع ہو جو معرب اور مبنی ہونے سے خالی نہیں ہوتا تو مبنی ہونے کو معرب ہونے پر ترجیح دے دی گئی اس لیے کہ قبل التریک مفرد میں مبنی ہونا ہی اصل ہے۔

کنایات میں سے نکابن بھی ہے اور اس کے مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کاف تشبیہ اور لفظ اتی سے مرکب ہوتا ہے پس مجموعہ کلمہ واحدہ ہو گیا جو کم خبریہ کے معنی میں ہے پس اس کا معاملہ یوں ہو گیا گویا یہ سکون پر کم کی طرح اسم مبنی ہے۔ اب رہا مسئلہ یہ کہ جب کابن بھی من جملہ کنایات میں سے ہے تو اس کا تذکرہ مصنف نے کیوں نہیں کیا تو اصل معاملہ یہ ہے کہ اس کا مبنی ہونا اس کے اخوات کے مبنی ہونے کی وجہ سے کم تر ہے اس لیے اس کے ذکر سے گریز کیا۔

فکم الاستفہامیہ: کم الاستفہامیہ مبتداء ہے اور میترہا مبتداء ثانی ہے اور منصوب مفرد مبتداء ثانی کی خبر ہے اور پورا جملہ مبتداء اول کی خبر ہے۔

اب سنئے کہ کم استفہامیہ کی خبر منصوب مفرد ہوگی ایسا اس لیے ہوگا کہ کم استفہامیہ مطلق عدد سے کنایہ کے لیے ہوتا ہے اور درمیانی عدد احد عشر سے لے کر تسع و تسعین تک سب کی تمیزیں منصوب مفرد ہوتی ہیں اس لیے اس کی بھی تمیز منصوب مفرد ہوگی۔ کیوں کہ اگر طرف اول یعنی احد سے عشر تک اور طرف ثانی یعنی مائة میں سے کسی ایک کے مطابق تمیز لائی جاتی تو ترجیح بلا مرجع اور خلاف انصاف بات ہوتی اس لیے اعداد

متوسط کی تیز کے مطابق خیر الامور او سطھا کو پیش نظر رکھتے ہوئے کم استفہامیہ کی تیز منصوب مفرد لائی گئی۔ جیسے کم درہما عندک و کم رجلاً ضربت۔

و کم الخبریة: کم خبریہ کی تیز مجرور مفرد اور مجرور جمع دونوں طرح ہوتی ہے جیسے کم رجلاً عندی و کم جیوش لڈی المسلمین۔ پس کم خبریہ کی تیز مجرور مفرد اس لیے ہوگی کہ کم خبریہ عدد کثیر سے کنایہ کے لیے آتا ہے اور عدد کثیر کی تیز مجرور مفرد ہوتی ہے، لہذا اس کی بھی خبر مجرور مفرد ہوگی۔ اور تیز مجرور جمع اس لیے ہوگی کہ عدد کثیر کثرت میں صریح ہے اور کم خبریہ ایسا نہیں ہے پس اس کی تیز کا جمع لانا ضروری ہو گیا، تا کہ فوت شدہ کثرت کی تلافی کا ذریعہ ہو جائے۔

وتدخل من فیہا: اور کبھی کم استفہامیہ اور کم خبریہ دونوں کی تیز پر من بیانیہ داخل ہو جاتا ہے اس لیے کہ تیز بیان ابہام کے لیے ہوتی ہے اور من بھی بیان کے لیے ہوتا ہے پس دونوں کے مابین مناسبت ہے لہذا من کا دخول ان دونوں کی خبر پر درست ہے۔ جیسے کم من رجلاً ضربت و کم من قریۃ اهلکنا۔
ولہما صدر الکلام: کم خواہ استفہامیہ ہو یا خبریہ صدارت کلام کو چاہتا ہے اس لیے کہ استفہامیہ استفہام کو متضمن ہوتا ہے اور کم خبریہ تکثیر میں انشاء کے معنی کو متضمن ہوتا ہے، لہذا اس پر تشبیہ شروع سے ہی مناسب ہے۔

و کلاهما یقع مرفوعاً الخ: اس کا حاصل یہ ہے کہ کم استفہامیہ اور کم خبریہ دونوں مرفوع اور منصوب نیز مجرور واقع ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ تمام اسمائے منہیہ کی طرح اسماء ہیں اور وہ محل رفع اور نصب اور جر میں واقع ہوتے ہیں، لہذا ان دونوں کا بھی یہی حکم ہے۔

فکل ما بعدہ فعل غیر مشتغل عنہ: اب بتا رہے کہ کم منصوب کب ہوگا تو فرماتے ہیں کہ ہر ایسا کم (خواہ استفہامیہ ہو یا خبریہ) جس کے بعد کوئی فعل ہو جو کم کی ضمیر کی وجہ سے کم میں عمل کرنے سے اعراض نہ کر رہا ہو تو وہ کم حسب عامل منصوب ہوگا۔ مطلب یہ کہ اگر وہ فعل مفعول بہ کی وجہ سے نصب کا تقاضا کر رہا ہے تو کم محلاً مفعول بہ ہوگا اور اگر وہ ظرفیت یعنی مفعول فیہ کی بنیاد پر نصب کا تقاضا کر رہا ہے تو وہ مفعول فیہ ہوگا اور اگر وہ فعل مفعول مطلق کی بنیاد پر نصب کا خواہشمند ہے تو وہ مفعول مطلق ہوگا۔ البتہ منصوبات میں سے کسی کا بھی تعین تیز سے ہوگا کہ اگر تیز مفعول بہ ہے تو کم بھی مفعول بہ ہوگا اسی پر باقی کو قیاس کر لیجیے۔ کم استفہامیہ کی مثال جیسے مفعول بہ کم رجلاً ضربت اور ظرف کی مثال جیسے کم یوماً سرت اور مصدر یعنی مفعول مطلق کی مثال جیسے کم ضربتہ ضربت اور خبریہ کی مثالیں کم رجلاً ملک و کم یوم صمت و کم ضربتہ ضربت۔ پس اول مفعول بہ اور ثانی مفعول فیہ اور ثالث مفعول مطلق کی مثال ہے۔

وکل ما قبله حرف جرّ او مضاف فمجرور: اب یہاں سے مجرور ہونے کے موقع کو بتا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر کم کے ماقبل حرف جریا مضاف ہو تو کم مجرور ہوگا، اس لیے کہ حرف جریا اپنے مدخول کو اور مضاف اپنے مضاف الیہ کو بردیتے ہیں۔ مثال حرف جریا جیسے بکم درہم اشتریت مضاف کی مثال جیسے غلام کم رجلی ضربت، بکم رجلاً مررت و غلام کم رجلاً ضربت۔

والا فمرفوع: والا سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اگر کم کے بعد کوئی فعل یا شبہ فعل ایسا نہ ہو کہ جو اس میں اس کی ضمیر کی وجہ سے عمل کرنے سے اعراض نہ کر رہا ہو اور نہ ہی کوئی حرف جریا سے قبل ہو اسی طرح کسی مضاف کی اس کی طرف اضافت نہ ہو تو وہ مرفوع ہوگا اب وہ مرفوع بصورت مبتدا بھی ہو سکتا ہے اور خبر بھی پس اگر کم استفہامیہ اور خبریہ ظرف نہیں واقع ہیں تو ترکیب میں مبتدا ہیں اور اگر ظرف ہیں تو پھر خبر ہیں، کیوں کہ اگر اس کی تمیز ظرف ہے تو ظرف باعتبار حعلق جملہ ہوتا ہے اور جملہ مبتدا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

مبتدا ہونے کی مثال جیسے کم رجلاً اخوتک اور کم رجلی قام اور خبر کی مثال کم یوما سفروک اچھا خبر کا ظرف ہونا تمیز کے ظرف ہونے سے معلوم ہوگا کہ اگر تمیز ظرف ہے تو وہ بھی ظرف ہوگا۔

و کذا الذک اسماء الاستفہام: یہاں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اسمائے استفہام اور اسمائے شرط کُل اعراب میں کم کی طرح ہیں یعنی منصوب مجرور اور مرفوع ہونے میں مبتدا خبر ہونے کی وجہ سے لیکن یہ بات دھیان رہے کہ وجوہ مذکورہ کا مجموعہ ان اسمائے کے مجموعہ میں ہے ایسا نہیں ہے کہ وجوہ اربعہ مذکورہ ہر ہر اسم استفہام و شرط میں پائے جاتے ہوں تفصیل ملاحظہ ہو۔

آپ کو معلوم ہو کہ اسمائے استفہام اور شرط من حیث الذات تین قسموں پر ہیں ایک قسم استفہام اور شرط کے درمیان مشترک ہے اور یہ من اور ما اور ائی اور این اور انی اور منی ہیں اور ایک قسم شرط کے ساتھ خاص ہے اور وہ اذا ہے اور ایک قسم استفہام کے ساتھ مخصوص ہے اور وہ کیف اور ایان ہے اور یہ اسمائے وجوہ اربعہ مذکورہ کے جاری ہونے کے اعتبار سے چار قسموں پر ہیں وجہ حصر یہ ہے کہ یہ اسماء یا تو ظرف ہوں گے یا غیر ظرف پس اگر وہ ظرف ہوں تو دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ استفہام کے معنی کو متضمن ہوں تو اس میں تین وجوہ جاری ہوں گے جرعلی الاضافت نصب علی النظر فیہ اور رفع علی الخبر یہ، رفع علی الابتداء کا احتمال نہیں ہے اس لیے وہ غیر ظرف کے ساتھ خاص ہے اور یہ قسم ظرف ہے۔ اور اگر وہ شرط کے معنی کو شامل ہوں تو اس میں دو وجوہیں پائی جائیں گی جرعلی الاضافت اور نصب علی النظر فیہ رفع کی مطلقاً گنجائش نہیں رفع علی الابتداء تو اس لیے ناممکن ہے کہ وہ غیر ظرف کے ساتھ مختص ہوتا ہے اور یہ قسم ظرف ہے اور رفع علی الخبر یہ اس لیے ناممکن ہے کہ اگر وہ خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو، تو اس کا ما بعد مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا

حالات کہ اس کا مابعد فعل ہے جو مبتداء ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

اور اگر اسمائے شرط و استفہام غیر ظرف ہوں تو بھی دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ لازم الاضافت ہوں گے یا ایسا نہیں ہوگا۔ اول جیسے ائی اور ابن تو اس میں وجوہ اربعہ جاری ہوں گے جر علی الاضافت، نصب علی المفعولیت اور رفع علی الابداء بشرطیکہ اس کا مابعد غیر ظرف ہو اور رفع علی الخمر یہ بشرطیکہ اس کا مابعد ظرف ہو۔

اور دوسری صورت جیسے من اور ما تو اس میں تین وجوہ کی گنجائش ہے خواہ وہ حرف شرط کے معنی کو متضمن ہوں یا استفہام کے، جر علی الاضافت نصب علی المفعولیت اور رفع علی الابداء، رفع علی الخمر اس کا امکان نہیں ہے، کیوں کہ وہ ظرف کے ساتھ مختص ہے اور یہ ظرف نہیں ہے۔

وفی مثل ع کم عمۃ لك یا جویو: کم عمۃ لك یا جویو وخالۃ جیسی ترکیب میں تین وجہیں درست ہیں لیکن تفصیل میں جانے سے پہلے پورا شعر سماعت کیجیے کم عمۃ لك یا جویو وخالۃ ÷ فدعاء قد حلبت علی عشاری۔ شعر کا ترجمہ ہے کتنی ہی پھوپھیاں تیری اے جریو اور خالائیں کہ تیزھے ہاتھ یا تیزھے پاؤں والیاں ہیں جنھوں نے میری دس ماہ کا بھن اونٹنیوں کا دودھ میرے اوپر پڑ کر دوھا ہے۔

اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جو کم استفہامیہ اور خبریہ دونوں کا احتمال رکھتی ہو اور تمیز کے ذکر و حذف کا بھی پس یہ احتمالات ثلاثہ نفس کم میں بھی اور اس کی تمیز میں بھی جاری ہو سکتے ہیں۔

خود کم میں جو تین احتمال ہیں وہ یہ ہیں۔ اول رفع علی الابداء اگر اس کی تمیز مذکور ہو یعنی عمۃ پھر کم دو حال سے خالی نہیں یا وہ کم استفہامیہ ہوگا یا کم خبریہ۔ بصورت استفہامیہ معنی ہوں گے کم عمۃ لك یا جویو وخالۃ۔ اور خبریہ ہونے کی صورت میں معنی ہوں گے کم عمۃ لك یا جویو وخالۃ۔

دوم نصب علی النظر فیہ یعنی مفعول فیہ ہونے کی بنیاد پر منصوب ہونا۔ اگر اس کی تمیز محذوف ہو یعنی مرۃ پس استفہام کی تقدیر پر مطلب ہوگا عمۃ لك یا جویو وخالۃ فدعاء کم مرۃ قد حلبت علی عشاری۔ اور خبریہ ہونے کی صورت میں مطلب ہوگا عمۃ لك یا جویو وخالۃ فدعاء کم مرۃ قد حلبت علی عشاری۔

سوم نصب علی المصدر یعنی مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہونا اگر اس کی تمیز محذوف ہو یعنی حلبت تو استفہامیہ ہونے کی صورت میں مطلب ہوگا عمۃ لك یا جویو وخالۃ فدعاء کم حلبۃ قد حلبت علی عشاری اور خبریہ ہونے کی صورت میں معنی ہوگا کم حلبۃ قد حلبت علی عشاری۔ اور انھیں مذکورہ بالا وجوہ ثلاثہ کا احتمال کم کی تمیز میں بھی ہے۔ اول رفع علی الابداء اگر تمیز کم محذوف

ہو یعنی مرۃ یا حلبۃ مطلب ہوگا عمۃ لك یا جریر و خالۃ فدعاء کم مرۃ قد حلبت علی عشاری استفہامیہ ہونے کی صورت میں اور خبریہ ہونے کی صورت میں مطلب ہوگا عمۃ لك یا جریر و خالۃ فدعاء کم مرۃ قد حلبت علی عشاری پس احتمال مذکور میں کم دونوں طرح ہو سکتا ہے۔

اور احتمال ثانی عمۃ کا منصوب ہونا جب کہ استفہامیہ کی تمیز ہوا احتمال ثالث ہے عمۃ کو مجرور پڑھنا بشرط کہ وہ کم خبریہ کی تمیز ہو۔ بقیہ عبارت سابق کی طرح ہوگی۔

توجیہ اول ما سبق کے زیادہ مناسب ہے، اس لیے کہ اس کی بنیاد کم کے اعراب کے وجوہ پر ہے جو ما قبل میں مذکور ہیں پس گویا یہ ما قبل پر ہی تفریح ہوگی بخلاف دوسری توجیہ کے کہ اس کی بنیاد تمیز کے حذف اور ذکر پر ہے اور یہ بات ما سبق میں نہیں البتہ ما بعد میں مذکور ہے پس مناسب یہ تھا کہ اس مثال کو مصنف کے قول وقد یحذف فی مثل کم مالک و کم ضربت کے بعد لایا جاتا۔

وقد یحذف: حاصل عبارت یہ ہے کہ کم خواہ استفہامیہ ہو یا خبریہ ان کی تمیز کم مالک اور کم ضربت جیسی مثال میں کبھی حذف بھی کر دی جاتی ہے۔

اس جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے جس میں قرینہ تمیز کے حذف پر قائم ہو۔ اور یہ بات شبہ سے بالاتر ہے کہ تمیز کے حذف پر قرینہ ان دونوں مثالوں میں موجود ہے اس لیے کہ جب مال کی مقدار کے بارے میں سوال ہوگا جیسا کہ استفہامیہ میں ہوتا ہے یا مال کے کثرت کی اطلاع دی جائے گی جیسا کہ خبریہ میں ہے تو ظاہر حال اس بات پر قرینہ ہوگا کہ مسؤل عنہ یا مخبر عنہ دارہم اور دنانیر کی مقدار ہے۔

پس تقدیر عبارت کم درہمًا مالک یا کم دینارًا مالک استفہامیہ ہونے کے وقت اور کم دراہم مالی یا کم دینار مالی خبریہ ہونے میں ہو جائے گی۔

اور اسی طرح جب ضرب کی مقدار کے بارے میں سوال ہوگا یا ضرب کی کثرت کی اطلاع دی جائے گی تو ظاہر حال قرینہ اس بات پر ہوگا کہ مسؤل عنہ یا مخبر عنہ موات یا ضربات ہیں پس تقدیر عبارت ہوگی کم مرۃ یا کم ضربۃ ضربت استفہامیہ کی صورت میں اور کم ضربۃ یا کم مرۃ ضربت خبریہ ہونے کی حالت میں۔

الظروف منها ما قُطِعَ عَنِ الاِضَافَةِ كَقَبْلٍ وَبَعْدَ وَاجْرَى مَجْرَاهُ لَا غَيْرُ وَلَيْسَ غَيْرُ وَحَسْبُ وَمِنْهَا حَيْثُ وَلَا يُضَافُ اِلَّا اِلَى الْجُمْلَةِ فِي الْاَكْثَرِ وَمِنْهَا اِذَا وَهِيَ لِمُسْتَقْبَلٍ وَفِيهَا مَعْنَى الشَّرْطِ وَلِلذَلِكَ اخْتِيَارُ بَعْدَهَا الْفِعْلُ وَقَدْ تَكُونُ لِلْمَفْجَاةِ فَيَلْزِمُ الْمَبْتَدَأَ بَعْدَهَا وَمِنْهَا اِذَا لِلْمَاضِي وَيَقَعُ بَعْدَهَا الْجُمْلَتَانِ.

ترجمہ:- ظروف (۱۰) میں سے بعض وہ ہیں کہ جن کو اضافت سے الگ کر دیا گیا ہے جیسے قبل

اور بعد اور بعد کے قائم مقام کر دیا گیا ہے لاغیر اور لیس غیر اور حسب کو۔ اور من جملہ ظروف سے جیٹ ہے اور وہ نہیں مضاف ہوتا ہے مگر عموماً جملہ کی طرف اور مجملہ ظروف سے اذہا ہے اور وہ مستقبل کے لیے ہے اور اس میں شرط کے معنی ہیں اور اسی وجہ سے اس کے بعد فعل کو اختیار کیا گیا اور کبھی وہ مقافات کے لیے ہوتا ہے تو اس کے بعد مبتدأ لازم ہے۔ اور مجملہ ظروف سے اذہا ہے جو ماضی کے لیے ہے اور اس کے بعد دو جملے واقع ہوتے ہیں۔

توضیح: - ظروف کی ایک قسم وہ ہے کہ جن کے مضاف الیہ کو حذف کر دیا جاتا ہے، لیکن وہ نیت میں مراد ہوتا ہے جیسے قبل اور بعد تو یہ حروف کے ساتھ احتیاج میں مشابہت کی وجہ سے مبنی علی الضم ہوتے ہیں جیسے لئذ الامر من قبل ومن بعد ایسے ظروف کا لقب غایات ہے، اس لیے کہ غایت کہتے ہیں کہ جس پر کسی چیز کی انتہا ہو جائے تو کلام کی انتہاء ذکر کی صورت میں مضاف الیہ پر ہوتی تھی پس اب جب کہ مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا تو منجہائے کلام مضاف ہو گیا پس اس مناسبت کی وجہ سے ان کو غایات کہا جانے لگا۔

اور ان کا ضمہ پر مبنی ہونا اسی لیے ہے تاکہ ضمہ مضاف الیہ کے حذف کی تلافی ہو جائے۔ اب سنئے اگر ان ظروف کے مضاف الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے یا مضاف الیہ کا حذف نسیا منسیا کے طور پر ہوتا ہے یعنی مضاف الیہ نیت میں بھی باقی نہیں رہ جاتا ہے تو ایسی صورت میں قبل اور بعد معرب ہوں گے جیسے شاعر کا قول ع رُبُّ بَعْدَ كَانَ خَيْرًا مِنْ قَبْلِ۔

نیز ان ظروف میں مضاف الیہ کے عوض علی سبیل القلۃ تنوین بھی درست ہے پر ایسی صورت میں یہ معرب ہو جائیں گے جیسے - فساغ الی الشراب و کنت قبلاً ۱۰ کاد اغص بالماء الفرات شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ باسانی مجھے شراب حلق سے نیچے اتر جاتی ہے، ورنہ اس سے پہلے تو مجھے خالص پانی کے پینے میں بھی اچھو لگتا تھا۔

واجری معجراہ: وہ ظروف جو مقطوع عن الاضافۃ اور مبنی علی الضم ہوتے ہیں انھیں کے قائم مقام یعنی ان کے حکم میں لاغیر اور لیس غیر اور حسب بھی ہیں کہ ان کا بھی مضاف الیہ محذوف منوی ہوتا ہے اور یہ اسماء مبنی علی الضم ہوتے ہیں غایات میں مشابہت کی وجہ سے۔

غیر کے لیے جو کہ اسمائے ظروف سے نہیں ہے لایا لیس کے بعد ہونا شرط ہے کیوں کہ غیر ان دونوں کے بعد کثیر الاستعمال ہے، کثرت استعمال تخفیف کا تقاضہ کرتا ہے پس مضاف الیہ کو حذف کر کے اس کو ہلکا کر دیا۔ جیسے جاء نی زید لا غیر یا لیس غیر۔

اور حسب کا مضاف الیہ محذوف منوی اس لیے ہتا ہے کہ وہ غیر کے مشابہ ہے کثرت استعمال میں پس

جیسے غیر کا مضاف الیہ محذوف منوی ہوتا حسبُ کا بھی محذوف منوی ہوگا نیز حسبِ اضافہ کے ساتھ مشہور بھی نہیں ہے۔

ومنہا حیث: اور من جملہ ظروف کے حیث ہے جو غایات کی طرح مبنی ہوتا ہے وجہ یہ ہے کہ حیث عموماً مضاف الی الجملۃ ہوتا ہے اور وہ اسم جو جملہ کی طرف مضاف ہو اس کا معاملہ ایسا ہے گویا اس کی اضافت ہی نہیں ہوئی، کیوں کہ جملہ حقیقتاً مضمون جملہ کی طرف ہوتا ہے اور وہ مذکور نہیں ہوتا اور جو لفظ میں موجود ہے (یعنی الفاظ جملہ) وہ مضاف الیہ نہیں ہے پس گویا حکماً یہ مقطوع عن الاضافۃ ہو گیا لہذا یہ ابہام میں غایات کے مشابہ ہو گیا اور غایات مبنی ہوتے ہیں لہذا حیث بھی مبنی ہوگا۔

اور اضافت الی الجملہ اکثر استعمال میں ہوتا ہے پس کبھی حیث مفرد کی طرف بھی مضاف ہو جاتا ہے جیسے شاعر کا قول اَمَّا تَرَى حَيْثُ سَهَيْلٍ طَالِعًا ۖ نَجْمٌ تَضِيءُ كَالشَّهَابِ سَاطِعًا شِعْرًا تَرَجْمَهُ يَدٌ يَدٌ كَيْفَ نَهَيْتِ دِيكَتَهُ تَوَسَّيْلُ كِي جگہ کو اس حال میں کہ سہیل طلوع کرنے والا ہے کہ وہ ایک ستارہ ہے جو آگ کے شعلہ کی طرح روشن اور بلند ہوتا ہے۔ محل استدلال حیث ہے جو مفرد کی طرف مضاف ہے۔

اب اضافت الی المفرد کے وقت بعض اس کو معرب قرار دیتے ہیں کیوں کہ علت بنا یعنی اضافت الی الجملہ معدوم ہے، لہذا مبنی ہونا بھی باقی نہ رہے گا۔ لیکن دوسرے بعض حضرات مبنی ہی سمجھتے ہیں کیوں کہ اضافت الی المفرد شاذ ہے اور شاذ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

ومنہا اذا: اور ظروف مہیہ میں سے اذا بھی ہے خواہ زمان کے لیے ہو یا مکان کے لیے ہو مبنی اضافت الی الجملۃ کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ تفصیل گذر چکی اور اذا زمانہ مستقبل کے لیے ہوتا ہے خواہ اذا ماضی پر داخل ہو کیوں کہ اس کا استعمال اصلاً زمانہ مستقبل کے لیے ہی ہوتا ہے اور اس فعل کا وقوع بتانے کے لیے جس کا واقع ہونا متکلم کے اعتقاد میں یقینی ہو کیوں کہ یقینی امور میں ہی اس کا استعمال بکثرت پایا جاتا ہے جیسے اذا الشمس كورت۔

البتہ کبھی خلاف اصل، زمانہ ماضی کے لیے بھی استعمال رائج ہے جیسے حتی اذا بلغ بين السدين اور اسی طرح حتی اذا ساوى بين الصدفين۔

وفیہا معنی الشرط: اور اذا میں شرط کے بھی معنی پائے جاتے ہیں یعنی ایک جملہ کا دوسرے جملہ کے مضمون پر مرتب ہونا پس یہ اذا کے مبنی ہونے کی دوسری وجہ ہوگی۔

خیر: چون کہ اذا میں شرط کے معنی موجود ہیں اس لیے اس کے بعد فعل کا لانا مختار ہے کیوں کہ فعل کو شرط سے مناسبت ہے البتہ چون کہ اذا شرطیت میں اصل نہیں ہے، اس لیے اس کے بعد اسم کا آنا بھی درست ہے بھلے غیر اولی ہے۔

وقد تكون للمفاجأة: کبھی کلمہ اذ بغير شرط کے محض مفاجأة کے لیے ہوتا ہے مفاجأة کسی چیز کے رفتہ اور اچانک ہو جانے اور پکڑ لینے نیز اچانک پہنچ جانے کو بھی کہتے ہیں۔ تو جب اذ مفاجأت کے لیے ہوگا تو اس کے بعد مبتدا لازم ہے تاکہ اذ مفاجاتیہ اور اذ شرطیہ میں فرق قائم رہے جیسے خرجت فاذا السبع واقف، البتہ لزوم یہاں کثرت وقوع کے معنی میں ہے یعنی اکثر اذ مفاجاتیہ کے بعد مبتدا آتا ہے چنانچہ کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔

ومنها اذ: ظروف مبیہ میں سے اذ بھی ہے اس کے مبی ہونے کی وجہ وہی ہے جو حیث کی ہے، نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کی وضع حرف کی سی ہے اذ چون کہ شرط کے لیے نہیں ہوتا اس لیے اس کے بعد جملہ فعلیہ اور اسمیہ دونوں ہو سکتے ہیں، البتہ عموماً ماضی کے لیے ہی مستعمل ہوتا ہے مثال جیسے اذ زید عالم اذ قام اسامہ ہاں کبھی اذ کا استعمال مستقبل کے لیے ہو جاتا ہے جیسے اذ الاغلال فی اعناقہم۔

ومنها این وانی للمکان استفهاماً وشرطاً ومتی للزمان فیہا وایان للزمان استفهاماً وکیف للحال استفهاماً ومذ ومند بمعنی اول المدة فیلیہما المفرد المعرفة وبمعنی الجميع فیلیہما المقصود بالعدد وقد یقع المصدر او الفعل او ان او ان فیقدر زمان مضاف وهو مبتدا وخبره ما بعده خلافاً للزجاج۔

ترجمہ:- اور ظروف مبیہ میں سے این اور انی مکان کے لیے ہیں درانحالیکہ وہ استفہام اور شرط ہوں۔ اور متی زمان کے لیے ان دونوں میں ہے اور ایان زمان کے لیے حالت استفہام میں ہے اور کیف حال کے لیے استفہام کی حالت میں ہے اور مذ اور مند ابتدائے مدت کے معنی میں ہوتے ہیں پس ان دونوں سے مفرد معرفہ متصل ہوتا ہے اور جمیع مدت کے معنی میں نیز ہوتے ہیں تو ان سے مقصود بالعدد متصل ہوتا ہے اور کبھی مصدر یا فعل یا ان یا ان واقع ہوتا ہے تو مقدر مانا جاتا ہے زمان جو مضاف ہو اور وہ مبتدا ہوتا ہے اور خبر ان کا مابعد ہوتا ہے مخالفت کرتے ہوئے زجاج کے۔

توضیح:- ومنها این وانی: ظروف مبیہ میں سے این اور انی بھی ہیں جو مکان کے لیے مستعمل ہیں چاہے وہ حالت استفہام میں ہوں یا برائے شرط جیسے این زید استفہام کی مثال ہے این تکن اکن شرط کی اور انی زید استفہام اور انی تقعد اقعد شرط کی مثال ہے ان دونوں اسموں کا مبی ہونا حرف استفہام اور شرط کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے ہے۔

ومتی للزمان: اور کلمہ متی استفہام اور شرط دونوں میں زمان کے لیے آتا ہے۔ جیسے متی العطلۃ برائے استفہام اور متی تحفظ الدرس احفظہ برائے شرط کی مثال ہے متی شرطیہ اور اذ شرطیہ میں فرق یہ ہے کہ اول زمان مبہم کے لیے مستعمل ہے جب کہ اذ زمان معین کے لیے آتا ہے۔ اس کی علت بناء حرف

استفہام یا شرط کے معنی کا متضمن ہونا ہے۔

وایان للزمان: کلمہ ایان حالت استفہام زمان کے لیے آتا ہے جیسے ایان یوم والذین قیامت کا دن کب ہوگا۔ ایان اور متنی میں فرق یہ ہے کہ ایان امور عظیم ہانکد اور زمانہ مستقبل کے لیے مخصوص ہے جب کہ متنی دونوں میں سے کسی امر کے ساتھ مخصوص نہیں ہے وجہ بناء ہمزہ استفہام کا متضمن ہونا ہے۔

کیف للحال: کلمہ کیف حالت استفہام میں حالت معلوم کرنے کے لیے آتا ہے، جیسے کیف انت آپ کیسے ہیں؟ اور کلمہ ما کے ساتھ برائے شرط ضعف کے ساتھ عند البصر بین اس کا استعمال ہے جیسے کیفما نجاہد اجاہد جب کہ ال کوفہ کے نزدیک بغیر ما کے بھی برائے شرط کیف مستعمل ہوتا ہے البتہ ضعف کے داغ کے ساتھ جیسے کیف تطالع اطالع. حرف استفہام کے متضمن ہونے کی وجہ سے جنی ہے۔

ومذ ومنذ: ظروف مہیہ میں سے مذ اور منذ بھی ہیں جن کی وضع اس فعل کے زمانہ کی اول مدت بتانے کے لیے ہوتی ہے جو فعل ان سے پہلے واقع ہو جیسے ما رأیتہ مذ یوم الجمعة. لہذا مذ اور منذ کے متصل مفرد معرفہ ہوگا یعنی ان دونوں کے بعد مفرد معرفہ ہوگا۔ مفرد اس لیے ہوگا کہ فعل کی اول مدت کوئی امر واحد ہوگا دو اور دو سے زائد چیزیں نہیں ہوں گی۔ اور معرفہ اس لیے ہوگا کہ وقت مجہول کو فعل کی اول مدت قرار دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، کیوں کہ یہ تو بدہاشا معلوم ہے کہ کوئی نہ کوئی وقت اس فعل کی اول مدت ہوگا۔

البتہ مذ اور منذ کے بعد جو مفرد معرفہ ہوگا، اس میں عموم ہے بایں لحاظ کہ وہ مفرد خواہ حقیقتاً ہو جیسا کہ مثال میں گذر چکا یا حکماً ہو جیسے ما رأیتہ مذ یومان الذان صاحبنا فیہا پس یومان اس مثال میں حکماً مفرد ہے، کیوں کہ جب تک یومان کے امر واحد ہونے کا لحاظ نہ کیا جائے اس پر اول مدت کے ساتھ حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے۔ اسی طرح بایں اعتبار بھی عموم ہے کہ خواہ حقیقتاً معرفہ ہے جیسا کہ مثالوں میں گذر یا حکماً معرفہ ہو جیسے ما رأیتہ مذ یوم لقیبتی فیہ پس یوم مکرہ حکماً معرفہ ہے اس لیے کہ یہ مکرہ مطلقہ نہیں ہے بلکہ لقیبتی صفت کی وجہ سے مکرہ خصصہ ہو گیا جو معرفہ کے حکم میں ہوتا ہے۔

وبمعنی الجمیع: اور کبھی مذ اور منذ، فعل کی تمام مدت کے لیے آتا ہے اس صورت میں مذ اور منذ سے وہ زمانہ متصل ہوتا ہے جس کے بیان مع العدد کا ارادہ اور قصد ہوتا ہے خواہ معرفہ ہو یا مکرہ پس اگر مقصود یہ ہو کہ وہ مدت جس میں رویت فلاں کی نہیں حاصل ہوتی ہے دو دن ہے یا تین دن ہے تو یہ کہا جائے گا ما رأیتہ منذ یومان او ثلثة ایام. کہ میرے نہ دیکھنے کی پوری مدت دو دن ہے یا تین دن۔ اس صورت میں مذ اور منذ کے بعد مقصود کا بالعدد بیان اس لیے ضروری ہے کہ جب پوری مدت کے بیان کا ارادہ ہے تو اس مدت کا بیان ایسے عدد کے ساتھ ضروری ہے جو اس مدت کے کل حصہ سے متعلق ہو، تاکہ مطلوبہ فائدہ حاصل ہو سکے۔

ان کی وجہ بناء یہ ہے کہ ان میں بعض حرف کی وضع پر وضع کیے گئے ہیں اس مناسبت سے یہ مبنی ہیں۔
باقی کو انھیں پر محمول کر لیا گیا ہے۔ یہ سب عند کے معنی میں ہیں البتہ عند کا استعمال عام ہے کہ خواہ وہ چیز منظم
کے پاس موجود ہو یا خزانہ میں کہ جس کی نسبت اپنے پاس ہونے کی وہ خبر دے رہا ہے جیسے المال عندی تو
مال کا پاس ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ ملکیت کافی ہے جب کہ لدی کا استعمال پاس موجود ہونے کے وقت
میں صحیح ہوگا۔

ومنها قط: قَطُّ بھی ظروف مبیہ میں سے ہے۔ اس میں چند لغتیں ہیں قاف کا فتح اور طائے
مشدودہ کا ضمہ، قاف کا ضمہ اور طاء مشدودہ کا ضمہ قَطُّ، قاف کا ضمہ اور طاء مشدودہ کا کسرہ جیسے قَطِطٌ، قاف کا
ضمہ اور طاء مشدودہ کا فتح جیسے قَطُّ اور قاف کا ضمہ اور طاء مخففہ کا ضمہ قَطُّ، قاف کا فتح اور طاء مخففہ کا ضمہ
جیسے قَطُّ۔

وجہ بناء یہ ہے کہ قط مخففہ حرف کی وضع پر موضوع ہے یعنی دو حرف اس کا وزن ہیں پس اس مناسبت
سے وہ مبنی ہے اور مشدودہ مخففہ پر محمول ہے۔

قَطُّ فعل ماضی کی نفی کے لیے آتا ہے جیسے ما را ابته، قَطُّ اور مقصد ماضی کے پورے زمانہ میں نفی کا
استفراق ہوتا ہے۔

ومنها عوض: ظروف مبیہ میں سے عوض بھی ہے جو مستقبل کی نفی کے لیے آتا ہے۔ یہ ضمہ پر مبنی
ہوتا ہے وجہ مقطوع عن الاضائے ہونا ہے قبل اور بعد کی طرح اور اس سے مقصد زمانہ مستقبل کے پورے زمانہ
میں نفی کا استفراق ہوتا ہے جیسے لا اراہ عوض میں اسے آئندہ کبھی بھی نہیں دیکھوں گا۔

والظروف المضافة: ماضی یہ ہے کہ ظروف جب مضاف الی الجملة ہوں یا اذ کی طرف
مضاف ہوں تو ان کا فتح پر مبنی پڑھنا درست ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد یوم ینفع الصادقین صدقہم۔
اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد من خزری یومئذ پہلی مثال میں یوم جملہ کی طرف مضاف ہے اور دوسری مثال میں
اذ کی طرف مضاف ہے۔ مبنی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مضاف نے مضاف الیہ سے بناء حاصل کر لی ہے،
کیوں کہ جملہ من حیث الجملة مبنی ہوتا ہے اور اذ خود ہی مقطوع عن الاضائے ہونے کی وجہ سے مبنی ہے پس
مضاف الیہ کے بناء سے مضاف نے بناء حاصل کر لی۔

اور فتح پر مبنی ہونا تخفیف کے لیے ہے۔ بجز کالفظ بتا رہا ہے کہ معرب بھی پڑھا جا سکتا ہے اس لیے کہ
یہ ایسے اسماء ہیں جو اعراب کے حق دار ہیں اور مضاف کا مضاف الیہ سے اکتساب بناء واجب بھی نہیں ہے۔
وکذا الک مثل غیر: حاصل یہ ہے کہ جس طرح ظروف کا بوقت اضافت الی الجملة مبنی علی ارفع ہونا
درست ہے، اسی طرح مثل اور غیر جب بھی کلمہ مایا ان مثله یا ان مخففہ کے ساتھ ہوں یعنی مایا ان مثله یا

مخففہ کی طرف مضاف ہوں تو ان کا معنی علی الفتح ہونا درست ہے، اس لیے کہ مثل اور غیر صورتہ جملہ کی طرف مضاف ہیں اور ابہام کی وجہ سے نیز رفع ابہام کے لیے مضاف الیہ کے محتاج ہونے میں طرف کے مشابہ ہیں یعنی گویا بناء کی تین وجہیں ہیں اولاً بظاہر اضافت الی الجملہ ثانیاً ابہام ہونا مثل ان تقوم زید و قیامی مثل انک تقوم اسی طرح غیر کی مثال نکال لیجیے۔

اب رہی یہ بات کہ مثل اور غیر از قبیل ظروف نہیں ہیں پھر ان کا ذکر ظروف کے ساتھ کیوں کیا اصل وجہ یہ ہے کہ ان کو ظروف سے ابہام میں مشابہت حاصل ہے۔ اسی مناسبت سے ضمناً ان کا بھی تذکرہ کر دیا۔

المعرفة والنكرة

المعرفة ما وُضِعَ لشيءٍ بعينه وهي المضمرات والاعلام والمبهمات وما وُعِرِفَ باللام او النداء والمضاف التي احدها معنى العلم ما وُضِعَ لشيءٍ بعينه غير متناول غيره بوضع واحد واعرفها المضمرة المتكلم ثم المخاطب النكرة ما وُضِعَ لشيءٍ لا بعينه .

ترجمہ:- یہ باب معرفہ اور نکرہ کے بیان میں ہے۔ معرفہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو معین شی کی لیے وضع کیا گیا ہو اور وہ مضمرات اور اعلام اور مبهمات ہیں اور وہ اسم ہے جس کو لام یا نداء کے ذریعہ معرفہ بتایا گیا ہے اور وہ اسم جو ان مذکورہ اقسام میں سے کسی کی طرف مضاف ہو معنی علم ایسے اسم کو کہتے ہیں جو متعین چیز کے لیے وضع کیا گیا ہو جو اپنے علاوہ کو وضع واحد کے ساتھ شامل نہ ہو۔ تمام معارف میں سب سے اعرف ضمیر متکلم ہے پھر ضمیر مخاطب ہے۔

نکرہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو غیر متعین چیز کے لیے موضوع ہو۔

توضیح:- معرفہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو معین کے لیے اس طرح وضع کیا گیا ہو کہ وہ متکلم اور مخاطب کے درمیان خارج میں معلوم اور معہود ہو خواہ اس کی وضع وضع جزئی کے ساتھ ہوئی ہو جیسے اعلام، مضمرات اور مبهمات اور خواہ وضع وضع کلی کے ساتھ ہو جیسے معرف باللام، اضافت اور نداء۔

معرفہ کی چھ قسمیں ہیں لیکن یہ استقرء کی بنیاد پر کہا جا رہا ہے عتاً چھ میں انحصار نہیں ہے۔ پہلی قسم مضمرات کی ہے دوسری قسم اعلام کی اور تیسری قسم مبهمات یعنی اشارات اور موصولات ہیں چوتھی قسم معرف باللام، پانچویں قسم نداء اور چھٹی قسم ان پانچ میں سے کسی طرف اضافت معنوی کے طور پر مضاف ہونا اس لیے کہ اضافت لفظی مفید للتعریف نہیں ہوتی ہے۔

فائدہ علم عام ہے خواہ وہ علم شخصی ہو جیسے زید یا علم جنس ہو جیسے اسامۃ۔ اور مبهمات سے مراد اشارات اور موصولات ہیں اور ان کو ہم اس لیے کہتے ہیں کہ اسم اشارہ، اشارہ حیہ کے بغیر اور موصول، صلہ

کے بغیر مبہم ہی ہوتا ہے۔ لام تعریف سے مراد لام جنس اور لام استغراق اسی طرح لام عہد خارجی سب ہیں۔ اور اضافت سے مراد اضافت معنوی ہے جیسا کہ ماقبل میں عرض کیا جا چکا ہے۔

العلم ما وضع لشيء بعينه: اب علم کی تعریف کر رہے ہیں علم ایسے اسم کو کہتے ہیں جو وضع کیا گیا ہو کسی شئی معین کے لیے اس طرح کہ وہ اپنے غیر کو وضع واحد کے ساتھ شامل نہ ہو۔

شیء بعينه عام ہے خواہ وہ فرد ہو جیسے زید یا جنس ہو جیسے اسامہ اسی طرح باس حیثیت بھی عموم ہے کہ خواہ وہ ذات ہو جیسے زید یا غیر ذات ہو جیسے غبار اور خباث، نیز چاہے وہ انسان ہو جیسے مرء یا غیر انسان ہو جیسے اعوج جو بنی بلال کے گھوڑے کا نام ہے۔

غیر متناول: اسی قید سے تمام معارف نکل گئے کیوں کہ مبہمات اور مضمرات اور ذواللام ان کی وضع کسی بھی معین مراد کے لیے ہوتی ہے جب کہ علم سلمی معین کے لیے وضع ہوا ہے۔

بوضع واحد: متعلق ہے متناول کے مطلب یہ ہے کہ وہ شیء معین اپنے غیر کو وضع واحد کے ساتھ نہ شامل ہو پس اگر لفظ کسی معنی معین کے لیے وضع کیا گیا اور لفظ اس معنی معین کے غیر کو وضع اول کے طور پر نہیں بلکہ وضع ثانی کے ساتھ شامل ہو تو ہوا کرے اس سے علم کی تعریف کی جامعیت اور مانعیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا جیسے اسامہ کسی ایک آدمی کا نام رکھا پھر دوسرے آدمی کا بھی نام اسامہ رکھ دیا پس اسامہ شیء معین کے لیے موضوع ہے اور اپنے غیر کو شامل ہے لیکن وضع اول کے ساتھ نہیں بلکہ دوسری وضع کے ساتھ پس وہ وضع اول کے ساتھ صرف اول شخص کو شامل ہے دوسرے کو نہیں اور دوسرے کو شامل ہے تو وضع ثانی کی وجہ سے اول کے اعتبار سے نہیں پس اعلام مشترکہ علم کی تعریف سے خارج نہیں ہوئے۔

دھیان رہے کہ علم تین قسموں پر ہے کنیت، لقب اور علم محض۔ اس لیے کہ علم یہ تو شروع ہوگا اب یا ام یا ابن یا بنت سے یا ایسا نہیں ہوگا احتمال اول میں وہ لقب کہلائے گا اور ثانی بھی دو حال سے خالی نہیں کہ یا تو اس علم سے مقصد مدح یا ذم ہوگا یا کچھ بھی نہیں، پس اول نسب ہے اور ثانی علم محض۔

اب ایک بات اور سمجھ لیں کہ مصنف نے معارف میں صرف علم کی تعریف بیان کی تو اصل معاملہ یہ ہے کہ اسامے اشارات اور مضمرات نیز موصولات کی تعریف ماقبل میں بیان ہو چکی ہے، لہذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور مضاف الی احد ہا کا مطلب واضح ہے اور معرف باللام اور معرف بالندا تعریف سے بے نیاز تھے بچا علم تو نہ ہی اس کی تعریف ماسبق میں ہوئی تھی اور نہ ہی ظاہر تھی اس لیے بطور خاص اس کی تعریف کی۔

واعرفها المضمرة المتكلم: معارف میں سب سے اعرف ضمیر متکلم ہے، کیوں کہ اشتباہ کا وقوع اس میں بعید تر ہے۔ پھر ضمیر مخاطب ہے، کیوں کہ تعدد مخاطب کے وقت بعض اوقات اس میں اشتباہ

ہو جاتا ہے پھر ضمیر غائب البتہ اس کا تذکرہ مصنف نے نہیں کیا کیوں کہ یہ بات عیاں ہے کہ غائب کی عرفیت ضمیر متکلم اور مخاطب سے کم تر ہے۔ ضمائر کے بعد عرف اعلام ہیں پھر مبہمات یعنی اشارات اور موصولات اور آخر میں نمبر معرف باللام اور نداء اور مضاف الی احد ہا کا ہے۔

النکرہ: نکرہ ایسے اسم کو کہتے ہیں جو شئی غیر کے لیے وضع کیا گیا ہو بایں حیثیت کہ وہ خارج میں متکلم اور مخاطب کے درمیان معلوم اور معہود نہیں ہے۔

اسماء العدد ما وُضِعَ لِكَمِيَةِ اِحَادِ الاشياءِ اَصُولُهَا اثْنَا عَشْرَةَ كَلِمَةً وَاحِدَةً اِلَى عَشْرَةٍ وَمِائَةٌ وَالْف تَقْوُلُ وَاحِدًا اِثْنَانِ وَاحِدَةٌ اِثْنَانِ وَثْنَانٌ وَثَلَاثَةٌ اِلَى عَشْرَةٍ وَثَلَاثٌ اِلَى عَشْرٍ وَاحِدٍ عَشْرٍ اِثْنَا عَشْرٍ اِحْدَى عَشْرَةَ وَثْنَا عَشْرَةَ وَثَلَاثَةَ عَشْرٍ اِلَى تِسْعَةٍ عَشْرٍ وَثَلَاثَ عَشْرَةَ اِلَى تِسْعِ عَشْرَةَ وَتَمِيمٌ تَكْسِيرُ الشَّيْنِ فِي الْمَوْثِ وَعَشْرُونَ وَاِخْوَانُهَا فِيهِمَا وَاحِدٌ وَعَشْرُونَ وَاحِدٌ وَعَشْرُونَ وَاحِدٌ وَعَشْرُونَ وَاحِدٌ بِعَطْفِ بَلْفِظِ مَا تَقَدَّمَ اِلَى تِسْعَةٍ وَتِسْعِينَ وَمِائَةٌ وَالْف مِائَتَانِ وَالْفَانِ فِيهِمَا ثُمَّ بِالْعَطْفِ عَلَيَّ مَا تَقَدَّمَ.

ترجمہ:- اسمائے عدد وہ اسم ہے جو اشیاء کی اکائیوں کی مقدار کے لیے وضع کیا گیا ہو ان کے اصول بارہ کلمے ہیں واحده سے عشرہ تک اور ملے اور الف ہے تم کہو گے واحد، اثنان، واحده، اثنان اور مثنان اور ثلثہ (سے) عشرہ تک اور ثلث (سے) عشرہ تک اور احد عشر، اثنا عشر، اور ثننا عشرہ اور ثلثہ عشرہ، (سے) تسعة عشرہ تک اور ثلث عشرہ (سے) تسع عشرہ تک اور تميم مؤنث میں شین کو کسرہ دیتے ہیں اور عشرون اور اس کے اخوات میں دونوں کے اندر (مذکر اور مؤنث) واحد و عشرون اور پھر عطف کے ساتھ اس چیز کے لفظ کے ساتھ جو مقدم ہو چکا ہے تسعة و تسعين تک اور مائة اور الف مائتان اور الفان ان دونوں میں پھر عطف کے ساتھ ما قبل پر۔

توضیح:- اسمائے عدد وہ الفاظ کہلاتے ہیں جو اشیاء کی اکائیوں کی مقدار کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ پس اشیاء تو معدودات ہیں اور ان میں سے ہر ہر واحد اکائی ہے اور اکائیوں کی مقدار اس مرتبہ کا نام ہے جو کم کے ذریعہ سوال کرنے والے کے سوال کے جواب میں واقع ہو۔ اور جو الفاظ ان مقادیر پر دلالت کرتے ہیں اسمائے عدد ہیں۔

اس تحقیق سے ایک بات اور معلوم ہوئی کہ واحد اور اثنان نحو یوں کی اصطلاح میں عدد کی تعریف میں داخل ہیں اگرچہ وہ اہل علم حساب کی اصطلاح میں عدد میں شامل نہیں ہیں۔

اب ایک سوال اور اس کا جواب سمجھ لیجئے وہ یہ ہے کہ رجل اور رجلمان، من اور منان بھی اشیاء کی اکائیوں کی مقدار پر دلالت کرتے ہیں لہذا یہ عدد میں داخل ہو گئے پس اسمائے اعداد کی تعریف دخول غیر سے

ناصح نہ رہی۔ جواب یہ ہے کہ اسمائے عدد کا موضوع نہ صرف اور صرف چیزوں کی اکائیوں کی مقدر ہے۔ اور یہ الفاظ مقدر پر جنسیت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں۔

اصولہا: وہ ضوابط جن سے جملہ اسمائے عدد کا حکم معلوم ہوتا ہے (اب چاہے اس کا تعلق علامت تانیث کے لاحق کرنے سے ہو یا ساقط کر دینے سے، تشبیہ لانے سے ہو یا جمع، ترکیب اضافی سے ہو یا امتزاجی یا ترکیب عطفی سے) بارہ کلمے ہیں واحد سے عشرہ تک دس کلمے ہوئے گیارہویں نمبر پر ماہ اور بارہویں نمبر پر الف ہے۔

جب مفرد مذکر اور تشبیہ مذکر کے لئے عدد بتلانا مقصود ہو تو مفرد کے لئے واحد اور تشبیہ کے لئے انسان کہا جائے گا اور واحد مؤنث کے لئے واحدة اور تشبیہ مؤنث کے لئے انسان اور نثنان بولا جائے گا۔ یعنی جب ایک اور دو کا عدد بتلانا ہو تو قیاس کے موافق مذکر کے لئے عدد مذکر اور مؤنث کے لئے عدد مؤنث استعمال کریں گے۔ البتہ ثلثہ سے عشرہ تک مذکر کے لئے تاء کے ساتھ اور مؤنث کے لئے ثلث سے عشرہ تک بغیر تاء کے خلاف قیاس استعمال کریں گے جسے ثلثہ مجاہدین اور ثلث صائمات۔

خلاف قیاس استعمال فرق کرنے کے لئے مذکر میں تاء کے ساتھ اور مؤنث میں بغیر تاء کے ہوگا اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرق موافق قیاس کی صورت میں بھی تو تھا جواب یہ ہے کہ مذکر، مؤنث سے پہلے تھا اور جمع جماعت کی تاویل میں مؤنث ہوتا ہے پس اس کے لئے تین سے لے کر دس تک کا عدد تاء کے ساتھ استعمال کرنا بڑا اور فرق کرنے کے لئے مؤنث بغیر تاء کے لائے۔

احد عشر: دس سے آگے کا جب عدد بتلانا ہو تو مذکر کی صورت میں گیارہ اور بارہ کے لئے مرکب امتزاجی دونوں جزؤں کی تذکیر کے ساتھ لائیں گے اور مؤنث میں دونوں جزؤں کی تانیث کے ساتھ ذکر کریں گے۔ جیسے احد عشر مسلما اثنی عشر مقاتلا۔

اور مؤنث کے لئے احدی عشر مؤمنة واثنا عشر مسلمة وثلثا عشر راکعة پس مذکر کی صورت میں دونوں جزؤں کی تذکیر اس لیے ہے کہ پہلے کا معاملہ یہ ہے کہ مرکب، مفرد کی فرع ہے اور مفرد میں مذکر کے لئے مذکر عدد ہی استعمال ہوتا ہے تو اسی طرح مرکب میں بھی موافق قیاس استعمال ہوتا ہے اور جزء ثانی کی تذکیر اس وجہ سے ہے کہ جزء ثانی تمام مرکبات میں محدود کے مذکر اور مؤنث ہونے میں موافق ہوتا ہے۔ اسی طرح اثنا عشر کا حکم ہے کہ جزء اول میں تانیث اس وجہ سے ہے کہ مرکب مفرد کی فرع ہوتا ہے اور مفرد میں واحد، اور تشبیہ کے لئے موافق قیاس مؤنث کے لئے عدد مؤنث کا استعمال ہوتا ہے، اس لیے یہاں بھی جزء اول کو گیارہ اور بارہ میں مؤنث لایا گیا اور جزء ثانی کی تانیث تو اس لیے ہے کہ وہ محدود کے موافق ہی ہوتا ہے۔

وثلثة عشر الى تسعة عشر: تیرہ سے انیس تک کا عدد یوں استعمال ہوگا کہ پہلا جزء خلاف قیاس اور دوسرا جزء موافق قیاس استعمال ہوگا پس مذکر کی صورت میں ثلثة عشر رجلا تا تسعة عشر رجلا بولا جائے گا اور مؤنث کے لیے ثلث عشرة امرأة تا تسع عشرة امرأة کہا جائے گا۔ اب مذکر کی صورت میں پہلا جزء تانیث کے ساتھ اس لیے استعمال ہوگا کہ مرکبات مفردات کی فرع ہیں اور مفردات میں ثلثة سے تسعة تک خلاف قیاس مذکر کے لیے مؤنث کا استعمال ہوتا ہے تو ایسا ہی مرکبات میں بھی ہوگا اور دوسرے جزء کی تذکیر اس لیے تاکہ تانیث کی دو علامتیں اس لفظ میں نہ جمع ہو جائیں جو بمنزلہ لکھ واحدہ کے ہے۔

رہی بات مؤنث کی صورت میں تو حسب قاعدہ سابقہ جزء اول خلاف قیاس مذکر استعمال کیا جائے گا اس لیے کہ مفردات میں ایسا ہی ہوتا ہے اور مرکب مفرد کی ہی فرع ہے۔ رہی بات جزء ثانی کے مؤنث استعمال کی تو اس کی اجازت اس لیے ہے کہ کوئی رکاوٹ نہیں ہے یعنی اشتباہ کا کوئی موقع نہیں ہے، اس لیے کہ اشتباہ جزء اول کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔

وتمیم تکسر الشین: بنو تمیم کہتے ہیں کہ عشرة کا استعمال جب مؤنث کے لیے ہو تو ظاہری بات ہے کہ تاء تانیث کو لے کر چار حرف ہو جاتے ہیں پس لگا تار چار فتح اکٹھا ہو جاتے ہیں مزید ترکیب میں نقل بھی ہے اس لیے شین کو کسرہ پڑھیں گے یعنی عشرة تا کہ لگا تار چار فتحوں سے بچا جاسکے البتہ اہل حجاز کا کہنا ہے کہ بجائے کسرہ پڑھنے کے شین کو ساکن کر دیں گے یعنی عشرة پڑھیں گے۔ اس لیے کہ فتحات سے سکون کے ذریعہ بھی بچا جاسکتا ہے، مزید تخفیف بھی ہے۔

وعشرون واخواتها: اخواتها تاء کے کسرہ کے ساتھ بھی پڑھا جاسکتا ہے، اس لیے کہ وہ عشرون پر معطوف ہے اور عشرون تقول کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ نیز تاء کا رفع بھی پڑھا جاسکتا ہے اس لیے کہ ہو سکتا ہے کہ اخواتها مبتدا ہو اور اس کی خبر مثلها محذوف ہو۔

خبر: عشرون تا تسعون کا استعمال مذکر اور مؤنث کے لیے یکساں ہوگا پس اکیس اور بائیس کے لیے مذکر کی صورت میں احد و عشرون رجلا واثنتان و عشرون رجلا استعمال ہوگا جب کہ مؤنث کے لیے احدی و عشرون امرأة اور اثنتان و عشرون امرأة کہا جائے گا اور بائیس سے آگے کا استعمال حسب سابق جزء اول میں خلاف قیاس استعمال ہوگا البتہ جزء ثانی میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی پس مذکر کے لیے ثلثة و عشرون رجلا اور مؤنث کے لیے ثلث و عشرون مؤمنة کہا جائے گا۔ اسی طرح کا استعمال ننانوے تک ہے۔

حاصل بحث یہ ہے کہ عشرون کے بعد سے لے کر تسعون تک ہر عقد کے بعد ایک اور دو کے اضافہ

کی صورت میں جزء اول موافق قیاس اور دو سے زائد لانے کی صورت میں خلاف قیاس استعمال ہوگا، البتہ جزء ثانی میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ جزء ثانی میں تبدیلی اس لیے نہیں ہوگی کہ اگر برائے فرق علامت لائی جائے تو دو حال سے خالی نہیں یا تو جزء ثانی میں قبل النون لائی جائے گی یا نون کے بعد پہلی صورت میں حکماً علامت کا وسط کلمہ میں لانا لازم آئے گا اور یہ درست نہیں اور دوسری صورت میں آخر کلمہ میں علامت کا لانا لازم آئے گا اور یہ بھی درست نہیں ہے۔

ثم بالعطف بلفظ ما تقدم: اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ ایک سے لے کر دس تک آپ اکائیاں اسی سابقہ ضابطہ کے مطابق استعمال کریں کہ ایک اور دو میں موافق قیاس اور اس کے بعد خلاف قیاس پھر عقود العشرات کا اس پر عطف کریں اور آپ مثلاً کہیں احد وعشرون رجلا واحدى وعشرون امرأة، ثلث وعشرون جنديا وثلاثة وعشرون تلميذة۔ اسی طرح آپ تسع وتسعون تک نکالیں ماقبل میں تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔

البتہ اتا فرق ہے کہ اکائیاں، عشرات یعنی دہائیوں کے ساتھ میں تانوںے مرکب نہیں ہوں گی جب کہ اکائیاں دس کی دہائی کے ساتھ انیس تک مرکب ہوتی ہیں بلکہ یہاں اکائی پر دہائی کا عطف ہوگا یعنی اکائی معطوف علیہ اور دہائی معطوف قرار پائے گی اصل میں عشرون وغیرہ میں واؤ اور یاء معرب ہونے کی علامت ہیں جب کہ ترکیب علت بناء ہے پس دونوں میں منافات ہے۔

ومائة والـف: اور مائة اور الف کا استعمال مذکر اور مؤنث میں کسی طرح کا فرق کیے بغیر کیا جائے گا جیسے مائة مسلم اور مائة صائمة اسی طرح الف مجاہد اور الف بقرة بولا جائے گا۔

ان میں بین التذکیر والتانیث فرق اس لیے نہیں ہے کہ مائے اور الف عقود یعنی دہائیوں کے مشابہ ہیں مراتب عدد پر مشتمل ہونے میں پس جب عقود میں تذکیراً وتانیثاً فرق نہیں ہوتا ہے تو اسی طرح ان کے مشابہات میں بھی نہ ہوگا۔ یہی حکم مائتان اور الفان میں بھی ہے۔

ثم بالعطف علی ما تقدم: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب سوا اور الف سے عدد آگے بڑھے تو واحد تا تسع وتسعين اعداد کا طریقہ استعمال آپ نے جو پڑھا ہے اسی طرح استعمال کرتے ہوئے زوائد کا مائة اور الف پر عطف کر دیا جائے یا مائة اور الف کا زوائد پر عطف کر دیا جائے۔ اس کی گنجائش اس لیے ہے کہ عدد کثیر من حیث المعنی نقل ہوتا ہے، لہذا برائے تخفیف دونوں طریقہ استعمال درست قرار پائے۔

وفي ثمانی عشرة فتح الیاء و جاز اسكانها و شد حذفها بفتح النون .

ترجمہ:- اور ثمانی عشرة میں یاء کا فتح ہے اور اس کا ساکن کر دینا بھی جائز ہے اور شد ہے اس کا حذف کرنا نون کے فتح کے ساتھ۔

توضیح:- ثمانی عشر کی ترکیب میں ثمانی کی یاء میں کئی لغتیں ہیں اصل یہ ہے کہ ثمانی کی یاء مفتوح ہو کیوں کہ تمام مرکبات کے جزء اول کا آخر فتح کے ساتھ ہے جیسے ثلثة عشر، اربعة عشر وغیرہ پس ان کی موافقت میں ثمانی عشر میں ثمانی کی یاء کا فتح اصل ہوگا اور یاء کو ساکن بھی پڑھا جاسکتا ہے اس لیے کہ مرکب ترکیب کی وجہ سے ثقیل ہو جاتا ہے، لہذا ازراہ تخفیف ساکن بھی کیا جاسکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ثمانی کی یاء کو حذف کر کے نون کو جو کہ یاء کے ما قبل حرف ہے فتح دے دیا جائے لیکن یہ شاذ ہے، اس لیے کہ فتح یائے محذوفہ پر دلالت نہیں کرے گا البتہ اگر یاء کو حذف کرنا ہے تو نون کو کسرہ مناسب ہوگا کہ نون کے کسرہ کو باقی رکھا جائے تاکہ وہ حذف یاء پر دلالت کرے۔

ومميّز الثلاثة الى العشرة مخفوض مجموع لفظاً او معنى الا في ثلثمائة الى تسعمائة وكان قياسها منات او مئين ومميّز احد عشر الى تسعة وتسعين منصوب مفرد ومميّز مائة والالف وتثنيتهما وجمعه مخفوض مفرد واذا كان المعدود مؤنثاً واللفظ مذكر او بالعكس فوجهان.

ترجمہ:- اور ثلثة سے عشرہ تک کی تمیز مجرور اور جمع ہوگی خواہ لفظاً ہو یا معنی مگر ثلثمائة سے تسعمائة تک اور اس کا قیاس منات یا مئين تھا اور احد عشر سے تسع و تسعين تک منصوب مفرد ہوگی۔

اور مائة اور الف اور ان دونوں کی تمیز اور اس کے جمع کی تمیز مجرور مفرد ہوگی۔ اور جب معدود مؤنث ہو اور لفظ مذکر ہو یا عکس کے ساتھ ہو تو دو دو جنمیں ہیں۔

توضیح:- حاصل یہ ہے کہ ثلثة سے لے کر عشرہ تک کے اعداد کی تمیز مجرور اور جمع ہوتی ہے خواہ جمع لفظاً ہو یا معنی اول کی مثال ثلثة رجال اور دوسرے کی مثال ثلثة رهط ہے۔

تمیز کے مجرور جمع ہونے کی علت یہ ہے کہ عدد اقل کثیر الاستعمال ہوتا جو تخفیف کا تقاضہ کرتا ہے، اس لیے اضافت برائے تخفیف پسند کی گئی اور مضاف، مضاف الیہ میں جرحاً عمل کرتا ہے اس لیے تمیز مجرور ہوگی اور جمع اس لیے ہوگی تاکہ عدد معدود کے مطابق ہو جائے۔

الا في ثلثمائة الى تسعمائة: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے کہ آپ نے کہا کہ عدد اقل اس کی تمیز مجرور اور جمع ہوتی ہے تو ثلثمائة تا تسعمائة عدد اقل ہے اور تمیز بجائے جمع ہونے کے مفرد ہے تو معزز نے عبارت مذکورہ بالا سے اس سوال کا جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ مائے کی دو جمعیں ایک جمع مذکر سالم کی صورت پر جیسے مؤن اور مئین دوسرے جمع مؤنث سالم کی صورت میں جیسے منات پس اگر جمع مذکر کی صورت پر تمیز لائی جاتی تو لفظ میں جو بجز لہ کلمہ واحدہ ہے تذکیر اور تانیث دونوں کی علامتوں کا اجتماع

لازم آتا ہے جو درست نہیں ہے، اور ثانی کی صورت پر تمیز لائی جاتی ہے۔ تو عادت کی خلاف ورزی لازم آتی ہے کیوں کہ عربوں کی عادت واؤ اور نون کے ساتھ جملے لانے کی بن چکی ہے، لہذا اس کے بعد الف تاء کے ساتھ جمع لانا پسندیدہ معلوم ہوتا ہے اس لیے مفرد تمیز لانے مزید یہ کہ اس میں اختصار بھی ہے۔

وممیز احد عشر الی تسعة وتسعين: احد عشر سے لے کر بشمول تسعة وتسعين تک کی تمیز منصوب مفرد ہوگی عشرون تا تسعون میں تو اس سبب سے منصوب ہوتی ہے کہ عقود کی اضافت دشوار ہے، اس لیے کہ اگر اضافت کرتے ہیں تو دو حال سے خالی نہیں یا تو بر بنائے اضافت نون اضافت کی وجہ سے ساقط کریں گے یا نہیں ساقط کرنا باطل ہے اس لیے کہ یہ نون جمع مذکر سالم کا نون نہیں ہے جسے اضافت کی وجہ سے حذف کر دیا جائے اور ثانی بھی باطل ہے اس لیے کہ یہ نون، نون جمع مذکر سالم کی صورت پر ہے لہذا اس کا ساقط کرنا مناسب ہو ایسے اضافت کی کوئی گنجائش نہیں بچی۔

اور مرکبات امتزاجیہ یعنی احد عشر سے تسع عشر تک کی تمیز اس لیے منصوب ہوگی کہ کی اضافت کی وجہ سے کلمات مٹا شے کا کلمہ واحد بنا دینا لازم آتا ہے، کیوں کہ اضافت دو اسموں کو اسم واحد کے مثل کر دیتی ہے پس مجرور ہونا مرفوع ہو گیا، اور مفرد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ منصوب ہے تو فضلہ ہے اور فضلہ جس قدر کم ہو بہتر ہے اور تقلیل مفرد میں بہ نسبت جمع کے موجود ہے۔ کیوں کہ جمع میں لفظ زیادہ کرنا پڑتا ہے۔

وممیز مائة و الف: ما حصل یہ ہے کہ مائے اور الف اور ان دونوں کے تشبیہ نیز الف کے جمع کی تمیز مجرور مفرد ہوگی اس لیے کہ مائے اور الف اصول میں آحاد کے مشابہ ہیں اور آحاد کی تمیز بوجہ اضافت مجرور ہوتی ہے، لہذا ان کی بھی تمیز مجرور ہوگی اور مفرد اس لیے ہوگی کہ مائے اور الف کثرت کی جانب میں ہیں اور آحاد قلت کی جانب میں اور آحاد کی تمیز جمع ہوتی ہے، لہذا ان کی تمیز واحد ہوگی توازن کے لیے تاکہ جمع، کثرت پر دلالت کرے اور مفرد قلت پر۔

مصنف نے وجمعہما میں نہیں کیا اس لیے کہ الف کی توجع آتی ہے، لیکن مائة کی جمع مستعمل نہیں ہے، کیوں کہ ثلاث مائات رجل نہیں بولا جاتا البتہ الف کی طرح مائة کی بھی تشبیہ مستعمل ہے چنانچہ مائتا رجل کہا جاتا ہے۔ لہذا وتشبیہما کہنا تو درست ہے البتہ وجمعہما کہنا صحیح نہیں۔

واذ كان المعدود مؤنثا: اس کا حاصل یہ ہے کہ جب معدود مؤنث ہو اور وہ لفظ جو اس پر دلالت کر رہا ہو مذکر ہو جیسے کسی مؤنث کو لفظ شخص سے تعبیر کیا جائے یا اس کے الٹا ہو یعنی معدود مذکر ہو اور جس لفظ سے اسے بیان کیا جائے وہ مؤنث ہو جیسے لفظ نفس۔ تو عدد میں دونوں وجہیں درست ہیں آپ عدد مذکر بھی لاسکتے ہیں جیسے ثلاث اشخص یعنی تین عورتیں اور مؤنث بھی لاسکتے ہیں جیسے ثلاثة اشخص پر اول بلحاظ معنی کے ہے اور ثانی بلحاظ لفظ کے اسی طرح ثلاث نفس اور ثلاثة اشخص سے مراد مرد ہوں

پس محدوده ذکر ہے اور اسے بیان کرنے والا لفظ مؤنث ہے پس یہاں عدد کا مذکر لانا بالفاظ لفظ کے اور مؤنث لانا بالفاظ معنی کے ہے۔

وَلَا يُمَيِّزُ وَاحِدٌ وَاثْنَانِ اسْتِغْنَاءً بِلَفْظِ التَّمْيِيزِ عَنْهُمَا مِثْلُ رَجُلٍ وَرَجُلَانِ لِإِفَادَتِهِ النَّصِّ الْمَقْصُودَ بِالْعَدَدِ وَتَقْوِيلُ فِي الْمَفْرُودِ مِنَ الْمُتَعَدِّدِ بِاعْتِبَارِ تَصْيِيرِهِ الثَّانِي وَالثَّانِيَةِ إِلَى الْعَاشِرِ وَالْعَاشِرَةِ لَا غَيْرُ وَبِاعْتِبَارِ حَالِهِ الْأَوَّلِ وَالثَّانِي وَالْأُولَى وَالثَّانِيَةِ إِلَى الْعَاشِرِ وَالْعَاشِرَةِ وَالْحَادِي عَشَرَ وَالْحَادِيَةَ عَشْرَةَ وَالثَّانِي عَشَرَ وَالثَّانِيَةَ عَشْرَةَ إِلَى التَّاسِعِ عَشَرَ وَالتَّاسِعَةَ عَشْرَةَ .

ترجمہ:- اور تمیز نہیں لائی جاتی واحد اور اثنان کی بے پروائی حاصل کرتے ہوئے لفظ تمیز کے ساتھ ان دونوں سے جیسے رجل اور رجلان اس تصریح کا فائدہ دینے کی وجہ سے جو کہ عدد سے مقصود ہے اور تم کہو بہت میں سے ایک میں باعتبار اس کی تفسیر کے (یعنی اس لحاظ سے کہ اس ایک نے تھوڑے عدد کو زیادہ کر دیا) الثانی اور الثانیۃ، عاشر اور عاشرة تک نہ کہ اس کے علاوہ اور باعتبار حال کے اول اور ثانی الاولیٰ والثانیۃ عاشر اور عاشرة تک اور حادی عشر اور حادی عشرۃ تک اور الثانی عشر اور ثانیۃ عشرۃ تاسع عشر اور تاسعة عشرۃ تک۔

توضیح:- واحد اور اثنان کی تمیز نہیں لائی جاتی واحده اور اثنان کا بھی یہی حکم ہے، چنانچہ واحد رجل اور اثنان رجلین نہیں بولا جاتا بلکہ لفظ واحد اور اثنان کی بجائے اس لفظ کو ذکر کرتے ہیں جو تمیز بننے کے قابل ہوتا ہے، چنانچہ احد رجل سے واحد کو حذف کر دیا جاتا ہے، کیوں کہ رجل، واحد کے ذکر سے بے نیاز کر دیتا ہے، اس لیے کہ عدد سے مقصود اس کی مقدار پر دلالت ہوتی ہے، جو اس کی تمیز سے مع الجہیۃ حاصل ہے۔

وتقول فی المفرد من المتعدد: معلوم ہو کہ وہ اسم فاعل جو، از واحد تا عشر اسمائے عدد سے مشتق ہوتا ہے اس کے استعمال کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ تو بیان تھمیر اور دوسرا طریقہ بیان حال۔ بیان تھمیر کہتے ہیں عدد عقل کو واحد کے ساتھ مشتق منہ سے قرار دینا اور واحد کے لیے اسے مزید بنا دینا اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کی شروعات الثانی سے برائے مذکور اور الثانیۃ سے برائے مؤنث ہوتی ہے، کیوں کہ واحد کے نیچے کوئی عدد نہیں کہ جس کے ساتھ مل کر اس کو زیادہ کرے اور اس کے اوپر اسماء عدد مرکب ہوتا ہے اور اسم فاعل کا صیغہ مرکبات سے مشتق نہیں ہوتا ہے، پس بیان تھمیر از واحد تا عشر جاری ہوگا مذکر کے لیے ثانی ثالث تا عاشر اور مؤنث کے لیے ثانیۃ ثالثۃ تا عاشرة۔ بیان تھمیر میں عدد مساوی اور عدد فوق کی طرف اضافت نہیں ہوتی جب کہ بیان حال میں ہو سکتی ہے۔

دوسرا طریقہ بیان حال ہے۔ بیان حال عدد کے اس مرتبہ کو بیان کرنا جس کے ساتھ وہ متصف ہے یعنی مفرد کے حال کے اعتبار سے کہ یہ بہت سے عددوں میں سے کس مرتبہ میں ہے اول اور ثانیہ مذکر میں اور اولیٰ اور ثانیہ مؤنث میں بولتے ہیں بمعنی پہلا اور دوسرا یعنی مذکر کے لیے مذکر اور مؤنث کے لیے مؤنث عاشر اور عَشْرَة تک بمعنی دسواں اور دسویں گیارہ سے لے کر انیس تک مرکبات میں بھی مذکر کے لیے دونوں جزء مذکر بولے جاتے ہیں اور مؤنث کے لیے مؤنث جیسے الحادی عشر تا ناسع عشر بمعنی گیارہواں تا انیسواں اور الحادیة عشر تا ناسعة عشر بمعنی گیارہویں تا انیسویں اور عقود میں عطف کے ساتھ صرف پہلے جزء میں تبدیلی ہوگی کہ جزء اول مذکر کے لیے مذکر اور مؤنث کے لیے مؤنث استعمال ہوگا جیسے الحادی وعشرون تا ناسع وتسعون اور الحادیة وعشرون تا ناسعة وتسعون۔

ومن ثم قيل في الاول ثالث اثنين اى مصيرُهُما ثلثة من ثلثتُهُما وفي الثاني ثالث ثلثة اى احدها وتقول حادى عشر اَحَدَ عشر على الثاني خاصة وان شئت قلت حادى احد عشر الى ناسع تسعة عشر فتعرب الاول.

ترجمہ: اور اس وجہ سے اول میں ثالث اثنين یعنی دو کو تین بنانے والا بولا جاتا ہے جو ثلثتہما سے مشتق ہوتا ہے یعنی میں نے ان دونوں کو تین کر دیا۔ اور دوسرے میں ثالث ثلثة یعنی تین میں کا ایک یعنی ایک تہائی بولا جاتا ہے اور بطور خاص دوسرے کے مطابق (یعنی بیان حال کے مطابق) حادی عشر احد عشر بولتے ہیں اور اگر چاہو تو کہو حادی احد عشر تا ناسع تسعة عشر ہیں جزل اول معرب ہوگا۔

توضیح: واضح ہو کہ بیان تصحیر میں عدد کی اضافت عدد انقص کی طرف ہوتی ہے عدد فوق اور مساوی کی طرف نہیں ہوتی اور بیان مرتبہ میں فوق اور مساوی کی طرف اضافت ہوتی ہے انقص کی طرف نہیں ہوتی، پس یہ دونوں اعتبار الگ الگ ہیں، لہذا اول میں یعنی اس مفرد میں جو تصحیر کے اعتبار سے بولا جاتا ہے ثالث اثنين پس اس ترکیب میں ثالث کی اپنے سے کم کی طرف اضافت ہے معنی ہو دو کا تیسرا یعنی دو کو تین کر دینے والا یہ عربوں کے قول ثلثتہما سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں میں نے ان دونوں کو تین کر دیا۔

وفي الثاني ثالث ثلثة: اور اس مفرد میں جو مرتبہ کے اعتبار سے ہو ثالث ثلثة ثالث اربعة بولتے ہیں یعنی تین میں کا تیسرا اور تین میں کا چوتھا پس پہلی مثال میں مساوی کی طرف اور دوسری مثال میں عدد فوق کی طرف اضافت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مضاف، مضاف الیہ کے عدد میں سے ہے۔

معلوم ہو کہ بیان حال میں اضافت ادنیٰ کی طرف اس لیے ہوتی ہے تاکہ تحصیل حاصل لازم نہ آئے اور بیان مرتبہ میں عدد مساوی اور عدد فوق کی طرف اضافت اس لیے ہوتی ہے تاکہ کذب لازم نہ آئے۔

وتقول حادی عشر احد عشر: بیان حال میں مرکب اول کو مرکب ثانی کی طرف مضاف کر سکتے ہیں حادی احد عشر یعنی مرکب اول کے جزء اول کو حذف کر دیا جائے اچھا ایک مرکب کی دوسرے مرکب کی طرف اضافت صرف بیان حال میں ہے اس لیے کہ بیان تھیر عشر سے آگے نہیں بڑھتا۔ اس کا جزء اول محرب ہوگا کیوں کہ مٹی ہونے کی علت وسط کلمہ میں واقع ہونے کی وجہ سے معدوم ہوگی۔

المذکر والمؤنث: المؤنث ما فيه علامة التانيث لفظاً او تقديرًا والمذکر بخلافه وعلامة التانيث التاء والالف مقصورة او ممدودة وهو حقيقي ولفظي فالحقيقي ما بازائه ذكر من الحيوان كامرأة وناقاة واللفظي بخلافه كظلمة وعين.

ترجمہ:۔۔ یہ مذکر اور مؤنث کا بیان ہے: مؤنث وہ ہے جس میں تانیث کی علامت لفظاً یا تقدیراً ہو اور مذکر جو اس کے خلاف ہو۔ اور تانیث کی علامت تاء اور الف مقصورہ یا ممدودہ ہے اور مؤنث حقیقی اور لفظی ہوتا ہے۔ پس حقیقی وہ ہے کہ جس کے مقابلہ میں کوئی جاندار مذکر ہو جیسے امرأة اور ناقاة اور لفظی جو اس کے خلاف ہو جیسے ظلمة اور عين.

توضیح:۔۔ مذکر کو مؤنث پر اس لیے مقدم کیا کہ مذکر اصل ہے اور موقع تعریف میں مؤنث کو مقدم کیا اس کی متعدد وجہیں ہیں (۱) تانیث کے بیان کے مختصر ہونے کی وجہ سے اس لیے کہ ماسوائے تانیث سب مذکر ہے (۲) تانیث کا مفہوم وجودی ہے اور مذکر کا مفہوم عدلی ہے۔ اور وجودی اشرف اور ارفع ہے۔ بمقابلہ عدلی کے اس لیے تانیث کو مذکر پر مقدم کیا۔

المؤنث: مؤنث وہ اسم کہلاتا ہے جس میں علامت تانیث ہو خواہ علامت تانیث لفظاً ہو یا تقدیراً تانیث لفظی کی دو قسمیں ہیں لفظی، حقیقی جیسے امرأة، ناقاة اور لفظی حکمی جیسے عقب اس میں حرف رابع تانیث کے قائم مقام ہے تانیث تقدیری نہیں ہے، کیوں کہ اس کی تفسیر میں بھی تاء نہیں آتی اور علامت تانیث تقدیراً کی مثال دار، نار، نعل جملہ مؤنث سماعی ہیں پس تاء ان میں مقدر ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ جب ان اسماء کی تفسیر لائی جاتی ہے تو تاء ان میں واپس آ جاتی ہے جیسے ارض سے ارضة۔

والمذکر: اور مذکر وہ اسم ہے جس میں علامت تانیث نہ ہو نہ لفظاً اور نہ ہی تقدیراً نہ حقیقتاً اور نہ ہی کلماً۔

وعلامة التانيث: تانیث کی علامت یاء ہے، اور الف مقصورہ نیز الف ممدودہ بھی، الف مقصورہ کی مثال جیسے حبلی اور الف ممدودہ کی مثال جیسے حمراء۔
وهو حقيقي: اسم مؤنث کی دو قسمیں ہیں حقیقی اور لفظی پس حقیقی وہ مؤنث ہے کہ جس کے مقابلہ میں کوئی جاندار مذکر ہو جیسے امرأة اور ناقاة کہ امرأة کے مقابلہ رجل اور ناقاة کے مقابلہ میں جمل ہے۔

واللفظی: اور مؤنث لفظی ایسے اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے مقابلہ میں کوئی حیوان مذکر نہ ہو جیسے
ظلمة اور عین۔

وَإِذَا أُسْنِدَ الْفِعْلُ إِلَيْهِ فَالْتَاءُ وَأَنْتَ فِي ظَاهِرٍ غَيْرِ الْحَقِيقِيِّ بِالْخِيَارِ وَحُكْمُ ظَاهِرِ
الْجَمْعِ غَيْرِ الْمَذْكَرِ السَّالِمِ مُطْلَقًا حُكْمُ ظَاهِرٍ غَيْرِ الْحَقِيقِيِّ وَضَمِيرُ الْعَاقِلِينَ غَيْرِ
الْمَذْكَرِ السَّالِمِ فَعَلْتَ وَفَعَلُوا وَالنِّسَاءُ وَالْأَيَّامُ فَعَلْتَ وَفَعَلْنَ.

ترجمہ:- اور جب فعل مسند ہو مؤنث کی طرف تو تاء واجب ہے اور ضمیر مؤنث غیر حقیقی اسم
ظاہر میں اختیار ہے۔ اور اسم ظاہر جمع جو مذکر سالم نہ ہوگا مطلقاً حکم ظاہر مؤنث غیر حقیقی کا حکم ہے اور عاقل
غیر مذکر سالم کی ضمیر فعلت اور فعلوا ہے اور النساء اور الايام کی ضمیر فعلت اور فعلن ہے۔

توضیح:- واذا اسند الفعل: ما حصل عبارت کا یہ ہے کہ جب فعل کی اسناد اسم ظاہر مؤنث
حقیقی کی طرف ہو تو فعل کا مؤنث لانا واجب ہے بشرطیکہ فعل اور فاعل مؤنث حقیقی میں فصل نہ ہو جیسے قتلت
صفیة یہودیا پس اگر فعل کی اسناد غیر حقیقی کی طرف ہے یا حقیقی کی طرف فصل کے ساتھ ہے تو دونوں
صورتوں میں فعل کا مؤنث لانا ضروری نہ ہوگا بلکہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح کی اجازت ہوگی اولیٰ کی مثال
جیسے طلعت الشمس اور طلع الشمس اور دوسرے کی مثال جیسے ضربت الیوم ہند و ضرب
الیوم ہند۔ اچھا اگر فعل کی اسناد مؤنث حقیقی کی ضمیر کی طرف ہو تو فعل کا مؤنث لانا واجب ہوگا جیسے
فاطمة صامت۔

وانت فی ظاہر غیر الحقیقی الخ: خلاصہ یہ ہے کہ اگر فعل کی اسناد اسم ظاہر مؤنث غیر حقیقی کی
طرف ہے تو فعل کے مؤنث لانے اور مذکر لانے میں اختیار ہے جیسا کہ اوپر مثالیں عرض کی جا چکی ہیں البتہ
اگر مؤنث غیر حقیقی کی ضمیر کی طرف اسناد ہو تو فعل کا مؤنث لانا واجب ہوگا جیسے نازاً احترقت۔

وحکم ظاہر الجمع الخ: اسم ظاہر جمع غیر مذکر سالم خواہ وہ جمع مکسر ہو یا مؤنث سالم ہوگا مطلقاً
حکم فعل کے مذکر اور مؤنث لانے میں اسم ظاہر غیر حقیقی کا سا ہے۔ یعنی اگر فعل کی اسناد ایسے اسم ظاہر جمع کی
طرف ہو رہی ہے جو جمع مذکر سالم نہیں ہے چاہے اب وہ جمع مکسر ہو یا جمع مؤنث سالم نیز اس جمع کا واحد خواہ
مؤنث حقیقی ہو جیسے نسوة اور خواہ مذکر حقیقی ہو جیسے رجال جملاً مطلقاً کا یہی مطلب ہے تو اس کا فعل
مؤنث غیر حقیقی کے فعل کی طرح مذکر اور مؤنث دونوں طرح لا سکتے ہیں جیسے جاء الرجال اور جاء
الرجال اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد اذ جاءك المؤمنات اور قال نسوة۔

وضمیر العاقلین: اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جب فعل کی اسناد ایسے ضمیر کی طرف ہو جو جمع
عاقل غیر مذکر سالم کی طرف لوٹ رہی ہو تو فعل کو واحد مؤنث غائب اور جمع مذکر غائب یعنی فعلت اور فعلوا

دونوں طرح لا سکتے ہیں فعل کو واحد مؤنث غائب تو اس لیے لا سکتے ہیں کہ جمع، جماعة کی تاویل میں مؤنث ہے پس ضمیر مرجع میں مطابقت ہے اور فعل کو جمع مذکر غائب اس لیے لائیں گے کہ واؤ جمع، جمع کی اسی نوع کے لیے وضع ہوا ہے۔ جیسے الرجال قامت اور الرجال قاموا اچھا غیر مذکر سالم کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر فعل کی اسناد ایسی ضمیر کی طرف ہے جس کا مرجع جمع مذکر سالم ہے تو فعل کا جمع مذکر غائب لانا ضروری ہوگا جیسے المسلمون صلوا پس المسلمون صلت کہنا درست نہ ہوگا ورنہ ضمیر مرجع میں مطابقت نہ ہو سکے گی۔

النساء والایام فعلت الخ: حاصل یہ ہے کہ جب فعل کی اسناد ایسی ضمیر کی طرف ہو جس کا مرجع جمع مؤنث عاقل جیسے النساء یا غیر عاقل جیسے العیون ہو یا فعل کی اسناد جمع مذکر غیر عاقل کی طرف ہو جیسے الایام تو فعل کے آخر میں تائے تانیث اور نون جمع دونوں کا لاحق کرنا درست ہے یعنی فعل کو واحد مؤنث غائب اور جمع مؤنث غائب دونوں طرح لا سکتے ہیں جیسے النساء صلت اور النساء صلتین اور الایام صلت اور الایام خلون۔

تاء تانیث کا لائق اس لیے صحیح ہے کہ جمع تاویل جماعة مؤنث ہے۔ اور نون جمع کا لاحق کرنا اس لیے صحیح ہے کہ نون جمع جمع کی اسی نوع کے لیے موضوع ہے۔

المثنیٰ ما لحق آخره الف او یاء مفتوح ما قبلها ونون مکسورة لیذل علی ان معہ مثله من جنسہ فالمقصود ان كانت الفة عن واو وهو ثلاثی قلبت واوا والآ فبالیاء والممدود ان كانت همزته اصلية ثبتت وان كانت للتانیث قلبت واوا والآ فالوجهان۔

وُحْدَفَ نُونُهُ لِلْإِضَافَةِ وَحُدِفَتْ تَاءُ التَّانِيثِ فِي خُصِيَّانِ وَالْيَانِ۔

ترجمہ:۔۔ تثنیہ وہ اسم ہے جس کے آخر میں الف یا یا، یا قبل مفتوح اور نون مکسورہ لاحق ہوتا کہ وہ دلالت کرے اس بات پر کہ اس کے ساتھ اس کے مثل اس کی جنس سے ہے۔ پس اسم مقصور اگر اس کا الف واؤ سے ہے اور وہ ثلاثی ہے تو وہ الف واؤ سے بدل جائے گا ورنہ پس یا سے۔ اور اسم ممدودہ اگر اس کا ہمزہ اصلی ہے تو وہ ثابت رہے گا اور اگر تانیث کے لیے ہے تو وہ واؤ سے بدل جائے گا ورنہ پس دو جنمیں ہیں اور تثنیہ کا نون اضافت کی وجہ سے حذف کر دیا جاتا ہے اور خصیان اور لیان میں تائے تانیث حذف کر دی گئی۔

توضیح:۔۔ اسم کی یہ تقسیم باعتبار افراد اور تثنیہ اور جمع کے ہے سب سے پہلے تثنیہ کا تذکرہ اس لیے کیا کہ تثنیہ کا عدد جمع کے عدد پر مقدم ہے نیز مفرد سے تثنیہ کو قرب ہے اور مفرد کا لفظ اس میں سلامت بھی رہتا ہے، تثنیہ کے بعد جمع کا تذکرہ ہے، البتہ مفرد کے ذکر کے لیے کوئی عنوان نہیں قائم کیا، اس لیے کہ تثنیہ

اور جمع کے معلوم ہونے کے بعد معاملہ صاف ہو جاتا ہے کہ ان دونوں کے ماسوا جو کچھ ہے سب مفرد ہے۔
المثنی: مثنی وہ اسم ہے کہ جس کے مفرد کے آخر میں الف یا یاء ماقبل مفتوح اور نون مکسور لاحق ہوتا ہے تاکہ وہ اس بات پر دلالت کرے کہ اس اسم کے ساتھ اس کی جنس سے اس کے مثل ہے یا ماقبل مفتوح کے ساتھ اس لیے مقید کیا تاکہ حالت نسبی اور جری میں جمع مذکر سالم کے ساتھ اشتباہ پیدا نہ ہو۔

فالمقصور الخ: اسم مقصور اس اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے آخر میں الف مقصورہ ہو اور مقصورہ کا نام مقصورہ اس لیے رکھا گیا کہ یہ مد سے بازر ہوتا ہے۔ مصنف نے اسم صحیح اور اسم منقوص کے تشبیہ کا کوئی تذکرہ اس لیے نہیں کیا کہ ان کے تشبیہ کا حکم صاف تھا کہ عند انتہیہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے۔

پس بوقت تشبیہ اسم مقصور کو دیکھا جائے گا کہ اس کا الف کس حرف علت واو اور یاء سے بدل کر آیا ہے پس اگر اس کا الف واؤ سے بدلا ہوا ہے خواہ حقیقتاً بایں طور پر کہ وہ مجھول الاصل ہو اور اس میں کوئی تعلیل نہ ہوئی ہو جیسے الی اور وہ سہ حرفی بھی ہے تو تشبیہ لاتے وقت وہ الف واو سے بدل جائے گا جیسے عَصَوَان اور الوان ایسا اصل کی رعایت میں ہوگا۔

والا فبالياء: یعنی اگر اس اسم مقصور کا الف واؤ سے بدلا ہوا نہیں ہے بلکہ یاء سے بدلا ہے یا وہ تین حرف سے زائد ہے تو پھر بوقت تشبیہ وہ الف یا سے بدل جاتا ہے اصل کی رعایت میں اور زائد علی الاطلاق ہونے کی صورت میں برائے تخفیف جیسے رخی سے رحیان اور اعلیٰ سے اعلیان اور حبلی سے حبلیان۔

والمملود: اور وہ اسم جس کے آخر میں الف ممدودہ ہوتا ہے تو اگر اس کا تشبیہ لانا ہو اور اس کا ہمزہ اصلی ہے یعنی وہ زائد نہیں ہے نیز وہ کسی حرف اصلی یا زائد سے بدلا ہوا بھی نہیں ہے تو پھر ہمزہ کی اصالت کا لحاظ کرتے ہوئے بوقت تشبیہ بھی اس ہمزہ کو ثابت رکھا جائے گا جیسے قروء سے قروء ان۔ اور اگر اس کا ہمزہ تانیث کے لیے ہے تو وہ ہمزہ بوقت تشبیہ واو سے بدل جائے گا جیسے حمراء سے حمراوان اور صحراء سے صحراوان اور ہمزہ کو ثابت اس لیے نہیں رکھا جائے گا کہ وسط کلمہ میں علامت تانیث کی صورت کا وقوع ناپسندیدہ ہے اور چونکہ واؤ ہمزہ سے بمقابلہ یاء کے ثقالت کی وجہ سے زیادہ قریب ہے، اس لیے اس کو واؤ سے بدلا جائے گا۔

اور اگر ہمزہ نہ تو اصلی ہو اور نہ ہی تانیث کے لیے ہو بلکہ وہ برائے الحاق ہو جیسے علیاء یا وہ واؤ اصلی یا یاء اصلی سے بدلا ہوا ہو جیسے کساء اور رداء تو اس میں دو وجہیں درست ہیں ہمزہ کا ثبوت بھی اور واؤ سے ابدال بھی ہمزہ کا ثبوت تو اس لیے کہ وہ مکان اصلی میں ہے باعتبار الحاق کے اور انقلاب بانوا اس لیے کہ وہ ہمزہ، ہمزہ تانیث کے مشابہ ہے اصلی نہ ہونے میں۔

ويحذف نونه: تشبیہ کا نون عند الاضافت حذف ہو جاتا ہے، اس لیے کہ اس کا نون تنوین کے قائم

مقام ہے جو کلمہ کی تمامیت کا باعث بنتا ہے نیز مابعد سے انقطاع کا جب کہ اضافت اتصال اور امتزاج کا سبب ہوتی ہے۔ اور ان دونوں باتوں کے درمیان منافات ہے۔

و حذف تاء التانیث: یہ سوال مقدر کا جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ نحاۃ میں یہ بات طے ہے کہ وہ اسم مفرد جو تاء تانیث کے ساتھ ہو تو بوقت تشنیہ اس کی تاء حذف نہیں ہوتی ہے۔ تو یہ قاعدہ خصیٰان اور الیان سے ٹوٹ جاتا ہے اس لیے کہ ان دونوں کا مفرد تاء تانیث کے ساتھ ہے یعنی خصیۃ اور الیۃ اس کے باوجود ان کی تاء تشنیہ میں حذف ہوگئی ہے۔ تو اس کا جواب مصنف نے دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ قاعدہ تو مسلم ہے باقی خصیٰان اور الیان میں تاء تانیث کا حذف خلاف قیاس ہے اس لیے کہ خصیتین اور الیتن میں سے ہر ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح متصل ہونے کی وجہ سے کہ ایک سے انتقال غیر دوسرے کے ممکن نہیں بمنزلہ مفرد کے ہے اور تاء کا وسط مفرد میں لانا صحیح نہیں ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ خصیٰان خصیٰ کی تشنیہ ہے اور الیا الیٰ کی ہے ہر چند یہ مشہور نہیں ہے۔ پس اعتراض باطل ہے۔

المجموع ما دلّ علیٰ احادٍ مقصودۃٍ بحروفٍ مفردہ بتغییر ما فنحو تمر و رکب لیس بجمع علی الاصحّ ونحو فُلک جمعٌ وهو صحیحٌ ومُکسّرٌ فالصّحیح لمذکر ولمؤنث فالمدکر ما لحق اخره وَاوْ مُضْمُوْمٌ ما قبلها او یاءٌ مسکورٌ ما قبلها ونونٌ مفتوحةٌ لیدلّ علیٰ انّ معہ اکثر منه فان کان اخره یاءٌ قبلها کسرةٌ حذفت مثل قاضون وان کان اخره مقصوراً حذفت الالف وبقي ما قبلها مفتوحاً مثل مُصْطَفون.

ترجمہ: جمع وہ اسم ہے جو دلالت کرتا ہے افراد مقصودہ پر اپنے مفرد کے حروف کے ساتھ کچھ تبدیلی کے ذریعہ پس تمر اور رکب جیسے جمع نہیں ہیں صحیح ترین قول کے مطابق اور فُلک جیسے جمع ہیں اور جمع، صحیح اور مکسر ہے پس صحیح مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے ہوتا ہے۔ پس مذکورہ ہے کہ جس کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم یا یاء ماقبل مکسور اور نون مفتوح لاحق ہو۔ تاکہ وہ اس بات پر دلالت کرے کہ اس کے ساتھ اس سے زیادہ ہے پس اگر اس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہو تو وہ حذف ہو جاتی ہے جیسے قاضون اور اگر اس کا آخر مقصور ہو تو الف حذف کر دیا جائے گا اور ماقبل مفتوح باقی رہے گا جیسے مصطفون۔

توضیح: جمع وہ اسم ہے جو ایسے افراد پر دلالت کرتا ہے کہ جو اس کے مفرد کے حروف سے کچھ تبدیلی کی وجہ سے مقصود ہوتے ہیں۔

سب سے پہلے معلوم ہو کہ مفرد میں تغیر خواہ زیادتی کے ذریعہ ہو جسے رجل سے رجال یا کمی کے ذریعہ ہو جسے کتاب سے کتّاب یا حرکات و سکّات میں حقیقتاً تبدیلی ہو جسے اُسْد سے اُسْد یا حکماً تبدیلی ہو جسے فُلک سے فُلک کے وزن پر مانا جائے تو مفرد ہے اور جب اُسْد کے وزن پر فرض کیا جائے تو جمع ہے۔

اب سنے مصنف کا قول ماڈل علیٰ اَحَادِ جنس ہے جو جمع اور اسم جمع اور اسم عدد اور اسم جنس سب کو شامل ہے، کیوں کہ اسم جنس اگرچہ افراد پر وضعاً دلالت نہیں کرتا لیکن استعمالاً افراد پر دلالت کرتا ہے اب یہ ہے کہ اسم جنس سے اگر ماہیت مقصود ہے تو وہ مقصودہ کی قید سے خارج ہو جائے گا اور اگر افراد ہی مقصود ہیں تو وہ بحروف مفردہ کی قید سے نکل جائے گا اس لیے کہ اسم جنس کا کوئی مفرد نہیں ہوتا نیز بحروف مفردہ کی قید سے اسم جمع اور اسم عدد بھی خارج ہو جائیں گے، کیوں کہ ان کا کوئی مفرد نہیں ہوتا، لہذا قول اصح کے مطابق تراور ركب جمع نہیں ہیں بلکہ ترا اسم جنس ہے اور ركب اسم جمع ہے۔ اسم جنس اور اسم جمع میں فرق یہ ہے کہ اسم جنس قلیل و کثیر پر وضعاً بولا جاتا ہے جب کہ اسم جمع واحد اور اثنین پر وضعاً نہیں واقع ہوتا ہے۔ البتہ قول غیر اصح یہ ہے کہ تمر، تمرۃ اور ركب، راکب کی جمع ہے لیکن یہ قول ضعیف ہے اس لیے اس کا اطلاق قلیل پر ہوتا ہے اور کثیر پر درست نہیں ہے۔

ونحو فلک: اس کا حاصل یہ ہے کہ فلک میں چونکہ تقدیراً تغیر ہے کیونکہ اس کا واحد قفل کے وزن پر ہے جب کہ جمع اسد کے وزن پر ہے جیسا کہ پیچھے بیان کیا جا چکا ہے، لہذا یہ جمع ہے۔
 وهو صحیح و مکسر: یہاں سے جمع کی تقسیم فرما رہے ہیں کہ جمع کی دو قسمیں ہیں جمع صحیح یعنی سالم اور جمع مکسر۔ اس لیے کہ جمع دو حال سے خالی نہیں یا تو اس میں واحد کا وزن سلامت ہوگا یا نہیں اول صورت میں جمع صحیح کہلائے گا اور ثانی صورت میں جمع مکسر۔

فالصحیح لمذکور والمؤنث: جمع صحیح دو قسم پر ہے مذکر سالم اور مؤنث سالم۔ پس جمع مذکر سالم اس جمع کو کہتے ہیں جس کے آخر میں یعنی اس کے مفرد کے آخر میں واؤ ماقبل مضموم یا یا ماقبل مکسور اور نون مفتوح ہو، نون مفتوح اس لیے ہوگا تاکہ نون کے فتح کی خفت، واؤ اور اس کے ضمہ کی ثقالت کو دور کر دے اور توازن پیدا ہو جائے۔

مذکر سالم کو واؤ ماقبل مضموم حالت رفعی میں اور یا ماقبل مکسور حالت نصی اور جری میں نون مفتوح کے ساتھ اس لیے لاحق ہوگا تاکہ وہ ملحق مع لاحق کے اس بات پر دلالت کرے کہ اس مفرد ملحق کے ساتھ اس مفرد سے زیادہ افراد ہیں۔

فان كان آخره ياء ماقبلها كسرة: اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ اسم کہ جس کی جمع، جمع مذکر سالم لانا چاہتے ہیں اگر اس کے آخر میں یاء ماقبل مکسور ہے جیسے قاضی تو یاء کے ماقبل کی حرکت زائل کرنے کے بعد یاء کی حرکت ماقبل کو تخفیفاً نقل کر دیں گے اور یاء اتقائے ساکنین کی وجہ سے حذف ہو جائے گی، پس حالت رفعی میں جاء نون مفتوح ہو جائے گا جو دراصل قاضیون تھا اسی طرح حالت نصی اور جری میں تعلیل کریں گے۔

وان كان آخره مكسوراً: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر وہ اسم جس کی جمع مذکر سالم لائی جا رہی ہے

اس کے آخر میں الف مقصور ہو جیسے مصطفیٰ تو الف گر جائے گا اور اس کے ماقبل کا فتح باقی رہے گا اس لیے کہ اس کی تبدیلی کا کوئی باعث نہیں ہے پس مصطفیٰ جمع مذکر سالم بنانے کے بعد دراصل مُصْطَفِیُّون ہو گیا یا ہ متحرک ماقبل فتح لہذا یا الف سے بدل گیا پھر الف اور واؤ میں اجتماع ساکنین ہو گیا لہذا الف گر گیا اور مُصْطَفِیُّون ہو گیا۔

وشرطه ان كان اسماً فمذكرٌ علم يعقل وان كان صفة فمذكرٌ يعقل وان لا يكون الفعل فعلاً مثل احمر، حمراء ولا فعلاً فعلی نحو سكران سكرى ولا مُستویاً فيه مع المؤنث مثل جريح وصور ولا بناء التانیث مثل علامة وتحذف نُونه بالاضافة وقد شدُّ نحو سنین وأرضین .

ترجمہ :- اور اس کی شرط یہ ہے کہ اگر وہ اسم ہے تو مذکر علم اور عاقل ہو۔ اور اگر صفت ہے تو مذکر عاقل ہو اور یہ شرط ہے کہ نہ ہو ایسا فعل کہ جس کی مؤنث فعلاء (کے وزن پر) ہوتی ہے جیسے احمر، حمراء، اور نہ فعلاً ہو کہ جس کی مؤنث فعلی (کے وزن پر) ہوتی ہے جیسے مسکران، مسکری اور نہ ہی وہ اسم اس وصف میں مؤنث کے ساتھ برابر ہو جیسے جريح اور صور اور نہ ہی تاء تانیث کے ساتھ ہو جیسے علامة اور اس کا نون اضافت کی وجہ سے حذف ہو جاتا ہے اور تحقیق کہ شاذ ہے سنین اور ارضین جیسی مثال۔

توضیح :- یہاں سے مصنف جمع مذکر سالم کی شرائط بیان کرنا چاہتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ اسم کہ جس کی جمع مذکر سالم منظور ہے اسم محض ہے تو واؤ، نون اور یا نون کے ساتھ جمع لانے کی شرط یہ ہے کہ وہ مذکر بغیر تاء ہو، مؤنث نہ ہو، علم ہو مگر نہ ہو عاقل ہو غیر عاقل نہ ہو یہ شرطیں اس لیے لگائی ہیں کہ جمع مذکر سالم اشرف الجموع ہے، کیوں کہ اس میں واحد کا وزن سلامت رہتا ہے، اور علم مذکر عاقل اشرف الاسماء ہے، لہذا اشرف اسم کو اشرف جمع عطا کر دی گئی۔

وان كان صفة: اور اگر وہ اسم، اسم صفتی ہے یعنی اس اسم میں معنی وصفی ملحوظ ہیں تو پھر ایسے اسم کی جمع مذکر سالم لانے کی چند شرطیں ہیں پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مذکر ہو دوسری شرط یہ ہے کہ عاقل ہو۔ یہ دو شرطیں اس لیے لگائی ہیں کہ جمع مذکر سالم اشرف الجمع اور وہ صفت جو مذکر عاقل ہو اشرف الصفات ہے پس اشرف الصفات کو اشرف جمع مناسبت باہمی کی رعایت کی وجہ سے دے دی گئی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم ایسے فعل کے وزن پر نہ ہو کہ جس کی مؤنث فعلاء آتی ہے جیسے احمر کی مؤنث حمراء کے وزن پر آتی ہے کیوں کہ وہ فعل کہ جس کی مؤنث فعلی کے وزن پر ہوتی ہے اس فعل کی جمع، جمع مذکر سالم انفلون جیسے افضل سے انفلون آتی ہے پس اگر فعل فعلاء کی بھی جمع، جمع مذکر سالم لے آئی جائے تو فعل تفضیل اور افضل الصفة کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔

اور چونکہ شرط یہ ہے کہ وہ اسم ایسے فعلان کے وزن پر نہ ہو کہ جس کی مؤنث فعلی کے وزن پر آتی ہے جیسے سکران کہ اس کی مؤنث سکرئی آتی ہے یہ شرط اس لیے لگائی کہ وہ اسم کہ جو فعلان کے وزن پر آتا ہے لیکن اس کی مؤنث بجائے فعلی کے وزن پر ہونے کے فعلانہ کے وزن پر آتی ہے تو اس کی جمع واؤ نون کے ساتھ آتی ہے یعنی جمع مذکر سالم پس اگر فعلان فعلی کی جمع بھی جمع مذکر سالم لے آئی جائے تو فعلان فعلانہ اور فعلان فعلی کی جمع میں اشتباہ پیدا ہو جائے گا، جیسے ندمان کی اس کی مؤنث ندمانہ آتی ہے۔

اور پانچویں شرط یہ ہے کہ مذکر اس وصف میں مؤنث کے مساوی نہ ہو جیسے جریح اور صورت کہ یہ دونوں اسم، مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے برابر استعمال ہوتے ہیں، پس اگر ان کی جمع ایسی لائی جائے جو مذکر اور مؤنث میں سے کسی ایک کے ساتھ مخصوص ہے مثلاً واؤ، نون کے ساتھ جمع جو مذکر سالم کے ساتھ مخصوص ہے تو یہ غیر مناسب ہوگا بلکہ بہتر یہ ہے کہ ایسی جمع لائی جائے جس میں مذکر اور مؤنث دونوں برابر ہوں۔

اور چھٹی شرط یہ ہے کہ وہ اسم تائے تانیث کے ساتھ نہ ہو جیسے علامۃ پس اگر اس کی جمع واؤ، نون کے ساتھ لائی جاتی ہے تو کلمہ واحدہ میں حکماً تذکیر و تانیث کی علامتوں کا جمع ہونا لازم آئے گا اور اگر تاء کو حذف کر دیا جاتا ہے تو اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔

و حذف نونہ: اضافت کے وقت جمع مذکر سالم کا نون حذف ہو جاتا ہے کیوں کہ نون تثنیہ کے قائم مقام ہوتا ہے جو تمامیت کلمہ پر دلالت کرتا ہے نیز مابعد سے انقطاع کا جب کہ اضافت اتصال اور استخراج کا سبب ہوتی ہے اور دونوں باتوں میں منافات ہے۔

وقد شد: یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ وہ یہ ہے کہ سنین، سنۃ اور ارضین، ارض کی جمع ہے باوجود اس کے کہ وہ نہ علم ہے اور نہ ہی مذکر عاقل تو مصنف نے جواب دیا کہ یہ بطور شاذ کے ہے اور شاذ کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔

المؤنث ما لحق آخره الف: وقاء و شرطه ان كان صفة وله مذکر فان يكون مذکره بالواو والنون وان لم يكن مذکره فان لا يكون مجرداً كحائض والاجمع مطلقاً.

ترجمہ:۔ جمع مؤنث سالم وہ اسم ہے کہ اس کے آخر میں الف اور تاء لاحق ہو اور اس کی شرط اگر وہ صفت ہے درنحالیہ اس کا مذکر ہے یہ ہے کہ اس کا مذکر واو اور نون کے ساتھ ہو اور اگر مذکر نہ ہو تو شرط یہ ہے کہ وہ مجرد عن التاء نہ جیسے حائض ورنہ مطلقاً جمع لائی جائے گی۔

توضیح:۔ جمع مؤنث سالم ایسے اسم کو کہتے ہیں کہ جس کے آخر میں الف اور تاء لاحق ہوتی ہو۔ اب آگے شرائط بتا رہے ہیں کہ اگر وہ اسم جس کی الف و تاء کے ساتھ جمع لانا مقصود ہے صفت ہے اور اس اسم صفتی کا مذکر بھی ہے تو اس کی شرط یہ ہے کہ اس کے مذکر کی جمع واؤ و نون کے ساتھ موجود ہو یہ شرط اس

لیے لگائی تاکہ فرع کی اصل پر زیادتی لازم نہ آئے کیوں کہ جمع مذکر سالم اصل ہے اور جمع مؤنث سالم فرع ہے، پس چاہا گیا کہ جس طرح مؤنث واحد کا وزن سلامت رہتا ہے ایسے ہی مذکر سالم میں واحد کا وزن سلامت رہے تاکہ سلامتی واحد میں جمع مؤنث سالم، مذکر سالم کے موافق رہے۔

وان لا یكون مذکور: اور اگر اس اسم صفتی کا کوئی مذکر نہیں تو شرط یہ ہے کہ وہ مجرد عن التاء نہ ہو جیسے حائض، اس لیے کہ وہ اسم جوتاء کے ساتھ ہوتا ہے اس کی جمع الف اور تاء کے ساتھ آتی ہے پس اگر مجرد عن التاء اسم کی بھی جمع، جمع مؤنث سالم آنے لگے تو پھر ملتبس بالتاء اور مجرد عن التاء اسم کی جمع مؤنث سالم میں اشتباہ پیدا ہو جائے گا۔

والا جمع مطلقا: اور اگر وہ کلمہ کہ جس کی جمع الف و تاء کے ساتھ لائی جا رہی ہے اسم صفتی نہیں ہے بلکہ اسم محض ہے تو پھر الف و تاء کے ساتھ جمع لانے کے لیے کوئی شرط نہیں ہے بلکہ مطلقاً اس کی جمع الف و تاء کے ساتھ آسکتی ہے، جیسے ہندوات اور وعدات، تمرات وغیرہ۔

جمع التکسیر ما تغیر بناء واحده کرجال و الفراس جمع القلة الفعل و افعال و افعل و فِعْلَةٌ و الصّحیح و ما عدا ذالک جمع کثرة۔

ترجمہ:- جمع تکسیر وہ اسم ہے کہ جس کے واحد کا وزن سلامت رہے جیسے رجال اور الفراس۔ جمع قلت الفعل اور افعال اور افعلہ اور فِعْلَةٌ ہے اور صحیح ہے اور وہ جوان اوزان کے علاوہ ہیں جمع کثرت ہے۔ **توضیح:-** جمع تکسیر ایسی جمع کو کہتے ہیں جس میں جمعیت کی وجہ سے واحد کا وزن سلامت نہ رہے جمع کی دو قسمیں ہیں جمع قلت اور جمع کثرت جمع قلت کہتے ہیں کہ جس کا اطلاق دس سے زیادہ پر نہ ہو اور جمع کثرت کہتے ہیں کہ جس کا اطلاق دس سے زیادہ پر ہو۔

پس جمع قلت کے اوزان چار ہیں أَفْعُلٌ جیسے افلس اور افعال جیسے الفراس اور افعلہ جیسے ارغفة اور فِعْلَةٌ جیسے غلمة اور جمع صحیح یعنی سالم جو بغیر الف و لام کے ہو اور ان اوزان اربعہ کے علاوہ جموع مکسرہ نیز جمع سالم جو الف و لام کے ساتھ ہو جمع کثرت ہیں۔

المصدر اسمٌ للحدثِ الجاری علی الفعلِ وَهُوَ مِنَ الثَلَاثِ الْمَجْرُودِ سِمَاعٌ وَمِنْ غَيْرِهِ قِيَاسٌ وَيَعْمَلُ عَمَلِ فِعْلِهِ مَاضِيًا وَغَيْرُهُ إِذَا لَمْ يَكُنْ مَفْعُولًا مُطْلَقًا وَلَا يَتَقَدَّمُ مَعْمُولُهُ عَلَيْهِ وَلَا يَضْمُرُ فِيهِ وَلَا يَلْزَمُ ذِكْرَ الْفَاعِلِ وَيَجُوزُ إِضَافَتُهُ إِلَى الْفَاعِلِ وَقَدْ يُضَافُ إِلَى الْمَفْعُولِ وَأَعْمَالُهُ بِاللَّامِ قَلِيلٌ فَإِنْ كَانَ مُطْلَقًا فَالْعَمَلُ لِلْفِعْلِ وَإِنْ كَانَ بَدَلًا مِنْهُ فَوَجْهَانِ.

ترجمہ:- مصدر اس حدث کا نام ہے جو فعل پر جاری ہوتا ہے اور وہ ثلاثی مجرد سے سماعی ہے اور اس کے علاوہ سے قیاسی، اور مصدر اپنے فعل کا سائل کرتا ہے خواہ وہ بمعنی ماضی ہو یا اس کے علاوہ بشرطیکہ وہ مفعول مطلق نہ ہو اور مصدر کا معمول، مصدر پر مقدم نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مصدر میں مضمر ہوتا ہے اور مصدر کے فاعل کا ذکر لازم نہیں ہے اور جائز ہے اس کی اضافت فاعل کی طرف اور کبھی مضاف ہوتا ہے مفعول کی طرف اور اس کا اعمال لام کے ساتھ بہت کم ہے پس اگر مصدر مفعول مطلق ہو تو عمل فعل کا ہوگا۔ اور اگر مفعول مطلق فعل سے بدل ہو تو دو چیزیں ہیں۔

توضیح:- مصدر اس حدث کو کہتے ہیں جو فعل پر جاری ہوتا ہے۔ حدث سے مراد وہ معنی ہیں جو قائم بالغیر ہوں خواہ مصدر سے ان کا صدور ہو جیسے ضرب اور قسبی یا صدور نہ ہو جیسے طول اور قصر۔ اور فعل پر مصدر کے جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فعل کے مصدر سے مشتق ہونے کے بعد مصدر فعل کی تاکید یا اس کی نوعیت یا اس کے عدد کے بیان کے لیے ہوتا ہو۔

وهو من الثلاثی سماع: مصدر ثلاثی مجرد سے تو سماعی ہے اس کا کوئی مخصوص وزن نہیں ہے بلکہ جو وزن مسوع ہیں تو انہیں پر مصدر آئے گا البتہ غیر ثلاثی مجرد سے (اب خواہ وہ ثلاثی مزید ملحق بر بائی ہوں یا غیر ملحق بر بائی، ہا ہمزہ وصل ہوں یا بے ہمزہ وصل ہوں بر بائی مجرد ہوں یا مزید) مصدر قیاسی ہوتا ہے یعنی بغیر سماع محض ضابطہ کے روشنی میں اس کا استخراج ممکن ہوگا۔

ويعمل عمل الفعل: اور مصدر فعل کا سائل کرتا ہے یعنی اگر وہ مصدر فعل لازم کا ہے تو وہ صرف فاعل میں رفع کا عمل کر دیا جیسے اعجبنی قیام زید اور اگر فعل متعدی کا مصدر ہے تو وہ فاعل میں رفع کا اور مفعول میں نصب کا عمل کرے گا جیسے اعجبنی ضرب زید عمرو و مصدر خواہ بالمعنی الماضی ہو یا حال اور مستقبل یعنی مصدر کے عمل کے لیے کوئی مخصوص زمانہ شرط نہیں ہے اس لیے کہ مصدر کا عمل اشتقاق کی مناسبت کی وجہ سے ہے مشابہت کی وجہ سے تھوڑا ہے لہذا زمانہ مخصوص شرط نہیں ہے۔

اذا لم یکن مفعولا مطلقا: مصدر کے عمل کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہ ترکیب میں مفعول مطلق نہ ہو کیوں کہ اگر وہ مفعول مطلق واقع ہو رہا ہو تو ایسی صورت میں عمل فعل کا ہوگا، کیوں کہ وہ عامل قوی ہے اور مصدر عامل ضعیف ہوتا ہے اور عامل قوی کے ہوتے ہوئے معمول کا تعلق عامل ضعیف سے نہیں ہوتا اور مصدر کا معمول مصدر پر مقدم نہیں ہو سکتا، کیوں کہ مصدر بوقت عمل ان مع الفاعل کی تاویل میں ہوتا ہے اور ان موصول حرفی ہے اور اس کا مابعد صلہ ہے اور صلہ کی تقدیم موصول پر ممتنع ہے پس اسی طرح اس کی تقدیم جو مصدر کے معمولات میں سے ہے بدرجہ اولیٰ منع ہوگی۔

ولا یضم: مصدر کا معمول یعنی اس کا فاعل مصدر میں مستتر اور پوشیدہ نہیں ہوتا، اس لیے کہ اگر مفرد

میں فاعل مستتر مانا جائے تو مفرد پر قیاس کرتے ہوئے شنیہ مصدر اور جمع مصدر میں بھی پوشیدہ ماننا درست ہوگا جب کہ بصورت شنیہ اجتماع الثمین بصورت جمع اجتماع الثمین لازم آئے گا ایک تو بلحاظ مصدر کے اور دوسرا بلحاظ فاعل کے اور یہ ناجائز ہے۔

ولا يلزم ذکر الفاعل: خلاصہ یہ ہے کہ مصدر کے لیے بوقت عمل فاعل کا ذکر ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ نسبت الی الفاعل یا مصدر کے مفہوم میں طوطا نہیں ہے، لہذا مصدر کے مفہوم کا تصور فاعل پر موقوف نہ ہوگا، نیز یہ کہ اگر مصدر کے فاعل کا ذکر ضروری مانا جائے تو مستدالی المضمر کی صورت میں مصدر میں اس کے عامل کا استتار یعنی پوشیدہ ماننا لازم آئے گا جو کہ ناجائز ہے۔

ویجوز اضافتہ الی الفاعل: حاصل یہ ہے کہ مصدر کی اضافت فاعل کی اور درست ہے، کیوں کہ مصدر کی فاعل کی طرف اضافت ایسے ہے جیسے فعل کا فاعل کی طرف مسند ہونا نیز مفعول کی طرف بھی اضافت درست ہے، کیوں کہ مفعول کی طرف مصدر کی اضافت ایسے ہے جیسے فعل کی مفعول کی طرف اسناد کا ہونا۔ لیکن ظاہر ہے کہ فعل کی اسناد الی الفاعل حقیقت ہے اور اسناد الی المفعول مجاز ہے اور کلام کا حقیقت پر محمول کرنا اولیٰ ہے بمقابلہ مجاز پر محمول کرنے سے لہذا مصدر کی اضافت الی الفاعل اولیٰ ہے بمقابلہ اضافت الی المفعول کے ہر چند کہ اضافت الی المفعول بھی درست ہے۔ اول کی مثال اعجبنی دق القصار الثوب دوسرے کی مثال اعجبنی ضرب اللص الجلاذ۔

واعمالہ باللام: مصدر معرف باللام کا عمل دلانا قلیل اور کم رائج ہے۔ اصل وجہ یہ ہے کہ مصدر کا عمل ان مع فعل کی تقدیر کے ساتھ ہوتا ہے اور لام کا دخول فعل پر ممتنع ہے پس چاہئے تھا مصدر معرف باللام کا عمل بھی منع ہو جائے لیکن معرف باللام مصدر کا اعمال جائز رکھا گیا اس لیے کہ مانع عارضی ہے نیز اصل فعل اور مؤول بالفعل میں فرق باقی رہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد لا یحب اللہ الجہر بالسوء۔

فان كان مطلقا: اس کا حاصل یہ ہے کہ مصدر مفعول مطلق ہو اور اس کا فعل وجوباً محذوف نہ ہو تو پھر برائے عمل فعل متعین ہے، کیوں کہ عامل قوی کے ہوتے ہوئے عامل ضعیف سے فعل متعلق نہیں ہوتا ہے اور یہ صحیح بھی نہیں ہے کہ عامل قوی کے ہوتے ہوئے عامل ضعیف کو عمل دلایا جائے۔

ہاں اگر فعل وجوباً محذوف ہو اور مفعول مطلق اس کا قائم مقام ہو تو دونوں صورتیں درست ہیں کہ فعل کو اصل ہونے کی وجہ سے عمل دلایا جائے اور مصدر کا بھی اعمال درست ہے، کیوں کہ وہ فعل کا قائم مقام ہے۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلی وجہ بحیثیت مصدر کے عمل کرنا اور دوسری وجہ بحیثیت قائم مقام فعل کے عمل کرنا ہے۔

اسمُ الفاعِلِ مَا اشْتَقَ مِنْ فِعْلِ لَمَنْ قَامَ بِهِ بِمَعْنَى الْحَدُوثِ وَصِيغَتُهُ مِنَ الثَّلَاثِي الْمَجْرَدِ عَلَى فَاعِلٍ وَمِنْ غَيْرِهِ عَلَى صِيغَةِ الْمَضَارِعِ بِمِيمٍ مَضْمُومَةٍ وَكَسْرٍ مَاقْبَلِ الْآخِرِ نَحْوِ مُدْخَلٍ وَمُسْتَغْفِرٍ وَيَعْمَلُ عَمَلُ فِعْلِهِ بِشَرَطِ مَعْنَى الْحَالِ أَوْ الْاِسْتِقْبَالِ وَالْاِعْتِمَادِ عَلَى صَاحِبِهِ وَالْهَمْزَةِ أَوْ مَا فَانَ كَانَ لِلْمَاضِي وَجَبَتْ الْاِضَافَةُ مَعْنَى خِلَافًا لِلْكَسَائِي فَإِن كَانَ لَهُ مَعْمُولٌ آخَرَ لِيَفْعَلَ مَقْدَرٍ نَحْوِ زَيْدٌ مُعْطَى عَمْرٍو دَرَهْمًا اِمْسَ فَإِن دَخَلَتِ اللَّامُ اسْتَوَى اِنْجَمِيعُ .

ترجمہ:- اسم فاعل وہ اسم ہے جو مشتق ہوتا ہے ایسے فعل سے کہ فعل اس ذات کے ساتھ بمعنی الحدوث قائم ہوتا ہے اور اس کا صیغہ ثلاثی مجرد سے فاعل کے وزن پر ہوتا ہے اور اس کے علاوہ سے مضارع کے صیغہ پر ميم مضمومہ اور آخر کے ماقبل کسرہ کے ساتھ جیسے مُدْخَلٌ اور مُسْتَغْفِرٌ اور اسم فاعل اپنے فعل کی طرح عمل کرتا حال یا استقبال کی شرط کے ساتھ اور اپنے صاحب اور ہمزہ یا مانا فہ پر اعتماد کے ساتھ۔ پس اگر اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو تو اضافت معنی واجب ہے مخالفت کرتے ہوئے کسائی کی پس اگر اس کے لیے کوئی دوسرا معمول ہو تو فعل مقدر کی وجہ سے جیسے زید معطی عمرو درہمًا امس پس اگر لام داخل ہو جائے تو تمام برابر ہو جاتے ہیں۔

توضیح:- اسم فاعل وہ اسم ہے جو ایسے مصدر سے مشتق ہوتا ہے کہ جو اس ذات کے ساتھ بمعنی الحدوث وابتداء قائم ہوتا ہے۔ واضح ہو کہ فعل سے مراد مصدر اور حدث ہے۔ مان کا قول ما اشتق من فعل جنس ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول، صفت مشبہ اور اسم تفضیل وغیرہ سب کو شامل ہے۔ لمن قام بہ فعل اول ہے جس سے اسم مفعول اور اسم تفضیل بھی خارج ہو گئے۔ مفعول کا خارج ہونا ظاہر ہے اور اسم تفضیل بھی خارج ہے یا اس طور کہ اسم تفضیل کو اس ذات کے لیے موضوع ہے کہ جس کے ساتھ مصدر قائم ہوتا ہے لیکن زیادتی کے ساتھ دوسرے کے مقابل میں جب کہ اسم فاعل میں زیادتی کا لحاظ نہیں ہوتا ہے۔ اور بمعنی الحدوث کی قید سے مبالغہ سے احتراز ہو گیا کیوں کہ مبالغہ کی وضع من قام بہ کے لیے بمعنی الثبوت ہوتی ہے۔ پس یہ اعتراض بھی لغو ہے کہ اسم فاعل کی تعریف مبالغہ کو شامل نہیں حالانکہ اس کی وضع بھی لمن قام بہ کے لیے ہوتی ہے اصل مسئلہ یہ ہے کہ مصنف مبالغہ کو اسم فاعل سے دو وجہوں سے خارج کرنا چاہتے ہیں اول تو اس لیے کہ اسم فاعل کے صیغے محصور اور محدود ہیں جو مخصوص اوزان پر ہوتے ہیں اور مبالغہ کے صیغے ان اوزان پر نہیں ہیں دوسرے یہ کہ مبالغہ کے صیغوں کے احکام مثل احکام اسم فاعل ہے اور قاعدہ سے کہ شیء کا مثل شیء کا غیر ہوتا ہے اس کا عین نہیں ہوتا۔ پس مبالغہ کا خارج ہو جانا مقصود ہے لائق تشویش نہیں ہے۔

وصیفته من الثلاثی المجرود: اسم فاعل ثلاثی مجرد سے فاعل کے وزن پر آتا ہے البتہ غیر ثلاثی مجرد سے خواہ وہ ثلاثی مزید ہو اپنی تمام قسموں کے ساتھ یا رباعی مجرد یا مزید ہو اسم فاعل مضارع معروف کے وزن پر میم مضموم اور آخر کے ما قبل کسرہ کے ساتھ آتا ہے جیسے مُذْجَل کی اس مثال میں علامت مضارع کی جگہ پر میم مضموم لے آئی گئی ہے اور آخر کے ما قبل تو کسرہ پہلے سے ہی موجود تھا۔ اور مُسْتَفْفِر میں علامت مضارع مفتوح کی جگہ پر میم مضموم لائی گئی ہے البتہ آخر کے ما قبل کسرہ پہلے سے ہے اور متقابل میں میم مضموم علامت مضارع مفتوح کی جگہ ہے اور آخر کے ما قبل فتح کی جگہ کسرہ لایا گیا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ غیر ثلاثی مجرد سے اسم فاعل بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ مضارع معروف کے حرف مضارع کی جگہ پر میم مضموم لے آئی جائے اور آخر کے ما قبل کو کسرہ کر دیا جائے اگر کسرہ نہ ہو تو۔

ويعمل عمل فعلة: اسم فاعل اپنے فعل کی طرح عمل کرتا ہے یعنی اگر وہ فعل لازم کا اسم فاعل ہے تو صرف فاعل کو رفع دے گا جیسے زید قائم ابوہ اور اگر فعل متعدی کا اسم فاعل ہے تو فاعل میں رفع اور مفعول میں نصب کا عمل کرے گا جیسے زید ضارب ابوہ عمروا۔

البتہ عمل کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اسم فاعل حال یا استقبال کے معنی میں ہو اس لیے کہ اسم فاعل کا عمل مضارع سے مشابہت کی وجہ سے ہے اور ظاہری بات ہے کہ مشابہت مطلوبہ حال یا استقبال کے معنی میں ہونے کی صورت میں ہی حاصل ہو سکتی ہے پس ضروری ہے کہ اسم فاعل مضارع کے مخالف نہ ہو۔ البتہ حال اور استقبال کے معنی میں ہونا عام ہے خواہ حقیقتاً وہ اسم فاعل حال یا استقبال کے معنی میں ہو یا حکماً جیسے کلب باسط ذراعیہ بالوصید پس باسط اگرچہ ماضی ہے اور حقیقتاً حال کے معنی میں نہیں ہے لیکن حکماً ہے کیوں کہ اس سے مراد حکایت حال ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اسم فاعل اپنے صاحب یا ہمزہ استفہام یا حرف نفی پر اعتماد کرنے والا ہو۔ یعنی اسم فاعل سے پہلے مبتدا ہو جیسے زید قائم ابوہ یا موصوف ہو جیسے جاء نی رجل قائم ابوہ یا موصول ہو جیسے جاء نی القائم ابوہ یا اسم فاعل سے پہلے ذوالحال ہو جیسے جاء نی زید راکب غلامہ صاحب سے مراد یہی مذکورہ بالا چیزیں ہیں نیز اسم فاعل سے پہلے یا ہمزہ استفہام ہو جیسے اقام زید یا مانافہ ہو جیسے ما قائم زید پس صاحب یعنی مبتدا وغیرہ پر اعتماد کی شرط اس لیے لگائی کہ عمل میں اصل فعل ہے، کیوں کہ فعل کی وضع اسی مقصد کے لیے ہوتی ہے۔ اور اس کے ماسوا کا عمل فعل کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہے اور فعل فاعل پر اعتماد کرتا ہے یعنی اس کی طرف مسند ہوتا ہے، پس مناسب ہوا کہ جو اس سے مشابہت کا تعلق رکھتا ہے وہ اپنے صاحب پر بدرجہ اولیٰ اعتماد رکھے یعنی وہ بھی اپنے صاحب کی طرف مسند ہو، تاکہ فرع کی اصل میں زیادتی لازم نہ آئے۔

اور ہمزہ استفہام اور مانافیہ پر اعتماد اس لیے کافی ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں عموماً فعل پر ہی داخل ہوتے ہیں پس جب اسم فاعل پر داخل ہوں گے تو اسم فاعل کی فعل سے مشابہت بڑھ جائے گی۔

وان كان للماضی وجب الاضافة: حاصل یہ ہے کہ جب اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہو تو اضافت معنوی واجب ہے۔ مشابہت بالمضارع نہ ہونے کی وجہ سے عمل کی تواب گنجائش نہیں البتہ اسم فاعل کی اس کے مفعول کی طرف اضافت معنوی ہو جائے گی۔ اضافت لفظی بھی منع ہے، کیوں کہ اضافت لفظی میں اضافت اپنے معمول کی طرف ہوتی ہے۔ یہ بات یہاں ناپید ہے جیسے زید معطی عمر وامس درہما۔

اس سلسلے میں امام کسائی کا اختلاف ہے ان کی رائے یہ ہے کہ اسم فاعل مطلقاً خواہ حال یا استقبال کے معنی میں ہو یا ماضی کے وہ اپنے فعل کا سا عمل کرتا ہے، کیوں کہ اصل حال و استقبال ہے اور ماضی ایک عارضی چیز ہے جس کا ثبوت بغیر قرینہ کے نہیں ہوتا اور عارض کا اعتبار نہیں، لہذا اگر اسم فاعل ماضی کے معنی میں بھی ہو جائے تو کوئی فرق نہیں پڑتا پس صورت مذکور میں اس کی اضافت مفعول کی طرف لازم نہیں اور اگر اضافت گوارہ بھی کی جائے تو اضافت لفظی ہوگی نہ کہ اضافت معنوی، کیوں کہ یہ اضافت الصفت الی معمولیہ کے قبیل سے ہوگا ان کا استدلال کلب باسقط ذراعیہ بالوصید سے ہے کہ باسقط اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہوتے ہوئے عمل کر رہا ہے پس معلوم ہو کہ اسم فاعل عمل کرنے کے لیے حال و استقبال کے معنی میں ہونے کا محتاج نہیں۔ لیکن جمہور کی طرف سے اس کا جواب دیا جا چکا ہے کہ باسقط حکماً حال کے معنی میں ہے لہذا ماضی کے معنی میں ہوتے ہوئے عمل نہ پایا گیا۔

فان كان له معمول آخر: یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ زید معطی عمر درہما میں اسم فاعل ماضی کے معنی میں ہے اس کے باوجود وہ اپنے مفعول میں نصب کا عمل کر رہا ہے، لہذا آپ کا یہ کہنا کہ اسم فاعل کے عمل کرنے کے لیے حال یا استقبال کے معنی میں ہونا ضروری ہے صحیح نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مثال مذکور میں مفعول کا نصب فعل مقدر کی وجہ سے ہے اسم فاعل کی وجہ سے نہیں، کیوں کہ قاعدہ ہے کہ اگر اسم فاعل بمعنی ماضی کا کوئی دوسرا معمول ہو تو وہ فعل مقدر کی وجہ سے ہوگا چنانچہ مثال مذکور میں جب زید معطی عمرو امس کہا گیا تو سوال ہوا ما اعطاه تو اس کے جواب میں اعطاه درہما کہا گیا پس مثال مذکور میں درہما کا نصب فعل مقدر کی وجہ سے ہے نہ کہ اسم فاعل بمعنی ماضی کی وجہ سے لہذا ہمارا قاعدہ مسلم ہے ٹوٹا نہیں ہے۔

فان دخلت اللام: حاصل یہ ہے کہ اگر لام اسم فاعل پر داخل ہو جائے تو اس کے عمل کرنے میں تمام زمانہ برابر ہیں یعنی اگر لام اسم فاعل پر داخل ہو جاتا ہے تو اب وہ چاہے جس معنی میں ہو عمل کرے گا

کیوں کہ اسم فاعل در حقیقت فعل ہی ہوتا ہے اور چونکہ فعل پر الف لام کا دخول منع ہوتا ہے، اس لیے فعل سے اسم فاعل کی طرف عدول کر آتے ہیں جیسے مررت بالضارب ابوہ زید الآن، مررت بالضارب ابوہ زید غدا، مررت بالضارب ابوہ زید امس۔

وما وُضِعَ مِنْهُ لِلْمَبَالِغَةِ كَضْرَابٍ وَضُرُوبٍ وَمِضْرَابٍ وَعَلِيمٍ وَحَلِيزٍ مِثْلَهُ وَالْمِثْنِي وَالْجُمُوعِ مِثْلَهُ وَيَجُوزُ حَذْفُ النَّونِ مَعَ الْعَمَلِ وَالتَّعْرِيفِ تَخْفِيفًا.

ترجمہ: - اور وہ اسم فاعل میں کچھ وہ ہیں جو مبالغہ کے لیے وضع کیے گئے ہیں جیسے ضراب اور ضروب اور مضرب اور علیم اور حلیز اسم فاعل کے مثل ہیں اور مثنیہ اور جمع اسی کے مثل ہے اور جائز ہے نون کا حذف کرنا عمل کے ساتھ اور تعریف کے ساتھ تخفیفاً۔

توضیح: - وہ اسم فاعل جو مبالغہ کے لیے وضع ہوا ہے عمل اور شرائط میں اس اسم فاعل کی طرح ہے جو مبالغہ کے لیے موضوع نہیں ہے، اس لیے کہ مبالغہ میں چونکہ زیادتی ہوتی ہے اس لیے مضارع کے ساتھ مشابہت لفظی کے فوت ہونے کی تلافی اس زیادتی فی المعنی کی وجہ سے حاصل ہو جاتی ہے، لہذا مبالغہ بھی فعل کا سا عمل کرے گا۔

والمثنی والجموع: اسم فاعل کا مثنیہ اور جمع بھی آتا ہے جو عمل اور شرائط میں اسم فاعل مفرد کی طرح ہے، کیوں کہ زوائد کے لاحق ہونے سے اسم فاعل کے صیغہ واحد میں کوئی خلل نہیں واقع ہوتا ہے۔ جب اسم فاعل معرف باللام ہو تو عامل ہوتے ہوئے بھی نون مثنیہ اور جمع کا تخفیفاً حذف کرنا درست ہے، کیوں کہ الف لام موصول ہے اور اسم فاعل اس کا صلہ پس صلہ مفعول کے نصب کے ساتھ طویل ہو گیا، لہذا تخفیفاً حذف کرنا درست ہے۔ جیسے والمقیمي الصلوة پس مثال میں نون کو حذف کر دیا گیا۔

اسم المفعول ما اشتق من فعل لمن وقع عليه، وصيغته من الثلاثي المنجود على مفعول ومن غيره على صيغة الفاعل بفتح ما قبل الآخر كُـمُـسْتَخْرَجَ وامرؤ في العمل والاشراطِ كما مر الفاعل مثل زيد مُعْطَى غلامه درهماً.

ترجمہ: - اسم مفعول وہ اسم ہے جو ایسے مصدر سے مشتق ہوتا ہے کہ وہ مصدر اس ذات پر واقع ہوتا ہے اور اس کا صیغہ ثلاثی مجرد سے مفعول کے وزن پر ہوتا ہے اور غیر ثلاثی سے اسم فاعل کے وزن پر آخر کے ما قبل کے فتح کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اسم مفعول کا معاملہ عمل میں اور شرائط میں اسم فاعل کے معاملہ کی طرح ہے جیسے زيد معطى غلامه درهماً.

توضیح: - اسم مفعول وہ اسم ہے جو ایسے مصدر سے مشتق ہوتا ہے کہ جو اس اسم پر واقع ہوتا ہے۔ ما شق من فعل جنس ہے اور لمن وقع عليه بمنزلة فصل ہے، پس ما شق اسم مفعول اور اس کے غیر سب

کو شامل تھا اور لمن وقع علیہ کی قید سے اسم مفعول کے ما سوا سب خارج ہو گئے۔

اسم مفعول کا صیغہ ثلاثی مجرد سے مفعول کے وزن پر آتا ہے اور غیر ثلاثی مجرد سے، غیر ثلاثی مجرد کے اسم فاعل کے وزن پر ہوتا ہے صرف آخر کے ماقبل بجائے کسرہ کے فتحة ہوتا ہے جیسے مستخرج کہ اسم فاعل میں آخر کے ماقبل کسرہ ہوتا لہذا اسم فاعل اور اسم مفعول میں فرق کرنے کے لیے مفعول میں آخر کے ماقبل فتحة کر دیا کیوں کہ فتحة خفیف ہے اور مفعول کثیر ہے پس توازن بھی پیدا ہو گیا نیز اسم مفعول ماقبل فتحة کی وجہ سے اس مضارع کے موافق بھی ہو گیا جو مفعول کی طرف مسند ہوتا ہے یعنی مضارع مجہول کے۔

وامره فی العمل النخ: خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح اسم فاعل اپنے فعل کا سا عمل کرتا ہے اور جن شرائط کے ساتھ کرتا ہے نیز جس طرح حال و استقبال کے معنی میں ہونے کے بجائے وہ ماضی کے معنی میں ہو جانے پر واجب الاضافة المصویبہ ہوتا ہے اسی طرح اسم مفعول بھی عمل کرتا ہے اور انہیں شرائط کے ساتھ تفصیل اسم فاعل کی بحث میں ملاحظہ کر لی جائے جیسے زید معطی غلامہ درہما، زید مضروب العبد پس اول مثال جملہ شرائط کے پائے جانے کی ہے اور ثانی حال و استقبال کی شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے واجب الاضافة کی ہے۔

الصفة المشبهة ما اشتق من فعل لازم لمن قام به علی معنی الثبوت وصیغتها مخالفة لصیغة الفاعل علی حسب السماع كحسن و صعب و شديد و تعمل عمل فعلها مطلقاً و تقسیم مسائلها ان تكون الصفة باللام او مجردة و معمولها مضافاً او باللام او مجرداً عنها فهذه ستة و المعمول فی كل واحد منها مرفوع و منصوب و مجرور فصارت ثمانية عشر فالرفع علی الفاعلية و النصب علی التشبيه بالمفعول فی المعرفة و علی التمييز فی النكرة و الجر علی الاضافة.

ترجمہ:- صفت مشبہ وہ اسم ہے جو مشتق ہوتا ہے مصدر لازم سے کہ وہ مصدر لازم اس اسم کے ساتھ بطریق ثبوت قائم ہوتا ہے۔ اور اس کے صیغ اسم فاعل کے صیغوں کے برخلاف ہوتے ہیں در انحالیکہ وہ سماع کی مقدار پر ہوتے ہیں۔ جیسے حسن، صعب اور شدید اور صفت مشبہ اپنے فعل کا سا مطلقاً عمل کرتا ہے۔ اور اس کے مسائل کی تقسیم یہ ہے کہ صفت مشبہ معرف باللام ہو یا بغیر لام کے ہو اور اس کا معمول مضاف ہو یا لام کے ساتھ ہو یا دونوں سے مجرد ہو (یعنی اضافة اور لام دونوں کے بغیر ہو) پس یہ چھ قسمیں ہوں اور معمول ان میں سے ہر ایک میں مرفوع ہوگا، منصوب ہوگا اور مجرور بھی پس اٹھارہ قسمیں حاصل ہو گئیں پس رفع فاعلیت کی وجہ سے ہوگا اور نصب معرفہ میں مفعول کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے اور نکرہ میں تیز ہونے کی وجہ سے ہوگا اور جر اضافة کی وجہ سے۔

توضیح:۔۔ صفت مشبہ وہ اسم ہے جو مشتق ہوتا ہے مصدر لازم سے اس حال میں کہ وہ مصدر لازم اس اسم کے ساتھ بطریق ثبوت قائم ہوتا ہے ماضق من فعل اسم جنس ہے جو اسم فاعل اور اسم مفعول اسم تفضیل وغیرہ سب کو شامل ہے اور لازم، فصل اول ہے اس کی وجہ سے اسم فاعل متعدی اور اسم مفعول خارج ہو گئے اور لمن قام به علی معنی الثبوت فصل ثانی ہے اس سے اسم فاعل لازم نکل گیا۔

دھیان رہے مصدر لازم عام ہے خواہ وہ شروع ہی سے لازم ہو یا اشتقاق کے وقت پس رحیم صفت مشبہ میں داخل رہے گا کیوں کہ یہ اگرچہ ابتداءً لازم نہیں تھا لیکن وہ لازم ہو گیا رحم بکسر الحین سے رحم بضم الحین کی طرف انتقال کے بعد۔

صفت مشبہ کو صفت مشبہ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ صفت تشبیہ، جمع، تذکیر و تانیث میں اسم فاعل کے مشابہ ہے۔

وصیفتها مخالفه: اس کا مطلب یہ ہے کہ صفت مشبہ کا صیغہ اسم فاعل کے صیغہ کے مخالف ہوتا ہے یا مطلب ہے کہ ثلاثی مجرد سے اسم فاعل کے وزن فاعل کے مخالف ہوتا ہے۔ علی حسب السماع یا تو مخالفہ کی ضمیر پوشیدہ سے حال ہے جو صیغہ کی طرف لوٹ رہی ہے یا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ پہلی صورت میں مطلب ہوگا یعنی اس حال میں کہ صفت مشبہ کے صیغہ ثابت ہیں مطابق سماع کے کہ جس قدر سنے گئے ہیں اس مقدار پر رہتے ہیں قیاس کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

دوسری صورت میں مطلب ہوگا کہ صفت مشبہ کے صیغوں کی مخالفت مقدار مسومع کے بقدر ہی ہوگی جیسے حسن، صعب، شدید۔

وتعمل عمل فعلها: اس کا مطلب یہ ہے کہ صفت مشبہ کا عمل زمانہ کی قید سے آزاد ہے خواہ وہ کسی زمانہ میں ہو عمل میں کوئی رکاوٹ نہیں البتہ اسم فاعل اور اسم مفعول کی طرح ماقبل میں چھ باتوں میں سے کوئی ایک اعتماد کے لیے ضرور ہونا چاہیے جب ایسا ہوگا تو پھر وہ اپنے فعل کا سائل کرے گا یعنی فاعل کو رفع دینگا۔

وتقسیم مسائلها: مسائل اقسام کے معنی میں ہے۔ اب یہاں صفت مشبہ کے اقسام کے احکام بیان کرنا چاہتے ہیں چنانچہ سب سے پہلے اقسام ملاحظہ فرمائیے۔

بنیادی تقسیم یہ ہے کہ صفت مشبہ کا صیغہ یا تو معرف باللام ہوگا یا بغیر لام کے ہوگا پھر دونوں طرح کا صیغہ صفت یا تو اس کا معمول مضاف ہوگا یا وہ الف لام کے ساتھ ہوگا یعنی معمول معرف باللام ہوگا یا وہ معمول دونوں سے مجرد ہوگا یعنی نہ وہ مضاف ہوگا اور نہ ہی معرف باللام پس یہ چھ قسمیں ہوں گیں (۱) بایں طور کہ صفت معرف باللام ہو اور معمول مضاف ہو (۲) صفت معرف باللام اور معمول بھی معرف باللام (۳) صفت معرف باللام اور معمول دونوں سے مجرد (۴) صفت غیر معرف باللام اور معمول مضاف (۵)

صفت غیر معرف باللام اور معمول معرف باللام (۶) صفت غیر معرف باللام اور معمول دونوں سے مجرد۔
اب پھر ان چھ کی چھ قسموں میں سے ہر ایک مرفوع ہوگا، منصوب ہوگا اور مجرد ہوگا پس چھ کو تین میں ضرب دینے سے اٹھارہ قسمیں حاصل ہو گئیں۔

احکام یہ ہیں کہ جملہ اقسام کا مرفوع بر بنائے فاعلیت ہوگا اور نصب دو وجہوں سے ہو سکتا ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ معمول کے معرف ہونے کی صورت میں معمول کا نصب مفعول کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے ہوگا اور دوسری وجہ یہ ہے کہ معمول کے نکرہ ہونے کی صورت میں نصب تمیز ہونے کی وجہ سے ہوگا اور مجرد ہونا معمول کے مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے ہوگا۔

وتفصیلها حسن وجهه ثلاثة وكذلك حسن الوجه وحسن وجه، الحسن وجهه
الحسن الوجه، الحسن وجهه اثنان منها ممتنعان مثل الحسن وجهه الحسن وجه
واختلاف في حسن وجهه والبواقي ما كان فيه ضمير واحدا منها احسن وما كان
فيه ضمير ان حسن وما لا ضمير فيه قبيح ومتى رفعت بها فلا ضمير فيها فهي
كالفعل والا ففيها ضمير الموصوف فتؤنث وتثنى وتجمع واسما الفاعل
والمفعول غير المتعديين مثل الصفة فيما ذكر.

ترجمہ:- اور اس کی تفصیل حسن وجہہ تین وجہوں والا ہے (یعنی رفع، نصب اور جر) اور
اسی طرح حسن الوجه اور حسن وجه اور الحسن وجہہ اور الحسن الوجه اور الحسن وجہہ
ہے دو ان میں سے متنت ہیں جیسے الحسن وجہہ اور الحسن وجہہ اور اختلاف ہے حسن وجہہ میں
اور بقیہ اقسام کہ جن میں ایک ضمیر ہے وہ احسن ہے اور جس میں دو ضمیر ہیں وہ حسن ہے اور جس میں
کوئی ضمیر نہیں ہے وہ قبیح ہے اور جب تو اس کے ذریعہ رفع دے تو اس میں کوئی ضمیر نہ ہوگی پس وہ صفت فعل
کی طرح ہے ورنہ پس اس میں موصوف کی ضمیر ہوگی تو وہ صفت مؤنث لائی جائے گی اور تثنیہ اور جمع لائی
جائے گی اور اسم فاعل اور اسم مفعول غیر متعدی مذکورہ بالا صورتوں میں صفت مشبہ کی طرح ہیں۔

توضیح:- تفصیل معنی میں مفصل کے ہے مطلب یہ ہے کہ ان اقسام کی تفصیل کرنے والا
ہمارا قول حسن وجہہ ہے حسن وجہہ یہ اس صفت کی مثال ہے جو مجرد عن اللام ہے اور اس کا
معمول مضاف سے یہ مثال تین وجہوں کی مثال بن سکتی ہے صفت کے معمول کے اعراب کے اختلاف کے
اعتبار سے رفعا اور نصبا اور جرا اور اسی سابقہ مثال کی طرح تین مثالوں کے ہونے میں حسن الوجه ہے یہ
اس صفت کی مثال ہے جو مجرد عن اللام ہے اور معمول معرف باللام ہے پس اس میں بھی معمول کے اعراب
کے رفعا اور نصبا اور جرا اختلاف کے لحاظ سے تینوں مثالوں کی گنجائش ہے۔ حسن وجہ یہ اس صفت کی

مثال ہے جو خود بھی مجرد عن اللام ہے اور اس کا معمول بھی مجرد عن اللام والاضافة دونوں ہے پس اس میں بھی ہاتھ پار اختلاف اعراب معمول تینوں مثالوں کی گنجائش ہے۔ الحسن وجہ یہ اس صفت کی مثال ہے جو معرف باللام ہے اور معمول مضاف ہے اور الحسن الوجہ یہ اس صفت کی مثال ہے جو خود معرف باللام ہے اور معمول بھی معرف باللام ہے اور الحسن وجہ یہ اس صفت کی مثال ہے جو خود معرف باللام ہے اور معمول لام اور اضافة دونوں سے خالی ہے ان سب مثالوں میں معمول کے مرفوع اور منصوب اور مجرد ہونے کے اعتبار سے تین تین قسموں کی گنجائش موجود ہے کہ رفع معمول کے فاعل ہونے کی وجہ سے ہوگا جب کہ نصب دو وجہوں سے ہوگا یا صفت کے معمول کے مفعول کے ساتھ مشابہت یا تمیز ہونے کی وجہ سے ہوگا مفعول کے ساتھ مشابہت معمول کے معرف ہونے کی صورت میں جب کہ تمیز ہونا معمول کے مکرم ہونے کی صورت میں ہوا ہے۔

النان منها ممتنعان الخ: الحسن وجہ اور الحسن وجہ یہ دونوں ترکیبیں ناجائز ہیں اس لیے کہ اضافة لفظیہ کا فائدہ تخفیف ہے جو مضاف اور مضاف الیہ کی جانب میں حاصل ہوتا ہے۔ مضاف کی جانب میں تو تنوین اور نون تشبیہ اور نون جمع کا حذف تخفیف کہلاتا ہے اور مضاف الیہ کی جانب میں ضمیر کا حذف اور اس کا استتار صیغہ صفت میں ہوتا ہے اور ان مذکورہ باتوں میں سے کوئی بات ترکیب اول میں نہیں پائی جاتی ہے۔

اور الحسن وجہ کی ترکیب اس لیے ممتنع ہے کہ اس مثال میں اگرچہ تخفیف کا فائدہ حاصل ہے کہ صیغہ صفت میں ضمیر مستتر ہے اور مضاف الیہ وجہ سے محذوف ہے لیکن معرفہ کی اضافة مکرمہ کی طرف ہوگی، حالانکہ مکرمہ کی اضافة معرفہ کی طرف ہوتی ہے۔

واختلف فی حسن وجمعه: نحو یوں کے نزدیک یہ ترکیب قبیح کے ساتھ جائز ہے وجہ یہ ہے کہ تخفیف مضاف کی جانب میں تو حاصل ہے اس لیے کہ تنوین محذوف ہے لیکن مضاف الیہ کی جانب میں چونکہ ضمیر موجود ہے لہذا مضاف الیہ کی جانب میں تخفیف حاصل نہ ہوئی پس گویا کامل طور پر تخفیف حاصل نہ ہوئی، لہذا قباحت کے ساتھ گنجائش ہے جب کہ کوئیوں کے یہاں بلا قباحت ترکیب مذکور درست ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک مطلقاً تخفیف مطلوب ہوتی ہے جو حاصل ہے گو وہ صرف مضاف میں ہی پائی جاتی ہے۔

والبواقی ما کان فیہ ضمیر واحد الخ: اٹھارہ قسموں میں سے نو ایسی قسمیں ہیں جن میں صرف ایک ضمیر پائی جاتی ہے اور وہ اقسام کہ جن میں ایک ضمیر پائی جاتی ہو وہ تمام اقسام میں احسن یعنی سب سے خوب ہیں اور احسن اس لیے ہیں کہ بقدر ضرورت ضمیر موجود ہے نہ کم اور نہ ضرورت سے زیادہ۔

وہ نواقسام یہ ہیں الحسن الوجه معمول کے نصب اور جر کے ساتھ اور حسن الوجه معمول کے نصب اور جر کے ساتھ اور الحسن وجہاً اور حسن وجہاً معمول کے نصب کے ساتھ اور حسن وجہ معمول کے جر کے ساتھ اور الحسن وجہاً اور حسن وجہاً معمول کے رفع کے ساتھ۔ پس ان اقسام میں صرف ایک ضمیر ہے جو موصوف کی طرف رجوع ہونے کی ضرورت کے لیے کافی ہے۔

وما كان ضمير ان الخ: ایسی اقسام جن میں دو ضمیریں ہوں وہ حسن ہیں اس لیے کہ وہ ضرورت سے زیادہ ضمیریں ہیں کیونکہ موصوف اور صفت کے درمیان ربط کے لیے ایک ضمیر کافی ہے اور ایسی دو قسمیں ہیں۔

حسن وجہاً اور الحسن وجہاً معمول کے نصب کے ساتھ ایک ضمیر تو صیغہ صفت میں ہے اور دوسری مضاف الیہ میں۔

وما لا ضمير فيه الخ: اور وہ اقسام جن میں کوئی ضمیر نہیں ہے وہ قبیح ہیں اس لیے کہ جب کوئی ضمیر صفت کی جانب نہ ہوگی تو پھر موصوف اور صفت کے درمیان ربط معدوم ہوگا اور ایسی چار قسمیں ہیں الحسن الوجه اور حسن الوجه اور حسن وجہ، الحسن وجہ معمول کے رفع کے ساتھ پس ان ترکیبوں میں نہ تو صیغہ صفت میں کوئی ضمیر ہے اس لیے کہ وہ اسم ظاہر کی طرف مسند ہے اور معمول میں بھی کوئی ضمیر نہیں ہے کیوں کہ وہ مضاف الی الضمیر نہیں ہے۔

ومتى رفعت بها الخ: خلاصہ یہ ہے کہ جب صفت کے معمول کو رفع دیا جائے گا تو پھر صفت میں کوئی ضمیر نہیں ہوگی اس لیے اسم ظاہر اس کا فاعل ہو گیا اب اگر ضمیر صفت میں مانی جاتی ہے تو تعدد فاعل لازم آئے گا اور یہ باطل ہے ایسی صورت میں جب کہ صیغہ صفت اسم ظاہر کی طرف مسند ہو تو وہ فعل کی طرح واحد ہوگا یعنی جس طرح فعل مسند الی لظاہر کی صورت میں ہمیشہ واحد ہوتا ہے اسی طرح صیغہ صفت بھی واحد لایا جائے گا، تشنیہ اور جمع نہیں مستعمل ہوگا۔

والا ففيها ضمير الموصوف: یعنی جب صیغہ صفت کا معمول مرفوع نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اسم ظاہر کی طرف مسند نہیں ہے اور جب اسم ظاہر کی طرف نہیں ہے تو اب وہ اسم ضمیر کی طرف مسند ہوگا، لہذا صیغہ صفت میں ضمیر فاعل کی ہوگی جو موصوف کی طرف لوٹے گی اور صیغہ صفت کو مؤنث اور تشنیہ اور جمع جیسا موصوف ہوگا لایا جائے گا جیسا کہ فعل میں مسند الی الضمیر کی صورت میں حسب فاعل فعل کو مؤنث تشنیہ اور جمع لایا جاتا ہے، ایسا اس لیے ہوگا کیونکہ صیغہ صفت کا حال فعل کے حال کی طرح ہے پس جیسا اسم ضمیر فاعل ہوگا ویسی صفت بھی ہوگی تذکیراً تائیداً نیز تشنیہ اور جمع ہونے میں۔

واسم الفاعل والمفعول: اس نکلے کا حاصل یہ ہے کہ اسم فاعل اور اسم معمول جب غیر متعدی

ہوں تو جس طرح صفت مشبہ کی اٹھارہ قسمیں نکلتی ہیں جن میں بعض ممنوع اور بعض احسن و حسن اور بعض قبیح ہیں نیز جو تفصیل اسم ظاہر اور اسم ضمیر کی طرف منہ ہونے میں ہے وہی ساری جملہ اقسام انہیں مذکورہ بالا تفصیلات کیساتھ اسم فاعل اور اسم مفعول غیر متعدی میں بھی موجود ہیں جنہیں ادنیٰ توجہ سے نکالا جاسکتا ہے۔ معلوم ہو کہ اسم مفعول غیر متعدی سے مراد وہ مفعول ہو جو ایسے فعل سے مشتق ہو جو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ اب سنیے اسم فاعل اور اسم مفعول کو غیر متعدی کے ساتھ اس لیے مفید کیا ہے کہ اگر وہ متعدی ہوں گے تو نہ ان کی اضافت درست ہوگی اور نہ ہی نصب تاکہ مفعول کے ساتھ اشتباہ نہ پیدا ہو، کیوں کہ جب آپ نے مثال کے طور پر زید ضارب ابابہ اور زید معطیٰ ابابہ کہا تو مثال اول میں یہ نہ معلوم ہوگا کہ ابابہ الضارب کا مفعول ہے یا اس کا فاعل ہے جو مفعول کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور مثال میں ابابہ معطیٰ کا مفعول ثانی ہے یا مفعول اول جو فاعل کے قائم مقام ہے اور مفعول کے مشابہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا مفعول ثانی محذوف ہے۔

اسمُ التفضیلِ مَا اشْتَقَّ مِنْ فِعْلِ لِمَوْصُوفٍ بِزِيَادَةِ عَلِيٍّ غَيْرِهِ وَهُوَ الْفِعْلُ وَشَرْطُهُ أَنْ يُبْنَى مِنْ ثَلَاثِيٍّ مَجْرُودٍ لِيُمْكِنَ مِنْهُ وَلَيْسَ بِلَوْنٍ وَلَا عَيْبٍ لِأَنَّ مِنْهُمَا الْفِعْلُ لِغَيْرِهِ مِثْلُ زَيْدٍ أَفْضَلُ النَّاسِ فَإِنْ قُصِدَ غَيْرُهُ تَوَصَّلَ إِلَيْهِ بِأَشْدُّ مِثْلُ هُوَ أَشْدُّ مِنْهُ اسْتِخْرَاجًا وَبَيَاضًا وَعَمِيٌّ وَقِيَاسَةٌ لِلْفَاعِلِ وَقَدْ جَاءَ لِلْمَفْعُولِ نَحْوُ اعْتَدَرَ وَالْوَمُّ وَالشَّغْلُ وَالشَّهْرُ.

ترجمہ: اسم تفضیل وہ اسم ہے جو مشتق ہو ایسے مصدر سے کہ جو کسی موصوف کے لیے وضع کیا گیا ہو اس کے غیر پر زیادتی کے ساتھ اور وہ فعل ہے۔ اور اس کی شرط یہ ہے کہ اس کو ثلاثی مجرد سے بنایا جائے، تاکہ فعل کا بنانا اس سے ممکن ہو۔ اور وہ نہ لون ہو اور نہ عیب کیوں کہ لون اور عیب سے فعل غیر تفضیل کے لیے ہے۔ جیسے زید افضل الناس پس اگر اس کے علاوہ کا قصد کیا جائے تو واسطہ بنایا جائے گا اشد کو جیسے ہو اشد منه استخر اجا و بیاضا و عمی اور اس کا قیاس فاعل کے لیے ہے اور بلاشبہ مفعول کے لیے ہے اعتذر اور الوم و اشغل اور الشهر۔

توضیح: اسم تفضیل وہ اسم ہے جو مشتق ہو ایسے مصدر سے کہ جو کسی موصوف کے لیے اس کے غیر پر زیادتی کے ساتھ وضع کیا گیا ہو۔ موصوف کے لیے اس کے غیر پر زیادتی کے ساتھ کا مطلب یہ ہے کہ وہ فعل یعنی مصدر بمقابلہ غیر کے موصوف میں زیادہ ہو۔

مصنف کا قول ما شتق من فعل جنس ہے جو محدود اور اسم فاعل و مفعول صفت مشبہ، ظرف و آلہ سب کو شامل تھا اور لموصوف فصل ہے جس کی وجہ سے ظرف اور آلہ سے احتراز ہو گیا اس لیے کہ موصوف سے مراد ذات مبہمہ ہے اور ظرف و آلہ میں ابہام نہیں ہوتا ہے۔ اور بزیادۃ علی غیرہ کے ذریعہ احتراز ہو گیا اسم فاعل

اور مفعول اور صفت مشبہ سے کیوں کہ ان میں غیر پر زیادتی نہیں ہوتی۔

اور اسم تفضیل کا صیغہ مذکر کے لیے اَفْعَلُ ہے اور مؤنث کے لیے فَعْلَى ہے اب یہ وزن خواہنی الحال ہو یا فی الاصل ہو پس خیر اور شر اسم تفضیل میں داخل رہیں گے کیوں کہ ان کا صیغہ اگرچہ فی الحال افعال نہیں ہے لیکن فی الاصل اخیر اور اشتر ہے جو تخفیفاً خیر اور شر ہو گیا۔

و شرطه ان یبنی من ثلاثی مجرد: اسم تفضیل کی شرط یہ ہے کہ اس کو ثلاثی مجرد سے بنایا جائے تاکہ افعال اور فعلی کا وزن بنانا اس سے ممکن ہو پس غیر ثلاثی مجرد خواہ وہ ثلاثی مزید ہو یا رباعی مجرد مزید ہو اس سے اسم تفضیل نہ بنے گا، اس لیے کہ غیر ثلاثی مجرد سے اسم تفضیل افعال کا وزن تمام حروف کی محافظت کے ساتھ ممکن نہیں ہے اور اگر کچھ حروف ساقط کر کے بنایا جائے تو پھر غیر ثلاثی مجرد کا ثلاثی مجرد کے ساتھ خلط و ملط لازم آئے گا۔

ولیس بلون لا عیب: دوسری شرط یہ ہے کہ وہ فعل لون اور عیب کے معنی میں نہ ہو پس اگر کوئی فعل ثلاثی مجرد بھی ہو لیکن لون اور عیب کے معنی میں ہو تو اس سے صیغہ اسم تفضیل برائے تفضیل نہیں ہوگا جیسے احر کہ یہ سرخ رنگ کے معنی میں ہے پس اگر اس سے اسم تفضیل کو بھی مشتق مانا جائے تو فعل التفضیل اور افعال الصفة کے درمیان اشتباہ پیدا ہو جائے گا کہ یہ طے نہ ہو سکے گا کہ یہ فعل برائے تفضیل ہے یا برائے صفت۔ جیسے زید افضل الناس پس افضل ثلاثی مجرد ہے اور لون و عیب کے معنی میں نہیں ہے۔

فان قصد غیرہ: اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر غیر ثلاثی مجرد یا لون و عیب سے اسم تفضیل کے معنی کی ادائیگی منظور ہو تو لفظ اشد کو اس کا ذریعہ بنایا جائے گا یا اس طور کہ جس فعل سے اسم تفضیل کے معنی کی ادائیگی کرنی ہے اس کے مصدر کو لفظ اشد یا اس کے ہم معنی کے بعد تمیز کی حیثیت سے ذکر کریں گے پس کہا جائے گا هو اشد منه استخراجا او بیاضا و عمی اول مثال غیر ثلاثی مجرد کی اور دوسری مثال ثلاثی مجرد معنی لون کی ہے اور تیسری مثال ثلاثی مجرد معنی عیب کی ہے۔

وقیاسہ: اسم تفضیل کا قیاس یہ ہے کہ وہ فاعل کے معنی کی زیادتی بیان کرے مفعول کے معنی کی زیادتی کو بیان کرنے کے لیے اسم تفضیل مستعمل ہو تو بکثرت اشتباہ پیدا ہوگا لہذا فاعل پر اکتفاء کر دیا گیا، کیوں کہ یہی اشرف ہے البتہ چند جگہوں میں یہ مفعول کے معنی کی زیادتی کے لیے بھی مستعمل ہوا ہے وہ ہیں اعذر زیادہ معذور کے لیے اس طرح الوم زیادہ ملامت کیے ہوئے کے لیے اشغل زیادہ مشغول اور اشہر زیادہ مشہور کے معنی کے لیے۔

ویستعمل علی احد ثلثة اوجہ مضافاً بمن او معرفاً باللام فلا یجوز زید ن الافضل من عمر ولا زید افضل الا ان یعلم فاذا اضيف فله معنیان احدھما وهو الاكثر ان

تُقَصَّدُ بِهِ الزِّيَادَةُ عَلَى مَنْ أُضِيفَ إِلَيْهِ فَيَشْتَرُطُ أَنْ يَكُونَ مِنْهُمْ مِثْلَ زَيْدِ الْفَضْلِ النَّاسِ
فَلَا يَجُوزُ يَوْسُفُ أَحْسَنُ إِخْوَتِهِ لِخُرُوجِهِ عَنْهُمْ بِإِضَافَتِهِمْ إِلَيْهِ.

ترجمہ:- اور اسم تفضیل تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ پر استعمال ہوتا ہے۔ مضاف ہو کر یا من کے ساتھ یا معرف باللام ہو کر پس نہیں جائز ہے زید افضل من عمرو اور نہ ہی زید افضل مگر یہ کہ معلوم ہو جائے مفضل علیہ پس جب اسم تفضیل کی اضافت کی جائے تو اس کے دو معنی ہوں گے، ان میں سے ایک جو کہ اکثر ہے یہ ہے کہ اس کے ذریعہ قصد کیا جائے زیادتی کا اس ذات پر کہ جس کی طرف اسم تفضیل کی اضافت کی گئی ہے پس شرط ہے کہ موصوف ان میں سے ہو جیسے زید افضل الناس لہذا نہیں جائز ہے یوسف احسن اخوتہ یوسف کے ان سے خارج ہونے کی وجہ سے اخوہ کے یوسف کی طرف مضاف ہونے کی وجہ سے۔

وَيُسْتَعْمَلُ عَلَى أَحَدِ ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ: اسم تفضیل کا استعمال تین طریقہ سے ہوتا ہے یا تو وہ مضاف ہوگا جیسے زید افضل الناس یا من کے ساتھ مستعمل ہوگا جیسے هو افضل منك یا الف لام کے ساتھ جیسے الافضل۔ ایسا اس لیے ہے کہ اسم تفضیل سے مقصد موصوف کی اس غیر پر تفضیل ہوتی ہے، لہذا غیر کا ذکر ضروری ہوا اور اس کا حصول مذکورہ بالا تینوں طریقوں سے ہوتا ہے جہاں تک من اور اضافت کا معاملہ ہے تو وہ ظاہر ہے اب بجالام تعریف تو اس کے ذریعہ موصوف کے غیر کا ذکر یوں حاصل ہو جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ مفضل علیہ کی تعین کی وجہ سے متعین کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

فلا يجوز زيدن الافضل من عمرو: جب معاملہ یہ ہے کہ اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کے ساتھ ہی ہوگا۔ تو پھر زیدن الافضل من عمرو کی ترکیب درست نہیں ہے، کیوں کہ اس میں جمع بین الامرین ہے یعنی الف لام اور من کا بیک وقت اسم تفضیل کے ایک ہی صیغہ کے لیے استعمال ہوا ہے جو جائز نہیں اور منع اس لیے ہے کہ دو طریقہ استعمال میں سے ایک کا لغو ہونا لازم آئے گا۔ اور زید افضل کی ترکیب اس لیے ناجائز ہے کہ تمام اوقات میں تین طریقوں میں سے کسی ایک کے ساتھ استعمال ضروری ہے جب کہ یہ تینوں سے خالی ہے پس مقصد فوت ہے۔

فَإِذَا أُضِيفَ فَلَهُ مَعِينَانِ: جب اسم تفضیل کو مضاف کر کے استعمال کیا جائے تو اسم تفضیل عند الاضافة کے دو مطلب ہوں گے پہلا معنی جو کہ کثیر المراد ہوتا ہے یہ ہے کہ اسم تفضیل کے ذریعہ اسم تفضیل کے مضاف الیہ کے مقابلہ میں اس کے موصوف کی زیادتی کا ارادہ کیا جائے، چنانچہ اس میں شرط ہے کہ موصوف مضاف الیہ میں سے ہو یعنی وصفاً اور استعمالاً موصوف مضاف الیہ کے اجزاء سے ہو جیسے زید افضل الناس پس ترکیب مذکور میں زید کی فضیلت کی زیادتی کا ارادہ کیا گیا ہے افضل اسم تفضیل کے

مضاف الیہ الناس کے مقابلہ میں اور زید موصوف الناس مضاف الیہ کا بعض ہے اس وجہ سے یوسف احسن اخوتہ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ اس میں یوسف کے لیے بھائیوں کے مقابلہ میں زیادتی حسن کا ارادہ کیا گیا ہے لیکن یوسف اخوتہ کا بعض نہیں ہیں کیوں کہ اخوتہ کو ہوتھمیر جو یوسف کی طرف لوتی ہے کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور مضاف مضاف الیہ کے مغائر ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ یوسف اخوتہ کا بعض نہیں ہیں پس شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے یہ ترکیب صحیح نہیں ہے، اچھا موصوف کا تفصیل کے مضاف الیہ میں بحسب المفہوم داخل ہونا اس لیے شرط ہے کہ اسم تفصیل سے صورت مذکورہ میں مقصد موصوف کی ان لوگوں پر فوقیت ظاہر کرنا ہے جو موصوف کے ساتھ اس کے مفہوم عام میں شریک ہیں البتہ بحسب الارادہ موصوف تفصیل کے مضاف الیہ سے خارج ہوتا کہ تفصیل اشیٰ علیٰ نفسہ لازم نہ آئے۔

والثانی ان تقصد زیادة مطلقاً ویضاف للتوضیح فیجوز یوسف احسن اخوتہ ویجوز فی الاول الافراد والمطابقة لمن هو له .

ترجمہ:- دوسرا معنی یہ ہے کہ تفصیل سے زیادہ مطلق مقصود ہو اور اسم تفصیل کی اضافت تو صحیح کے لیے کی جائے لہذا یوسف احسن اخوتہ درست ہے اور جائز ہے اول میں افراد اور مطابقت اس ذات کے کہ جس کے لیے وہ اسم تفصیل ہے۔

توضیح:- اس تفصیل عند الاضافة کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسم تفصیل سے مطلق زیادتی کو چاہا جائے مضاف الیہ کے مقابلہ میں موصوف کے لیے زیادتی مد نظر نہ ہو بلکہ اضافت تو صحیح اور تخصیص کے لیے ہو پس اسم تفصیل عند الاضافة کے بایں معنی استعمال میں یہ بات شرط نہیں ہے کہ موصوف مضاف الیہ میں بحسب المفہوم داخل ہو اور بحسب الارادہ خارج ہو، بلکہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ موصوف مضاف الیہ میں داخل ہو جیسے محمد صلی اللہ علیہ وسلم الفضل القریش اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسم تفصیل ایسی جماعت کی طرف مضاف ہو کہ موصوف اس جماعت میں داخل نہیں ہے جیسے یوسف احسن اخوتہ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ غیر جماعت کی طرف مضاف ہو جیسے فلان اعلم بغداد۔

لہذا جب زیادہ مطلق مقصد ہو اور اسم تفصیل عند الاضافة سے مضاف الیہ کی تفصیل مقصود نہ ہو تو یوسف احسن اخوتہ کی ترکیب درست ہوگی کیوں کہ مضاف الیہ میں موصوف کے داخل نہ ہونے کی وجہ سے اجتماع تفسیہ لازم نہیں آئے گا۔

ویجوز فی الاول: اسم تفصیل عند الاضافة کے پہلے معنی مراد لیتے وقت اسم تفصیل کو مفرد اور موصوف کے مطابق دونوں طرح لایا جاسکتا ہے۔ یعنی موصوف چاہے مفرد ہو تثنیہ ہو یا جمع جیسے زید الفضل القوم والیزیدان الفضل القوم اور الیزیدون الفضل القوم ایسا اس لیے ہے کہ یہ اسم تفصیل بمعنی

من کے ساتھ مستعمل ہونے والے اسم تفضیل کے مشابہ ہو گیا اس بات میں کہ مفضل علیہ مذکور ہے۔ اور اسم تفضیل مستعمل بمن ہر حال میں چونکہ مفرد لایا جاتا ہے کیوں کہ علامت تشنیہ اور جمع کا اس کے آخر میں لحوق من کی وجہ سے کو یا وسط کلمہ میں ہوگا صحیح نہیں ہے۔ پس اسی طرح یہاں بھی۔

اور مطابق لانا اس لیے ہے کہ تشنیہ اور جمع کی علامت کے آخر میں لحوق کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، کیوں کہ یہ اسم تفضیل مستعمل باللام کے مشابہ ہے اور اس میں موصوف اور صفت میں مطابقت کے لیے تشنیہ اور جمع کی علامت کو لاحق کر دیا جاتا ہے پس اسی طرح یہاں بھی جیسے زید افضل القوم۔ الزیدان فضلا القوم الزیدون الفضلو القوم۔

واما الثانی والمُعَرَّفُ بِاللَّامِ فَلَا بَدَّ مِنَ الْمُطَابَقَةِ وَالَّذِي بَمِنْ مُفْرَدٍ مَذْكَورٍ لَا غَيْرَ وَلَا يَعْمَلُ فِي مَظْهَرٍ إِلَّا إِذَا كَانَ صِفَةً لَشَيْءٍ وَهُوَ فِي الْمَعْنَى لِمُسَبَّبٍ مُفْضَلٍ بِاعْتِبَارِ الْأَوَّلِ عَلَى نَفْسِهِ بِاعْتِبَارِ غَيْرِهِ مَنفِيًّا مِثْلَ مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحْسَنَ فِي عَيْنِهِ الْكَحْلَ مِنْهُ لِي عَيْنَ زَيْدٍ لِأَنَّهُ بِمَعْنَى حَسَنٍ مَعَ أَنَّهُمْ لَوْ رَفَعُوا لَفَصَّلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَعْمُولِهِ بِاجْتِنَابِ وَهُوَ الْكَحْلُ وَلِئِنْ تَقَوْلُ أَحْسَنَ فِي عَيْنِهِ الْكَحْلَ مِنْ عَيْنِ زَيْدٍ.

ترجمہ:- اور بہر حال دوسری قسم اور معرف باللام تو مطابقت ضروری ہے اور وہ اسم تفضیل جو مستعمل بمن ہوتا ہے مفرد اور مذکر ہوگا اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ اور اسم تفضیل اسم ظاہر میں عمل نہیں کرتا مگر جب کہ وہ ایک شئی کے (لفظ میں) صفت ہو اور معنی میں ایسے مستبب کے لیے ہو جو باعتبار اول کے اپنی ہی ذات پر مفضل ہو (فضیلت دیا ہوا) بمقابلہ اپنے غیر کے اور منفی ہو۔ جیسے ما رأیت رجلاً احسن فی عینہ الکحل منہ فی عین زید اس لیے کہ وہ حسن کے معنی میں ہے اس کے باوجود اگر لوگ اسم تفضیل کو رفع دیں تو اس کے اور اس کے معمول کے درمیان اجنبی سے فصل کرنا ہونا ہوگا اور وہ اکحل ہے۔

توضیح:- اسم تفضیل عند الاضافت جو زیادتی مطلقہ کے لیے ہو اور وہ اسم تفضیل جو معرف باللام ہو کے لیے مطابقت ضروری ہے یعنی موصوف کے مطابق ہونا تذکیر و تانیث اور افراد و تشنیہ اور جمع میں ضروری ہے، اس لیے کہ مانع کے معدوم ہونے کے وقت موصوف اور صفت میں مطابقت اصل ہے۔ اور یہاں مانع نہیں ہے، کیوں کہ مانع اسم تفضیل مستعمل بمن کے ساتھ مشابہت بن سکتی تھی جو مفضل علیہ کے مذکور نہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔

والذی بمن: وہ اسم تفضیل جو من کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے وہ مفرد اور مذکر ہی ہوگا کیوں کہ تانیث اور تشنیہ اور جمع کی علامتیں دو حال سے خالی نہیں یا تو من سے پہلے لائیں گے یا من کے بعد اور دونوں طرح کا لحوق منع ہے اس لیے کہ من اسم تفضیل کے لیے بمنزلہ جزء کے ہے پس صورت اول میں وسط کلمہ

میں حقیقتاً حقوق ہو رہا ہے جو باطل ہے۔ پس اسم تفضیل مستعمل بمن بہر صورت مفرد اور مذکر ہوگا موصوف خواہ کچھ بھی ہو۔

ولا يعمل فی مظهر: حاصل یہ ہے کہ اسم تفضیل کا عمل دو طرح کا ہے ایک نصب کا عمل اور دوسرے رفع کا عمل۔ پھر نصب کا عمل بھی بنیادی طور پر دو قسموں پر ہے ایک برہنائے مفعول بہ دوسرے برہنائے حال اور ظرف اور تمیز پس صورت اول میں تو بلا واسطہ حرف جر قطعی عمل نہیں کرے گا خواہ اسم مفعول بہ اسم ضمیر ہو یا اسم ظاہر کیوں کہ مفضل علیہ ہی اسم تفضیل کا مفعول ہو سکتا ہے جو مذکور ہونے کی صورت میں مجرور ہوتا ہے، پس نصب علی المفعولیہ کی گنجائش نہیں ہے۔

البتہ نصب برہنائے ظرف و حال تو یہ بلا کسی شرط کے درست ہے، کیوں کہ ان کے عمل کے لیے صرف فعل کی بوکافی ہو جاتی ہے اور اسم تفضیل میں فعل کے معنی مصدری وجود میں جیسے وید احسن منك الیوم را کبما پس معنی مصدری کا پایا جانا نصب علی النظر فیہ والیہ کے لیے کافی ہے۔

اب جہاں تک نصب علی التمزیز کی بات ہے تو وہ بھی بلا کسی شرط کے صحیح ہے، کیوں کہ تمیز تو فعل کے معنی سے خالی ہونے کے باوجود منصوب ہوتی ہے اور اسم تفضیل میں تو بھلا فعل کے معنی موجود ہیں لہذا بدرجہ اولیٰ اسم تفضیل سے کوئی اسم برہنائے تمیز منصوب ہو سکتا ہے۔ رفع کا عمل بھی دو قسموں پر ہے ایک برفع فی الضمیر دوسرے رفع فی الاسم لظاہر پس رفع فی الضمیر بلا کسی شرط کے واقع ہے، کیوں کہ ضمیر میں عمل ضعیف ہے جس کا اثر لفظوں میں کچھ ظاہر نہیں ہوتا لہذا عامل کی قوت کی ضرورت نہیں اور عمل فی لظاہر تو یہ تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، کیوں کہ اصل برائے عمل وہ صرف فعل ہے، کیوں کہ فعل کی وضع عمل ہی کے لیے ہوتی ہے جب کہ فعل کے ماسوا جتنی چیزیں عمل کرتی ہیں وہ فعل کے مشابہ ہونے کی وجہ سے اور اسم تفضیل فعل کے مشابہ نہیں ہے، کیوں کہ اس میں زیادتی کے معنی ہوتے ہیں جب کہ کوئی فعل زیادتی کے معنی پر دلالت نہیں کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہاں عمل سے مراد اسم ظاہر میں رفع کا عمل ہے۔ جو تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے پہلی شرط یہ ہے کہ اسم تفضیل لفظ میں ایک شئی کی نعت یا حال ہو یا خبر ہو اور باعتبار معنی کے اس کے مسبب کی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ مسبب مشترک ہو من وجہ مفضل ہو اور من وجہ مفضل علیہ ہو تیسری شرط یہ ہے کہ اسم تفضیل منفی ہو۔

پہلی شرط کہ وجہ یہ ہے کہ تا کہ اسم تفضیل کا ایک صاحب جس پر وہ اعتماد کر سکے حاصل ہو جائے اور اس کے حاصل ہونے سے ایک اسم ظاہر حاصل ہو سکے کہ جس کا اس صاحب سے تعلق ہو کیوں کہ اسم تفضیل کسی اسم مظهر میں اس وقت تک عمل نہیں کر سکتا جب تک اس اسم مظهر کا تعلق کسی ایسی شئی سے نہ ہو جس پر اسم تفضیل کا اعتماد ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسم تفضیل کا مرتبہ اسم فاعل سے گھٹا ہوا ہے۔

دوسری شرط کی وجہ یہ ہے کہ اس شرط کے لگانے سے اسم تفضیل اپنی اصلی حالت پر باقی نہیں رہتا، کیوں کہ اس کی اصلی حالت یہ ہے کہ مفصل کا فضل علیہ سے ذاتی تغایر ہو اور جب اسم تفضیل اپنی اصلی حالت پر باقی نہ رہے گا تو اپنا ذاتی تقاضا بھی چھوڑ دے گا اور ذاتی تقاضا اسم ظاہر میں عمل سے گریز ہے۔ تیسری شرط کی وجہ یہ ہے کہ بر تقدیر منفی اسم تفضیل فعل کے ہم معنی ہو جائے گا لہذا اس کا سا عمل بھی کر سکے گا۔

خلاصہ: ما حصل یہ ہے کہ اسم تفضیل اسم ظاہر میں تہمی عمل کرتا ہے جب وہ لفظ میں صفت کسی چیز کی اور معنی کے اعتبار سے دوسری چیز یعنی اس شیء کے متعلق کی صفت ہو جو مفصل ہو باعتبار اول شیء کے اور مفصل علیہ ہو باعتبار اول کے غیر کے اس حال میں کہ اسم تفضیل منفی ہو جیسے ما رایت رجلا احسن فی عینہ الکحل منہ فی عین زید۔ ترجمہ: میں نے کوئی ایسا آدمی نہیں دیکھا جس کی آنکھ میں سرمہ زید کی آنکھ کے سرمہ سے بڑھیا ہو۔

پس احسن اسم تفضیل باعتبار لفظ کے رجلا کی صفت ہے اور باعتبار معنی کے الکحل متعلق رجلا کی صفت ہے جو باعتبار رجل کے مفصل اور باعتبار غیر رجل یعنی عین زید کے مفصل علیہ ہے اس حال میں کہ اسم تفضیل منفی بھی ہے پس شرائط ثلاثہ پائی گئیں، لہذا احسن، الکحل میں فاعل کا عمل کرے گا اور وہ اس کا فاعل اسم ظاہر ہوگا۔

لانہ بمعنی حسن: یہ اسم تفضیل کے اسم ظاہر میں عمل کرنے کی علت بیان کر رہے ہیں کہ شرائط مذکورہ کے پائے جانے کے وقت اسم تفضیل احسن احسن فعل کے معنی میں ہو جاتا ہے کیوں کہ زیادہ تفضیلاً حرف نفی کی وجہ سے ختم ہوگئی پس مساوات اور ذنوت باقی رہی پھر مساوات بھی بحسب قرینہ عرف ختم ہوگئی کیوں کہ مساوات مقام مدح کے خلاف ہے پس ذنوتہ بجا لہذا وہ حسن ہو گیا۔ یا یہ کہا جائے کہ زیادتی اور مساوات دونوں بیک وقت حرف نفی کی وجہ سے ختم ہو گئے اور عرف دونوں مرتبوں کی نفی کی طرف، حرف نفی کے متوجہ ہونے کا قرینہ ہے پس قرب بجا لہذا وہ حسن کے معنی میں ہو گیا۔

مع انہم دفعو: یہ احسن کے بمعنی حسن میں ہونے کی تائید ہے جو ایک سوال کے انداز میں ہے اور وہ ہے کہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ احسن بر بنائے خبر مرفوع ہو اور الکحل کا رفع مبتدا ہونے کی وجہ سے ہو اور جب ایسا ہو جائے گا تو اسم تفضیل کا عمل رفع اسم ظاہر میں فاعلیت کی بنیاد لازم نہ آئے گا۔ تو اس کا جواب دیا گیا کہ اگر آپ کی تجویز کو مان لیا جائے تو اسم تفضیل اور اس کے معمول منہ فی عین زید کے درمیان اجنبی چیز یعنی الکحل کے ذریعہ فصل لازم آئے گا جو کہ درست نہیں ہے۔

ولک ان نقول: یہاں سے مصنف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مسئلہ کحل کی تعبیر مقصود کے مطابق جس

طرح مثال مشہور مذکور سے ہو سکتی ہے اسی طرح دو اور طریقے ہیں جن میں سے ایک بمقابلہ تعبیر اول قصیر اور دوسرا اقصیٰ ہے یعنی ایک مختصر اور دوسرا زیادہ مختصر ہے۔ جیسے ما رأیت رجلاً احسن فی عینہ الکحل من عین زید پس یہ مثال مثال مشہور سے مختصر ہے خمیر اور کلمہ فی کے حذف کی وجہ سے اور اگر لفظ عین کو حذف کر دیا جائے اور صرف زید پر اکتفاء کیا جائے تو اور زیادہ مختصر عبارت ہو جائے گی جیسے ما رأیت رجلاً احسن فی عینہ الکحل من زید۔

فان قدمت ذكراً العين قلت ما رأيت كعين زيد فيها الكحل مثل ولا أرى في قطعة
مررت على وادي السباع ولا أرى * كوادى السباع حين يظلم وادياً أقل
به ركب أتوه تآية * وأخوف إلا ما وقى الله سارياً .

ترجمہ:- پس اگر تو عین کے ذکر کے مقدم کرے اور یوں کہے ما رأیت کعین زید احسن فیہا الکحل مانند ولا اری کے قطعہ میں کہ گذر امیں وادی سباع پر۔ اور میں نہیں دیکھتا ہوں وادی سباع کے مانند کوئی ایسی وادی جب کہ تاریکی اس پر چھا جاتی ہے کہ سواروں کا وہاں ٹھہرنا وادی السباع میں ٹھہرنے سے زیادہ کم ہو اور سواروں کا خوف زدہ ہونا وہاں سے زیادہ ہو مگر اس وقت کہ کسی رات چلنے والا کو اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے (آفتاب و بلیات سے)۔

توضیح:- اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اس عین کو کہ جس میں کل مفضل علیہ ہے اسم تفضیل پر مقدم کیا جاسکتا ہے پھر یوں کہا جاسکتا ہے ما رأیت کعین زید احسن فیہا الکحل اصل عبارت یوں تھی ما رأیت عیناً احسن فیہا الکحل منہ فی عین زید، لیکن جب عین زید کہ جس میں کل مفضل علیہ ہے اسم تفضیل پر مقدم کر دیا تو دوبارہ عین کے ذکر کی کوئی ضرورت نہ رہی پس تقدیر ما رأیت کعین زید احسن فیہا الکحل ہو گئی۔

معلوم ہو کہ اعتبارات ثلاثہ جس طرح مثال مشہور میں پائے جاتے ہیں اسی طرح ولا اری کوادی السباع الخ میں تینوں احتمالات درست ہیں۔

پس عبارت طویلہ ہوگی مررت علی وادی السباع ولا ادری ÷ وادیا اقل بہ ركب منهم فی وادی السباع اتوه تآية ÷ واخوف الا ما وقى الله سارياً .

عبارت قصیرہ مررت علی وادی السباع ولا اری وادیا اقل بہ ركب من وادی السباع اتوه تآية واخوف الا ما وقى الله سارياً .

عبارت اقصیٰ ولا اری کوادی السباع حين يظلم وادياً اقل بہ ركب اتوه تآية

واخوف الا ما وفي الله ساريا.

الفعل ما دل على معنى فى نفسه مُقترون باحد الازمنة الثلاثة ومن خواصه دخول قَدْ
والسين وسوف والجوازم ولحوق تاء التانيث ساكنة ونحو تاء فعلت.

توجہ:۔۔ فعل وہ کلمہ ہے جو ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس کی ذات میں ہوں جو تینوں
زمانوں میں سے کسی کو شامل نہ ہو۔ اور فعل کے خواص میں سے قد کا داخل ہونا ہے اور سین اور سوف اور جوازم
کا اور تائے تانیث ساکنہ کا لاحق ہونا ہے اور فعلت جیسی تاء کا لاحق ہونا۔

توضیح:۔۔ اسم کی بحث ختم ہو جانے کے بعد اب مصنف فعل کی بحث شروع کر رہے ہیں، چنانچہ
فعل کی تعریف بیان کر رہے ہیں فعل ایسے کلمہ کو کہتے ہیں جو مستقل معنی رکھتا ہو اور تینوں زمانوں میں سے کسی
ایک زمانہ کو وضع اول کے اعتبار سے شامل ہو۔

وضع اول کی قید سے افعال مقار بہ فعل کی تعریف سے خارج نہ ہو سکیں گے کیوں کہ فی الحال اگرچہ یہ
زمانہ سے خالی ہیں، لیکن اصل میں یہ مقترن بالزمان ہیں، لہذا فعل کی تعریف ان پر صادق ہے۔ باقی لفظی
بحثیں وہی ہیں جو بحث اسم میں گذر چکی ہیں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

ومن خواصه: اور فعل کے خواص میں قد ہے اس لیے کہ قد وضع کیا گیا ہے ماضی کو حال سے
قریب کرنے اور فعل کی تحقیق کے لیے نیز فعل کی تقلیل کے لیے اور یہ سب باتیں فعل کے ساتھ مخصوص ہیں
لہذا جو لفظ ان معانی پر دلالت کرے گا وہ بھی فعل کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ اور سین اور سوف بھی فعل کے
خواص میں سے ہیں، کیوں کہ سین استقبال قریب پر اور سوف استقبال بعید پر دلالت کرتا ہے اور یہ دونوں
باتیں فعل کے ساتھ مخصوص ہیں لہذا جو الفاظ ان پر دلالت کرتے ہیں وہ بھی فعل کے ساتھ مخصوص ہوں گے۔
جوازم: جوازم میں کچھ کی وضع فعل کی لٹی کے لیے ہوتی ہے جیسے لم اور لئما اور بعض کی وضع طلب فعل
کے لیے ہوتی ہے جیسے لام امر اور کچھ فعل سے ممانعت کے لیے وضع ہوتے ہیں جیسے لائے لئی جب کہ
دوسرے کچھ تعلق اشی بالفعل کے لیے موضوع ہیں جیسے ادوات شرط اور سارے معنی فعل میں ہی پائے جاتے
ہیں، لہذا یہ کلمات بھی فعل کے ساتھ مخصوص ہوئے۔

لحوق تاء التانيث: لحوق کا عطف دخول پر ہے قد پر نہیں ہے تاء ساکنہ کہنے کی وجہ سے احتراز
ہو گیا تاء متحرکہ سے اس لیے کہ تائے متحرکہ اسم کے خواص میں سے ہے۔ پس تائے ساکنہ جیسے صلت فعل کا
خاصہ اس لیے ہے کہ یہ فاعل کی تانیث پر دلالت کرتی ہے، لہذا یہ اس کو لاحق ہوگی جس کے لیے فاعل ہو اور
فاعل، فعل کا ہوتا ہے، لہذا یہ فعل کے ساتھ ہی پائے جائے گی۔

تاء فعلت: اس سے مراد ضمائر متصلہ بارزہ متصلہ متحرکہ مرفوعہ ہیں یہ فعل کا خاصہ اس لیے ہے کہ یہ تاء فاعل کی ہے لہذا فاعل جس کے لیے ہوگا اسی کو یہ لاحق ہوگی اور فاعل فعل کے لیے ہوتا ہے، لہذا یہ فعل کے لیے ہوں گی۔

الماضی ما دلّ علی زمانٍ قبل زمانکِ مبنی علی الفتح مع غیر الضمیر المرفوع المتحرک والنواو.

ترجمہ:- ماضی وہ فعل ہے جو ایسے زمانہ پر دلالت کرے جو آپ کے زمانہ سے پہلے ہو ضمیر مرفوع متحرک اور واؤ کے علاوہ کے ساتھ مبنی بر فتح ہوتا ہے۔

توضیح:- ماضی ایسا فعل ہے جو بحسب الوضع ایسے زمانہ پر دلالت کرے جو آپ کے زمانہ سے پہلے ہو قبل زمانک سے مراد زمانہ حال ہے پس ماتن کا قول مادّ علی زمانٍ تمام افعال کو شامل ہے اور ان کا قول قبل زمانک اس قید سے ماضی کے مساوی تمام افعال خارج ہو گئے۔

اور دلالت بحسب الوضع کی قید سے وہ ماضی کی جس پر ادات شرط داخل ہو فعل ماضی ہونے سے خارج نہیں ہوگا گودخول ادات شرط کی وجہ سے اس کو استقبال عارض ہو گیا ہے اسی طرح لم یضرب فعل ماضی نہ ہو سکے گا کیوں کہ بحسب الوضع اس کی دلالت ایسے زمانہ پر نہیں ہے جو زمانہ حال سے قبل ہے گو عارض اس کی دلالت زمانہ حال سے قبل کے زمانہ پر ہے۔

مبنی علی الفتح: اگر فعل ماضی ضمیر مرفوع متحرک اور واؤ جمع کے ساتھ نہ ہو تو مبنی علی الفتح ہوگا مبنی ہونا تو اس لیے ہے کہ معرب ہونے کی علت معدوم ہے اور حرکت پر مبنی ہونا جب کہ بناء علی السکون اصل ہے اس وجہ سے ہے کہ یہ مرفوع اسم میں واقع ہے اور فتح پر مبنی ہونا اس لیے ہے کہ فتح اخف الحركات ہے۔
مع غیر الضمیر: جب فعل ماضی ضمیر مرفوع متحرک کے ساتھ ہو تو وہ سکون پر مبنی ہوگا کیوں کہ فعل ضمیر مرفوع متحرک کے ساتھ شدت اتصال کی وجہ سے بمنزلہ کلمہ واحدہ کے ہے اور کلمہ واحدہ میں مسلسل چار حرکتوں کا اجتماع پسندیدہ نہیں ہے، جب کہ واؤ جمع کے ساتھ فعل ماضی ضمیر پر مبنی ہوگا خواہ لفظاً ہو جیسے صلوا یا تقدیراً ہو جیسے رماو ایسا مجاہدت کی وجہ سے ہے کیوں کہ ضمیر واؤ کے مناسب اور مجانس ہے۔

المضارع ما أشبه الاسم باحد حروف نائيت لوقوعه مشتقاً وتخصيصه بالسين او سوف فالهمزة للمتکلم مفرداً والنون له مع غيره والتاء للمخاطب مطلقاً وللمؤنث والمؤنثین غيبةً والياء للغائب غیرهما وحروف المضارعة مضمومة فی الرباعي ومفتوحة لما سواه.

ترجمہ:- مضارع وہ فعل ہے جو حروف نایت کے کسی بھی ایک حرف کی وجہ سے اسم کے مشابہ ہو اس کے مشترک واقع ہونے اور اس کے خاص ہو جانے کی وجہ سے سین اور سوف کے ذریعہ پس ہمزہ واحد متکلم کے لیے ہے اور نون متکلم کے لیے ہے اس حال میں کہ وہ مفرد اپنے غیر کے ساتھ ہو اور تاء مطلقاً مخاطب کے لیے ہے اور واحد مؤنث اور ثنیۃ مؤنث کے لیے اس حال میں کہ وہ غائب ہو اور یا غائب کے لیے ہے واحد مؤنث اور ثنیۃ مؤنث کے علاوہ اور حروف مضارع رباعی میں مضموم ہوتے ہیں اور رباعی کے ماسوا میں مفتوح ہوتے ہیں۔

توضیح:- مضارع وہ فعل ہے جو حروف نایت میں سے کسی حرف کی شروع میں زیادتی کے سبب اسم کے مشابہ ہو مشترک واقع ہونے کی وجہ سے متعدد معانی میں کہ جس طرح اسم متعدد معنوں کے لیے موضوع ہوتا ہے مثلاً عین کہ کئی معنوں کے لیے وضع کیا گیا ہے اسی طرح مضارع کئی معنی یعنی حال اور استقبال کے لیے موضوع ہے نیز جس طرح اسم مشترک بوقت قرینہ کسی ایک معنی کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے اسی طرح مضارع سین اور سوف کے شروع میں لاحق ہونے کے وقت استقبال کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے۔ پس اس توضیح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مضارع کو مضارع تشبیہ بالاسم کی مناسبت سے کہا جاتا ہے۔

فَالهَمْزَة: ہمزہ واحد متکلم کے معنی بتانے کے لیے ہوتا ہے جیسے اصلی اور نون جمع متکلم کے لیے۔ اسی کو مصنف نے والنون له مع غیرہ سے بیان کیا ہے کہ نون ایسے مفرد کے لیے جو اپنے علاوہ کے ساتھ ہوا استعمال ہوتا ہے اب چاہے وہ مذکر ہو یا مؤنث ثنیۃ ہو یا جمع پس نون ثنیۃ اور جمع مذکر مؤنث متکلم کے لیے آتا ہے۔

التاء: اور تاء مطلق حاضر یعنی مخاطب کے لیے استعمال ہوتی ہے خواہ وہ واحد ہو یا ثنیۃ یا جمع مذکر ہو یا مؤنث نیز واحد مؤنث غائب اور ثنیۃ مؤنث غائب کے لیے بھی تاء کا استعمال ہوتا ہے۔

اور یاہ کا استعمال غائب کے صیغوں کے لیے ہوتا ہے سوائے واحد مؤنث اور ثنیۃ مؤنث غائب کے کیوں کہ ان کے لیے تاء کا استعمال راجح ہے۔

وحروف المضارعة: وہ مضارع جس کا ماضی چہار حرفی ہو خواہ اصلی ہوں یا زائد تو اس کا حرف مضارع مضموم ہوگا تاکہ ثلاثی اور رباعی کے مضارع میں باعتبار حرکت کے فرق ہو جائے۔ جیسے یکوم، یعنی اور رباعی کے ماسواہ اب چاہے وہ ثلاثی ہو یا اس کے ماضی میں پنج حرفی یا اور زائد حروف ہوں تو اول کثرت استعمال اور دوسرا کثرت حروف کی وجہ سے محتاج تخفیف ہے اس لیے فتح جو کہ اخف الحركات ہے کا انتخاب اس کے علامت مضارع کے لیے کیا جیسے ینصر اور یندحرج، یرلشوق، یشغنز

ولا يُعربُ من الفعلِ غيرُهُ اذا لم يتصل به نونٌ تأكيدٍ ولا نونٌ جمعٍ مؤنثٍ واعرابُهُ رفعٌ ونصبٌ وجزمٌ فالصحيحُ المجردُ عن ضميرٍ بارزٍ مرفوعٌ للثنية والجمع والمخاطبِ المؤنثِ بالضمّةِ والفتحةِ والسُّكُونِ مِثْلُ يَضْرِبُ لَنْ يَضْرِبَ وَلَمْ يَضْرِبْ وَالْمَتَّصِلُ بِهِ ذَلِكَ بِالنونِ وَحَدُّهَا مِثْلُ يَضْرِبَانِ وَيَضْرِبُونَ وَتَضْرِبِينَ وَالْمَعْتَلُ بِالْوَاوِ وَالْيَاءِ بِالضَّمَّةِ تَقْدِيرًا وَالْفَتْحَةِ لَفْظًا وَالْحَذْفِ وَالْمَعْتَلُ بِالْأَلْفِ بِالضَّمَّةِ وَالْفَتْحَةِ تَقْدِيرًا وَالْحَذْفِ وَيَرْتَفَعُ إِذَا تَجَرَّدَ عَنِ النَّاصِبِ وَالْجَازِمِ لِحَوِّ يَقُومُ زَيْدٌ.

ترجمہ :- اور کوئی فعل معرب نہیں ہوتا ہے مضارع کے علاوہ بشرطیکہ نہ متصل ہو اس سے نون تاکیدی اور نہ ہی جمع مؤنث کا نون اور مضارع کا اعراب رفع اور نصب اور جزم ہے پس فعل صحیح جو ضمیر بارز مرفوع سے مجرد ہو ثنیہ اور جمع اور واحد مؤنث حاضر کی تو ضمہ کے ساتھ اور فتح کے ساتھ اور سکون کے ساتھ ہوگا جیسے یضرب اور لن یضرب اور لم یضرب اور جو مضارع کہ اس سے ضمیر بارز متصل ہو تو نون اور اس کے حذف کے ساتھ ہوگا جیسے یضربان اور یضربون اور تضربون اور تضربین اور وہ مضارع جو معتل بالواو ہو تو ضمہ تقدیری کے ساتھ اور فتح لفظی اور حذف کے ساتھ ہوگا اور معتل بالالف ضمہ اور فتح تقدیری کے ساتھ ہوگا اور حذف کے ساتھ ہوگا۔ اور مضارع مرفوع ہوتا ہے جب وہ ناصب اور جازم سے خالی ہو جیسے یقوم زید۔

توضیح :- یہاں سے بتا رہے ہیں کہ افعال میں سوائے مضارع کے کوئی اور فعل معرب نہیں ہوتا، اس لیے کہ معرب ہونے کی علت ان میں نہیں پائی جاتی ہے، ہاں مضارع جب نون تاکیدی اور نون جمع مؤنث سے خالی ہو تو وہ اسم کے مشابہ ہونے کی وجہ سے معرب ہوگا البتہ جب نون تاکیدی اور نون جمع مؤنث مضارع کو لاحق ہو جائیں تو وہ جہتی ہوگا۔ پہلی صورت میں تو اس لیے کہ نون تاکیدی شدت اتصال کی وجہ سے بمنزلہ جزء کلمہ کے ہو گیا پس اگر اعراب نون سے قبل داخل کرتے ہیں تو وسط کلمہ میں اعراب کا لانا لازم آتا ہے جب کہ اعراب آخر کلمہ میں آیا کرتا ہے اور اگر آخر کلمہ میں لاتے ہیں تو فی الواقع دوسرے کلمہ میں اعراب کا لانا لازم آتا ہے اور دوسری صورت میں تو اس لیے اعراب منع ہے کہ نون جمع مؤنث فی المضارع، نون جمع مؤنث فی الماضي کے مشابہ ہے، لہذا جس طرح ماضی میں نون جمع مؤنث کا ما قبل ساکن رہتا ہے، اسی طرح نون جمع مؤنث کا ما قبل مضارع میں بھی ساکن رہے گا۔

واعرابہ: اب مضارع کا اعراب بیان فرما رہے ہیں تو مضارع کا اعراب رفع اور نصب اور جزم ہے۔ پس فعل مضارع صحیح جو ثنیہ مذکر اور مؤنث اور جمع خواہ مذکر ہو یا مؤنث غائب ہو یا حاضر اور واحد

مؤنث حاضر کی ضمیر بارز مرفوع سے خالی ہو تو اس کا اعراب حالت رُفعی میں ضمہ لفظی اور حالت نصی میں فتح لفظی اور حالت جزم میں سکون کے ساتھ ہوگا جیسے یضرب اور لن یضرب اور لم یضرب۔
 واضح ہو کہ مضارع صحیح سے مراد ہر ایسا مضارع ہے کہ جس کے آخر میں واو، الف اور یاء نہ ہو۔ نیز ضمیر بارز کو مرفوع کے ساتھ مقید کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ ضمیر بارز منصوب کو اگر مضارع متصل ہے جیسے یضربک تو اس کا بھی مذکورہ بالا اعراب ہوگا۔

والم متصل بہ ذالک: اور وہ مضارع جو ثنیۃ اور جمع نیز واحد مؤنث حاضر میں سے کسی کی بھی ضمیر بارز مرفوع کو متصل ہوتا ہے تو اس کا اعراب حالت رُفعی میں نون کے ساتھ اور حالت نصی اور جزی میں نون کا حذف ہے۔ جیسے یضربان، یضربون اور تضربین، لن یضربا، لن یضربوا اور لن یضربی اور لم یضربا، لم یضربوا اور لم یضرب مضارع کی اس قسم کو اعراب بالحروف اسمائے ثنیۃ اور جمع سے صورتہ مشابہت کی وجہ سے دیا گیا۔ نصی حالت کو حالت جزم کے تابع کر دیا گیا ہے جیسے اسماء میں حالت نصی کو حالت جزی کے تابع کر دیتے ہیں۔

والمعتل بالواو: وہ مضارع جو معتل بالواو ہو یعنی اس کے آخر میں حرف علت واو ہو تو اس کا اعراب حالت رُفعی میں ضمہ تقدیری اور حالت نصی میں فتح لفظی اور حالت جزم میں واو کے حذف کے ساتھ ہوگا جیسے هو یدعو، ولن یدعو اور لم یدعُ یہی حکم معتل بالیاء کا بھی ہے جیسے هو یرمی، ولن یرمی اور لم یرم حالت رُفعی میں ضمہ تقدیری اس لیے ہوگا کہ واو اور یاء پر ضمہ دشوار ہوتا ہے اور حالت نصی میں فتح لفظی اس لیے ہوگا کہ فتح اخف الحركات ہے اور حالت جزم میں حرف کا حذف اس لیے ہوگا، کیوں کہ اجتماع ساکنین ہو جاتا ہے۔ جو کہ محال ہے۔

والمعتل بالالف: اور وہ مضارع جس کے آخر میں حرف علت ہو تو اس کا اعراب حالت رُفعی میں اور نصی میں تقدیری ہوگا اس لیے کہ الف وصفا ساکن ہوتا ہے جو حرکت کو خواہ ثقیل ہو یا خفیف بالکل قبول نہیں کرتا ہے۔ جیسے هو یرضی اور لن یرضی اور حالت جزم میں الف کے حذف کے ساتھ جیسے لم یرض اس لیے کہ جازم فعل کے آخر سے حرف علت کو ساقط کر دیتا ہے۔

ویرتفع اذا تجرد: جب مضارع ناصب اور جازم سے خالی ہو تو مرفوع ہوگا جیسے یقوم زید یصوم مرفوع اس لیے ہوگا کہ جب وہ اسم کی جگہ میں واقع ہوتا ہے تو بمنزلہ اسم کے ہو جاتا ہے، لہذا صورتہ مذکورہ میں اسم کا قوی ترین اعراب یعنی رفع اس کو دے دیا جاتا ہے۔ اسم سے مراد اسم فاعل ہے۔

وینتصب بانّ ولنّ واذنّ وکنّ ویاّن مُقدّرةٌ بعدّ حتّیّ ولامّ کئیّ ولامّ الجحودِ والفاء والواوِ واو، فَاَنَّ مِثْلَ اُرِيدُ اَنَّ تُحَسِّنَ اِلَيَّ وَاَنَّ تَصُوْمُوا خَيْرٌ لَّكُمْ وَالتّی تَقَعُ بَعْدَ

الْعِلْمُ هِيَ الْمُخَفَّفَةُ مِنَ الْمُثْقَلَةِ وَلَيْسَتْ هَذِهِ نَحْوُ عَلِمْتُ أَنْ سَيَقُومُ وَلَا يَقُومُ
وَالَّتِي تَقَعُ بَعْدَ الظَّنِّ فِيهَا الرَّجْهَانُ .

ترجمہ:- اور مضارع منصوب ہوتا ہے اُن اور لَنْ اور اذَنْ اور كُنِّي سے اور اُن مقدرہ کی وجہ سے حتی اور لام كُنِّي اور لام نحو اور فاء اور واو اور اُو کے بعد ہیں ان جیسے اُرِيدُ اِنْ تُحْسِنِ الْيَوْمَ اِنْ اَنْصَبُوا خَيْرَ لَكُمْ اور وہ اُن جو علم کے بعد واقع ہوتا ہے وہ مخفف من المثقلہ ہے وہ اُن ناصب نہیں ہے جیسے علمت اِنْ سَيَقُومُ اور اِنْ لَا يَقُومُ اور اِنْ جَوْظُنَّ کے بعد واقع ہوتا ہے تو اس میں دو وجہیں ہیں۔

توضیح:- اب فعل کے منصوب ہونے کے مواقع کو بیان کر رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ مضارع اُن اور لَنْ اور كُنِّي اور اذَنْ کی وجہ سے منصوب ہوتا ہے نیز اس اُن سے بھی منصوب ہوتا ہے جو حتی یا لام كُنِّي اور لام نحو کے بعد ہوتا ہے۔ حتی اور لام كُنِّي اور لام نحو کے بعد اُن ناصب اس لیے مقدر ہوتا ہے کہ یہ تینوں حروف جارہ ہیں جو صرف اسماء پر داخل ہوتے ہیں لہذا ان کے بعد اُن کا مقدر ماننا ضروری ہو گیا تاکہ فعل مصدر کی تاویل میں ہو جائے اور مصدر چون کہ اسم ہوتا ہے اس لیے ان کا داخلہ اسم پر ہونا ثابت ہو جائے گا۔

اسی طرح اُن فاء اور واو کے بعد بھی مقدر ہوتا ہے جیسے ذرْبِي فَاصْرِكْ فَاءَ كَيْ مَشَلْ اور واو کی مثال جیسے لَا تَأْكُلِ السَّمَكُ وَلَا تَشْرَبِ اللَّبْنَ اس لیے کہ فاء اور واو حروف عطف میں جو انشاء کے بعد واقع ہوتے ہیں اور خبر کا عطف انشاء پر ناممکن ہے، لہذا ان کی تقدیر ضروری ہے، تاکہ فاء اور واو کے بعد کا فعل مفرد کی تاویل میں ہو جائے۔

اور اُو کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے جیسے لِأَنْزِمَنَّكَ اَوْ تَعْطِينِي حَقِّي بِسْ اَوْ اِلٰي اَنْ يَا اَلَا كَيْ مَعْنَى میں ہے اول حروف جارہ ہے اور ثانی حرف استثناء اور دونوں کے دونوں اسم کے ساتھ مخصوص ہیں، لہذا اُن مصدر یہ کی تقدیر ضروری ہے، تاکہ فعل مصدر کی تاویل میں ہو جائے اور اس پر حرف جر اور استثناء کا داخلہ صحیح ہو جائے۔

قوله فان: پس اُن جس کے ذریعہ مضارع منصوب ہوتا ہے جیسے اُرِيدُ اِنْ تُحْسِنِ الْيَوْمَ اِنْ اَنْصَبُوا خَيْرَ لَكُمْ پہلی مثال نصب بالفتح کی ہے اور دوسری مثال نصب بجزف النون کی ہے۔

وَالَّتِي تَقَعُ بَعْدَ الْعِلْمِ: یہ عبارت سوال مقدر کا جواب ہے کہ آپ کا یہ قاعدہ کہ مضارع اُن کے بعد منصوب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد عَلِمَ اَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَرَضِي سے ٹوٹ جاتا ہے کیوں کہ ان کے بعد سبکون مضارع واقع ہے اس کے باوجود مرفوع ہے۔ تو اس کا مصنف نے جواب دیا کہ ہمارا قاعدہ اپنی جگہ مسلم ہے، البتہ وہ اُن جو علم کے بعد واقع ہو تو وہ مذکورہ بالا قاعدہ سے مستثنیٰ ہے، چنانچہ علم کے

بعد واقع ہونے والا آن، اُن ناصبہ نہیں ہے بلکہ وہ اُن مخففہ من المشقلہ ہے جو تحقیق پر دلالت کرتا ہے جس کے علم کا استعمال شایان شان ہے جب کہ اُن مصدر یہ طمع اور رجاء کے لیے ہے جس کے مناسب علم نہیں ہے۔ پس اُن مخففہ کا فصل سین کے ذریعہ فعل سے ضروری ہے جیسے علمت اُن سيقوم۔

والتي تقع بعد المظن: اور وہ ان جو ظن کے بعد واقع ہوتا ہے تو اس میں دونوں وجہیں درست ہیں اُن مخففہ من المشقلہ بھی اور اُن مصدر یہ بھی اول اس لیے کہ ظن غلبہ وقوع پر دلالت کرتا ہے لہذا اُن مخففہ من المشقلہ اس کے حسب حال ہوگا کیوں کہ وہ تحقیق پر دلالت کرتا ہے اور ثانی اس لیے کہ چون کہ وقوع کا یقین نہیں ہوتا ہے، لہذا اس اعتبار سے ان مصدر یہ ظن کے بعد مقدر ماننا مناسب ہوگا۔

ولن مثل لن ابرح ومعناها نفى المستقبل واذن اذا لم يعتد ما بعدها على ما قبلها وكان الفعل مستقبلاً مثل اذن تدخل الجنة واذا وقعت بعد الواو والفاء فالوجهان.

ترجمہ:- ولن جیسے لن ابرح اور لن کے معنی مستقبل کی نفی اور اذن (نصب کا عمل کرتا ہے) جب اس کا مابعد اس کے ماقبل پر اعتماد نہ کرے اور فعل مستقبل ہو جیسے اذن تدخل الجنة اور جب اذن فاء اور واو کے بعد واقع ہو تو دو وجہیں ہیں۔

توضیح:- لن بھی فعل مضارع کو نصب کرتا ہے جیسے لن ابرح پس لن مستقبل کی نفی کے لیے تاکید ہوتا ہے البتہ تاکید کے لیے نہیں ہوتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد لن ابرح الارض حتی یاذن لی ابی میں تناقض پیدا ہو جائے گا کہ لن تو برائے تاکید اور دوام ہو اور حتی یاذن لی برائے انتہاء ہو ظاہر کی بات ہے کہ دونوں میں تعارض ہے۔

لن سیبویہ کے نزدیک مستقل حرف ہے جو اپنی اصل سے بدلا ہوا نہیں ہے جب کہ فراء کے نزدیک لن کی اصل لا ہے پس الف کو نون سے بدل دیا لن ہو گیا اور ظلیل کے نزدیک لان ہے پس کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزہ کو حذف کر دیا گیا۔

واذن: اذن دو شرطوں کے ساتھ نصب کا عمل کرتا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اذن کا مابعد اذن کے ماقبل کا معمول نہ ہو ورنہ دو عاملوں کا معمول واحد پر آنا لازم آئے گا ایک تو خود اذن اور دوسرے اس کا ماقبل اور دوسری شرط یہ ہے کہ فعل مستقبل ہو کیوں کہ اذن کا مابعد جواب اور جزء ہوتا ہے اور یہ دونوں باتیں استقبال میں ہی پائی جاسکتی ہیں جیسے آپ کا قول اس آدمی سے کہ جس نے کہا اسلمت، اذن تدخل الجنة پس اگر کوئی ایک شرط فوت ہو جائے جیسے انا اذن احسن اليك اور جیسے تیرا قول اس آدمی سے جو تم سے گفتگو کر رہا ہو اذن اظنك کا ذہا پس اول میں مابعد اذن ماقبل کا معمول ہے اور ثانی میں بجائے مستقبل کے معنی میں ہونے کے حال کے معنی میں ہے یا دونوں شرطیں بیک وقت فوت ہوں جیسے آپ اس آدمی سے

جو آپ سے گفتگو کر رہا ہے کہیں انا اذن اظنک کا ذہناً تو رفع واجب ہوگا اور مضارع منصوب نہ ہوگا۔
 و اذا وقعت بعد الواو: جب اذن واو یا فاء کے بعد واقع ہو تو دو وجہیں ہیں مضارع کا رفع بھی اور نصب بھی وقوع بعد الفاء کی مثال جیسے تمہارا فاذن اکرمک کہنا اس آدمی سے جو جواب کے طور پر کہہ رہا ہو انا آتیک۔ اور وقوع بعد الواو کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد و اذن لا یلبثون خلافک تو اب رفع اس لیے جائز ہے کہ شرط فوت ہے، کیوں کہ اذن کا ما بعد ماقبل پر اعتماد کیے ہوئے ہے۔ پس جب نفس اعتماد کا لحاظ کیا جائے گا تو رفع پڑھا جائے گا اور جب اعتماد کی کمزوری کی طرف دھیان جائے گا تو نصب کی گنجائش نکل آئے گی۔

وکی مثل اسلمتُ کی ادخل الجنة وَمَعْنَاهَا السَّبِيَّةُ وَحَتَّى إِذَا كَانَ مُسْتَقْبَلًا
 بِالنَّظَرِ إِلَى مَا قَبْلَهَا بِمَعْنَى كَيْ أَوْ إِلَى مِثْلِ اسْلَمْتُ حَتَّى ادْخُلَ الْجَنَّةَ وَكُنْتُ سِرْتُ
 حَتَّى ادْخُلَ الْبَلَدَ وَاسِيرٌ حَتَّى تَغِيْبَ الشَّمْسُ فَإِنْ اذْدَتْ الْحَالَ تَحْقِيقًا أَوْ حِكَايَةً
 كَانَتْ حَرْفَ ابْتِدَاءٍ فَتَرْفَعُ وَتَجِبُ السَّبِيَّةُ مِثْلَ مَرِيضٍ حَتَّى لَا يَرِجُونَهُ وَمِنْ ثَمَّ امْتِنَعَ
 الرَّفْعُ فِي كَانَ سِيرِي حَتَّى ادْخُلَهَا فِي النَاقِصَةِ وَسِرْتُ حَتَّى تَدْخُلَهَا وَجَازَ فِي
 التَّامَةِ كَانَ سِيرِي حَتَّى ادْخُلَهَا وَأَيْهِمْ سَارَ حَتَّى يَدْخُلَهَا.

ترجمہ:- اور کی جیسے اسلمت کی ادخل الجنة اور اس کے معنی سیرت کے ہیں اور
 حتی جب کہ (اس کے بعد فعل) مستقبل ہو تو کنی یا الی کے معنی میں ہوتا ہے جیسے اسلمت حتی
 ادخل الجنة اور کنت سرت حتی ادخل الجنة اور اسیر حتی تغیب الشمس پس اگر تو حال کا
 ارادہ کرے واقعہ یا حکایت تو حتی حرف ابتداء ہوگا تو حتی (کا ما بعد) مرفوع ہوگا اور سیرت واجب ہوگی جیسے
 مریض حتی لا یرجونہ اور اسی وجہ سے رفع ممتنع ہے کان سیری حتی ادخلها میں ناقصہ کی صورت
 میں اور سرت حتی تداخلها میں اور رفع جائز ہے تامہ کان سیری حتی ادخلها اور ایہم سار
 حتی یدخلها میں۔

توضیح:- حروف نواصب میں سے کی بھی ہے جیسے اسلمت کی ادخل الجنة کنی کا معنی
 ہے کہ کنی کا ماقبل کنی کے ما بعد کے لیے سبب ہوگا جیسے مثال مذکور میں اسلام دخول الجنة کا سبب ہے کنی
 کا ناصب ہونا کوئیوں کا مسلک ہے۔ یہی مصنف کا مختار ہے باقی بصریوں کے نزدیک کنی کے بعد ان مقدر
 ہوتا ہے جو مضارع کے نصب کا باعث ہوتا ہے، کیوں کہ لام کا دخول گئی پر درست ہے، جیسے لکنیلاً بکون
 علی المؤمنین حرج۔

حتی: حتی الی ان یا کسی کے معنی میں ہوتا ہے اور اس کے مابعد مضارع منصوب ہوتا ہے، لیکن جب حتی کے بعد واقع ہونے والا مضمون باعتبار حتی کے ماقبل بیان ہونے والے مضمون کے مستقبل ہو گو عند التکم حتی کا دخول فعل مستقبل پر ہو یا نہ ہو جیسے کنت سرت حتی ادخل البلد پس دخول بلد باعتبار سیر کے مستقبل ہے پس نصب درست ہے اور یہ شرط اس لیے لگائی کہ ان ناصبہ طمع اور رجاء کے لیے ہوتا ہے اور یہ فعل مستقبل میں ہی تصور ہو سکتا ہے۔

حتی اپنی شرط کے پائے جانے کے وقت الی ان یا کسی کے معنی میں ہوگا تا کہ حتی جارہ کے معنی میں ہونے کی صراحت ہو جائے اور اور ان ناصبہ کی تقدیر کا باعث ہو جائے۔

حتی بمعنی سخی اور فعل مستقبل حقیقتاً کی مثال اسلمت حتی ادخل الجنة اور حتی بمعنی سخی اور فعل مستقبل غیر حقیقی کی مثال جیسے کنت سرت حتی ادخل الجنة یہ مثال حتی بمعنی الی ان ہونے کی بھی احتمال رکھتی ہے۔ حتی بمعنی الی ان اور مابعد مستقبل حقیقی کی مثال جیسے اسیر حتی تغیب الشمس۔

فان اردت الحال: مطلب یہ ہے کہ جب حتی کا مابعد برائے مستقبل نہ ہو اب چاہے حتی کے مابعد سے حقیقتاً حال مراد لینے کی وجہ سے ایسا ہو جیسے سرت حتی ادخل کہ مثال مذکور میں دخول کی حالت میں سیر کی خبر دی جا رہی ہے یا تقدیر حال کا ارادہ کیا جائے جیسے سرت الیوم حتی ادخل البلد امس کہ حتی کے مابعد سے تقدیر یعنی حکایت حال کا ارادہ کیا گیا ہے تو حتی جارہ نہ ہو کہ حتی حرف ابتداء ہوگا، لہذا اس کا مابعد مرفوع ہوگا منصوب نہیں ہوگا، کیوں کہ اب وہ حرف جارہ نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے فعل کو مصدر کی تاویل میں کرنے کی ضرورت پڑے اچھا جارہ اس لیے نہیں ہو سکتا کہ ایسے حتی کے بعد ان کی تقدیر ممتنع ہے، کیوں کہ ان ناصبہ برائے طمع و رجاء ہوتا ہے جو استقبال پر دلالت کرتا ہے جب کہ مضارع یہاں برائے حال ہے پس حال و استقبال میں منافات ہے۔

البتہ جب حتی حرف ابتداء ہو تو اس کے ماقبل کا مابعد کے لیے سبب ہونا ضروری ہے اس لیے کہ ماقبل اور مابعد میں اتصال لفظی ختم ہو گیا تو اب اتصال معنوی ضروری ہو گیا، تا کہ وہ مقصد حاصل ہو سکے جو حتی کا مدلول ہے۔ جیسے مروض فلان حتی لایرجو نہ پس مثال مذکور میں مابعد حتی برائے حال ہے اور خود حتی حرف ابتداء ہے اور مابعد کے لیے ماقبل سبب ہے تا کہ حتی کے مدلول کا تحقق ہو سکے۔

ومن ثم امتنع الرفع: اس وجہ سے کہ ارادہ حال کے وقت حتی ابتداء کے لیے ہو جاتا ہے جارہ نہیں رہ جاتا کان سیری حتی ادخلها میں کان کے ناقص ہونے کے وقت رفع ممتنع ہے۔ اس لیے کہ جب رفع پڑھا جائے گا تو حتی کے مابعد کا جملہ متانفہ ہونے کی وجہ سے ماقبل سے کوئی تعلق نہیں رہ جائے گا پس

کان ناقصہ بلاخبر کے رہ جائے گا جو فساد معنی کی وجہ سے درست نہیں ہے نیز اسرت حتیٰ تدخلہا رفع کے ساتھ درست نہیں ہے، اس لیے کہ اس وقت حتیٰ کا مابعد خبر متانف ہوگا جس کا ماقبل سے کوئی تعلق نہ ہوگا حالانکہ حتیٰ کا ماقبل مابعد کے لیے سبب ہے اور جو ہمزہ استفہام کی وجہ سے مشکوک ہے پس مسبب کے وقوع کا حکم لگانا مسبب کے وقوع میں شک کے ساتھ لازم آیا جو کہ محال ہے، کیوں کہ جب وقوع سبب کا یقین ہوتا ہے تب وقوع مسبب کا حکم لگایا جاتا ہے۔

وجاز فی التامة: البتہ کان سیوی حتیٰ ادخلہا میں کان تامہ کے تحقق کے وقت رفع درست ہے اس لیے کہ حتیٰ حرف ابتداء ہو جائے گا اور ہر چند حتیٰ کا مابعد جملہ متانفہ ہونے کی وجہ سے ماقبل سے لا تعلق ہوگا، لیکن کان کے تامہ ہونے کی وجہ سے کان کا بغیر خبر کے ہونا لازم نہیں آئے گا کیوں کہ کان تامہ میں خبر کی ضرورت نہیں پس گویا مانع نہیں ہے، اسی طرح ایہم سار حتیٰ یدخلہا میں بھی رفع فعل کا درست ہے اس لیے کہ سوال کا تعلق تعین فاعل سے ہے، لہذا سبب میں شک کے ہوتے ہوئے مسبب کے وقوع کا حکم لگانا لازم نہیں آیا پس جواز رفع کی راہ کار وڑا معدوم ہے کیوں کہ دخول کا سبب سیر ہے جس میں شک نہیں ہے ساتھ نہیں ہے کہ جس میں شک ہے۔

ولام کئی مثل اسلمت لادخل الجنة ولام الجحود لام تاکید بعد النفی لکان مثل وما کان اللہ ليعذبہم والفاء بشرطین احدہما السببیۃ والثانی ان ینکون قبلہا مثل ذالک وَاو بشرط معنی الی ان او الا ان والعاطفة اذا کان المعطوف علیہ اسما ویجوز اظہار ان مع لام کئی والعاطفة ویجب مع لا فی اللام علیہا۔

ترجمہ:- اور لام کئی جیسے اسلمت لادخل الجنة، اور لام نحو للام تاکید ہوتا ہے کان منفی کے بعد جیسے وما کان اللہ ليعذبہم اور فاء (کے بعد ان مقدم ہوتا ہے) دو شرطوں کے ساتھ ان میں سے ایک سبب ہونا دوسرے فاء سے پہلے امر ونہی یا استفہام یا نفی یا تمنی یا عرض کا ہونا۔ اور او (کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے) دو شرطوں کے ساتھ جمعیت کا ہونا اور او سے پہلے اسی جیسا ہونا (امور ستہ مذکورہ میں سے کسی ایک کا ہونا) اور او (کے بعد ان مقدر ہوتا ہے) الی ان یا الا ان کے معنی کی شرط کے ساتھ اور حروف عاطفہ کے بعد جب کہ معطوف علیہ اسم ہو۔ اور ان کا اظہار لام کئی اور حروف عاطفہ کے ساتھ جائز ہے اور واجب ہے ان کا اظہار لا کے ساتھ اس لام میں جو لا پر ہو۔

توضیح:- حروف نواصب میں سے لام کئی ہے اس کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے جیسے اسلمت لادخل الجنة لام کئی کے بعد ان اس لیے ہوتا ہے کیوں کہ یہ لام جارہ ہے جو اسم پر داخل ہوتا ہے، لہذا جب یہ فعل پر داخل ہوگا تو اس کے بعد ان مقدر مانا جائے گا تاکہ فعل مصدر کی تاویل میں

ہو جائے پس لام جارہ کا دخول اس پر صحیح ہو جائے۔ لام گئی کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ لام گئی کے معنی میں ہوتا ہے۔

ولام الجحود: لام جو د کے بعد بھی ان مقدر ہوتا ہے یہ لام زائدہ ہوتا ہے جو نفی کی تاکید کے لیے ہوتا ہے اور کان منفی کے بعد آتا ہے جیسے وما كان الله ليعذبهم لام گئی اور لام جحد میں فرق یہ ہے کہ لام گئی تعلیل یعنی بیان علت کے لیے ہوتا ہے جب کہ لام جحد بیان علت کے بجائے نفی کی تاکید کے لیے ہی ہوتا ہے دوسرا فرق یہ ہے کہ لام کی کے حذف سے معنی میں خلل واقع ہو جاتا ہے جب کہ لام جحد کے حذف سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ یہ لام زائدہ ہے۔

والفاء: اور فاء کے بعد ان دو شرطوں کے ساتھ مقدر ہوتا ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ فاء کا ماقبل فاء کے مابعد کے لیے سبب ہو سبب کو شرط اس لیے قرار دیا کہ رفع سے نصب کی طرف عدول سمیت پر صراحت کے لیے ہے بایں طور کہ لفظ کا تغیر معنی کے تغیر پر دلالت کرتا ہے۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ فاء سے ماقبل امر ونہی استفہام اور نفی تمنی اور عرض میں سے کوئی ایک فاء سے پہلے ہوتا کہ یہ وہم دور ہو جائے کہ فاء کے مابعد کا فاء کے ماقبل پر عطف ہے، کیوں کہ مابعد خبر ہے جس کا ماقبل پر انشاء ہونے کی وجہ سے عطف نہیں ہو سکتا جیسے زدنی فاکرمک، لا تشتمنی فاضربک، هل عندکم ماء فاشربہ، ما تاتینا فتحدننا، لیت لی ما لا فانفقہ الا انزل فتصیب خیرا۔

واضح ہو کہ دعاء امر اور نہی میں داخل ہے جیسے اللہم اغفر لی فافوز اور لا تؤاخذنی فاهلک اور تخصیص نفی میں داخل ہے لولا انزل علیہ ملک فیکون معہ نذیرا اور ترجی، تمنی میں داخل ہے جیسے لعلی ابلغ الاسباب اسباب السموات فاطلع الی الہ موسیٰ پس ان سب کے بعد بھی ان مقدر ہوگا۔

الواو: اور واؤ کے بعد بھی ان دو شرطوں کے ساتھ مقدر ہوتا ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ واؤ جمع کے لیے ہو اس لیے کہ جب لوگ واؤ میں جمع کے معنی کا ارادہ کریں گے تو واؤ کے بعد مضارع کو نصب دیں گے کیوں کہ لفظ کی تبدیلی معنی کی تبدیلی پر دلالت کرتی ہے۔

اور دوسری شرط یہ ہے کہ واؤ سے پہلے مذکورہ بالا چھ چیزوں یعنی امر ونہی وغیرہ میں سے کوئی ایک ہو تاکہ واؤ کے مابعد کا ماقبل پر معطوف ہونے کا وہم دور ہو سکے کیوں کہ خبر کا انشاء پر عطف نہیں ہوتا ہے۔ واؤ کی مثلہ یعنی فاء کی مثلہ ہیں صرف فاء کی جگہ واؤ بڑھا دیا جاتا۔

واو بشرط معنی الی ان: اور او کے بعد ان مقدر ہوتا ہے بشرطیکہ وہ او الی یا الا کے معنی میں ہو باقی مصنف کی عبارت میں تسامح ہے، کیوں کہ اس سے ذہن اس بات کی طرف جاتا ہے کہ او کے

بعد ان کے مقدر ہونے کے لیے اس او کا الٹی یا الا ان کے معنی میں ہونا ضروری ہے، ظاہر کی بات ہے کہ اس صورت میں ان کا تکرار ہو جائے گا، مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔

والعاطفة: اور حروف عاطفہ کے بعد ان مقدر ہوتا ہے یعنی جب فعل مضارع حروف عاطفہ کے بعد (خواہ وہ جو مذکور ہو چکے، خواہ ان کے ماسواء کوئی بھی حرف عاطف ہو) مذکور ہو اور معطوف علیہ اسم صریح ہو تو ان حروف عاطفہ کے بعد ان مقدر مانا جائے گا، کیوں کہ عطف الجملہ علی المفرد ممتنع ہے اور جب ان مقدر مان لیا جائے گا تو مصدر کی تاویل میں ہونے کی وجہ سے عطف المفرد علی المفرد ہو جائے گا جو صحیح ہے پس گویا ان کی تقدیر اس لیے ہوگی تاکہ عطف صحیح ہو جائے۔ جیسے اعجبنی ضربک زید او تشتم۔

ویجوز اظہار ان: لام سخی کے ساتھ اور حروف عاطفہ کے ساتھ ان کا ظاہر کرنا جائز ہے اول میں تو اس لیے تاکہ لام سخی اور لام نحو میں فرق ظاہر ہو جائے اور دوسرے میں اس لیے کہ عرب ظاہر الفعل کا اسم پر عطف ناگوار سمجھتے ہیں یا یوں کہتے لام سخی اور حروف عاطفہ اسم صریح پر داخل ہوتے ہیں، لہذا ان کے ساتھ اس کا اظہار کرنا درست ہے جو فعل کو اسم سے بدل دیتا ہے اور وہ ان مصدر یہ ہے اور لام متحد چونکہ وہ اسم صریح پر داخل نہیں ہوتا، لہذا اس کے بعد ان کا اظہار نہیں ہوگا۔

ویجب مع لا فی اللام: ان مصدر یہ کا اظہار اس لا کے ساتھ واجب ہے کہ جس پر لام سخی داخل ہو یعنی وہ لا جو لام سخی کے بعد ہوتا ہے پہلے ان کا اظہار واجب ہے، تاکہ دو لاموں کے اجتماع سے بچا جائے جیسے لئلا یعلم اهل الكتاب اور لام سخی حرف نفی سے متصل یعنی اس سے پہلے اس لیے ہے کہ وہ صدارت کلام کا مقتضی ہوتا ہے۔

وَيَنْجِزُكُمْ بَلَمَ وَلَمَّا وَلاَمِ الْاَمْرِ وَلاَ فِي النَّهْيِ وَكَلِمِ الْمُجَازَاةِ وَهِيَ اِنْ وَمَهْمَا وَاِذَا مَا وَاِذْ مَا وَحَيْثُمَا وَاَيْنَ وَمَتَى وَمَا وَمَنْ وَاَيُّ وَاَتَى وَاَمَّا مَعَ كَيْفَمَا وَاِذَا مَا فَشَاذٌ وِبَانَ مَقْدَرَةٌ فَلَمْ لِقَلْبِ الْمَضَارِعِ مَاضِيًا وَنَفِيًّا وَلَمَّا مِثْلَهَا وَتَخْتَصُّ بِالْاِسْتِغْرَاقِ وَجَوَازِ حَذْفِ الْفِعْلِ وَلاَمِ الْاَمْرِ الْمَطْلُوبُ بِهَا الْفِعْلُ وَهِيَ مَكْسُورَةٌ اَبَدًا وَلاَ النَّهْيِ الْمَطْلُوبُ بِهَا التَّرْكَ وَكَلِمِ الْمُجَازَاةِ تَدْخُلُ عَلَيَّ الْفِعْلَيْنِ لَسْبِيَّةِ الْاَوَّلِ وَمُسَبِّيَّةِ الثَّانِيِ وَيَسْمَيَانِ شَرْطًا وَجِزَاءً.

توجہ:- اور مضارع مجزوم ہوتا ہے لم اور لمّا اور لام امر اور لائے نہی سے اور کلم مجازاة (کلمات شرط و جز) سے اور وہ ان اور مہمّا اور اذا ما اور اذما اور حیثما اور این اور متی اور ما اور من اور ای اور اتی ہیں بہر حال کیفما اور اذما کے ساتھ تو شاذ ہے اور ان مقدرہ سے بھی مضارع

مجزوم ہوتا ہے پس لَم مضارع کو ماضی سے بدلنے اور اس کے نفی کے لیے ہوتا ہے اور لَمَّا اسی کے مثل ہے اور لَمَّا استغراق کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور فعل کے حذف کے جواز کے ساتھ۔ اور لام امر اس سے فعل مطلوب ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اور لائے نہیں اس سے فعل کا ترک مطلوب ہوتا ہے اور کلمات شرط و جزاء دو فعلوں پر داخل ہوتے ہیں اول کی سمیت اور ثانی کی سمیت کے لیے اور ان دونوں کا شرط و جزا نام رکھا جاتا ہے۔

توضیح: - مضارع لم اور لَمَّا کی وجہ سے اس لیے مجزوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں مضارع کے ساتھ مخصوص ہیں اور جو چیز کسی شئی کے ساتھ مخصوص ہو تو گو وہ اس کی حقیقت سے خارج ہو لیکن اس میں یعنی مخصوص میں وہ موثر ہوتی ہے اور مضارع کا جزم لام امر اور لائے نہیں سے اس لیے ہے کہ لام امر اور لائے نہیں ان شرطیہ کے مشابہ ہیں کہ جس طرح ان شرطیہ مضارع کو حال سے استقبال کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ اور ان شرطیہ سے مضارع اس لیے مجزوم ہوتا ہے کہ وہ مضارع کے ساتھ خاص ہے کہ وہ مضارع کے سوا کسی اور فعل پر داخل نہیں ہوتا اور دیگر کلمات شرط کی وجہ سے مضارع اس لیے مجزوم ہوتا ہے کہ ان شرطیہ کو متضمن ہیں۔ کلم مجازاة ان اور مہما اور اذما اور حیما اور ابن اور متی اور ما اور من اور اتی اور انٹی ہیں۔

واما مع کیفما: یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ مضارع جس طرح کلمات مذکورہ بالا سے مجزوم ہوتا ہے اسی طرح کیفما اور اذما سے بھی مجزوم ہوتا ہے تو اس کا جواب مصنف نے دیا کہ مضارع کا ان سے مجزوم ہونا شاذ ہے، کیوں کہ کیفما میں تو عموم احوال کے لیے آتا ہے جیسے کیفما تقرأ افراً اور دو قاریوں کا جمع احوال و کیفیات میں مساوی ہونا ممکن نہیں اور اذما میں شاذ اس لیے ہے کہ دیگر کلمات ان کے معنی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے مضارع کو جزم دیتے ہیں جب کہ اذما ان کے معنی کو شامل نہیں ہے، کیوں کہ ان ابہام کے لیے ہوتا ہے، جب کہ اذیقین کے لیے اور ان دونوں میں منافات ہے۔

بان مقدرة: اور مضارع ان مقدر کی وجہ سے بھی مجزوم ہوتا ہے، اب رہی بات کی ان کب مقدر ہوگا تو آگے اس کی بحث آئے گی۔

فلم لقب المضارع: لم مضارع میں دو طرح کی معنوی تبدیل پیدا کرتا ہے، ایک تو یہ ہے کہ وہ مضارع کو ماضی اور دوسرے منفی کے معنی میں کر دیتا ہے یعنی جب لم مضارع پر داخل ہوتا ہے تو وہ اسے ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے جیسے لم بضرب اور لَمَّا بھی لم کی طرح مضارع کو فعل ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے البتہ دونوں میں فرق یوں ہے کہ لَمَّا کے ذریعے فعل کی نفی کی جاتی جس کی توقع اور امید کی جاتی ہے دوسرے لَمَّا میں نفی کا استغراق ہوتا ہے یعنی پورے زمانہ ماضی میں نفی کیے جانے کے وقت سے

لے کر زمانہ تکلم تک کے پورے عرصہ میں نفی ہوتی ہے جیسے لَمَّا يَرْكَبُ الْاَمِيرُ لِعِنِّي امير کا سوار نہ ہونا عدم رکوب کے زمانہ سے تکلم کے زمانہ تک مسلسل ہے۔ نیز ایک فرق یہ بھی ہے کہ لَمَّا کے بعد فعل کا حذف جائز ہے، کیوں کہ ميم زائد فعل کی قائم مقام بن جاتی ہے نیز لَمَّا پر حرف شرط داخل نہیں ہو سکتا جب کہ لم پر داخل ہو سکتا ہے۔

ولام الامر المطلوب بها الفعل: اور لام امر جس سے فعل طلب کیا جاتا ہے وہ مسکور ہوتا ہے، ایک تو اس وجہ سے تاکہ لام ابتدائیہ تاکیدیہ سے اشتباہ نہ ہو دوسرے لام چارہ کے ساتھ اختصاص میں مشابہت پائی جاتی ہے اور لام جارہ خود مسکور ہوتا ہے، لہذا لام امر بھی مسکور ہوگا جیسے ليضرب۔ اور لائے نمی اس سے ترک فعل مطلوب ہوتا ہے یہ حاضر اور غائب سب کے لیے یکساں استعمال ہوتا ہے لام امر کی طرح صرف غائب اور متکلم کے لیے ہی مستعمل نہیں ہوتا جیسے لَا تَلْعَبُ اور لَا يَسْرِقُ زَيْد۔
و کلم المعجزة: اور کلمات شرط و جزا و فعلوں پر داخل ہوتے ہیں، تاکہ اول فعل سبب اور دوسرا متبب ہو جائے، یعنی کلمات شرط و جزا کے داخل ہونے کے بعد متکلم فعل اول کے سبب اور ثانی کے متبب ہونے کا اعتبار کر لیتا ہے چاہے اول واقع میں ثانی کے لیے سبب ہو یا نہ ہو۔ جیسے ان تَشْتَمِنِي فَامْكُ مَتَلِكُ پس شتم، اگر ام کا سبب حقیقی نہیں ہے نہ ذہن میں اور نہ ہی خارج میں لیکن متکلم نے ان دونوں کے درمیان سمیت کا اعتبار کر لیا ہے مکارم اخلاق کے اظہار کے لیے۔

و یسمیان: فعل اول کا نام شرط اور ثانی کا جزا ہوتا ہے۔ اول کا نام شرط اس لیے ہے کہ وہ ثانی کے وقوع کے لیے شرط ہے اور دوسرے کا نام جزا اس لیے ہے کہ اس کی بناء اول پر ایسے ہی ہوتی ہے جیسے جزا کی بناء شرط پر ہوتی ہے۔

فَان كَانَ مَضَارِعِينَ اَوْ الْاَوَّلُ فَالْحِزْمُ وَاِنْ كَانَ الثَّانِي فَالْوَجْهَانِ وَاِذَا كَانَ الْجِزَاءُ مَاضِيًا بَغَيْرِ قَدْ لَفْظًا اَوْ مَعْنَى لَمْ يَجِزُ الْفَاءُ وَاِنْ كَانَ مَضَارِعًا مَشْبُتًا اَوْ مَنفِيًا بِلَا فَالْوَجْهَانِ وَاِلَّا فَالْفَاءُ.

ترجمہ:- اگر دونوں فعل مضارع ہوں یا صرف اول ہو تو جزم واجب ہے اور اگر ثانی مضارع ہو تو دو وجہیں ہیں۔ اور جب جزاء ماضی بغیر قد کے ہو خواہ ماضی ملفوظ ہو یا معنی ہو تو فاء درست نہیں ہے اور اگر مضارع مثبت یا منفی بلا ہو تو دو وجہیں ہیں ورنہ فاء واجب ہے۔

توضیح:- جب شرط و جزاء دونوں مضارع ہوں جیسے ان تَزِدْنِي اَزْرَكَ یا صرف شرط مضارع ہو جیسے ان تَزِدْنِي زَرْتَكَ تو جزم واجب ہے یعنی صورت اول میں شرط و جزا دونوں مجزوم ہوں گے، کیوں کہ دونوں معرب ہیں اور جازم بھی موجود ہے، اور صورت ثانی میں کہ شرط مضارع اور جزا

ماضی ہو تو بھی جزم شرط میں واجب ہے، کیوں کہ وہ معرب ہے اور جازم پایا جا رہا ہے۔

وان كان الثاني: اور اگر شرط تو ماضی ہو اور جزا مضارع ہو جیسے ان خرجت لم اخرج تو دو جہیں درست ہیں رفع اور جزم دونوں صحیح ہیں رفع تو اس لیے کہ جب حرف شرط میں عامل نہیں ہے جو کہ اس سے قریب ہے تو جزاء میں بدرجہ اولیٰ عمل نہ کر سکے گا، کیوں کہ وہ اس سے بمقابلہ شرط کے بعید ہے۔ اور جزم کی اجازت تو اس لیے ہوگی کہ وہ معرب ہے اور جازم پایا جاتا ہے۔

واذا كان الجزاء: اگر جزا ماضی بغیر قد کے ہو خواہ وہ ماضی لفظاً ہو جیسے ان ضربت ضربت یا معنی ہو بایں طور کہ لم مضارع پر داخل ہو جیسے ان تلعب لم تفرز تو جزا پر فاء کا لانا درست نہ ہوگا، کیوں کہ جزا کے معنی میں حرف شرط کی تاثیر پائی جا رہی ہے کہ ماضی بمعنی مستقبل ہو گیا، لہذا ربط بالفاء کی کوئی ضرورت نہیں۔

وان كان مضارعاً مثبتاً: اگر جزا مضارع مثبت ہو جیسے ان صلیت فیصلی یا منفی بلا ہو جیسے ان تضرب لا یقرء تو دو جہیں درست ہیں فاء کا لانا بھی اور ترک فاء بھی، فاء جزا سے کے لانے کی اجازت اس لیے ہے کہ حرف شرط نے معنی میں ویسا اثر نہیں کیا جیسا ماضی میں اثر کرتا ہے اور ترک فاء اس لیے درست ہے کہ حرف شرط معنی میں مؤثر ہے پس حیثیت کہ وہ مضارع حرف شرط کی وجہ سے استقبال کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے، لہذا من وجہ تاثیر پائی گئی پس فاء جزا سے کا ترک درست ہے۔ فاء کی مثال جیسے ومن عاد فینتقم اللہ اور ترک فاء کی مثال جیسے ان یتکن منکم ألف یغلبوا ألفین اور جب مضارع منفی بلا ہو تو اس میں دو جہیں اس لیے درست ہیں کہ اگر لاکوئی استقبال کے لیے مانا جاتا ہے تو حرف شرط بلا تاثیر کے ہو جاتا ہے، کیوں کہ معمول واحد پر دو علتوں کا اجتماع ناپسندیدہ ہے، لہذا فاء کا لانا ربط کے واسطے مناسب ہے اور اگر لاء کا محض نفی کے لیے مانا جائے تو حرف شرط کے لیے اس میں تاثیر پیدا ہو جائے گی، کیوں کہ وہ مضارع کو برائے استقبال کر دیتا ہے لہذا ترک فاء جائز ہے اول کی مثال جیسے فَمَنْ يَوْمَ بَرَبِهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا اور دوسرے کی مثال جیسے ان تجلس لا تتصل الي المنزل.

والا فا الفاء: اگر جزا ماضی بغیر قد کے لفظاً یا معنی نہ ہو اور نہ ہی وہ مضارع مثبت بغیر سین اور سوف ہو نیز وہ مضارع منفی بلا بھی نہ ہو تو اس کی متعدد صورتیں ہیں (۱) جزا ماضی ہو اور قد لفظی کے ساتھ ہو جیسے ان تسرق فقد سرق اخ له من قبل یا قد معنی کے ساتھ ہو جیسے ان كان قميصه قد من قبل فصدقت وهو من الكاذبين پس تقدیر عبارت ہے فقد صدقت. (۲) یا جزا مضارع ہو جو سین اور سوف کے ساتھ ہو، (۳) یا مضارع منفی بلکن ہو (۴) یا جزا جملہ اسمیہ ہو (۵) یا امر و نہی یادعا ہو، تو ان تمام صورتوں میں فاء جزا سے لانا واجب ہے، اس لیے کہ حرف شرط جزا میں نہ تو معنی مؤثر ہے کہ اس کو مستقبل

کے معنی میں کر دے اور نہ ہی لفظاً مؤثر ہے کہ جزا کو مجرم کر دے لہذا ربط کے لیے فاء کا لانا ضروری ہے، بقیہ کی مثالیں آپ خود اخذ کر سکتے ہیں۔

ویجی اذا مع الجملة الاسمية موضع الفاء .

ترجمہ: - اذا جملہ اسمیہ کے ساتھ فاء کی جگہ آتا ہے۔

توضیح: - مطلب یہ ہے کہ جب جزا جملہ اسمیہ ہو تو فاء جزا اسمیہ کی جگہ جملہ اسمیہ کے ساتھ اذا آسکتا ہے جیسے وان تصبهم بما قدہ ، ایدیہم اذا ہم یقنطون، البتہ فاء کا استعمال ہی کثیر ہے ایسا اس لیے کہ اذا منفا جاتیہ بھی فاء کی طرح تعقیب پر دلالت کرتی ہے، اس لیے اس کو فاء کے قائم مقام بنایا جاسکتا ہے۔

وَأَنَّ مَقْدَرَةَ بَعْدَ الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ وَالِاسْتِفْهَامِ وَالرَّمْنَى وَالْعَرَضِ إِذَا قَصِدَ السَّبْبِيَّةَ نَحْوُ أَسْلِمَ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَلَا تَكْفُرُ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَامْتَنَعَ لَا تَكْفُرُ تَدْخُلُ النَّارَ خِلَافًا لِلْكَسَائِيِّ لِأَنَّ التَّقْدِيرَ أَنْ لَا تَكْفُرُ .

ترجمہ: - اور ان امر اور نہی استفہام اور تمنی اور عرض کے بعد مقدر ہوتا ہے جب سببیت کا ارادہ کیا جائے جیسے أَسْلِمَ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ اور لَا تَكْفُرُ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ اور نَا جَا ز ہے لَا تَكْفُرُ تَدْخُلُ النَّارَ مخالفت کرتے ہوئے کسائی کی اس لیے کہ تقدیر ان لَا تَكْفُرُ النَّارَ ہے۔

توضیح: - ان امر اور نہی اور استفہام اور تمنی اور عرض کے بعد مقدر ہوتا ہے جب اس بات کا قصد کیا جائے کہ ما قبل ما بعد کے لیے سبب ہے پس ان اشیاء کے بعد ان مقدر ہوگا اور وہ اس لیے کہ یہ اشیاء طلب پر داخل ہوتی ہیں اور طلب عموماً ایسے مطلوب سے متعلق ہوتا ہے کہ جس پر کوئی ایسا فائدہ مرتب ہو سکے کہ وہ مطلوب اسی فائدہ کے لیے سبب اور وہ فائدہ اس مطلوب کے لیے مستبب بن جائے۔ اور سببیت پر داخل حرف شرط ہوتا ہے اور حرف شرط لفظوں میں مذکور نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ مقدر ہے۔ جیسے أَسْلِمَ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ کہ اسلم کے بعد ان مقدر ہے، کیوں کہ اسلام دخول الجنة کا سبب ہے، اور لَا تَكْفُرُ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ صحیح ہے، کیوں کہ عدم کفر دخول الجنة کا سبب ہے لہذا اس نہی کے بعد ان مقدر ہے البتہ لَا تَكْفُرُ تَدْخُلُ النَّارَ صحیح نہیں ہے، کیوں کہ عدم کفر دخول نار کا سبب نہیں ہے، بلکہ کفر دخول نار کا سبب ہے پس یہ ترکیب صحیح نہ ہوگی البتہ کسائی کے یہاں یہ ترکیب درست ہے، کیوں کہ ان کے نزدیک بحسب العرف اس کا مطلب ہے ان تَكْفُرُ تَدْخُلُ النَّارَ اور یہ صحیح ہے۔ حاصل یہ ہے کہ کسائی کے نزدیک اس جگہ عرف شرط مثبت کا قرینہ ہے پس مطلب یہ ہوگا کہ کفر دخول نار کا باعث ہے اور یہ بات صحیح ہے۔ جب کہ جمہور کے نزدیک تقدیر ان لَا تَكْفُرُ ہے جو صحیح نہیں ہے۔

اب ایک سوال اور اس کا جواب سمجھ لو۔ سوال یہ ہے کہ بہت سے مقامات پر مضارع امر کے بعد واقع ہے، لیکن وہ ان مقدرہ کی وجہ سے مجزوم نہیں ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يٰرَبِّیْ پس یرثی امر کے بعد واقع ہے اور تُمْ ذَرَهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ پس یَلْعَبُوْنَ امر کے بعد واقع ہے اور شاعر کا قول شعر وقال رالدهم اَرَسُوا نَزْوَالَهَا فكلُّ حنْف امری ببحری بمقدار پس اَرَسُوا امر کے بعد مضارع نَزْوَالَهَا واقع ہے۔ شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ: ان کے رہنما۔ انہ کہا کہ ٹھہرو ہم مقابلہ کریں گے کیوں کہ ہر آدمی کی موت وقت مقررہ پر ہی آتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ امر وغیرہ کے بعد مضارع ان مقدرہ کی وجہ سے تب مجزوم ہوتا ہے جب سببیت کا ارادہ کیا جائے اور مذکورہ مثالوں میں ایسا نہیں ہے بلکہ پہلی مثال میں مضارع وَلِيًّا کی صفت ہے جب کہ دوسری مثال میں یَلْعَبُوْنَ برائے حال ہے اور تیسری مثال میں برائے استیفاف ہے پس جب سببیت کے معنی مفقود ہیں تو مضارع کا ان مقدرہ کی وجہ سے مجزوم ہونا بھی ندراد ہے، پس کوئی اعتراض کی بات نہیں۔

الامر یطلب بها الفعل من الفاعل المتخاطب بحذف حرف المضارعة وحکم آخره حکم المجزوم فان كان بعده ساکن و ليس رباعی زدت همزة وصل مضمومة ان كان بعده ضمة ومكسورة فيما سواه مثل اُقتل واضرب واعلم وان كان رباعیاً لمفتوحة مقطوعة .

ترجمہ:- امر ایسا میثکہ ہے کہ جس کے ذریعہ فعل، فاعل مخاطب سے طلب کیا جاتا ہے حرف مضارع کے حذف کے ساتھ اور امر کے آخر کا حکم مجزوم کا حکم ہے پس اگر حرف مضارع کے حذف کے بعد ساکن ہو اور وہ رباعی نہ ہو تو ہمزة وصل مضموم زیادہ کر دو اگر اس کے بعد ضمہ ہو اور مکسور زیادہ کر دو اس کے علاوہ میں جیسے اُقتل اور اضرب اور اعلم اور اگر فعل رباعی ہو تو ہمزة وصل مفتوح ہوگا۔

توضیح: اب امر حاضر معروف کی تعریف کر رہے ہیں کہ امر حاضر معروف ایسے میثکہ کو کہتے ہیں کہ جس کے واسطے سے فاعل مخاطب سے فعل کو علامت مضارع کے حذف کے ساتھ طلب کیا جائے پس میثکہ بطلب بها الفعل بمنزلة جنس کے ہے جو ہر طرح کے امر کو خواہ غائب ہو یا مخاطب اور متکلم، معروف ہو یا مجہول شامل ہے اور من الفاعل کی قید فعل اول ہے جس کے ذریعہ اجتراز ہو گیا مجہول سے خواہ حاضر مجہول ہو یا متکلم اور غائب مجہول اور مخاطب کی قید سے غائب سے اجتراز ہو گیا اور بحذف حرف المضارعة کی قید سے فلتفرحوا جیسے ہے۔

وحکم آخره: اور امر حاضر معروف کے آخر کا حکم وہ بصریوں کے نزدیک وقف ہے اور سکون پر مبنی ہوتا ہے، البتہ کوئیوں کے نزدیک معرب ہے جو حقیقتاً مجزوم ہے، بہر حال صورتاً امر کے آخر کا حکم مجزوم

کے حکم کی طرح ہے کہ جس طرح مجزوم کا آخر صحیح ہونے کی صورت میں ساکن ہوتا ہے اور نون اعرابی نیز حرف علت ساکن ہو جاتا ہے اسی طرح امر کے آخر میں بھی ہوگا، اس لیے کہ وہ امر کہ جس کے شروع میں لام امر ہوتا ہے جب وہ مجزوم سے مشابہ ہے تو مجزوم کا حکم مطلق امر کو دے دے دیا گیا۔

فان كان بعده ساکن: خلاصہ یہ ہے کہ علامت مضارع حذف کرنے کے بعد دیکھا جائے گا کہ فاعل ساکن ہے یا متحرک بصورت ثانی ہمزہ وصل کی کوئی ضرورت نہیں جیسے تعدد سے عذ اور بصورت اول بشرطیکہ وہ چہار حرفی فعل نہ ہو اگر عین کلمہ مضموم ہے تو ہمزہ وصل مضموم کا شروع میں اضافہ کر دیں گے، تاکہ ابتداء بالسکون لازم نہ آئے ہمزہ وصل مضموم نے کی ایک وجہ تو یہی ہے کہ عین کلمہ کی موافقت ہو جاتی ہے دوسرے ہمزہ وصل مفتوح لانے کی صورت میں واحد تکلم فعل مضارع کے ساتھ وقتاً اشتباہ بھی ہو جاتا جیسے اقبل اور ہمزہ وصل مکسور کی صورت میں کسرہ سے ضمہ کی طرف لگانا لازم آتا ہے جیسے اقبل۔

اور اگر عین کلمہ مکسور ہو یا مفتوح تو ہمزہ وصل مکسور شروع میں سے آئیں گے ایسا اس لیے تاکہ ہمزہ وصل مکسور عین کلمہ کے کسرہ کے موافق ہو جائے اور عین کلمہ کے مفتوح ہونے کی صورت مکسور پر محمول ہے۔ نیز مکسور العین کی صورت میں اگر ہمزہ وصل مفتوح لایا جاتا تو باب افعال کے امر سے اشتباہ ہوتا، کیوں کہ اس کا ہمزہ مفتوح ہوتا ہے اور مفتوح العین کی صورت میں فتح کی تقدیر پر باب افعال کے فعل ماضی مجہول کے ساتھ اشتباہ پیدا ہو جاتا جیسے اقبل اور اضرب اور اعلم۔

وان كان رباعياً: اور اگر وہ فعل کہ جس سے علامت مضارع کو حذف کیا گیا ہے رباعی ہو تو ہمزہ مفتوح قطعی یعنی اصلی شروع میں ہوگا، اس لیے کہ ہمزہ وصلی نہیں ہے، بلکہ قطعی ہے جو مانع کے دور ہو جانے کی وجہ سے لوٹ آیا، کیوں کہ مضارع کے واحد تکلم میں اجتماع ہز تین کی وجہ سے ایک ہمزہ حذف کر دیا گیا تھا، لیکن جب امر بنایا گیا تو وہ مانع دور ہو گیا جیسے اکرم۔

فعل ما لم یسم فاعله هو ما حذف فاعله فان كان ماضياً ضمَّ اوله وكسره ما قبل آخره ويضمُّ الثالث مع همزة الوصل والثانی مع التاء خوف اللبس ومعتل العین الا فصح قبل وبيع وجاء الاشمام والواو ومثله باب اختیار و انقید دون استخیر والیم وان كان مضارعاً ضمَّ اوله وفتح ما قبل آخره ومعتل العین ينقلب فيه العین الفاء۔

ترجمہ :- فعل ما لم یسم فاعله هو فعل ہے جس کا فاعل حذف کر دیا گیا ہو پس اگر وہ فعل ماضی ہو تو اس کا شروع حرف مضموم ہوگا اور آخر کا ما قبل مکسور ہوگا اور تیسرا حرف مضموم ہوگا ہمزہ وصل کے ساتھ اور دوسرا حرف مضموم ہوگا تاء کے ساتھ اشتباہ کے خوف سے اور معتل العین فصیح ترین لغت کے مطابق قبل اور بیع ہے اور اشمام اور واو بھی آیا ہے اور اسی کے مثل باب اختیار اور انقید ہے نہ کہ استخیر اور الیم۔ اور

اگر فعل مضارع ہو تو اس کا شروع حرف مضموم ہوگا اور آخر کا ماقبل مفتوح۔ اور معتل عین اعمیٰ میں عین کلمہ الف سے بدل جائے گا۔

توضیح:- فعل مالم یم فاعلہ وہ فعل ہے جس کا فاعل محذوف ہو اور مفعول اس کا قائم مقام ہو۔ اس سلسلے کی تفصیل مرفوعات میں گذر چکی ہے ایسا اس وقت ہوتا ہے جب فعل مجہول ہو، چنانچہ اس کا طریقہ بتلاتے ہیں۔

فان كان ما ضیا: اگر فعل ماضی ہو تو اس کے مجہول بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے شروع حرف کو مضموم کر دیا جائے اور آخر کے ماقبل کو کسرہ دے دیا جائے جیسے نُصِرَ اَنْكِرِمَ ایسا اس لیے کیا، تاکہ ماضی مجہول کا ماضی معروف کے ساتھ خلط ملط نہ ہو، اور اگر وہ فعل ماضی ہمزہ وصل کے ساتھ ہے یعنی اس کے شروع میں ہمزہ وصل ہے تو ہمزہ وصل سمیت تیسرا حرف مضموم ہوگا آخر کے ماقبل کے کسرہ کے ساتھ جیسے اَجْتَبَبَ اَسْتَنْصِرَ ایسا اس لیے کیا تاکہ اسی باب کے امر کے ساتھ درج یعنی درمیان کلام اور وقف میں اشتباہ نہ پیدا ہو۔

و الثاني مع التاء: اگر اس فعل ماضی کے شروع میں تاء زائدہ ہے تو دوسرے حرف کو مع تاء ضمہ دیا جائے گا جیسے اُجوبَلْ اور تقوبَلْ ایسا اس لیے کریں گے تاکہ باب تفعّل میں باب تفعیل کے مضارع معروف کے ساتھ اور باب تفاعل میں باب مفعلة کے مضارع معروف کے ساتھ اور باب تفعّل کی صورت میں باب فاعلة کے مضارع معروف کے ساتھ اشتباہ نہ پیدا ہو۔

اب یہ بات اور سمجھ لو کہ تغیر برائے مجہول کے لیے اول کا مضموم ہونا اور آخر کے ماقبل کا مکسور ہونا کیوں اختیار کیا تو دراصل بات یہ ہے کہ فعل مالم یم فاعلہ کے معنی غریب اور انوکھے ہیں، کیوں کہ اس میں فعل کی نسبت بجائے فاعل کے مفعول کی طرف ہوتی ہے، حالاں کہ فاعل کی طرف ہونا چاہیے، لہذا اس کے لیے انوکھے وزن کا انتخاب ہوا جو دیگر اوزان میں موجود نہیں ہے ضمہ سے کسرہ کی طرف جاتے ہوئے، تاکہ وزن کی غرابت معنی کی غرابت اور ندرت پر دلالت کرے۔

و معتل العين: اور جب ماضی معتل العین ہو یعنی اس کے عین کلمہ میں حرف علت ہو یہاں معتل عین سے مراد وہ کلمہ ہے جس کے صرف عین کلمہ میں حرف علت ہو پس اگر عین کلمہ کے ساتھ لام کلمہ میں بھی حرف علت ہو تو مذکورہ تعلیل نہ ہوگی جیسے طویٰ تاکہ اجتماع الاعلین سے بچا جاسکے۔ پس اگر اس کے عین کلمہ میں حرف علت ہے تو حسب قاعدہ فاء کلمہ مضموم اور عین کلمہ مکسور ہوگا تو بر بنائے نقل فاء کلمہ کی حرکت ختم کرنے کے بعد عین کلمہ کا کسرہ ماقبل کو نقل کر دیں گے پس کسرہ کی مناسبت سے عین کلمہ کا واو یا ء سے بدل جائے گا جیسے قبیل البتہ بیع میں صرف یا ء کا کسرہ ہاء کی طرف نقل ہوا، کیوں کہ وہ پہلے سے یا ء ہے پس قبیل اور بیع

کی اصل فُؤَلٌ اور بُیْعٌ صحیحی بعد التحلیل قبیل اور بیع ہو گیا یہی لغتِ فتح ہے۔

جاء الاشمام: اشمام کا مطلب یہ ہے کہ فاء کلمہ کے کسرہ کو ضمہ کی طرف مائل کر دیا جائے پس مثال مذکور میں یاء کو ہلکا سا واؤ کی طرف مائل کرنا اشمام کہلائے گا ایسا اس لیے کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ فاء کلمہ مضموم ہے۔ اور واؤ کے ساتھ بھی استعمال ہے پس فُؤَلٌ و بُؤَعٌ بولا جاتا ہے عین کلمہ کو ساکن کر دیا گیا پس معتل عین یائی میں یا ساکنہ کو ماقبل کے ضمہ کی وجہ سے واؤ سے بدل دیا۔

ومثله باب اختیار: خلاصہ عبارت یہ ہے کہ جس طرح ثلاثی مجرد کے معتل عین ماضی مجہول میں تینوں لغتیں درست ہیں، اسی طرح باب افتعال اور انفعال کے معتل عین ماضی مجہول میں بھی سابقہ وجوہ درست ہیں، لہذا اختیار اور انقید میں بھی عین کلمہ کی حرکت ماقبل کو نقل کی جاسکتی ہے پس واوی کی صورت میں یائی سے واو بدل جائے گا جیسے کہ انقید دراصل انْقُوذَ تھا پس قاف کی حرکت کے زائل کرنے کے بعد واؤ کی حرکت ماقبل نقل کر دی اور واؤ کسرہ کی مناسبت سے یا سے بدل گیا انقید ہو گیا اختیار میں چون کہ عین کلمہ یائی ہے، لہذا صرف نقل حرکت ہوگی اسی طرح اشمام بھی درست ہے، نیز بلا نقل عین کا اسکان بھی درست ہے، پس اس صورت میں معتل عین یائی واؤ سے بدل جائے گا جیسے اُخْتُوْرٌ اور انْقُوذَ پس پہلی مثال میں واؤ یا سے بدل کر استعمال ہے جب کہ مثال ثانی میں قلب کی ضرورت نہیں پڑی ان وجوہ تلاش کی اجازت اس لیے ہے کہ دونوں جگہ علت میں مشارکت پائی جاتی ہے۔

البتہ اُستخِرَ اور اُقِمَ میں یہ وجوہ تلاش درست نہیں ہے، حالاں کہ یہ بھی معتل عین ہے اس لیے کہ معتل عین سے باب استفعال اور انفعال میں حرف علت کا ماقبل ساکن ہوتا ہے، جب کہ سابقہ مثالوں میں متحرک تھا لہذا مسائلت نہیں پائی گئی پس صرف ایک وجہ درست ہوگی وہ ہے حرف علت کا ماقبل کسرہ کے ماقبل حرف صحیح ساکن تھا جسے حرف علت کا کسرہ نقل کر کے دے دیا گیا، پس واوی کی صورت میں وہ یاء سے بدل گیا۔

المتعدی وغير المتعدی فالمتعدی ما يتوقف فهمه على متعلق كضرب وغير المتعدی بخلافه كقعد والمتعدی يكون الى واحد كضرب والى اثنين كاعطى وعلم والى ثلاثة كاعلم وارى وانباء ونباء وأخبر وخبر وهذه مفعولها الاول كمفعول اعطيت والثاني والثالث كمفعولني علمت.

ترجمہ :- فعل متعدی اور غیر متعدی۔ پس متعدی وہ ہے جس کا سمجھنا کسی متعلق پر موقوف ہو جیسے ضرب اور غیر متعدی وہ فعل ہے جو اس کے برخلاف ہو ایسے قعد اور فعل کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے ضرب اور کبھی دو مفعولوں کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے جیسے اعطی اور علم اور تین مفعولوں کی طرف بھی متعدی ہوتا ہے جیسے اعلم اور اری اور انباء اور نباء اور اخبر اور خبر حدث اور یہ

افعال ان کا مفعول اول اعطیت کے مفعول کی طرح ہے اور ان کا مفعول ثانی اور ثالث علمت کے دونوں مفعولوں کی طرح ہیں۔

توضیح: - معلوم ہونا چاہیے کہ فعل دو قسموں پر ہے یا تو فعل متعدی ہوگا یا غیر متعدی کیوں کہ اس کا سمجھنا یا تو فاعل کے ماسوا کسی متعلق پر موقوف ہوگا یا نہیں اول متعدی ہے جیسے ضرب کیوں کہ اس کا سمجھنا ایک ایسی چیز پر موقوف ہے کہ جس سے ضارب کا ضرب متعلق ہوتا ہے اور دوسرا غیر متعدی ہے جیسے قعد کیوں کہ اس کا سمجھنا کسی ایسی چیز پر موقوف نہیں ہے جس سے قاعد کا قعود متعلق ہوتا ہے۔

دھیان رہے کہ غیر متعدی تین چیزوں کے ذریعہ متعدی ہو جاتا ہے اول ہمزہ کہ اس کے اضافہ سے بھی غیر متعدی متعدی بن جاتا ہے جیسے اذہبت زیداً دوسرے عین کلمہ کا مضاعف کر دینا جیسے فرحٹ زیداً تیسرے حرف جر جیسے ذہبت بزید۔

والمتعدی: وہ فعل جو متعدی ہوتا ہے تو اس کی تین صورتیں ہیں، متعدی بیک مفعول جیسے ضرب زید عمروا ہے ضرب ایک مفعول کو چاہتا ہے۔ دوسری قسم متعدی بدو مفعول کی کہ فعل کا سمجھنا دو پر موقوف ہوتا ہے جیسے اعطی اور علم بولا جاتا ہے اعطیت زیداً درہما اور علمت زیداً قائماً پہلے مثال میں مفعول ثانی اول کا غیر ہے اور دوسری مثال میں مفعول ثانی باعتبار مصداق کے اول ہی ہے اور تیسری قسم متعدی بئز مفعول جیسے اعلم اور اری سے حدت تک بولا جاتا ہے اعلمت زیداً عمروا فاضلا اخیرت ہاشما قاسماً کتابا اسی طرح باقی کی مثالیں نکال لیجیے۔

معلوم ہو کہ متعدی بئز مفعول میں اصل اعلم اور اری ہیں جو تین مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے ہیں، اس لیے کہ اعلم اور اری درحقیقت دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتے تھے لیکن جب ان پر ہمزہ زیادہ کر دیا تو ایک مفعول کا اور اضافہ ہو گیا۔ بقیہ انباء اور نباء اخیر و خبر و جدت وغیر بالواسطہ متعدی بئز مفعول ہیں یعنی یہ افعال خمسہ اعلم و اری کے معنی پر مشتمل ہیں اس لیے یہ بھی متعدی بئز مفعول ہونے لگے۔

وہذہ ومفعولہا الاول: اس کا حاصل یہ ہے کہ ان افعال متعدی بئز مفعول کا مفعول اول اعطیت کے مفعول کی طرح ہے کہ جس طرح اعطیت کے دونوں مفعولوں کا حذف درست ہے، اسی طرح ان کے مفعول اول کو بھی حذف کیا جاسکتا ہے۔ اور ان کا دوسرا اور تیسرا مفعول علمت کے دونوں مفعولوں کی طرح ہے کہ یا تو دونوں کو ذکر کیا جائے یا دونوں کو حذف کر دیا جائے ایک کو حذف اور دوسرے کو ذکر کرنا صحیح نہیں ہے، کیوں کہ ان کا مفعول ثانی اور ثالث درحقیقت علمت کے دونوں مفعول ہیں اور علمت کے دونوں میں سے ایک کا حذف اور دوسرے پر اکتفاء درست نہیں ہے، لہذا ان میں بھی اکتفاء علی الواحد صحیح نہ ہوگا، ایسا اس لیے ہے کہ علمت کے دونوں مفعول بمنزلہ شیء واحد کے ہیں لہذا ایک کا ذکر

اور دوسرے کا حذف جڑے کلمہ کے ذکر کی طرح ہوگا جو غیر مناسب ہے۔ لہذا اعلمت عمروا خیرا الناس بغیر اول کے ذکر کیے کہا کہا جاسکتا ہے، لیکن اعلمت زید عمروا بغیر مفعول ثالث کے یا اعلمت زیدا خیر الناس بغیر ثانی کے کہنا درست نہ ہوگا۔

الفعال القلوب ظننت وحببت وخلصت وزعمت وعلمت ورايت ووجدت تدخل على الجملة الاسمية لبيان ما هي عنه فتصب الجزئين، ومن خصائصها انه اذا ذكر احدهما ذكر الآخر بخلاف باب اعطيت ومنها جواز الالغاء اذا توسطت او تاخرت لاستقلال الجزئين كلاما ومنها انها تعلق قبل الاستفهام والنفي واللام مثل علمت ازيد عندك ام عمرو ومنها انها يجوز ان يكون فاعلها ومفعولها ضميرين لشيء واحد مثل علمتني منطلقا، وبعضها معنى آخر يتعدى به الى واحد فظننت بمعنى اتهمت وعلمت بمعنى عرفت ورايت بمعنى ابصرت ووجدت بمعنى اصبت.

ترجمہ:- افعال قلوب ظننت اور حببت اور خلت اور زعمت اور علمت اور رايت اور وجدت ہیں جو جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اس چیز کے بیان کے لیے کہ جملہ جس سے صادر ہونے والا ہے۔ پس یہ دونوں جڑوں کو نصب کرتا ہے۔ اور افعال قلوب کے خصائص سے ہے کہ جب اس کے دو مفعولوں میں سے کوئی ایک ذکر کیا جائے گا تو دوسرا بھی ذکر کیا جائے گا بخلاف باب اعطيت کے۔ اور من جملہ خصائص سے ہے الغاء کا جاز ہونا جب افعال قلوب دونوں مفعولوں کے بیچ میں واقع ہوں یا دونوں سے مؤخر ہوں دونوں جڑوں کے مستقل کلام ہونے کی وجہ سے۔ اور من جملہ خصائص یہ ہے کہ افعال قلوب کو معلق کر دیا جاتا ہے استفہام اور نفی اور لام سے پہلے جیسے علمت ازید عندک او عمروا۔ اور من جملہ خصائص سے یہ ہے کہ ان کا فاعل اور مفعول شیء واحد کی ضمیریں ہوں۔ جیسے علمتني منطلقا۔ اور بعض افعال قلوب کے لیے ایک دوسرے معنی ہیں جس کی وجہ سے ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں پس ظننت اتهمت کے معنی میں ہے اور علمت، عرفت کے معنی میں ہے اور رايت، ابصرت کے معنی میں اور وجدت اصبت کے معنی میں ہے۔

توضیح:- افعال قلوب میں سے ظننت اور حببت اور خلت برائے شک ہیں اور علمت اور رايت اور وجدت یہ تینوں یقین کے لیے مستعمل ہوتے ہیں اور زعمت یقین اور شک میں مشترک ہے یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں اس چیز کو بیان کرنے کے لیے کہ وہ جملہ جس سے

عبارت ہے یعنی علم وطن وغیرہ۔

یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں کہ جو افعال جملہ پر داخل ہوتے ہیں تو ان سے مقصود جملہ کے اجزا میں عمل ہوتا ہے اور فعل کا عمل جملہ فعلیہ میں متعذر ہے اور بہر حال جملہ فعلیہ کے پہلے جزء میں تو اس لیے کہ فعل کا عمل دوسرے فعل میں ناممکن ہے اور دوسرے جزء میں تو اس لیے کہ وہ جزء اول کا معمول ہے تو اگر وہ فعل کا معمول ہو جائے تو معمول واحد پر دو عالموں کا آنا لازم آئے گا جو محال ہے۔ لہذا یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوگا اور دونوں جزیوں کا اپنا مفعول بہ بنا کر نصب دے گا۔ جیسے علمت زیدا فاضلاً۔

ومن خصائصها: افعال قلوب کے خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ جب اس کا ایک مفعول ذکر کیا جائے گا تو دوسرے کا بھی ذکر ضروری ہوگا کسی ایک پر اکتفاء درست نہیں بشرطیکہ کوئی قرینہ نہ ہو، اس لیے کہ افعال قلوب کا مفعول درحقیقت مضمون جملہ ہوتا ہے، لہذا اگر ایک کو ذکر کیا جائے اور دوسرے کو حذف کر دیا جائے تو جزء کلمہ کا حذف لازم آئے گا جو درست نہیں۔

البتہ اگر حذف پر کوئی قرینہ ہو تو ایک کا حذف درست ہے جیسے قرآن میں ہے وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنهَمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ پس بخلہم مفعول اول محذوف ہے بخلاف باب: اعطيت: باب اعطيت کے دونوں مفعولوں میں سے ہر ایک کا حذف درست ہے، کیوں کہ اس کے مفاعیل مستقل مفعول ہیں اور مفعول فضلہ ہوتا ہے اور فضلہ کا حذف جائز ہے یا یوں کہا جائے کہ یہاں حذف کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، لہذا اعطيت زیدا کہنا درست ہے بغیر دی ہوئی چیز کے تذکرہ کیے ہوئے اسی طرح اعطيت درہما کہنا درست ہے بغیر اس شخص کا تذکرہ کیے ہوئے جس کو دیا گیا ہے۔

دوسری خصوصیت: ومنها جواز الالغاء: اگر افعال قلوب دونوں مفعولوں کے وسط میں واقع ہو جائیں جیسے زید ظننت قائم یا دونوں سے مؤخر ہوں جیسے زید قائم ظننت تو اس میں دونوں وجہ جائز ہیں یعنی عمل کا ابطال اور اعمال، عمل باطل قرار دینا اور عمل دلانا، اول اس لیے صحیح ہے کہ دونوں مفعول کلام تام ہیں بایں طور کہ وہ مبتدا اور خبر ہیں، لہذا عامل کے ضعف کے ساتھ ان دونوں کا معمول ہونا منع ہو جائے گا، کیوں کہ فعل دونوں سے یا کسی ایک سے مؤخر ہو جاتا ہے دوسری طرف حمل کے صحیح ہونے کی وجہ سے کلام تام ہونے میں کوئی زحمت نہیں ہے۔ اور اعمال بھی درست ہے، اس لیے کہ عامل فعل ہے جو ذاتی طور پر سب سے قوی عامل ہوتا ہے، لہذا عمل کرنا ممکن بھی ہے۔ البتہ جب افعال قلوب فعل اور اس کے مرفوع کے درمیان یا اسم فاعل اور اس کے مفعول کے درمیان اور ان کے دونوں معمولوں کے درمیان اسی طرح معلوف علیہ اور معلوف کے درمیان واقع ہو تو الغاء عمل واجب ہوتا ہے۔

تیسری خصوصیت: ومنها انها تعلق: خلاصہ یہ ہے کہ جب افعال قلوب استفہام اور نفی اور لام

میں سے کسی سے پہلے واقع ہوں تو ان کا عمل معلق ہو جاتا ہے یعنی لفظاً عمل کا ابطال واجب ہو جاتا ہے، البتہ معنی عمل باقی رہتا ہے، ایسا اس لیے ہے کہ یہ تینوں کے تینوں صدارت کلام کو چاہتے ہیں پس اگر عمل دلا دیا جاتا ہے تو ان کی صدارت باطل ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف دونوں جزو موقع نصب میں واقع ہیں، کیوں کہ مثلاً علمت ازید عندک ام عمرو میں علم ان دونوں پر حقیقتاً واقع ہے اس لیے تینوں حروف کی من حیث اللفظ اور افعال کی من حیث المعنی رعایت کر دی گئی نفی کی مثال علمت ما زید فی الدار اور لام کی مثال علمت لزید منطلق۔

ومنہا ما يجوز ان يكون فاعلها: اس کا حاصل یہ ہے کہ افعال قلوب کی یہ خصوصیت ہے کہ ان افعال کے فاعل اور مفعول کی ضمیریں شئی واحد کے لیے ہو سکتی ہیں یعنی دونوں کا مصداق ایک ہو سکتا ہے جیسے علمتی مطلقاً پس اس مثال میں فاعل کی ضمیر انا اور مفعول کی ضمیر یائے متکلم دونوں کا مصداق شئی واحد ہے، جبکہ یہ بات دیگر افعال میں درست نہیں ہے، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس باب کا مفعول فی الحقیقتہ مفعول ثانی ہوتا ہے اور مفعول اول تو ثانی کی تمہید کے طور پر ہوتا ہے، کیوں کہ افعال قلوب کی اصلاً تاثیر ثانی میں ہوتی ہے، لہذا افعال قلوب میں فاعل اور مفعول کی ضمیروں کے شئی واحد کے لیے ہو جانے سے فاعل اور مفعول میں اتحاد لازم نہیں آتا ہے برخلاف دیگر افعال کے کہ وہاں ایسا نہیں ہوتا لہذا ضربتی نہیں کہا جائے گا کیوں کہ فاعل مؤثر ہوتا ہے اور مفعول متاثر، اور مؤثر متاثر کے مغائر ہوتا ہے لفظاً بھی اور معنی بھی درانحالیکہ ضربتی میں دونوں معنی متحد ہیں، لہذا فاعل اور مفعول میں مغایرت کے حصول کے لیے بقدر امکان ان کا لفظاً مغائر ہونا ضروری ہے، چنانچہ ضربت نفسی بولا جائے گا۔

ولبعضها: بعض افعال قلوب کے کچھ ایسے معنی بھی ہوتے ہیں کہ جب وہ اس معنی خاص میں ہوں تو متعدی بیک مفعول ہوتے ہیں جیسے ظننت اتهمت کے معنی میں ہے، اسی طرح علمت عرفت کے معنی میں اور رأیت، ابصرت کے معنی میں اور وجدت أصبت کے معنی میں ہو کر متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔

الافعال الناقصة ما وُضِعَ لتقرير الفاعل علی صفةٍ وہی تکان وصار واصبح وامسى واضحی وظل وبات واض وعاد وعدا وراح وما زال وما انفك وما فتى وما برح وما دام وليس وقد جاء ما جاء ت حاجتک وقعدت کانتها حربة تدخل علی الجملة الاسمیة لا عطاء الخبر حکم معناها فترفع الاول وتنصب الثانی مثل کان زید قائماً فکان تکان ناقصة لشبوت خبرها ماضياً دائماً منقطعاً وبمعنی صار ویكون فیها ضمیر الشان وتكون تاممة بمعنی ثبت وزائدة وصار للانتقال۔

ترجمہ:- افعال ناقصہ وہ افعال ہیں جو کسی صفت پر فاعل کو مقرر کرنے کے لیے وضع کیے گئے

ہیں اور وہ کان اور صرار، اصبح، اعلیٰ، اور اضحیٰ، ظل، بات اور آض و عاذ اور غدا و راح اور زال اور ما انفک اور مافتی اور ما برح اور مادام و رلیس ہیں اور کبھی ما جاء ت حاجتک (ما بمعنی صارت) آیا ہے، اور کبھی فعلت کانہا حریۃ (فعلت بمعنی صارت) آیا ہے، یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں خبر کو اپنے معنی کا حکم دینے کے لیے پس وہ جزء اول کو رفع اور ثانی کو نصب دیتے ہیں جیسے کان زید قائمًا، پس کلمہ کان ناقصہ ہوتا ہے جو اپنے خبر کے ثبوت کے لیے ہوتا زمانہ ماضی میں خواہ دائم ہو یا انقطاعاً اور بمعنی صرار ہوتا ہے اور کان میں ضمیر شان ہوتی ہے اور (کبھی) کلمہ کان تامہ ہوتا ہے ثبوت کے معنی میں اور زائدہ بھی ہوتا ہے، اور صرار انتقال کے لیے ہوتا ہے۔

توضیح:- سب سے پہلے افعال ناقصہ کی تعریف بیان کر رہے ہیں کہ افعال ناقصہ وہ افعال ہیں جو فاعل کو کسی صفت پر مقرر کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں۔ اس پر ایک سوال ہوتا ہے کہ افعال ناقصہ تقریر الفاعل علی الصفتہ کے علاوہ ایسے معنی پر بھی مشتمل ہیں جو تقریر مذکور سے زائد ہے جیسے تقریر الفاعل علی الصفتہ کے سواء ہر فعل میں زمانہ پایا جاتا ہے اور بعض میں انتقال یا دوام اور استمرار کے معنی ہیں، لہذا یہ کہنا کہ افعال ناقصہ صرف تقریر الفاعل علی الصفتہ کے لیے ہوتے ہیں صحیح نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ افعال ناقصہ جن چیزوں کے لیے وضع کیے گئے ہیں ان میں تقریر الفاعل علی الصفتہ عمدہ اور قابل اعتماد ہے ایسا نہیں ہے کہ صرف اسی کے لیے موضوع ہوں پس عمدہ کا لحاظ کیا گیا۔ ایک سوال اور ہے کہ یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں، کیوں کہ افعال تامہ کی بھی وضع تقریر الفاعل علی الصفتہ کے لیے ہوتی ہے، لہذا وہ سب افعال ناقصہ میں داخل ہو جائیں گے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ افعال ناقصہ کی وضع فاعل کو ایسے صفت پر جانے کے لیے ہوئی ہے جو صفت مصدر کا غیر ہوتی ہے جب کہ افعال تامہ جس صفت پر فاعل کو مقرر کرتے ہیں وہ عین مصدر ہوتی ہے، لہذا تعریف دخول سے مانع رہے گی۔

وہی کان: افعال ناقصہ کی مشہور تعداد سترہ ہے باقی حتمی کوئی تعداد نہیں ہے، چنانچہ کبھی جاء ت بمعنی صارت مستعمل ہوتا ہے جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب حضرت علی کی طرف سے نماز آئندہ بن کر خوارج کے پاس ان کو راہ راست پر لانے کے لیے تشریف لے گئے تو خوارج نے آپ سے کہا تھا ما جاء ت حاجتک۔ کہ ہماری سادگی آپ کی ضرورت کے بقدر نہیں ہے پس اس مقولہ میں جاء ت صارت کے معنی میں ہے، اس میں جاء ت کی ضمیر کے مرجع کے سلسلے میں دو احتمال ہیں، ایک یہ ہے کہ ما استفہامیہ مبتدأ ہو اور جاء ت کی ضمیر جو اس کا اسم ہے ما کی طرف راجع ہو اور حاجتک اس کی خبر ہو اور ضمیر کا مؤنث ہونا باعتبار خبر کے ہو، کیوں کہ مشہور قاعدہ ہے اذا دار الضمیر بین المرجع والخبر

فرعایۃ الخیر اولیٰ. دوسرے یہ ہے کہ جاءت کی ضمیر مؤنث کا مرجع ما استفہامیہ باعتبار معنی کے ہو، کیوں کہ ما، حاجۃ کے معنی میں ہے یعنی ای حاجۃ، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جاءت کی ضمیر کا مرجع عزات ہو جو خوارج کے قول میں اس مقولہ سے پہلے مذکور ہے۔

اور کبھی قعدت بھی صارت کے معنی میں ہوتا ہے جیسے شاعر کے اس قول میں ہے ابی اوهف شفرتہ حتی قعدت کانما حربۃ کہ میں اپنی تھری تیز کرتا ہوتا یہاں تک وہ ایسی ہو گئی جیسے وہ نیزہ ہو، پس قعدت صارت کے معنی میں ہے۔

پس یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ افعال ناقصہ کی تعداد سترہ ہے، چنانچہ وہ افعال جن کا سماع افعال ناقصہ کے طور پر عربوں سے ہے وہ سب افعال ناقص مانے جائیں گے بھلے وہ مشہور افعال کے ماسوا ہوں البتہ بعض حضرات کے نزدیک وہ افعال بھی ناقصہ شمار کیے جائیں جو ان کے معنی میں ہیں جیسے فرء اسی کے قائل ہیں اگرچہ عربوں سے ان کا سماع ثابت نہ ہو۔

تدخل علی الجملة الاسمیة: یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہوتے ہیں خبر کو اپنے معنی کا حکم دینے کے لیے حکم سے مراد وہ اثر ہے جو ان معانی پر مرتب ہوتا ہے مثال کے طور پر صار بمعنی انتقل ہے تو جب یہ جملہ اسمیہ پر داخل ہوگا جیسے صار زید غنیاً تو صار نے غنی کو انتقال کا اثر دیدیا، چنانچہ دولت مندی زید کی طرف منتقل ہو گئی اور غربت سے دولت کی دنیا میں پہنچ گیا۔

خبر: یہ افعال جملہ اسمیہ پر داخل ہونے کے بعد جز اول کو فاعل ہونے کی وجہ سے رفع اور جز ثانی کو مفعول سے مشابہت کی وجہ سے نصب دیتے ہیں مشابہت بایں معنی ہے کہ جس طرح فعل متعدی کا سمجھنا مفعول پر موقوف ہوتا ہے اسی طرح افعال ناقصہ کا سمجھنا ان کی اخبار پر موقوف ہوتا ہے، جیسے کان زید عالمًا۔

فکان تکون ناقصۃ: کان دو قسموں پر ہے ایک کان ناقصہ جو زمانہ ماضی میں اپنے جر کے ثبوت کے لیے مفید ہوتا ہے خواہ ثبوت خبر دواماً ہو جیسے وکان اللہ غفوراً رحیمًا پس غفاریت اور رحیمیت اللہ تعالیٰ کے لیے دواماً ہے یا انقطاعاً ہو جیسے کان زید غنیاً پس غنی کا ثبوت زید کے لیے دواماً نہیں ہے، کیوں کہ دولت ڈھلتی چھاؤں ہے۔

و بمعنی صار: کان ناقصہ بمعنی صار بھی ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وکان من الکافرین کہ ایلیس نے تکبر کیا اور کافروں سے ہو گیا، پس کان اس آیت میں صار کے معنی میں ہے۔ اور کان ناقصہ میں ضمیر شان بھی ہوتی ہے جیسے شاعر کا قول اذا میت کان الناس صنفان شامت ÷ والاخر مٹین بالذی کنت اصنع کہ جب میں مر جاؤں گا تو لوگ دو طرح کے ہوں گے، کچھ برا بھلا کہنے والے اور

دوسرے کچھ مدح سرائی کر نیوالے ان چیزوں کی بابت جو میں کرتا رہا، پس محل استدلال کان الناس صنفان ہے کہ کان میں ضمیر ہو شان کی ہے اور الناس صنفان الخ اس کا مفسر ہے۔

وتكون تامّة: کان کی دوسری قسم تامہ ہے جس میں خبر کی ضرورت نہیں ہوتی جو مثبت کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنُظْرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ پس آیت میں کان وجد اور نبت کے معنی میں ہے۔ اور جیسے كُنْ فَيَكُونُ۔

کان زائدہ بھی ہوتا ہے یعنی اس کے ہونے اور نہ ہونے سے معنی اصل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد كَيْفَ نَكَلِمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا پس کان زائدہ ہے۔

وصار للانتقال: صار ایک صفت سے دوسری صفت کی طرف اور ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کی طرف انتقال کے لیے مستعمل ہوتا ہے اول کی مثال صار زید عالما اور دوسرے کی مثال صار الطین خذفا ہے کہ مٹی، ٹھیکری ہوگئی اور صار تامہ بھی ہوتا ہے جسے قلیل الوجود ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں کیا، صار تامہ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف یا ایک ذات سے دوسری ذات کی طرف انتقال کے لیے آتا ہے تامہ کی علامت متعدی بآلئی ہونا ہے۔ اور آل، رجع، ارتد، استحال، تحول، صار کے معنی میں ہیں، جو صار کے ساتھ ملتی ہیں جیسے آل زید غنيا، رجع زید مقيما، فارتد بصيرا، ان العداوة لتحيل مؤدة، ع فيالك من نعمى تحولن ابوسا۔ جو سب صار کے معنی میں ہیں۔

واصبح وأمسى واضحى لإقتران مضمون الجملة بأوقاتها وبمعنى صار وتكون تامّة وظلّ وبات لإقتران مضمون الجملة بوقتها وبمعنى صار وما زال وما برح وما فتى وما انفك لاستمرار خبرها لفاعلها مذ قبله ويلزمها النفي وما دام لتوقيت امر بمدة ثبوت خبرها لفاعلها ومن ثمّ احتاج الی كلام لانه ظرف وليس لنفي مضمون الجملة حالاً وقيل مطلقاً ويجوز تقديم اخبارها كلها على اسمائها وهي في تقديمها عليها على ثلاثة اقسام. قسم يجوز وهو من كان الى راح وقسم لا يجوز وهو ما في اوله ما خلافاً لابن كيسان في غير مادام وقسم مختلف فيه وهو ليس.

ترجمہ:- اصبح اور امسى اور اضحى اور اپنے اوقات کے ساتھ جملہ کے مضمون کے اقتران کے لیے آتے ہیں اور صار کے معنی میں ہوتے ہیں۔ اور یہ افعال تامہ بھی ہوتے ہیں اور ظلّ اور بات اپنے وقتوں کے ساتھ جملہ کے مضمون کے اقتران کے لیے آتے ہیں اور صار کے معنی میں ہوتے

ہیں اور مازال اور ما برح اور ما فتنی اور ما انفک اپنی خبروں کے استمرار کے لیے اپنے فاعل کے واسطے ہوتے ہیں جب سے فاعل نے خبر کو قبول کیا ہے اور ان کو نفی لازم ہوتی ہے اور مادام امر خبر کی توقیت کے لیے آتا ہے اپنے خبر کے ثبوت کی مدت کے ساتھ اپنے فاعل کے واسطے اسی وجہ سے وہ ایک کلام کا محتاج ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ ظرف ہے اور لیس زمانہ حال میں جملہ کے مضمون کی نفی کے لیے آتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ مطلقاً اور جائز ہے تمام افعال کی اخبار کا ان کے اسماء پر مقدم کرنا اور افعال ناقصہ اخبار کی خود ان پر ہی تقدیم کے سلسلے میں تین قسموں پر ہے ایک قسم جائز ہے اور وہ کان سے لے کر راح تک کے افعال ہیں اور ایک قسم وہ ہے (کہ جن کی تقدیم افعال پر) درست نہیں ہے اور وہ وہ افعال ہیں کہ جن کے شروع میں ما ہوتا ہے مخالفت کرتے ہوئے ابن کیسان کی مادام کے علاوہ میں اور ایک قسم مختلف فیہ ہے اور وہ لیس ہے۔

توضیح: -- اصبح اور امسئ اور اضحیٰ اپنے اپنے ان اوقات کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتراں کے لیے آتے ہیں کہ جن اوقات پر وہ اپنے مواد کے ساتھ دلالت کرتے ہیں مثلاً اصبح زید کا کتابا کا مطلب ہوا کہ زید کو کتاب صبح کے وقت حاصل ہوئی۔ اسی طرح امسئ شام کے وقت کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتراں پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے امسئ زید عارفا اور اضحیٰ زید امیراً۔

وبمعنی صار: اور یہ افعال صار کے معنی میں بھی ہوتے ہیں جیسے اصبح زید غنیاً یعنی زید بالدار ہو گیا پس جس وقت یہ تینوں افعال صار کے معنی میں ہوں گے اس وقت ان اوقات کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتراں کا لحاظ نہ ہوگا کہ جس پر وہ اپنے مواد کے ساتھ دلالت کرتے ہیں۔

وتكون تامۃ: یہ افعال تامہ بھی ہوتے ہیں یعنی خبر سے بے نیاز ہوتے ہیں اور فاعل کے اوقات مدلولہ میں داخل ہونے کے معنی ہو جاتے ہیں جیسے اصبح زید کا مطلب ہوا کہ زید صبح کے وقت میں داخل ہوا۔

وظل و بات: ظل اور بات اپنے اوقات کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتراں پر دلالت کے لیے ہوتے ہیں ظل دن اور بات رات کے وقت کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتراں کو بتلاتا ہے، جیسے ظل زید سافراً یعنی زید کا سفر تمام دن میں حاصل ہوا اور جیسے بات زید نائماً یعنی زید نے ساری رات سو کر گزار دی۔

وبمعنی صار: اور یہ افعال صار کے معنی میں بھی ہوتے ہیں جیسے ظل زید بالغا اور بات الشباب شیخاً یعنی بچہ بالغ اور جوان بوزھا ہو گیا۔ پس ظل اور بات کے اوقات مدلولہ کے ساتھ مضمون جملہ کے اقتراں کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے ظل وجہه مسوداً۔

ایک بات دھیان رہے کہ آض اور عاد اور عذا کو مقام اجمال میں ذکر کیا ہے اور تفصیل میں نظر انداز کر دیا ہے، اس لیے کہ یہ من وجہ ناقص ہیں اور من وجہ تامہ ہیں، اس لیے اجمال میں تو ذکر کر دیا البتہ تفصیل میں چھوڑ دیا۔

وما زال وما برح: ما زال اور ما برح اور ما فقی اور ما انفک چاروں افعال اس وقت سے اپنے فاعل کے لیے اپنی اپنی خبروں کے استمرار کو بتانے کے لیے آتے ہیں کہ جب سے ان کے افعال نے ان خبروں کو قبول کیا ہے یعنی جب سے وہ فاعل ان خبروں کے لائق ہوئے ہیں تب سے وہ خبریں مسلسل ان فاعلوں کے لیے ثابت ہیں اور ان افعال پر نفی کا دخول لازم ہے، تاکہ فاعلوں کے لیے خبروں کے استمرار پر دلالت ہو، کیوں کہ جب تک حرف نفی ان افعال پر داخل نہیں ہوتا تب تک نفی کی نفی نہیں ہوتی، جو کہ استمرار مقصود کو مستلزم ہے، اب حرف نفی خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً جیسے **تَاللّٰهِ تَفْتُوْا تَدْكُرُوْا** یوسف پس تقدیر عبارت ہے **لا تفتؤ جیسے ما زال زید امیراً**۔

مادام: مادام خبر کے معاملہ کی فاعل کے لیے خبر کے ثبوت کی مدت کے ساتھ توقيت کے لیے آتا ہے یعنی مادام کے فاعل کے لیے اس کی خبر کے ثبوت کا جو وقت ہے وہی خبر کے معاملہ کے بھی مدت ہے یعنی امر خبر تعین کا تعلق اس مدت سے ہے اس لیے کہ مادام میں مصدر یہ ہے، لہذا اس کا مابعد مصدر کی تاویل میں ہوگا اور اوقات کی تقدیر مصادر سے پہلے راجح ہے پس وقت اس سے پہلے مقدر مانا جائے گا اور وقت ظرف ہے اور ظرف فضلہ اور غیر مستقل بالا فادہ ہوتا ہے، لہذا اس سے پہلے ایک کلام کا ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ فائدہ تام دے، اسی کی طرف مصنف نے **ومن ثم احتاج سے اشارہ کیا ہے، حاصل بحث یہ ہے کہ مادام اپنے اسم و خبر سے مل کر ظرف ہوگا اور ظرف فضلہ ہونے کی وجہ سے غیر مستقل بالا فادہ ہے، لہذا اس سے پہلے کلام تام کا ہونا ضروری ہے جس کا یہ معمول بن جائے جیسے جلست ما دام زید جالساً جو تقدیر میں ہے جلست ما دام جلوسہ کے۔**

ولیس لئفی الجملة: اور لیس زمانہ حال میں جملہ کے مضمون کی نفی کے لیے آتا ہے جیسے لیس زید قائماً یعنی زید زمانہ موجودہ میں کھڑا نہیں ہے، یہ مسلک جمہور کا ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ لیس مطلقاً یعنی کسی زمانہ کی قید کا لحاظ کیے بغیر بر زمانہ میں مضمون جملہ کی نفی کے لیے ہوتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ کبھی لیس زمان حال کی قید کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے جیسے لیس زید قائماً الآن اور کبھی زمان الماضي کی قید کے ساتھ مقید ہوتا جیسے لیس خلق اللہ مثله کہ خلق فعل ماضی ہے اور کبھی زمانہ استقبال کی قید کے ساتھ ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد **الا یوم یاتئہم لیس مصروفا عنہم** پس مثال اول میں زمانہ حال کی نفی مقصود تھی تو الآن لائے اور دوسری مثال میں زمانہ ماضی کی نفی مقصود تھی تو فعل ماضی خلق لائے اور تیسری مثال میں زمانہ استقبال کی نفی مقصود تھی تو فعل مستقبل یاتئہم لائے، پس معلوم ہوا کہ لیس مطلقاً ہر زمانہ میں مضمون جملہ کی نفی کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ ہماری گفتگو وضع میں ہے اور آپ نے مثالیں استعمال کی بیان کی ہیں یعنی ہمارے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ لیس کی وضع حال

کی نفی کے لیے ہے اب اس کا استعمال چاہے جس کی نفی کے لیے ہو۔

وہ جواز تقدیم اخبارها: خلاصہ یہ ہے کہ افعال ناقصہ کے اخبار کی تقدیم ان کے اسما پر درست ہے، کیوں کہ یہ منصوب کی مرفوع پر تقدیم ہے اور عامل قوی کی صورت میں معمول منصوب کی معمول مرفوع پر تقدیم جائز ہوتی ہے، لہذا یہاں بھی اس کی گنجائش ہے، چاہے خبر معرفہ ہی کیوں نہ ہو بشرطیکہ اعراب لفظی ہو ورنہ کم از کم قرینہ موجود ہو منصوبات میں تفصیل گزر چکی ہے جیسے کان عالماً زید۔

وہی فی تقدیمها: اس کا حاصل یہ ہے کہ افعال ناقصہ کی اخبار کا خود ان افعال پر مقدم ہونا درست ہے یا نہیں تو اس سلسلے میں افعال ناقصہ کی تین قسمیں ہیں ایک قسم یہ ہے کہ نفس افعال پر ان کی اخبار کی تقدیم درست ہے، اس لیے کہ عامل فعل ہے جو قوی ہوتا ہے اور تقدیم سے کوئی مانع بھی نہیں ہے، لہذا معمول مقدم میں بھی وہ عمل کرے گا۔ ایسے افعال کان سے لے کر راح تک کے ہیں، اور دوسری قسم وہ ہے کہ نفس افعال پر اخبار کی تقدیم منع ہے اور یہ ایسے افعال ہیں کہ جن کے شروع میں ماصدریہ یا مانافیہ ہے پس اگر ماصدریہ ہے تو مصدر ضعیف العمل ہونے کی وجہ سے معمول مقدم میں عمل سے عاجز ہوگا اور اگر مانافیہ ہے تو وہ صدارت کلام کا خواہشمند ہوتا ہے جب کہ اخبار کی تقدیم کی صورت میں صدارت باطل ہو جاتی ہے۔

البتہ اس سلسلے میں ابن کیسان کا اختلاف ہے جو مادام کے ماسوا میں ہے۔ ابن کیسان کی دلیل یہ ہے کہ جب مادام کے ماسوا ان افعال پر حرف نفی داخل ہوتا ہے تو نفی کی نفی ہوگی، کیوں کہ یہ افعال خود نفی کے معنی پر دلالت کرتے ہیں، لہذا نفی نفی مل کر اثبات ہو گئے پس یہ افعال بھی کان کے معنی میں ہوں گے یعنی ما زال زید عالماً کان زید عالماً دائماً کے معنی میں ہو اور کان پر اس کی خبر مقدم ہو سکتی ہے لہذا ان افعال پر بھی خبر مقدم ہو سکتی ہے کہ جن کے شروع میں مانافیہ ہوتا ہے۔

وقسم مختلف فیہ: لیس کے سلسلے میں سیبویہ اور اکثر بصریین کا اختلاف ہے سیبویہ کے نزدیک اس کا بھی حکم خبر کی تقدیم کے منع ہونے میں ان افعال کا سا ہے کہ جن کے شروع میں حرف نفی ہوتی ہے، کیوں کہ لیس بھی نفی کے معنی میں ہے اور نفی کے معمول کی تقدیم اس پر منع ہوتی ہے، لہذا لیس پر بھی اس کے خبر کی تقدیم منع ہوگی، لیکن بصریین کا کہنا یہ ہے کہ صورتہ ماموجود نہیں ہے، لہذا لیس کا حکم کان کا سا ہوگا، یعنی کان کی طرح لیس کی بھی خبر اس پر مقدم ہو سکتی ہے۔

افعال المقاربة ما وُضِعَ لِدُنْوَا الْخَبَرِ رَجَاءً اَوْ حُصُولًا اَوْ اَخْذًا فِيهِ فَالاول عَسَى
وهو غير متصرف تقول عسى زيد ان يخرج وعسى ان يخرج زيد وقد يحذف ان
والثاني كاد تقول كاد زيد يجئ وقد تدخل ان واذا دخل النفي على كاد فهو

كألافعال على الاصح وقيل يكون للابنات وقيل يكون في الماضي للابنات وفي المستقبل كالأفعال تمسكاً بقوله تعالى وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ وبقول ذي الرمة شعر
إِذَا غَيْرَ الْهَجْرُ الْمُحِبِّينَ لَمْ يَكْدُ - رَسِيسُ الْهَوَى مِنْ حُبِّ مَيَّةَ يَبْرُحُ وَالثَّالِثُ طَفِقَ
وَكَرَبَ وَجَعَلَ وَآخَذَ وَهِيَ مِثْلُ كَادُوا وَشَكَ عَسَى وَكَادَ فِي الْإِسْتِعْمَالِ .

ترجمہ: - افعال مقاربہ فعل ہیں جنہیں خبر کے قرب کے لیے وضع کیا گیا ہے خواہ بطور امید یا بطور حصول کے یا خبر میں شروع ہو جانے کے اعتبار سے ہو۔ پس اول عسی ہے اور وہ غیر متصرف ہوتا ہے (اس کی ماضی اور مضارع گردان نہیں ہوتی) تم کہو عسی زیدان یخرج اور عسی ان یخرج زید اور کبھی ان کو حذف کر دیا جاتا ہے اور دوسرے کاد ہے تم کہتے ہو کاد زید یجعی اور کبھی ان داخل ہوتا ہے اور جب نفی کاد پر داخل ہو جائے تو وہ (عام) افعال کی طرح ہو جاتا ہے صحیح ترین قول کے مطابق اور کہا گیا ہے کہ وہ اثبات کے لیے ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ وہ ماضی میں اثبات کے لیے ہوتا ہے اور مستقبل میں (عام) افعال کی طرح ہوتا ہے استدلال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے ارشاد وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ سے اور ذی الرمة کے قول شعر إِذَا غَيْرَ الْهَجْرُ الْمُحِبِّينَ لَمْ يَكْدُ، رَسِيسُ الْهَوَى مِنْ حُبِّ مَيَّةَ يَبْرُحُ سے اور تیسرے طَفِقَ اور كَرَبَ اور جَعَلَ اور آخَذَ ہے اور یہ کاد کی طرح ہیں اور أَوْشَكَ عَسَى اور كَادَ کی طرح استعمال میں ہے۔

توضیح: - افعال مقاربہ ایسے فعل کو کہتے ہیں جو خبر کے قرب پر دلالت کرے خواہ بطور امید یا بطور حصول یا بطور خبر میں فاعل کے شروع ہو جانے کے۔ معلوم ہوا کہ افعال مقاربہ کی تین قسمیں ہیں اول ذنو رجائی اس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم کو فاعل کے لیے خبر کے حصول کے قرب کی امید ہے جیسے عسی زید ان یخرج دوسری قسم ذنو حصولی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ فاعل کے لیے خبر کا حصول قریب ہے اس میں اور پہلی قسم میں فرق یہ ہے کہ پہلی قسم میں حصول کی توقع ہوتی ہے یقین نہیں ہوتا جب کہ قسم ثانی میں حصول الخبر للفاعل کا یقین ہوتا ہے جیسے کاد زیدان یخرج .

تیسری قسم ہے ذنو اخذی اس کا مطلب یہ ہے کہ متکلم کو اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ خبر کا حصول فاعل کے لیے قریب ہے خبر کے حصول کے اسباب اختیار یہ برتنے لگنے کی وجہ سے جیسے طفق زید یخرج .
خبر: پہلی قسم عسی ہے جس کی ماضی اور مضارع نیز امر و نہی نہیں ہوتا، کیوں کہ یہ انشاء کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے لعل پر محمول ہے اور لعل غیر متصرف ہے یعنی اس سے ماضی و مضارع وغیرہ کی گردان نہیں آتی۔

عسلی کا استعمال موقع امید اور خوف دونوں جگہ ہوتا ہے، عسلی زیدان یخرج اور عسلی خالد ان یموت، عسلی ناقصہ اور تامہ دونوں طرح ہوتا ہے پس ناقصہ ہونے کی صورت میں یہ افعال ناقصہ سے ہوگا چنانچہ عسلی کے بعد کوئی اسم مذکور ہوگا اور اس کے بعد فعل مضارع ان مصدریہ کے ساتھ ہوگا جو محلاً خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا۔ اب رہی یہ بات کہ اس کی خبر فعل مضارع ان مصدریہ کے ساتھ کیوں ہوگی تو مضارع تو خبر اس لیے ہوگی کہ عسلی اس کے معنی ہیں کہ کسی آدمی کو زمانہ مستقبل میں کسی فعل سے قریب کرنا اور یہ بات بغیر مضارع کے حاصل نہیں ہو سکتی اور ان مصدریہ کے ساتھ اس لیے کہ ان رجاء اور طمع کے لیے آتا ہے پس ان مصدریہ کے ذریعہ ترافی کے معنی کو قوت مل جاتی ہے جو کہ عسلی میں مقصود ہوتے ہیں۔

وقد یحذف ان: کبھی عسلی کی خبر سے ان مصدریہ کو حذف بھی کر دیا جاتا ہے اس لیے کہ عسلی کاد کے مشابہ ہے اور کاد کی خبر مضارع بغیر ان مصدریہ کے ہوتی ہے۔ پس عسلی کی بھی خبر اسی طرح بغیر ان مصدریہ کے ہوگی۔ جیسے شاعر کا قول شعر: عسلی الہم الذی امسیت فیہ ۛ یکون وراہ فرج قریب پس یکون عسلی کی خبر سے بغیر ان کے ہے۔ ترجمہ: امید کہ وہ غم کہ جس میں میں نے شام کی اس کے بعد کوئی قریبی کشادگی ہو۔

والثانی کاد: اور افعال مقاربہ کی دوسری قسم کہ جس کی وضع قریب خبر بطور حصول کے لیے ہوتی ہے کاد ہے اور کاد کی خبر بغیر ان مصدریہ کے ہوتی ہے، اس لیے کہ کاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خبر، اسم کے لیے فی الحال ثابت ہے، جب کہ ان مضارع کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے پس ان کی کوئی ضرورت نہیں جیسے کاد زید یجی۔

وقد تدخل ان: کاد کی خبر ان مصدریہ کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے، اس لیے کہ وہ عسلی کے مشابہ ہے اور عسلی کی خبر مضارع ان مصدریہ کے ساتھ مستعمل ہوتی ہے، لہذا کاد کی بھی خبر مع ان کے مستعمل ہو سکتی ہے، جیسے شاعر کا قول ع قد کاد من طول البلی ان یمصحا، پس کاد کی خبر مضارع مع ان ہے۔ ترجمہ ہے کہ محبوب کا مکان زیادہ پرانا ہونے کی وجہ سے قریب ہے کہ ختم ہی ہو جائے۔

واذا ادخل النفی: مطلب یہ ہے کہ اگر کاد پر حرف نفی داخل ہو جائے تو جس طرح دیگر افعال حرف نفی کے داخل ہونے کے بعد مضمون کی نفی کا فائدہ دیتے ہیں، اسی طرح کاد بھی مضمون کی نفی کا فائدہ دے گا۔

وقیل یکون للثبات: بعض حضرات نے کہا کہ جب کاد پر حرف نفی داخل ہو تو وہ مطلقاً مضمون یعنی خبر کے اثبات کا فائدہ دیتا ہے خواہ کاد ماضی ہو یا مستقبل۔ اور دوسرے بعض حضرات کا کہنا ہے کہ صورت مذکورہ میں ماضی ہونے کی صورت میں کاد اثبات کے لیے ہوگا اور مستقبل ہونے کی صورت میں عام افعال کی

طرح برائے نفی ہوگا اول کی دلیل اللہ تعالیٰ کا ارشاد وما کادوا يفعلون ہے، پس وما کادوا سے مراد فعل کا اثبات ہے ذبح کی نفی نہیں ہے، پس منظر یہ ہے کہ بنی اسرائیل سے ایک مقتول کے قتال کا پتہ لگانے کے سلسلے میں گائے ذبح کرنے کو کہا گیا تھا تو انہوں نے ہار سے جی تیل وقال کے بعد ذبح کیا ان کی اس کیفیت کی ترجمانی قرآن کی آیت وما کادوا يفعلون نے کی ہے پس وما کادوا يفعلون برائے اثبات ہے نفی کے لیے نہیں ہے ورنہ اگلے جملے فذبحوها سے تعارض پیدا ہو جائے گا اور یہ محال ہے۔

اور دوسرے جزء کی دلیل ذوالترتیبہ شاعر کا قول ہے۔ شعر: اذا غير الهجر المصحين لم يكد، رسيس الهوى من حب مية يروح. ترجمہ: جب کہ فراق نے عشاق میں تبدیلی پیدا کر دی ہے۔ پر (میرا) رشتہ محبت نہیں قریب ہے کہ میرے (محبوبہ) سے ختم ہو جائے۔

پس اس شعر میں لم يكد عام افعال کی طرح نفی پر باقی ہے۔ لیکن اس کا جواب جمہور کی طرف سے یہ دیا گیا ہے۔ وما کادوا يفعلون میں وما کادوا برائے اثبات نہیں ہے بلکہ نفی کے معنی پر ہی دلالت کرتا ہے، رہی بات فذبحوها سے تعارض تو اس کا جواب یہ ہے کہ وما کادوا يفعلون ایک زمانہ میں فعل کی نفی پر دلالت کرتا ہے اور فذبحوها دوسرے زمانہ میں فعل کے اثبات پر دلالت کرتا ہے، پس ایک وقت میں فعل کی نفی دوسرے وقت میں فعل کے اثبات کے متافی نہیں ہے۔

اور ذی الرمة کے شعر کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ اس شعر میں لم يكد نفی کے لیے ہی ہے، لیکن فی الماضي لئلا اثبات اور اور فی المستقبل کلا افعال کے قائل کا پورا نظریہ تب ثابت ہوگا، جب وما کادوا يفعلون کا برائے اثبات ہونا ثابت ہو، لیکن وہ منطقی ہے، لہذا یہ نظریہ بھی صحیح نہیں ہے۔

اور دوسرے مسلک کی بھی یہی آیت اور شعر مذکور دلیل ہے، شعر مذکور سے ان کا استدلال یوں ہے کہ لم يكد نفی کی صورت میں رشتہ محبت کے زوال پر دلالت کرتا ہے جو خلاف مقصود ہے، اس لیے دوسرے شعراء نے ذوالرمة پر تنقید کیا اور ذوالرمة نے اس تنقید کو قبول کرتے ہوئے شعر میں لم يكد کی جگہ الم اجد بدل دیا پس یہ دلیل ہے کہ کاذنئی برائے اثبات ہوتا ہے، لیکن جمہور کی جانب سے اس کا جواب یہ ہے کہ فصحاء شعراء نے اس تنقید کو غلط بتایا ہے، لہذا کاذنئی بجائے برائے اثبات کے نفی کے لیے ہے۔

والثالث: اور تیسری قسم طَفِيقٌ اور تَكْرِبٌ اور جعل اور اخذ ہے، طفق کے معنی اخذ فی العمل کے ہیں اور تَكْرِبٌ بمعنی قَرُبٌ ہے اور جعل بمعنی طفق اور اخذ بمعنی شرع ہے، یہ چاروں افعال کاد کی طرح مستعمل ہوتے ہیں، یعنی ان کی خبر فعل مضارع مع ان کے ہوتی ہے۔ جیسے طفق زيد يفعل، اخذ زيد یا كل الطعام، تَكْرِبٌ زيد يقرء، اور جعل زيد يوصلی ہے اور او شك بھی تیسری قسم سے ہے جس کا استعمال عسلی اور کاد کی طرح ہوتا ہے یعنی خبر بھی مضارع مع ان کے ہوگی جیسا کہ

عسلی میں ہوتا ہے اور کبھی بغیر ان کے ہوگی جیسا کہ کاد میں ہوتا ہے۔

فِعْلُ التَّعْجُبِ مَا وُضِعَ لِانْشَاءِ التَّعْجُبِ وَلَهُ صِيغَتَانِ مَا أَفْعَلَهُ بِهِ وَهَمَا غَيْرُ مُتَصَرِّفَيْنِ
مِثْلُ مَا أَحْسَنَ زَيْدًا وَأَحْسِنَ بَزِيدَ وَلَا يُبْنِيانِ إِلَّا مِمَّا يُبْنَى مِنْهُ أَلْعَلُ التَّفْضِيلِ
وَيَتَوَصَّلُ فِي الْمَمْتَنِعِ بِمِثْلِ مَا أَشَدُّ اسْتِخْرَاجِهِ وَأَشَدُّ بِاسْتِخْرَاجِهِ وَلَا يَتَصَرَّفُ
فِيهِمَا بِتَقْدِيمِ وَتَاخِيرِ وَلَا فَصْلِ وَاجازِ الْمَازِنِي الْفَصْلُ بِالظُّرُوفِ وَمَا ابْتَدَأَ نَكْرَةً
عِنْدَ سَبِيوِيهِ وَمَا بَعْدَهَا الْخَيْرُ وَمَوْصُولَةٌ عِنْدَ الْإِخْفَشِ وَالْخَيْرُ مَحذُوفٌ وَبِهِ فَاعِلٌ
عِنْدَ سَبِيوِيهِ فَلَا ضَمِيرَ فِي الْفَعْلِ وَمَفْعُولٌ عِنْدَ الْإِخْفَشِ وَالْبَاءُ لِلتَّعْدِيَةِ أَوْ زَائِدَةٌ فِيهِ
ضَمِيرٌ.

ترجمہ :- فعل تعجب وہ فعل ہے جو تعجب ظاہر کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہے اور اس کے دو صیغے ہیں ما افعلہ اور افعل بہ اور وہ دونوں غیر متصرفہ ہیں جیسے ما احسن زیدًا و احسن بزید اور وہ دونوں نہیں بنائے جاتے مگر اسی سے کہ جس سے افعال التفضیل بنایا جاتا ہے اور ممتنع میں ما اشد استخراجه اور اشد استخراجه سے وسیلہ پکڑا جاتا ہے اور نہیں تصرف ہوتا ہے ان دونوں میں تقدیم اور تاخیر اور نہ فصل کے ذریعہ اور مازنی نے ظروف کے ذریعہ فصل کو جائز قرار دیا ہے اور ما ابتداء مگرہ ہے سبویہ کے نزدیک اور اس کا ما بعد خبر ہے اور موصولہ ہے اخفش کے نزدیک اور خبر محذوف ہے اور بہ فاعل ہے سبویہ کے نزدیک پس افعال میں کوئی ضمیر نہ ہوگی اور مفعول ہے اخفش کے نزدیک اور باء تعدیہ کے لیے ہے یا زائدہ ہے پس اس میں ایک ضمیر ہے۔

توضیح :- فعل تعجب وہ فعل ہے جو تعجب ظاہر کرنے کے لیے وضع کیا گیا ہو پس الانشاء کی قید سے تعجب اور عجب خارج ہو گئے، کیوں کہ یہ دونوں انشاء تعجب کے لیے نہیں ہیں، بلکہ اخبار من العجب کے لیے ہیں۔ معلوم ہو کہ تعجب اس تاثر قلبی کو کہتے ہیں جو کسی ایسی چیز کے دیکھنے کے وقت پیدا ہوتی جس کے اسباب پوشیدہ ہوں بعض نسخوں میں افعال العجب اور بعض میں فعلا العجب ہے، پس جن نسخوں میں فعل العجب ہے تو وہ باعتبار تعریف کے ہے اور تعریف جنس کی ہوتی ہے۔ اور افعال العجب باعتبار کثرت افراد کے ہے اور تشبیہ صیغہ تعجب کی دونوں نوعوں کے اعتبار سے ہے۔

وله صیغتان: تعجب کے دو صیغے ہیں اول ما افعلہ اور دوسرے افعل بہ دونوں صیغہ تعجب کے غیر متصرفہ ہیں یعنی ان سے مضارع امر ونہی اور تشبیہ جمع کچھ نہیں آتا، کیوں کہ یہ دونوں حرف کے انشاء کے لیے ہونے میں مشابہ ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ جب ان دونوں صیغوں کو معنی تعجب کی طرف نقل کیا گیا تو یہ

بمزلہ کہاوت و امثال کے ہو گئے اور امثال میں تصرف نہیں ہوتا، لہذا ان میں بھی نہیں ہوگا جیسے ما احسن زیذا اور احسن بہ

ولا ینیان الا ما ینسی منہ: جس طرح فعل التفضیل ثلاثی مجرد سے بنایا جاتا ہے، بشرطیکہ وہ لوان اور عیب کے معنی میں نہ ہو، اسی طرح ثلاثی مجرد سے صیغہ تعجب بھی بنائے جاتے ہیں، کیوں کہ فعل التفضیل اور تعجب دونوں مبالغہ اور تاکید کے لیے ہوتے ہیں تفضیل تو اس لیے کہ وہ فعل میں زیادتی پر دلالت ہی کرتا ہے اور صیغہ تعجب اس لیے کہ جب کسی چیز کی زیادتی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ حد اشکال سے قریب ہو جاتی ہے تبھی وہ باعش تعجب ہوتی ہے۔

ويتوصل فی الممتنع: اس کا حاصل یہ ہے کہ وہ فعل جس سے فعل تعجب کا بنایا جانا ممکن نہ ہو۔ خواہ ثلاثی مزید یا رباعی مجرد مزید ہونے یا لوان و عیب پر دال ہونے کی وجہ سے تو اس سے صیغہ تعجب بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ صیغہ تعجب ایسے فعل سے بنائیں گے جو شدت اور قوت پر دلالت کرے اور فعل ممتنع کے مصدر کو بطور مفعول کے پہلے صیغہ میں اور بطور جار و مجرد کے دوسرے صیغہ میں ذکر کریں گے۔ جیسے ما اشد استخراجه اور اشد با استخراجه ما اکثر حموته اور ما اقبح عوره اور اکثر بحموته اور اقبح بعوره۔

ولا یتصرف فیہما: دونوں صیغہ تعجب میں تقدیم و تاخیر درست نہیں ہے بایں طور کہ مفعول اور مجرد کو فعل سے مقدم کر دیا جائے اور فعل کو ان دونوں سے مؤخر کر دیا جائے، جیسے ما زید احسن اور بزید احسن نیز فعل اور اس کے معمول اور ما اور فعل کے درمیان فصل کرنا بھی درست نہیں ہے، لہذا ما احسن الیوم زیذا اور احسن امس بزید کہنا درست نہیں ہے، یہ دونوں باتیں یعنی تقدیم و تاخیر اور فصل اس لیے منع ہیں کہ صیغہ تعجب، بعد النقل الی التعجب امثال کے درجہ میں ہو گئے اور امثال میں تغیر نہیں ہوتا ہے، لہذا ان میں بھی تغیر نہیں ہوگا، البتہ مازنی کا اختلاف ہے ان کے نزدیک طرف سے فصل جائز ہے، بشرطیکہ وہ طرف فعل تعجب سے متعلق ہو، لہذا لقیته فما احسن امس زیذا کہنا صحیح نہ ہوگا، اس لیے کہ امس کا تعلق لقیته سے ہے، نہ کہ احسن سے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ طرف میں اس چیز کی گنجائش ہوتی ہے جس کی غیر طرف میں نہیں ہوتی، جیسے ما یوم الجمعة احسن زیذا اور احسن الیوم بزید۔

ما ابتداء: اب یہاں ما الفعلہ کے اعراب کو بتانا چاہتے ہیں پس سیویہ کے نزدیک ما الفعلہ کا ما ابتداء مگرہ ہے اور ما کا ما بعد خبر ہے پس ما شیء کے معنی میں ہوگا اور تقدیر عبارت شیء الفعلہ ہوگی۔ اور انغش کے نزدیک موصولہ ہے اور اس کا ما بعد صلہ ہے اور موصول و صلہ سے مل کر مبتدا اور خبر محذوف ہوگی، تقدیر عبارت ہوگی الذی الفعلہ شیء۔ اور کچھ لوگ ہیں جن کے نزدیک ما استفہامیہ مبتداء ہے اور ما بعد

خبر ہے، تقدیر عبارت ہوگی ای شی احسن زیذا۔

اور افعال بہ میں سیبویہ کے نزدیک یہ فاعل ہوگا، لہذا افعال میں فاعل کے ضمیر کی کوئی ضرورت نہیں، لیکن انفس کے نزدیک افعال میں فاعل کی ضمیر ہوگی اور یہ مفعول ہے، البتہ باء یا تو تعدیہ کے لیے ہے یا زائدہ ہے۔ تعدیہ کی صورت میں احسن کا ہمزہ صیورہ کے لیے ہوگا۔

افعال المدح والذم ما وُضِعَ لانشاءِ مدحٍ او ذمٍّ فَمِنْهَا نَعَمٌ وَبِنَسٍ وَشَرْطُهُمَا اَنْ يَكُونَ الْفَاعِلُ مُعْرَفًا بِاللَّامِ اَوْ مُضَافًا اِلَى الْمَعْرِفِ بِهَا اَوْ مُضْمَرًا مُمَيِّزًا بِنَكْرَةِ مَنْصُوبَةٍ اَوْ بِمَا مِثْلُ فَنِعْمًا هِيَ وَبَعْدَ ذَلِكَ الْمَخْصُوصُ وَهُوَ مُبْتَدَأٌ مَا قَبْلَهُ خَبْرُهُ اَوْ خَبْرٌ مُبْتَدَأٌ مَحذُوفٌ مِثْلُ نَعَمْ الرَّجُلُ زَيْدٌ وَشَرْطُهُ مُطَابَقَةُ الْفَاعِلِ وَبِنَسٍ مِثْلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا وَشَبَّهُ تَأَوَّلَ وَقَدْ يُحذفُ الْمَخْصُوصُ اِذَا عَلِمَ مِثْلُ نَعَمْ الْعَبْدُ وَفَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ وَسَاءٌ مِثْلُ بِنَسٍ وَمِنْهَا حَبْذَا وَفَاعِلُهُ ذَا وَلَا يَتَغَيَّرُ وَبَعْدَهُ الْمَخْصُوصُ وَاَعْرَابُهُ كَاَعْرَابِ مَخْصُوصٍ نَعَمْ وَيَجُوزُ اَنْ يَقَعَ قَبْلَ الْمَخْصُوصِ وَبَعْدَهُ تَمْيِيزٌ اَوْ حَالٌ عَلَيَّ وَفِي مَخْصُوصِهِ .

ترجمہ:- افعال مدح و ذم وہ فعل ہے جو مدح پیدا کرنے کے لیے وضع کیے گئے ہیں پس مدح و ذم سے نعم اور بنس ہے اور ان دونوں کی شرط یہ ہے کہ فاعل معرف بالام ہو یا فاعل معرف باللام کی طرف مضاف ہو یا فاعل مضمّر ہو جو تمییز ہو کر منصوبہ کے ساتھ اور ما کے ساتھ جیسے فنعمًا ہی اور فاعل کے بعد مخصوص ہوگا اور وہ مبتدا ہوگا اور ماقبل اس کا خبر یا مخصوص مبتدا محذوف کی خبر ہوگا جیسے نعم الرجل زيد اور مخصوص کی شرط فاعل کے مطابق ہونا ہے اور بنس مثل القوم الذين كذبوا اور اس کے جیسے تاویل شدہ ہیں اور کبھی مخصوص کو حذف کر دیا جاتا ہے جب قرینہ سے معلوم ہو جائے جیسے نعم العبد اور فنعم الماهدون اور ساء، بنس کی طرح ہے اور افعال مدح سے حبذا ہے اور اس کا فاعل ذا ہے اور فاعل بدلتا ہے نہیں اور اس کے بعد مخصوص ہے اور اس کا اعراب نعم کے مخصوص کے اعراب کی طرح ہوگا اور جائز ہے مخصوص سے پہلے اور اس کے بعد تمییز یا حال مخصوص کے موافق واقع ہونا۔

توضیح:- افعال مدح و ذم وہ فعل ہے جو وضع کیا گیا ہو مدح یا ذم پیدا کرنے کے لیے پس وہ افعال جو انشاء اور ذم کے لیے وضع نہیں کیے گئے ہیں وہ افعال مدح یا ذم نہیں کہلائیں گے جیسے مدحہ یا ذممتہ شرف و کرم عروج کیوں کہ ان کی وضع اس مقصد کے تحت نہیں ہوئی ہے۔

اب ایک اعتراض اور اس کا جواب بھی سماعت فرمائیں افعال مدح یا ذم کا از قبیل افعال شمار کرنا صحیح

نہیں ہے، اس لیے کہ فعل کا وزن ان افعال کا وزن نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ افعال مدح و ذم دراصل فعل بفتح الفاء و کسر الحین کے وزن پر ہیں پھر تخفیفاً عین کے کسرہ کو کلمہ فاء کی طرف منتقل کر دیا اور یہی لفظ مشہور ہے باقی اور بھی دوسری لغات ہیں۔

افعال مدح سے نعم اور افعال ذم سے بنس ہے۔

و شرطها ان يكون الفعل معرفاً باللام: افعال مدح و ذم کی شرط یہ ہے کہ ان کا فاعل تین امور میں سے کوئی ایک امر ضرور ہو یا تو فاعل معرف باللام ہو یا وہ معرف باللام العهد الذہنی کی طرف مضاف ہو یا فاعل اسم ضمیر ہو جس کی تیز نگہ منسوبہ یا ما واقع ہو۔ معرف باللام العهد الذہنی کا فاعل ہونا اس لیے شرط قرار دیا کہ افعال مدح و ذم سے مقصود ایسی مدح و ذم ہوتی ہے جو ذہننا معلوم ہو، لہذا لام ذہنی ہی مناسب معلوم ہوا، تاکہ ملحوظ مقصود کے مطابق ہو جائے اول کی مثال جیسے نعم الرجل زید اور دوسرے کی مثال نعم صاحب الرجل زید اور تیسرے کی مثال نعم رجلاً زید اور فنعماً ہی میں ما شئی کے معنی میں ہے تقدیر عبارت ہوگی نعم الشئی شیاً ہی۔

وبعد ذالك: افعال مدح و ذم کے فاعل کے بعد مخصوص بالمدح اور مخصوص بالذم ہوگا۔ ایسا اس لیے کہ کسی شئی کا اولاً مبہم ذکر کرنا پھر اس کی تفسیر کرنا واقع فی انفس ہوتا ہے، پس فاعل کو مبہم ذکر کرنے کے بعد مخصوص کے ذریعہ اس کی تفسیر ذکر دی گئی۔ اور یہ مخصوص مبتداء مؤخر ہوگا اور اس کا ماقبل خبر مقدم ہوگا۔ اور عائد کا کام الف لام کرے گا، لہذا ضمیر کی کوئی ضرورت نہ ہوگی۔ دوسری ترکیب یہ ہے کہ مخصوص خبر ہو مبتداء مخذوف کی پس ایسی صورت میں سوال مقدر ہوگا اور وہ یہ ہے کہ جب کہا گیا نعم الرجل تو سوال ہوا من ہو یعنی وہ کون ہے؟ تو کہا گیا زید یعنی ہو زید۔ پس ترکیب اول کی صورت میں نعم الرجل زید جملہ واحد ہوگا اور ترکیب ثانی کی صورت میں دو جملے ہوں گے۔

و شرطه: مخصوص بالمدح اور بالذم کی شرط یہ ہے کہ وہ فاعل کے مطابق ہو جنس، مفرد اورثنیہ اور جمع تذکیر و تانیث ہونے میں پس بولا جائے گا، نعم الرجل زید، نعم الرجلان الزیدان اور نعم الرجال الزیدون اور نعمت المرأة ہند و علی هذا القیاس۔ یہ مطابقت اس لیے ضروری ہے کہ مخصوص حکماً فاعل ہی ہوتا ہے۔ اور وہ بیان رہے کہ جنس میں مطابقت عام ہے، خواہ حقیقتاً ہو جیسے نعم الرجل زید یا تادیلاً ہو جیسے نعم الرجل اسد یعنی نعم الشجاع زید۔

وبنس مثل القوم: یہ سوال مقدر کا جواب ہے، سوال یہ ہے کہ آپ کا یہ قاعدہ کہ مخصوص فاعل کے مطابق ہوتا ہے ٹوٹ گیا، اللہ تعالیٰ کے ارشاد بنس مثل القوم الذین کذبو سے اس لیے کہ بنس کا فاعل مثل القوم مفرد ہے، جب کہ اس کا مخصوص بالذم الذین کذبوا جمع ہے۔ تو اس کا جواب مصنف

نے دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں اور اس جیسے کلام میں مخصوص محذوف ہے، اصل عبارت ہے بنس مثل القوم مثل الذین کذبوا پس مثل محذوف مخصوص ہے اور المذین، القوم کی صفت ہے تقدیر ہوگی بنس مثل القوم المکذوبین مثلہم۔

وقد یحذف المخصوص: حاصل عبارت یہ ہے کہ مخصوص خواہ بالمدح ہو یا بالذم جب قرینہ اس پر موجود ہو تو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے نعم العبد ای ایوبؑ پس ایوب علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخصوص بالمدح ہونے پر آیت سابقہ قرینہ ہے اور فنعم المجاہدون میں نحن مخصوص بالمدح ہے جس پر قرینہ والارض فرثہ ۱۰ ہے۔

وساء: اور ساء، بنس کی طرح ہے ذم کا فائدہ دینے نیز شرائط اور احکام میں۔ اور افعال مدح میں سے حبذا ہے اور حبذا کا قائل اس میں موجود آتا ہے، حبذا میں تشبیہ اور جمع نیز تانیث کے اعتبار سے تبدیلی نہیں ہوتی، لہذا حبذا الزیدان اور حبذا الزیدون نہیں بولا جائے گا، کیوں کہ یہ بمنزلہ امثال ہے اور امثال میں تغیر نہیں ہوتا، اور ذا کے بعد اس کا مخصوص ہوگا۔

واعرابہ: اس کا حاصل یہ ہے کہ حبذا کے مخصوص میں بھی نعم کے مخصوص کی طرح دو ترکیبیں ہو سکتی ہیں، اول یہ ہے کہ مخصوص مبتداء مؤخر ہو اور حبذا اس کا خبر مقدم ہو اس صورت میں حبذا زید پورا ایک جملہ ہوگا، دوسرے یہ کہ مخصوص مبتداء محذوف کی خبر ہو اس صورت میں دو جملے ہو جائیں گے۔

ویجوز: خلاصہ یہ ہے کہ حبذا کے مخصوص سے پہلے بھی اور بعد میں بھی تمیز یا حال جو مخصوص کے مطابق ہو واقع ہو سکتا ہے حال یا تمیز کی مخصوص سے مطابقت افراد تشبیہ اور جمع تذکیر و تانیث میں ہوگی اور حال اور تمیز میں عامل حبذا کا حب ہوگا۔

الحرف ما دل علی معنی فی غیرہ ومن ثم احتاج فی جزئیۃ الی اسم و فعل
حُرُوفُ الْجَرِّ مَا وُضِعَ لِلإفْضَاءِ بِفِعْلِ أَوْ مَعْنَاهُ الِی مَا یَلِیْهِ وَهِيَ مِنَ وَالِی وَحَتَّى وَفِی
وَالْبَاءُ وَاللَّامُ وَرَبُّ وَوَأُوْهُمَا وَوَاوُ الْقِسْمِ وَبَاءٌ هُ وَنَاءٌ هُ وَعَنْ وَعَلَى وَالْكَافُ وَمُدُّ
مُنْذُ وَخَلَا وَعَدَا وَحَاشَا۔

توجہ: - حرف وہ کلمہ ہے جو اپنے غیر کے معنی پر دلالت کرے اس وجہ سے وہ اپنی جزئیت میں اسم و فعل کا محتاج ہوتا ہے۔ حروف جر وہ حرف ہے جو وضع کیا گیا ہو فعل یا معنی فعل کو پہنچانے کے لیے اس کی طرف جس سے وہ متصل ہوتا ہے۔ اور وہ من اور الی اور حتی اور فی اور ہا اور لام اور رب اور واؤرب اور واؤسم اور بائے قسم اور تائے قسم اور عن اور علی اور کاف اور مذ اور منذ، خلا، عد اور حاشا ہیں۔

توضیح: - حرف وہ کلمہ ہے جو اپنے غیر کے معنی پر دلالت کرتا ہو یعنی معنی مستقل نہ رکھتا ہو،

چنانچہ حرف مسند الیہ اور مسند کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے، البتہ ربط بین الایمین جیسے زید فی المسجد یا ربط بین الفعل واللام جیسے کتبت بالقلم اسی طرح ربط بین الفعلین جیسے اریضان اصلی اور ربط بین الحاملین جیسے ان تصل علی الدولة المسلمة فانا اقاتلک وغیرہ کے لیے آتا ہے۔

حروف الجر: حروف الجر ایسے حروف کو کہتے ہیں جو فعل یا معنی فعل کو اس اسم تک پہنچانے کے لیے وضع کیے گئے ہیں کہ جن سے حروف جرتصل بمعنی جن پر داخل ہوتے ہیں۔

اور یہ اٹھارہ حروف ہیں من، الی، حتی، فی، ہاء، لام، اور رب اور واو رب، واو قسم، با قسمیہ اور تا قسمیہ، عن، علی اور کاف، ہمز اور منذ، خلا اور عند اور حاشا۔

فمن للابتداء والتبيين والتبعيض وزائدة في غير الموجب خلافاً للكوفيين والاختفش وقد كان من مطر وشبهه متاوتن والی للانتهاء وبمعنی مع قليلاً وحتى كذلك وبمعنی مع كثيراً ويختص بالظاهر خلافاً للمبرد وفي للظرفية وبمعنی علی قليلاً والباء للالصاق والاستعانة والمصاحبة والمقابلة والتعدية والظرفية وزائدة في الخبر في الاستفهام والنفي قياساً وفي غيره سماعاً نحو بحسبك زيد والقي بيده.

توجہ: - پس من ابتداء اور بیان اور تبعيض کے لیے نیز من زائدہ ہوتی ہے غیر موجب میں اختلاف ہے کوئین اور اختفش کا اور قد کان من مطر اور اس جیسی مثالیں تاویل شدہ ہیں اور الی انتهاء کے لیے ہے اور مع کے معنی میں بہت کم ہوتا ہے۔ اور حتی اسی طرح، اور مع کے معنی میں اکثر ہوتا ہے اور مخصوص ہوتا ہے اسم ظاہر کے ساتھ مخالفت کرتے ہوئے مبرد کی، اور فی ظرفیت کے لیے ہوتی ہے اور علی کے معنی میں کم ہوتی ہے۔ اور باء الصاق اور استعانة اور مصاحبت اور مقابله اور تعدیہ اور ظرفیت کے لیے نیز باء استفهام اور نفی کی خبر میں قیاساً اور اس کے علاوہ میں سماعاً زائدہ ہوتی ہے جیسے بحسبك زيد اور القی بيده.

توضیح: - اب حروف جارہ کے معنی بیان کر رہے ہیں پس من چار معانی کے لیے آتی ہے، اول ابتداء غایت کے لیے اور ابتداء غایت کو اس چیز سے پہچانا جاتا ہے کہ جس کے مقابلہ میں ابتداء صحیح ہو جیسے سرت من البصرة الی الكوفة اور دوسرے بیان ہے اس کی علامت الذی کے استعمال کا من بیانیہ کی جگہ صحیح ہونا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد فاجتنبوا الرجس من الاوثان تیسرے من کا برائے جمعیت ہو، من تبیضہ کی پہچان یہ ہے کہ اس کی جگہ بعض کا استعمال کرنا صحیح ہو، جیسے اخذت من الدار هم اور چوتھے من زائدہ کا ہونا اس کی علامت یہ ہے کہ اگر من کو عبارت سے ساقط کر دیا جائے تو معنی میں کوئی

خلل واقع نہ ہو۔ البتہ من کلام غیر موجب میں زائد ہوگی جیسے ما جاء نبي من احد اور هل جاء نبي من احد۔ البتہ کوفین اور انخفش کے نزدیک کلام موجب میں بھی من زائد ہو سکتی ہے، اس لیے عربوں کے قول و قد كان من مطر میں کلام موجب ہونے کے باوجود من زائد ہے پس معلوم ہوا کہ من زائدہ غیر موجب کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، لیکن جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ قد كان من مطر اور اس جیسی مثالیں مؤول ہیں یعنی اس طرح کے کلاموں میں من یا تو برائے تبعیض ہے یا برائے بیان ہے زائدہ نہیں ہے۔ پس تقدیر عبارت ہوگی قد كان بعض مطر یا قد كان شي من مطر۔

والی للانتهاہ: معلوم ہو کہ الی کے دو معنی ہیں ایک تو انتہاء غایت جو من ابتداء غایت کے مقابلہ میں ہوتا ہے اس کی پہچان الی کا اس چیز میں استعمال ہونا جس کے لیے انتہاء ہو جیسے سرت من مكة الی المدینة دوسرے معنی ہیں کہ الی مع کے معنی میں ہو البتہ ایسا کم ہوتا ہے جیسے من انصاری الی اللہ جو مع اللہ کے معنی میں ہے اور جیسے وَلَا تَاكُلُوا اموالهم الی اموالکم پس معنی میں مع اموالکم کے ہے۔

وحتى كذلك: اور حتی بھی الی کی طرح انتہائے غایت کے لیے آتا ہے، البتہ مع کے معنی میں عموماً ہوتا ہے جیسے اكلت السمك حتی رأسها معنی ہیں مع رأسها۔ حتی اور الی میں ایک دوسرا فرق یہ ہے کہ حتی اسم ظاہر پر ہی داخل ہوتا ہے، اسم ضمیر پر الی کی طرح داخل نہیں ہوتا، اس لیے کہ اگر اسم ضمیر پر حتی داخل ہو تو چوں کہ حتی کے بعد ضمیر مجرور کی طرح ضمیر منصوب اور مرفوع بھی آ سکتی ہیں پس ضمائر میں آپس میں خلط ملط ہو جائے گا۔ البتہ مبرد کے نزدیک اسم ضمیر پر بھی حتی کا دخول صحیح ہے وہ عرب شاعر کے اس قول مع فنی حتاك یا ابن ابی زیاد سے استدلال کرتے ہیں کہ حتاك میں حتی اسم ضمیر پر شاعر عرب نے داخل کیا ہے پس معلوم ہو ضمیر پر بھی حتی کا دخول صحیح ہے، لیکن مبرد کا یہ استدلال بچند وجوہ ضعیف ہے سب سے پہلی بات ہے کہ مبرد نے غیر شعر یعنی نثر کو نظم پر قیاس کیا ہے، جب کہ شعر و سخن میں اس چیز کی بھی گنجائش ہوتی ہے جو عمومی حالات میں منع ہوتی ہے، دوسرے دخول علی الضمیر قلیل الاستعمال ہے جو بمنزلہ عدم کے ہے۔

وفی للظرفية: اور فی اپنے دخول کی ظرفیہ کے لیے ہوتی ہے خواہ حقیقتاً ظرف ہو جیسے الماء فی الكوز یا مجازاً ہو، جیسے النجاة فی الصدق اور کبھی فی علی کے معنی میں بھی ہوتی ہے لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے جیسے وَلَا صَلَّيْنَاكُمْ فِي جُدُوعِ النَّخْلِ پس فی علی کے معنی میں ہے۔

والباء للالصاق: باء معنی الصاق کے لیے مستعمل ہے۔ الصاق کی دو قسمیں ہیں الصاق حقیقی جیسے وہب داء اور الصاق مجازی جیسے مررت بزید، باء استعانة کے لیے بھی آتی ہے یعنی اس بات پر دلالت

کرنے کے لیے کہ باء کا مدخول فعل کا آلہ اور ذریعہ ہے جیسے ضربتُ الکفار بالسيف اور باء مصاحبت کے لیے بھی مستعمل ہے جیسے دخلت علی بیاب السفر اور مقابلہ کے لیے جیسے اخذت هذا الثوب بدرهم اور تعدیہ یعنی فعل لازم کو متعدی بنانے کے لیے بھی باء کا استعمال ہوتا ہے جیسے ذهب بزيد. اور ظرفیت کے لیے باء کا استعمال راجح ہے جیسے اطلبوا العلم ولو بالصين پس یہ فی الصين کے معنی میں ہے، باء استفہام اور نفی کی خبر میں حسب ضابطہ زیادہ ہوتی ہے جیسے هل زيد بقائم اور ليس زيد بقائم. البتہ استفہام اور نفی کے ماسواء میں سماعاً یا کی زیادتی ہوتی ہے جیسے بحسبك زيد کہ باء زائدہ ہے اور حسبك مبتداء ہے خبر نہیں ہے اور وَلَا تَلْفُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ پس باید کیم کی باء زائدہ ہے اور حسبك سرے سے خبر نہیں ہے، اس لیے کہ وہ حسبك زيد کے معنی میں ہے اور زيد بحسبك میں بحسبك کو خبر ہے لیکن مثبت ہے منفی نہیں ہے۔

وَاللَّامُ لِلِاخْتِصَاصِ وَالتَّعْلِيلِ وَبِمَعْنَى عَنِ مَعَ الْقَوْلِ وَزَائِدَةٌ وَبِمَعْنَى الْوَاوِ فِي الْقِسْمِ لِلتَّعَجُّبِ وَرُبُّ لِلتَّقْلِيلِ وَلَهَا صَدْرُ الْكَلَامِ مَنْخَصَةٌ بِنَكْرَةِ مَوْصُوفَةٍ عَلَى الْأَصَحِّ وَفَعْلُهَا مَاضٍ مَحذُوفٌ غَالِبًا، وَقَدْ تَدَخَّلَ عَلَى مَضْمَرٍ مَبْهُمٍ مُمِيزٌ بِنَكْرَةِ مَنْصُوبَةٍ وَالضَّمِيرُ مَفْرُودٌ مَذْكَورٌ خِلَافًا لِلْكَوْفِيِّنَ فِي مُطَابَقَةِ التَّمْيِيزِ وَتَلَحُّقِهَا مَا تَدَخَّلَ عَلَى الْجُمْلِ وَوَاوُهَا تَدَخَّلَ عَلَى نَكْرَةِ مَوْصُوفَةٍ.

ترجمہ:- اور لام اختصاں اور تعلیل کے لیے ہوتا ہے اور قول کے ساتھ عن کے معنی میں ہوتا ہے اور لام زائدہ ہوتا ہے اور رب کے لیے قسم میں واؤ کے معنی میں ہوتا ہے۔ اور رب لتقلیل کے لیے ہوتا ہے اور اس کے لیے صدر کلام ہے جو صحیح ترین قول کے مطابق نکرہ موصوفہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور اس کا فعل ماضی محذوف ہوتا ہے عموماً اور کبھی رب ضمیر مبہم پر داخل ہوتا ہے جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہوتی ہے اور اس کو ما لاحق ہوتا ہے پس وہ جملہ پر داخل ہوتا ہے اور واؤ رب نکرہ موصوفہ پر داخل ہوتا ہے۔

توضیح:- لام اختصاں کے لیے آتا ہے، اختصاں کی تین صورتیں ہیں، ایک اختصاں ملک ہوتا ہے جیسے المال لزيد دوسرے اختصاں استحقاق ہوتا ہے جیسے العجل للفروس تیسرے اختصاں نسبت ہوتا ہے جیسے حامد ابن لزيد۔

والتعلیل: اور لام تعلیل یعنی بیان علت کے لیے آتا ہے۔ علت دو قسموں پر ہے اول علت، سبب غائی کہلاتی ہے کہ جس کی وجہ سے فعل کا ارادہ کیا جاتا ہے جیسے ضربتہ للتادیب پس بلاشبہ تادیب ضرب کے لیے علت غائی ہے دوسری قسم علت سبب باعث ہو، یعنی وہ ایسی علت نہ ہو کہ جس کی وجہ سے فعل کا ارادہ کیا جاتا ہے جیسے خوجت لمخافتك پس مخافت خروج کی علت غائی نہیں ہے البتہ سبب باعث ہے۔

و بمعنی عن: اور لام جب قول کے ساتھ ہو تو عن کے معنی میں ہوتا ہے جیسے قلت له اتہ لم یقتل پس قلت له معنی میں قلت عنہ کے ہے۔

اور لام زائدہ بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد رَدِف لَكُمْ جو معنی میں رَدِفْكُمْ کے ہے، اس لیے کہ رَدِفْ براہ راست مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔

اور لام برائے تعجب و اوقمیہ کے معنی میں بھی ہوتا ہے جیسے لَدَّه لا یؤخر الاجل جو معنی میں واللہ لا یؤخر الاجل کے ہے، البتہ لام برائے تعجب و اوقمیہ کے معنی میں اہم امور میں ہی مستعمل ہوگا معمولی چیزوں کے لیے استعمال نہ ہوگا۔

و رِب للتقلیل: اور رب تقلیل کے آتا ہے اور اس کے لیے صدارت کلام ہوگی، کیونکہ رب کم خبریہ کی نقیض ہے، اس لیے کہ کم خبریہ تکثیر کا فائدہ دیتی ہے اور ایک نقیض کو دوسری نقیض پر محمول کرتے ہوئے ایک کا حکم دوسرے پر لگایا جاسکتا ہے پس چوں کہ کم خبریہ صدارت کلام کا تقاضا کرتی ہے، لہذا رب جو تقلیل معنی پر دال ہونے کی وجہ سے اس کی نقیض ہے وہ بھی صدارت کلام چاہتا ہے۔ البتہ رب نکرہ موصوفہ کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے صحیح ترین قول کے مطابق تا کہ تقلیل کے معنی جو کہ رب کا مدلول ہے ثابت ہو سکے اس لیے کہ نکرہ مجہول ہوتا ہے جس میں تقلیل اور تکثیر دونوں کا احتمال ہوتا ہے، جب کہ معرفہ مفرد اور ثنویہ ہونے کی صورت میں اس کی قلت متعین ہے اور جمع ہونے کی صورت میں اس کی کثرت متعین ہے اور موصوفہ کی قید بھی تقلیل معنی کے ہی تحقیق کے لیے ہے، اس لیے موصوفہ بمقابلہ غیر موصوفہ کے انحصار ہوتا ہے اور انحصار بمقابلہ اعم اقل ہوتا ہے۔

جب کہ بعض حضرات رُب کے لیے نکرہ موصوفہ کو ضروری نہیں مانتے۔

و فعلھا ماض: اگر رب، ماکفوفہ کے ساتھ نہ ہو تو اس کا فعل عامل ماضی ہوگا، اس لیے کہ رب تقلیل محقق کے لیے آتا ہے اور یہ فعل ماضی میں ہی متصور ہوتا ہے جیسے رب رجل کریم لقیثہ اور عموماً فعل ماضی قرینہ کے ہونے کی وجہ سے محذوف ہوتا ہے جیسے رب رجل کریم اس شخص کے جواب میں جس نے کہا بمن لقیثہ۔

وقد تدخل: کبھی رُب ایسی ضمیر مبہم پر داخل ہوتا ہے جس کا کوئی مرجع متعین نہیں ہوتا ہے اور جس کی تمیز نکرہ منصوبہ ہوتی ہے، تا کہ ضمیر کا ابہام ختم ہو جائے۔

اور یہ جو ضمیر ہوگی تو مفرد مذکر ہوگی، اس لیے کہ اس ضمیر سے مقصود ابہام ہے اور مفرد مذکر کو ابہام میں زیادہ دخل ہوتا ہے، لہذا ضمیر مذکور مفرد اپنے غیر سے اس مقصد کے لیے زیادہ حق دار ہے، پس حاصل یہ ہے کہ یہ ضمیر نعم رَجُلًا زید کی ضمیر کی طرح مفرد ہوگی، تمیز کے مطابق ہونا ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ اس کا مرجع

جواب پر دلالت کرتا ہے۔ اور عن مجاوزة کے لیے ہے اور علی استعلاء کے لیے اور کبھی عن اور علی اسم ہوتے ہیں من کے داخل ہونے کے وقت اور کاف تشبیہ کے لیے ہے اور زائدہ ہوتا ہے۔ اور کبھی اسم ہوتا ہے اور کاف اسم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے اور مذ اور منذ ماضی میں ابتداء زمان کے لیے ہوتے ہیں اور زمانہ حال میں ظرفیت کے لیے جیسے ما رایتہ مذ شہرنا و منذ یومنا اور حاشا اور عدا اور خلا استثناء کے لیے ہیں۔

واو القسم: واؤ کا قسم کے لیے ہونا تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، پہلی شرط یہ ہے کہ فعل محذوف ہو، لہذا واللہ اجلس نہیں بولا جائے گا، دوسری شرط یہ ہے کہ سوال کے لیے نہ ہو، لہذا واللہ اخیرنی نہیں بولیں گے، تیسری شرط یہ ہے کہ اسم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہو پس وَكَ لَا فَعْلَن كَذَا نہیں بولا جائے گا جب کہ باء کا استعمال کسی شرط کے ساتھ مشروط نہیں ہے، درحقیقت واو برائے قسم باء برائے قسم سے درجہ میں کم ہے پس اصل اور فرع میں فرق ضروری تھا۔

والتا مثلاً: اور تا قسمیہ واو قسمیہ کی طرح ہی ہے یعنی تا قسمیہ فعل کے ساتھ نیز سوال کے موقع کے لیے مستعمل نہیں ہوتا اور اسم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہے۔ البتہ واو قسم اور تا قسم میں فرق یہ ہے کہ تا قسم اسم اللہ کی ساتھ مخصوص ہے، چنانچہ غیر اللہ پر تا قسم داخل نہیں ہوتی جیسے تَاللّٰہ لَا کِیْدَن اَصْنَامِکُمْ اور وجہ فرق یہ ہے کہ تا قسم سے کم تر ہے اور واؤ باء سے کم تر ہے اسی وجہ سے سب میں اشتراک کے ساتھ کچھ نہ کچھ فرق بھی ہے۔ پس باء ان دونوں کو عام ہے چنانچہ باء کا استعمال فعل کے ساتھ جیسے قسمت باللہ اور موقع سوال میں جیسے باللہ اخیرنی صحیح ہے، اسی طرح فعل کے حذف اور موقع سوال کے علاوہ کے لیے بھی باء مستعمل ہو سکتی ہے، نیز اسم ظاہر اور اسم الہی پر بھی باء کا دخول ہوتا ہے۔

وینتلقى القسم: اور قسم کا جواب لام اور ان کے ساتھ دیا جاتا ہے، جیسے تَاللّٰہ لَا کِیْدَن اَصْنَامِکُمْ اور ان کی مثال اِنَّ سَعِیْکُمْ لَشَتٰی، وَاللّٰیْلِ اِذَا یَغْشٰی کے جواب میں اور حرف نفی کے ساتھ بھی قسم کا جواب دیا جاتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد والضحیٰ والیل اِذَا سَجٰی مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قُلٰی حاصل یہ ہے کہ جواب قسم میں لام اور ان اور حرف نفی میں سے کسی کا ہونا ضروری ہے۔

وقد یحذف: جب قسم اجزاء جملہ کے درمیان واقع ہو جائے جیسے زید واللہ قائم یا قسم اس جملہ پر مقدم ہو جو جواب پر دلالت کرتا ہے زید عالم واللہ تو قسم کے جواب کو حذف کر دیتے ہیں اس لیے کہ دونوں صورتوں میں اعادہ جواب کی ضرورت نہیں بلکہ وہی جملہ جواب کا قائم مقام ہو جائے گا۔

عن: مجاوزت کے لیے آتا ہے جیسے رمیت السهم عن القوس۔

علی: اور علی استعلاء کے لیے آتا ہے خواہ استعلاء حقیقتاً ہو جیسے زید علی السطح یا حکنا ہو

جیسے علیہ دین۔

وقد يكون اسمين: جب من، عن اور علی پر داخل ہو تو وہ عن اور علی بجائے حرف ہونے کے اسم ہوتے ہیں، البتہ یہ ہے کہ وہ علی من کے داخل ہونے پر اسم ہوتا ہے جو فوق کے معنی میں ہے جیسے عدت من علیہ معنی عدت من فوقہ اسی طرح جب من، عن پر داخل ہو تو وہ عن جانب کے معنی میں ہوتا ہے جیسے جلست من عن یمینہ معنی ہیں من جانب یمینہ۔

والکاف: اور کاف تشبیہ کے لیے آتا ہے جیسے الذی عندی کزید اور کاف زائدہ بھی ہوتا ہے جیسے لیس کمثلہ شی اصل معنی میں لیس مثلہ شی۔

اور کاف کبھی اسم ہوتا ہے جو مجرور ہوتا ہے، جیسے یضحکن عن کالبرد المنہم۔ وہ ہنستی ہے پچھلے ہوئے اولوں کے مثل دانتوں سے۔ اور کاف اسم ظاہر کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے، لہذا لہ نہیں بولا جاتا، اس لیے لفظ مثل کی وجہ سے کاف تشبیہ کے ضمیر پر داخل ہونے کی ضرورت رفع ہو جاتی ہے پس کاف کے ضمیر پر داخلہ کی کوئی ضرورت نہیں اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر کاف ضمیر پر داخل ہو تو دو کافوں کا اجتماع بھی ہو سکتا، اس لیے کہ وہ کاف مخاطب کے مشابہ ہوتا ہے، پس عموم کے لیے مطلق منع کر دیا البتہ عرب جو مالنا کانت و اما انت کا نفا بولتے ہیں تو چوں کہ یہ ضمیر منفصل ہے جو ان کے یہاں اسم ظاہر کے حکم میں ہے، لہذا اس مثال میں کاف اسم ظاہر پر ہی داخل سمجھا جائے گا۔

ومذ ومنذ: نورد اور منذ کی وضع زمانہ بتانے کے لیے ہے خواہ زمانہ ماضی کا ہو یا حال کا البتہ اتنا فرق ہے کہ ماضی میں ابتداء فعل کا زمانہ بتانے کے لیے ہے اور حال میں ظرفیت کے لیے جیسے مارا بتہ مذ شہرنا اور مارا بتہ منذ یومنا۔

حاشا وعدا: حاشا اور عدا اور خلا استثناء کے لیے وضع کیے گئے ہیں اگر اسم ان کے بعد مجرور ہو تو یہ حروف جارہ ہونگے اور اگر منصوب ہو تو یہ افعال ہوں گے اور فاعل ان میں ضمیر مستتر ہوگی، ان تینوں افعال کو استثناء کے ساتھ اس لیے مقید کیا ہے کہ جب یہ استثناء کے لیے نہ ہوں گے تو حروف بھی نہ ہوں گے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ جب یہ استثناء کے لیے ہوں تو حروف جر بھی ہوں۔

الحروف المشبهة بالفعل وهي إنَّ وأنَّ وكأنَّ ولكنَّ وليت ولعلَّ ولها صدر الكلام سوى أنَّ فهي بعكسها وتلحقها ما تلتفي على الافصح وتدخل حينئذ على الافعال فإن لا تغير معنى الجملة وأنَّ مع جملتها في حكم المفرد ومن ثمَّ وجب الكسر في موضع الجمل والفتح في موضع المفرد فكسرت ابتداءً وبعد القول والموصول وفتحت فاعلةً ومفعولةً ومبتدأً ومضافاً إليها وقالوا لولا أنك لانه

مبتداً ولو أنك لأنه فاعلٌ وإن جاز التقديران جاز الأمران نحو من يكرمني فاني
اكرمه ومع اذا أنه عبد القفا واللهازم ÷ وشبهه ولذلك جاز العطف على اسم
المكسورة لفظاً وحكماً بالرفع دون المفتوحة ويشترط مضي الخبر لفظاً او
تقديراً خلافاً للكوفيين ولا اثر لكونه مبنياً خلافاً للمبرد والكسائي في مثل أنك
وزيداً ذاهبان .

ترجمہ:- حروف مشبہ بالفعل اور وہ اِن، اَنْ، كَانْ، لَكِنْ، لَيْتْ اور لَعَلْ ہے اور ان کے
لیے صدر کلام ہوتا ہے سوائے اَنْ کے پس وہ ان حروف کے برعکس ہے اور ان حروف کو مالاتق ہوتا ہے پس
عمل لغو ہو جاتا ہے صحیح ترین قول کے مطابق اور یہ حروف اس وقت افعال پر داخل ہوتے ہیں پس اِن جملہ
کے معنی میں تبدیلی نہیں کرتا ہے اور اَنْ مع اپنے جملہ کے مفرد کے حکم میں ہوتا ہے اسی وجہ سے جملہ کی جگہ
میں اِن مکسورہ کا لانا واجب ہوتا ہے اور ان مفتوحہ کا مفرد کی جگہ میں پس ان مکسورہ شروع کلام میں اور قول اور
موصول کے بعد لایا جاتا ہے اور اِن مفتوحہ لایا جاتا ہے دراصل ایک وہ فاعل ہو اور مفعول ہو اور مبتدا ہو اور
مضاف الیہ ہو اور لوگوں نے فولا اَنْتَ کہا اس لیے کہ وہ مبتدا ہے اور لو اَنْتَ کہا اس لیے کہ وہ فاعل ہے،
اور اگر دو تقدیریں جائز ہوں تو دونوں امر درست ہیں، من یکرمني فاني اكرمه اور مع اذا أنه
عبد القفا واللهازم اور اس جیسے میں اور اسی وجہ سے عطف جائز ہے ان مکسورہ کے اسم پر لفظاً اور حکماً رفع
کے ساتھ نہ کہ ان مفتوحہ کے اسم پر اور شرط لگائی گئی خبر کے لفظاً یا تقدیراً گذر جانے کی مخالفت کرتے ہوئے
کوئیوں کی اور کوئی اثر نہیں ہے اس کے جہی ہونے کا مخالفت کرتے ہوئے مبر اور کسائی کی انت وزید
ذاهبان جیسے میں۔

توضیح:- حروف مشبہ بالفعل اِن، اَنْ، كَانْ، لَكِنْ، لَيْتْ اور لَعَلْ ہے، ماسوائے ان
مفتوحہ باقی تمام حروف مشبہ بالفعل صدارت کلام کا تقاضا کرتے ہیں، کیوں کہ ان میں کا ہر کوئی کلام کی قسم
خاص پر دلالت کرتا ہے جیسے تری، حنی، استدلاک وغیرہ پس صدارت کی صورت میں شروع امر سے ہی اس
نوعیت خاص پر دلالت ہوگی البتہ اِن مفتوحہ صدارت کلام کو نہیں چاہتا اس لیے کہ وہ اپنے اسم و خبر کے ساتھ
مفرد کی تاویل میں ہوتا ہے جس کے لیے کسی دوسری چیز سے متعلق ہونا تمامیت کلام کے واسطے ضروری ہے۔
وتلحقها ما: حروف مشبہ بالفعل کو مالاتق ہوتا ہے پس حروف مشبہ بالفعل کا عمل باطل ہو جاتا
ہے، اس لیے کہ ما ان حروف کو عمل سے روک دیتا ہے، ایک تو اس لیے کہ ما کے لقوق کی وجہ سے ان حروف کی
فعل کے ساتھ مشابہت کمزور پڑ جاتی ہے، دوسرے ما کی وجہ سے ان میں اور جملہ میں تھوڑا سا فاصلہ ہو جاتا

ہے پس یہ عمل سے بے بس ہو جاتے ہیں۔

وتدخل حينئذ: جب ما کا فہ ان حروف کو لاحق ہوگا تو چونکہ ان کا عمل ما کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے، لہذا اب یہ حروف اسم پر دخول کے بھی پابند نہیں رہیں گے، چنانچہ بجائے اسم کے افعال پر داخل ہوں گے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ۔

فَإِنَّ: ان مکسورہ جملہ کے معنی میں بجائے تبدیلی کے مزید استحکام اور تاکید پیدا کرتا ہے، چنانچہ جب ان زید قائم بولا گیا تو اس نے اسی چیز کا یعنی ثبوت القیام لزید کا فائدہ تاکید اور مبالغہ کی زیادتی کے ساتھ دیا جس کا زید قائم فائدہ دیتا ہے۔ جب کہ اَنْ مفتوحہ معنی میں تبدیلی کر دیتا ہے، کیوں کہ وہ اس جملہ کے ساتھ جو اس کے مابعد ہوتا ہے مفرد کے حکم میں ہو جاتا ہے۔

ومن ثم وجب الكسر: جب ان مکسورہ معنی جملہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا اور ان مفتوحہ اپنے مابعد کے جملہ میں تبدیلی کر دیتا ہے تو پھر دونوں کے مواقع استعمال علیحدہ علیحدہ ہو گئے، لہذا ان مکسورہ ہر ایسی جگہ مستعمل ہوگا جہاں جملہ علیٰ حالہ باقی رہتا ہے اور اَنْ مفتوحہ ایسی جگہ میں استعمال ہوگا جہاں اس کا مابعد مفرد کے حکم میں ہو جاتا ہے۔ لہذا ان مکسورہ ابتداء کلام میں استعمال ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان اللہ غفور رحیم اور قول کے بعد ان مکسورہ استعمال ہوگا نیز موصول کے بعد قول کی مثال جیسے يَقُولُ اِنَّهَا بَقْرَةٌ اور موصول کی مثال جیسے الَّذِي اِنكَ ضَرَبْتَهُ فِي الدَّارِ۔ پس ابتداء کلام میں ان مکسورہ اس لیے واجب ہے، کیوں کہ وہ موقع جملہ ہوتا ہے، اس لیے کہ تکلم بالمفرد فائدہ تام نہ ہونے کی وجہ سے باطل ہے اور قول کے بعد اس لیے کہ قول کا مقولہ جملہ کا ہی ہوتا ہے نیز صلہ بھی جملہ ہی ہوتا ہے اور موقع استعمال ان مکسورہ بھی جملہ ہی ہے حاصل یہ ہے کہ یہ تینوں مواقع وقوع جملہ کے ہیں اور اَنْ مفتوحہ کا موقع استعمال یہ ہے کہ وہ ترکیب میں فاعل ہو جیسے بلغنی اِنكَ قَلْتِ يَهُودِيًّا يَمْفَعُولٌ ہو جیسے عَرَفْتَ اِنكَ تَلْمِيزٌ رَشِيدٌ یا مبتدا ہو جیسے عِنْدِي اِنكَ قَائِمٌ يَمْضَاغٌ اِلَيْهِ هُوَ قَدِمْتَ عِنْدَكَ يَوْمَ اِنكَ اخَذْتَ اَمْرِي كَيْفَا اَنْ مَفْتُوحٌ کے یہ مواقع اس لیے ہیں کہ فاعل اور مفعول اور مبتدا نیز مضاف اِلَيْهِ سب مفرد ہی ہوتے ہیں اور ان مفتوحہ بھی مع اسم و خبر مفرد کے حکم میں ہوتا ہے۔

وقالوا لولا انك: لولا دو طرح کا ہے ایک امتناعیہ ابتداء یہ دوسرے لولا تخصیض ہے تو لولا ابتداء کے بعد اَنْ مفتوحہ اس لیے واجب ہے کہ لولا کا مابعد مبتدا محذوف الخمر ہوتا ہے اور مبتدا مفرد ہوتا ہے۔ اور ان مفتوحہ کا موقع استعمال کا بھی مفرد ہی ہے۔ اور اگر لولا تخصیض ہے تو اس کے بعد بھی ان مفتوحہ ہوگا، اس لیے کہ لولا برائے تخصیض کے بعد فاعل کا آنا لفظاً یا تقدیراً واجب ہے، اس لیے بعد لولا یا تو فاعل ہوگا یا مفعول اور دونوں مفرد ہی ہوتے ہیں پس اول کی مثال جیسے لولا اِنكَ مَنطَلِقٌ اِنقَطَلَقْتُ

اور دوسرے کی مثال لولا ان زید قائم اور جیسے لولا ان زید ضربتہ۔

ولو انک: لوشرطیہ کے بعد بھی ان مفتوح ہوتا، کیوں کہ اس کے بعد فعل مقدر ہوتا ہے پس ان مفتوحہ فاعل ہوگا اور فاعل مفرد ہوتا ہے پس گویا یہ سب مواقع ان مفتوحہ ہیں۔

وان جاز التقدير ان: اگر کوئی ایسی جگہ ہو جہاں ان مکسورہ اور ان مفتوحہ دونوں کی تقدیر درست ہو تو دونوں کو مقدر مانا جائے گا یعنی وہاں ان مکسورہ اور ان مفتوحہ دونوں پڑھنا درست ہوگا، من یکر منی فانی اکومہ جیسی ترکیب سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جہاں ان اپنے اسم و خبر سے مل کر شرط کی جزاء واقع ہوتی ایسی ترکیب میں ان مکسورہ اور ان مفتوحہ دونوں جائز ہیں ان مکسورہ تو اس لیے کہ وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ ہے جو جزاء واقع ہے اور ان مفتوحہ اس لیے کہ وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر مفرد کے حکم میں ہے جو مبتدا محذوف الخبر محذوف البتد دونوں ہو سکتا ہے، پہلی صورت میں تقدیر من یکر منی فاکر امی ثابت لہ ہوگی اور دوسری صورت من یکر منی فجزاء ہ اکر امی ہوگی۔

اذا انه عبد القفا واللہازم سے مراد ہر ایسی ترکیب ہے کہ جس میں ان اپنے اسم و خبر سے مل کر اذا مفا جائیہ کے بعد واقع ہو تو ایسی ترکیب میں بھی ان مکسورہ اور ان کی مفتوحہ دونوں پڑھنا درست ہے۔ مکسورہ تو اس لیے ان اپنے اسم و خبر سے مل کر برائے مفاجات اذا کے بعد واقع ہے اور مفتوحہ اس لیے کہ ان اپنے اسم و خبر سے مل کر مفرد کے حکم میں ہے جو مبتدا محذوف الخبر ہے اصل عبارت یہ ہے کہ اذا عبودینہ للقفاء واللہازم ثابت، پورا شعریوں ہے کنت اری زیدا کما قبیل لسید ÷ اذا انه عبد القفا واللہازم۔ ترجمہ: میں زید کو جیسا کہ کہا جاتا ہے شیر سمجھتا تھا، حالانکہ وہ گدی اور جیزوں کا غلام ہے یعنی کینہ ہے۔

وشبہہ: ما قبل جیسی ترکیبوں میں بھی ان مکسورہ اور مفتوحہ کی مجتانش ہے جیسے عربوں کا قول اول ما اقول انی احمد اللہ پس اگر ما کو موصوفہ قرار دیا جائے تو مطلب ہوگا اول مقولاتی اور مقولہ جملہ ہوتا ہے لہذا ان مکسورہ ہوگا اور اگر ما مصدریہ مانا جائے تو مطلب ہوگا اول الاقوال جو معنی مصدری ہے اور مفرد ہے لہذا ان مفتوحہ ہوگا۔

ولذالك جاز العطف: اس وجہ سے کہ ان مکسورہ جملہ کے معنی میں تبدیلی نہیں کرتا جب کہ ان مفتوحہ کلمہ کو مفرد کے حکم میں کر دیتا ہے، لہذا جملہ کے معنی میں ان مکسورہ کا اسم منصوب محل رفع میں ہوگا، کیوں کہ ان مکسورہ اپنا تاکید کا فائدہ دے کر متغیر نہ ہونے کی وجہ سے معدوم کے حکم میں ہوگا، لہذا اس کے اسم کے عمل پر عطف بالرفع درست ہے، لیکن ان مفتوحہ کے اسم کے محل پر عطف بالرفع درست نہیں، کیوں کہ وہ تغیر فی الجملہ کی وجہ سے معدوم کے حکم میں نہیں ہوگا۔

وهشروط مضي الخبر: البته ان مکسورہ کے اسم کے محل پر عطف بالرفع کے جواز کے لیے قبل عطف اس ان مکسورہ کی خبر کا لفظاً یا تقدیراً بیان ہو جانا ضروری ہے، تاکہ شئی واحد کا دو مختلف عاطلوں کا معمول ہونا لازم نہ آئے مضي الخبر لفظاً کی مثال ان زیذا قائم و عمر اور تقدیراً کی مثال ان زیذا و عمرو قائم ہے پس اصل ان زیذا قائم و عمرو قائم ہے۔ پس ان مکسورہ کے اسم کے محل پر عطف بالرفع بغیر مضي الخبر لفظاً و تقدیراً کے درست نہ ہوگا جیسے ان زیذا و عمرو ذاہبان۔ البته کوئیوں کا اختلاف ہے ان کے نزدیک ان مکسورہ کے اسم پر عطف بالرفع کے لیے مضي الخبر شرط نہیں ہے، وہ لوگ والا فاعلموا انا وانتم بغاة ما بقینا فی شقاق سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں انتم کا عطف انا مکسورہ کے اسم پر رفع کے ساتھ ہے یعنی اس کے محل پر ہے، پس معلوم ہوا کہ یہ شرط ضروری نہیں ہے، اس لیے کہ اسم میں ان عامل ہوتا ہے لہذا خبر کے گزرے بغیر اسم ان مکسورہ پر عطف بالرفع کی وجہ سے اجتماع العاطلین علی معمول واحد لازم نہیں آئے گا۔ عبارت کا ترجمہ ہے ورنہ پس تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ میں اور تم سب مجرم قرار پاؤ گے جب تک ہم آپس میں لڑتے رہیں گے۔

ولا اثر لكونه مبنياً: مبرداور کسائی کا کہنا یہ ہے کہ جب ان مکسورہ کا اسم ضمیر ہونے کی وجہ سے مبنی ہو جیسے ایک وزید ذاہبان تو بغیر ان مکسورہ کی خبر کے لفظاً یا تقدیراً گزرے اس کے اسم کے محل پر عطف بالرفع درست ہے، کیوں کہ ان مکسورہ کا مشمل اسم میں مبنی ہونے کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوتا ہے، پس صورت مذکورہ میں عطف کی صورت میں اجتماع العاطلین علی معمول واحد لازم نہیں آئے گا، لیکن جمہور کی طرف سے اس کو رد کر دیا گیا کہ ان مکسورہ کے اسم کے مبنی ہونے کو اس کے اسم کے محل پر عطف بالرفع کے جواز میں کوئی دخل نہیں ہے یعنی باوجود ان مکسورہ کے اسم کے مبنی ہونے کے مضي خبر کے بغیر اس کے اسم کے محل پر عطف بالرفع درست نہیں ہے اور اس کا مبنی ہونا شرط مضي الخبر میں رکاوٹ نہیں ہے، کیوں کہ مانع پر بدستور موجود ہے۔

ولكن كذالك ولذالك دخلت اللام مع المكسورة دونها على الخبر او الاسم اذا فصل بينه وبينها او على ما بينهما وفي لكن ضعيف وتخفف المكسورة فيلزمها اللام ويجوز الغاءها ويجوز دخولها على فعل من المعالي المبتدا خلافاً للكوفيين في التعميم وتخفف المفتوحة فتعمل في ضمير شان مقدر فتدخل على الجمل مطلقاً وشد أعمالها في غيرة ويلزمها مع الفعل السين او سوف او قد او حرف النفي وكان للتشبيه وتخفف فتلفي على الافصح ولكن للاستدراك تتوسط بين كلا من متغابرين معني وتخفف فتلفي او يجوز معها الواو وليت للتمني واجاز

الفرء لیت زیدًا قائمًا ولعل للترجی وشد الجربہا.

ترجمہ:- اور لکن اسی طرح ہے، اور اسی وجہ سے لام ان مکسورہ کے ساتھ نہ کہ اس کے علاوہ کے ساتھ خبر پر داخل ہوتا ہے یا اسم پر داخل ہوتا ہے جب اسم اور ان مکسورہ کے درمیان یا اسم و خبر دونوں کے درمیان فعل ہو، اور لکن میں ضعیف ہے اور ان مکسورہ مخففہ ہو جاتا ہے، تو اس کو لام لازم ہو جاتا ہے اور درست ہے اس کے عمل کا باطل کرنا، اور جائز ہے ان مکسورہ کا مبتدا کے افعال میں سے کسی فعل پر داخل ہونا مخالفت کرتے ہوئے کو فیوں کی تعیم میں اور ان مفتوحہ مخففہ ہو جاتا ہے پس وہ ضمیر شان مقدر میں عمل کرتا ہے، چنانچہ وہ مطلق جملوں پر داخل ہوتا ہے اور ان مفتوحہ کا عمل دلانا اس کے علاوہ میں شاذ ہے، اور لازم ہوتی ہے ان مفتوحہ مخففہ کو فعل کے ساتھ سین یا سوف یا قد یا حرف نفی۔ اور کان تشبیہ کے لیے ہے اور کان مخففہ ہو جاتا ہے پس وہ مثنوی ہو جاتا ہے قول الفصح کے مطابق اور لکن استدراک کے لیے ہوتا ہے جو دو ایسے کلاموں کے وسط میں آتا ہے جو معنی متغایر ہوتے ہیں اور لکن مخففہ ہو جاتا ہے پس وہ مثنوی ہو جاتا ہے اور جائز ہے اس کے ساتھ واؤ اور لیت معنی کے لیے اور فرء نے لیت زیدًا قائمًا کو جائز قرار دیا ہے، اور لعل ترجی کے لیے ہے اور لعل کی وجہ سے جرشاذ ہے۔

ولکن کذا لک: جس طرح ان مکسورہ جملہ کے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کرتا ہے اور اس کے اسم کے عمل پر خبر کے لفظ یا تقدیرا گذر جانے کے بعد عطف بالرفع درست ہے، اسی طرح لکن بھی معنی جملہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا اور اس کے اسم کے عمل پر عطف بالرفع بعد معنی الخبر درست ہے، جیسے ما خرج زید لکن بکرا خارج وعمرو اس لیے کہ لکن استدراک کے لیے ہے اور استدراک معنی ابتداء کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ معنی ابتداء استدراک کے منافی نہیں ہے۔

ولذالك دخلت اللام: اور اسی وجہ سے کہ ان مکسورہ معنی جملہ میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا ہے لام کا ان مکسورہ کے ساتھ، ان مفتوحہ کے ساتھ نہیں خبر پر داخل ہوتا صحیح ہے۔ جیسے ان زید القائمہ اور اسم پر جب اسم اور ان مکسورہ کے درمیان فصل ہوگا تو اس پر لام تاکید داخل ہوگا جیسے ان فی الدار لزيد اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد وان من شعبته لابراهيم۔ اور ان مکسورہ کے اسم و خبر کے درمیان فصل ہوگا تو لام اس کلمہ پر ہوگا جو اسم و خبر کے درمیان ہے جیسے ان زید الثوبك لابس۔ ایسا اس لیے کہ لام ابتداء یہ جملہ کی تاکید کے لیے داخل ہوتا ہے اور ان مکسورہ اپنے اسم و خبر کے ساتھ جملہ ہوتا ہے پس اس کا تقاضا یہ تھا کہ لام صدر کلام میں آتا لیکن عربوں کو دو حرف تاکید یعنی لام اور ان کا اجتماع پسند نہیں ہے اس لیے لام کو ان سے مؤخر کر دیا کیوں کہ ان عامل ہے جب کہ لام عامل نہیں ہے یوں دونوں حرف ابتداء ہیں جب کہ ان مفتوحہ اپنے اسم و خبر کے

ساتھ مفرد کے حکم میں ہوتا ہے لہذا لام تاکید اس کی خبر پر نہیں آئے گا۔ لہذا بلغنی ان زیذا لمنطلق نہیں کہا جائے گا۔

وفی لکن ضعیف : لکن کے اسم اور لکن میں اسی طرح اس کے اسم و خبر میں جب فصل ہو جائے تو لام تاکید کا دخول ضعیف سمجھا جاتا ہے ہر چند لکن فصل کے باوجود حرف ابتدا ہی رہتا ہے اس لیے کہ دخول لام انفصال پر دلالت کرتا ہے اور لکن اتصال کی خبر دیتا ہے کیوں کہ وہ حرف استدراک ہے۔

وتخفف المكسورة : ان مکسورہ مخففہ ہو جاتا ہے تو اس پر لام کا داخل ہونا ضروری ہو جاتا ہے تاکہ ان مخففہ من المشقلہ کے ساتھ الغاء عمل کی صورت میں ان نافیہ کا اشتباہ نہ پیدا ہو لیکن باب کی موافقت میں مطلقاً مخففہ ہونے کی صورت میں مخففہ کا لام کے ساتھ ہونا ضروری قرار دے دیا، حالانکہ بصورت عمل اشتباہ نہیں پیدا ہوتا جیسے ان زیدا قائم اور نافیہ جیسے ان زیذ قائم جو معنی میں ما زیذ قائم کے ہے پس عمل کی صورت میں ان مخففہ من المشقلہ کا اسم منصوب ہوگا، جب کہ ان نافیہ کے بعد کا اسم مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔ البتہ بعض حضرات کے نزدیک ان مخففہ کے عامل ہونے کی صورت میں لام کی ضرورت نہیں ہے۔ یوں مخففہ ہونے کی صورت میں عمل کا الغاء یعنی عمل کا باطل قرار دینا اور اعمال دونوں باتیں صحیح ہیں الغاء عمل تو اس لیے کہ مخففہ ہونے کی وجہ سے فعل سے لفظاً مشابہت ختم ہوگئی اور عمل بر بنائے مشابہت بالفعل کی وجہ سے تھا۔ اور جواز اس لیے کہ جب افعال سے کچھ حذف ہو جاتا ہے تو باوجود حذف کے وہ عمل کرتے ہیں جیسے لم ینک زیذ قائماً تو اسی طرح حروف بھی کچھ ان سے حذف ہو جانے کے باوجود وہ عمل کی صلاحیت سے محروم نہیں ہوتے۔

ویجوز دخولها : ان مکسورہ مخففہ من المشقلہ کا باب کان اور باب علمت پر داخل ہونا درست ہے، اس لیے کہ ان مکسورہ مخففہ من المشقلہ کا اصل دخول تو مبتداء اور خبر پر تھا پس جب مبتداء اور خبر پر داخل نہ ہو سکا تو کم از کم اصل کی رعایت پر ان کلمات یعنی باب کان اور باب علمت پر ہی اس کا دخول ہو جائے جو کہ مبتداء اور خبر پر داخل ہوتے ہیں تاکہ بقدر امکان اصل کی رعایت ہو جائے جیسے وان کانت لکبیرة اور وان وجدنا اکثرهم لفاسقین اور وان نظنتک لمن الکاذبین البتہ جب فعل دعاء ہو تو لام کا دخول لازم نہیں رہتا، اس لیے کہ لام ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کرنے کے لیے تھا اور دعاء اس پر ان نافیہ داخل ہی نہیں ہوتا، لہذا اشتباہ کا موقع نہیں رہا۔

خلافاً للکوفین : البتہ کوفیوں کا تعمیم میں اختلاف ہے یعنی ان کے نزدیک ان مخففہ من المشقلہ تمام افعال پر داخل ہو سکتا ہے خواہ وہ افعال مبتداء اور خبر پر داخل ہوتے ہوں جیسے باب کان اور باب علمت یا داخل نہ ہوتے وہ اس شعر سے استدلال کرتے ہیں شعر: باللہ ربک ان قتلت نفساً ۛ وجبت علیک

عقوبة المتعمد. پس محل استدلال ان قتل نفسا ہے کہ باوجود قتل کے مبتدا اور خبر پر داخل نہ ہونے کے اس پر ان مخففہ داخل ہے پس معلوم ہوا کہ ہر طرح کے افعال پر داخل ہو سکتا ہے، لیکن چون کہ اس شعر میں ان مخففہ کا قتل پر دخول خلاف قیاس اور استعمال فصحاء کے خلاف ہے، لہذا اس کا اعتبار نہیں ہے۔ شعر کا ترجمہ ہے کہ بخدا اگر آپ نے کسی کو قتل کیا تو آپ پر عہد اقل کرنے والے کی سزا لازم ہو جائیگی۔

وتخفف المفتوحة: ان مفتوحہ بھی مخففہ ہوتا ہے پس وہ ایسی ضمیر شان میں عمل کرتا ہے جو مقدر ہوتی ہے، اس لیے کہ ان مفتوحہ، ان مکسورہ کے مقابلہ میں فعل کے زیادہ مشابہ ہے اور مکسورہ مخففہ من المشقلہ عمل کرتا ہے جیسے **وَإِنْ كَلَّا لَمَا لِيَؤْفَيْنَهُمْ**، اور مفتوحہ مخففہ اسم ظاہر میں عمل نہیں کرتا، پس اس کے عمل کو ضمیر شان میں مقدر مانا گیا، تاکہ اقویٰ یعنی مفتوحہ مخففہ کا ادنیٰ یعنی مکسورہ مخففہ سے کمتر ہونا لازم نہ آئے جیسے **وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ**.

فندخل علی الحمل مطلقاً: یہ ایک سوال کا جواب وہ یہ ہے کہ فرع کی اصل پر زیادتی ملنا لازم نہ آئے، اس لیے آپ نے ان مفتوحہ مخففہ کے لیے ضمیر شان مقدر میں عمل فرض کر لیا تھا، لیکن اس کے باوجود فرع کی اصل پر زیادتی ہے، اس لیے کہ ان مکسورہ مخففہ اسم ظاہر میں عمل کرتا ہے جب کہ ان مفتوحہ مخففہ ضمیر میں عمل کرتا ہے۔ تو اس کا مصنف نے جواب دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ضمیر شان مقدر میں عمل کا دوام اسم ظاہر میں احیانا کبھی کبھار مکسورہ مخففہ کے عمل سے اقویٰ ہے، چنانچہ ان مفتوحہ مخففہ مطلقاً ہر طرح کے جملوں پر داخل ہوتا ہے۔ خواہ اسمیہ ہوں یا فعلیہ۔ خواہ ان کا فعل مبتدا خبر پر داخل ہوتا ہو یا نہ ہوتا کہ وہ جملہ ضمیر شان مقدر کی تفسیر بن جائے۔

وشذا: ان مفتوحہ مخففہ کا غیر ضمیر شان میں عمل کرنا شاذ ہے جیسے شاعر کا قول **شعر فلو انک فی یوم الرخاء سألتنی ÷ فراقک لم ابخل وانت صدیقی**۔ ترجمہ: اگر تم مجھ سے وصال کے دن فراق کی درخواست کرتی ہو تو میں اس کے قبول کرنے میں بخل نہیں کر سکتا، بشرطیکہ تم میرے دوست بنے ہو۔

ویلز مہا مع الفعل: ان مفتوحہ مخففہ جب فعل کے ساتھ ہو تو فعل پر سین یا سوف یا قد یا حرف نفی لازم ہے، تاکہ ان مفتوحہ مخففہ کا ان مصدریہ کے ساتھ اشتباہ نہ لازم آئے، کیوں کہ جس فعل پر یہ حرف ہوتے ہیں اس پر ان ناصبہ مصدریہ داخل نہیں ہوتا۔

سین کی مثال جیسے **أَنْ سِیْکُونُ مِنْکُمْ مَرْضِیٌّ** اور سوف کی مثال جیسے **وَاعْلَمُ فَعَلِمَ الْمَرْءُ بِنَفْعِهِ** ان سوف یاتی کل ما قدر اور قد کی مثال جیسے **لِیَعْلَمَ** اَنَّ قد ابلغوا رسالات ربهم اور حرف نفی کی مثال **اَفْلَا یُرَوْنَ** ان لا یوجع الیہم۔

کَانَ: کَانَ تشبیہ کے لیے ہے جیسے **کَانَ زَبْدُ الْاَسَدِ** اور **کَانَ** مخففہ نون کے سکون کے ساتھ

تکآن بھی ہوتا ہے پس عمل باطل ہو جاتا ہے اس لیے کہ فعل کے ساتھ مشابہت کے بعض وجوہ مثلاً لام کلمہ کا فتوحوت ہو جاتا ہے اور یہ قول الفصح ہے جیسے شاعر کا قول ع ونحو مشرق اللون ÷ تکآن ندياه حقان۔ ترجمہ یہ ہے کہ بہت سے سینے چمک دار رنگ والے ہیں گویا اس کے دونوں چھاتیاں دوڑیہ ہیں۔

لکن: لکن استدراک کے لیے آتا ہے، جو ایسے دو کلاموں کے وسط میں واقع ہوتا ہے جو باہم معنی مغایر ایک دوسرے کے ہوتے ہیں، البتہ لفظاً کبھی تو تغایر ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ کلام متغایر کے وسط میں لکن اس لیے واقع ہوتا ہے کہ استدراک بغیر تغایر کے تصور ہی نہیں۔ استدراک کی مثال ولو اراکھم کثیرا الفستلم ولتنازعتم فی الامر ولکن اللہ مسلم، لکن مخففہ بھی ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں مشابہت بالفعل کے نہ ہونے کی وجہ سے وہ ملعی یعنی بے عمل ہو جاتا ہے، البتہ انش اور یوس نحوی مخففہ ہونے کے باوجود اعمال کے قائل ہیں اور لکن مشددہ اور مخففہ کے ساتھ واؤ بھی ہوتا ہے جو بقول بعض عاطفہ ہے اور رضی اعتراضیہ مانتے ہیں اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے ورنہ مخففہ ہونے کی صورت میں لکن پرواؤ کا داخل ہونا صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ اس صورت میں حرف عاطف کا حرف عاطف پر داخل ہونا لازم آئے گا۔

ولیت: تمنی کے لیے ہے، تمنی کسی شئی کے علی سبیل الحکۃ حصول کے طلب کو کہتے ہیں خواہ وہ ممکن الوجود ہو جیسے لیت زیداً قائم یا ممنوع الوجود ہو جیسے لیت الشباب یعود۔

واجاز القراء: فراء نے لیت زیداً قائماً یعنی دونوں اسموں کے نصب کو جائز قرار دیا ہے اس بنا پر کہ وہ تمنی کے معنی میں ہے جو افعال قلوب سے ہے اور افعال قلوب دو مفعولوں کو نصب دیتا ہے وہ اس مصرع سے استدلال کرتے ہیں ع یا لیت ایام الصبئی رواجعا، پس یہاں ایام الصبئی اور رواجعا دونوں منصوب ہیں پس معلوم ہوا کہ لیت التمنی کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے، لیکن جمہور کی طرف سے اس کا جواب ہے کہ خبر محذوف کائنۃ کی ضمیر سے رواجعا حال ہے پس برہائے مفعول منصوب نہیں ہے۔ مصرع کا ترجمہ ہے اے کاش بچپن کا گذرا زمانہ واپس آ جاتا۔

ولعل: لعل ترجی کے لیے ہے ترجی کہتے ہیں کسی امر کے وجود کی امید کرنا اس شرط کے ساتھ کہ وہ ممکن الوجود ہو خواہ محبوب ہو جیسے لعلکم تفلحون یا مکروہ ہو جیسے لعل الساعة قریب۔

تمنی اور ترجی میں فرق یہ ہے کہ تمنی امر ممکن اور مستبعد دونوں کے لیے آتا ہے جب کہ ترجی ممکن انو بود کے لیے ہی مستعمل ہے۔ جیسے لعل اللہ یوزقنی صلاحاً۔

و شد البحر بها: بعض حضرات نے لعل کو بجائے حروف مشبہ بالفعل سے ماننے کے حروف جارہ مانا ہے اور شاعر کے اس شعر سے استدلال کیا ہے ع لعل ابی المغسوار هنک قریب۔ ترجمہ: امید کہ ابی المغوار تم سے قریب ہوں۔ پس ابی مجرور ہے لعل کی وجہ سے۔ معلوم ہوا کہ لعل حرف جار

ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لعل کا جر کرنا شاذ ہے جو معتبر نہیں ہے، یا یہ کہا جائے کہ ابسی کا جر علی سبیل الحکایة ہے۔

الحروف العاطفة وهى الواو والفاء وثم وحتى واو واما وام ولا وبلى ولكن فالاربعة الاول للجمع فالواو للجمع مطلقا لا ترتيب فيها والفاء للترتيب وثم مثلها بمهلة وحتى مثلها ومعطوفها جزء من متبوعه ليفيد قوة وضعفا واو واما وام لاحد الامرین مبهما وام المتصلة لازمة لهزمة الاستفهام يليها احد المستويين والآخر الهزمة بعد ثبوت احدهما لطلب التعيين ومن ثم لم يجر اريت زيدا ام عمرا ومن ثم كان جوابها بالعين دون نعم او، لا والمنقطعة كبل والهزمة مثل انها لا بل ام شاة واما قبل المعطوف عليه لازمة مع اما جائزة مع او ولا وبلى ولكن لاحدهما معينا ولكن لازمة للنفي.

ترجمہ:- حروف عاطفہ واو، فاء، ثم، حتى اور او، واما و ام اور لا، بل اور لكن ہیں پس شروع کے چارج کے لیے ہیں پس واو مطلقاً جمع کے لیے ہوتا اس میں ترتیب نہیں ہوتی۔ اور فاء ترتیب کے لیے ہے ثم اسی کے مثل مہلت کے ساتھ ہے اور حتى ثم کے مثل ہے در انحالیکہ حتى کا معطوف اس کے متبوع کا جزء ہوتا کہ وہ قوت یا ضعف کا فائدہ دے اور او، اما اور ام ہم طور سے دو امروں میں سے ایک کے لیے ہوتا ہے۔ اور ام متصلہ ہمزہ استفہام کو لازم ہوتا ہے کہ جس کو دو برابر درجہ کے امروں میں سے کوئی ایک متصل ہوتا ہے اور دوسرا ہمزہ سے ان دونوں میں سے کسی ایک کے ثبوت کے بعد طلب تعین کے لیے اور اسی وجہ سے جائز نہیں ہے ارایت زیدا ام عمرواً اور اسی وجہ سے اس کا جواب تعین کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ نعم یا لا کے ساتھ، اور ام منقطعة بل اور ہمزہ کی طرح ہے جیسے انها لا بل ام شاة اور اما معطوف علیہ سے پہلے اما کے ساتھ لازم ہے اور او کے ساتھ جائز ہے اور بل اور لكن دو امروں میں سے ایک کے لیے متعین طور پر ہوتا ہے اور لكن لازم ہے نفی کو۔

توضیح:- عطف کے لغت میں معنی آتے ہیں مائل کرنا اور چون کہ یہ حروف معطوف علیہ کی جانب مائل کرتے ہیں اس لیے عاطفہ نام رکھ دیا گیا۔ حروف عاطفہ دس ہیں واو، فاء، ثم، حتى، او، اما، ام لا، بل اور لكن۔ واو، فاء، ثم، حتى جمع کے لیے آتے ہیں یعنی اس بات کے لیے کہ معطوف اور معطوف علیہ اس فعل میں مشترک ہیں جو ان دونوں سے متعلق ہے خواہ وہ ترتیب کے ساتھ ہوں یا بغیر ترتیب کے۔

قالوا: واو مطلق جمع کے لیے آتا ہے یعنی اس میں ترتیب یا تراخی وغیرہ کا لحاظ نہیں ہوتا۔ اور یہ معنی واو عطف سے مفہوم نہیں ہوتے، جمع کا مطلب یہ ہے کہ حکم دو یا چند چیزوں میں سے کسی ایک کے لیے نہ ہو جیسا کہ ام اور اما میں ہوتا ہے۔ جیسے جہا نی زید و عمرو۔

اور فاء ترتیب مع الوصل کے لیے ہوتی ہے، یعنی اس بات کے لیے کہ حکم معطوف سے متعلق ہو معطوف علیہ کے ساتھ متعلق ہونے کے بعد بغیر وقفہ کے جیسے صلیت الظهر فاكلت الطعام۔

ثم، فاء کے مثل ترتیب کے ہے، لیکن کچھ وقفہ کے ساتھ یعنی ثم اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ حکم معطوف علیہ سے متعلق ہونے کے کچھ وقفہ بعد معطوف سے متعلق ہو جیسے حفظت المدرس ثم نمت۔

حتی بھی ثم کی طرح ترتیب مع المہلت کے لیے ہے لیکن حتی میں مہلت اور وقفہ ثم کے وقفہ سے کم ہوتا ہے پس کہا جاسکتا ہے کہ حتی، فاء اور ثم کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ یعنی حتی میں فاء سے زیادہ اور ثم سے کم مدت فصل ہوتی ہے۔ حتی میں شرط ہے کہ معطوف، معطوف علیہ کا جزء ہوتا کہ وہ معطوف میں قوۃ کا جیسے قدم الجيش حتی الامیر یا ضعف کا جیسے قدم الحاج حتی الشاة کا فائدہ دے۔

واو واما: او اور اما دو امروں میں سے کسی ایک کے لیے لاعلیٰ العین ہونا یعنی دو امروں میں سے کسی ایک پر لاعلیٰ العین دلالت کرنے کے لیے ہوتا ہے، رہی بات یہ کہ وَلَا تُطِيعُ مِنْهُمْ اَيُّمَا او كفوراً میں دلالت بجائے کسی ایک کے لیے لاعلیٰ العین ہونے کے دونوں کو عام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصل کے لحاظ سے دو امروں سے کسی ایک کے لیے مہما ہی ہے، لیکن عموم، احد الہم کے تحت انشی واقع ہونے کی وجہ سے حاصل ہو رہا ہے۔

ام المتصلة: ام دو قسموں پر ہے متصلہ اور منقطعہ، ام متصلہ کا معاملہ یہ ہے کہ وہ ہمزہ کو لازم ہوتا ہے اور دو برابر درجہ کی چیزوں میں سے کوئی ایک ام کے بعد بلا فاصلہ ہوتا ہے اور دوسرا احد المتساویین ہمزہ سے متصل ہوتا ہے بشرطیکہ متکلم کے نزدیک احد الامرین کے حصول کے علم کا ثبوت ہو چکا ہو۔

ومن ثم لم یجز: چون کہ احد المتساویین کا ام متصلہ سے سے اور آخر المتساویین کا ہمزہ سے اتصال ضروری ہے، لہذا ارایت زیداً ام عمراً کی ترکیب درست نہیں ہے، کیوں کہ اس ترکیب میں ہمزہ سے احد المتساویین زید اور عمرو میں سے کسی کا اتصال نہیں ہے، بلکہ ارایت کا ہے جو احد المتساویین نہیں ہے، البتہ سیبویہ کے نزدیک یہ ترکیب جائز اور حسن ہے اور ازیداً ارایت ام عمرواً احسن ہے ہو سکتا ہے سیبویہ نے معنی کا اعتبار کیا ہو اور معنی تو ارایت زیداً ام عمرواً کے ہی ہوتے ہیں۔

ومن ثم كان جو ابها: اس وجہ سے کہ ام متکلم کے نزدیک احد المتساویین کے ثبوت کے علم کے بعد طلب تعیین کے لیے ہوتا ہے، اس کا جواب احد الجنس کی تعیین کے ساتھ ہوگا مثلاً ارجل فی الدار ام امرأة

کے جواب میں یا تو رجل کہا جائے گا یا امرأة۔ نعم یا لا سے جواب نہیں دیا جائے گا۔

والمقطعة: ام مقطعة ہمزہ کی طرح اول سے اعراض کے لیے ثانی میں شک کے ساتھ کا معنی بتاتا

ہے جیسے انہا لا بل ام شاة پس اہل کے ہونے سے اعراض ہے اور شاة کے ہونے میں شک ہے۔

واما قبل المعطوف علی: اما کے معطوف علیہ سے پہلے ایک اور اما ہونا ضروری ہوتا ہے،

تا کہ ابتدائے کلام سے ہی شک پر تنبیہ ہو جائے جیسے جاء نی اما زید و اما عمرو اور او کے معطوف

علیہ سے پہلے اما کا ہونا جائز ہے واجب نہیں ہے، کیوں کہ او، او کد فی الشک ہوتا ہے، لہذا اس کو کسی

مؤکد کے سہارے کی ضرورت نہیں۔

ولا وبل ولكن: یہ تینوں حرف دوامروں میں سے کسی ایک کو متعین کرنے کے لیے ہوتے ہیں

کلمۃ لا صرف معطوف سے حکم کی نفی کے لیے آتا ہے معطوف علیہ سے حکم کی نفی نہیں کرتا ہے جیسے جاء نی

زید لا عمرو۔ اور کلمہ بل دو حال سے خالی نہیں یا تو بعد الاثبات ہوگا یا بعد انشی اول صورت میں حکم کو معطوف

علیہ سے معطوف کی طرف پھیرتا ہے اور معطوف علیہ کو مسکوت عنہ کے حکم میں کر دیتا ہے جیسے جاء نی زید

بل عمرو اور اگر دوسری صورت ہو تو اس میں اختلاف ہے بعض حضرات کا خیال ہے کہ بل حکم منفی کو

معطوف علیہ سے پھیر کر معطوف کی طرف کر دیتا ہے اور معطوف علیہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتا ہے اور بعض

حضرات کا مسلک یہ ہے کہ معطوف علیہ سے نفی کیے گئے حکم کو معطوف کے لیے ثابت کرتا ہے اور معطوف علیہ

مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتا ہے جیسے ما جاء نی زید بل عمرو اور لكن کے معطوف علیہ سے پہلے نفی

ضروری ہے جیسے ما جاء نی زید لكن عمرو مطلب یہ ہے کہ لكن بغیر نفی کے استعمال نہیں ہوتا، پس

عطف المفرد علی المفرد کی صورت میں لكن لا کی لقیض ہوتا ہے، اور عطف الجملة علی الجملة کی صورت میں بل

کے معنی میں ہوتا ہے خواہ بعد الاثبات ہو یا نفی اور دونوں صورت میں لكن نفی کو لازم ہے، کیوں کہ بغیر حرف

نفی کے یہ معنی حاصل نہیں ہو سکتے۔

حروف التنبیہ الا واما وها

حروف تنبیہ تین ہیں چوں کہ یہ حروف جملہ کے شروع میں مضمون جملہ پر خالفین کو متنبہ کرنے کے

لیے استعمال ہوتے ہیں، اس لیے ان کو حرف تنبیہ کہتے ہیں، واضح ہو کہ صرف الا اور اما مضمون جملہ کی

تاکید کے لیے آتے ہیں، تاکہ جملہ سامع کے ذہن میں راسخ ہو جائے یا امر ونہی یا استفہام یا تمنی یا اس کے

علاوہ دیگر معنی کے طلب لیے آتے ہیں جب کہ ہاء مفردات پر داخل ہوتا ہے اور بکثرت اسم اشارہ میں

استعمال ہے۔

حروف النداء يا اعمها و ايا وهيا للبعيد و اى و الهمزة للقريب .

ترجمہ:- حروف نداء میں یا سب سے اعم ہے اور ایا اور ہیا منادی بعید کے لیے استعمال ہوتے ہیں اور ائی اور ہمزہ منادی قریب کے لیے۔ **توضیح:** یا حرف نداء منادی قریب اور بعید دونوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے، لہذا وہ سب سے زیادہ عام ہوا۔ ایا اور ہیا بعید کے لیے اس لیے ہیں کہ ان میں زیادہ حروف ہیں اور حروف کی کثرت مسافت کی کثرت پر دلالت کرتی ہے، جب کہ ائی اور ہمزہ منادی قریب کے لیے ہیں، کیوں کہ ان میں حروف قلیل ہیں اور قلت حروف قلت مسافت پر دلالت ہے۔

حُرُوفُ الْاِيْجَابِ نَعْمَ وَبَلَىٰ وَ اِيْ وَ اَجَلَ وَ جَبْرَ وَ اِنْ فَنَعْمُ مَقْرُورَةٌ لِّمَا سَبَقَهَا وَبَلَىٰ مَخْتَصَّةٌ بِاِيْجَابِ النَّفْيِ وَ اِيْ لِلْاَثْبَاتِ بَعْدَ الْاِسْتِفْهَامِ وَ يَلْزَمُهَا الْقَسْمُ وَ اَجَلَ وَ جَبْرَ وَ اِنْ تَصْدِيْقٌ لِلْمُخْبِرِ .

ترجمہ:- حروف ایجاب نعم اور بلی اور ائی اور اجل و جبر اور ان ہیں پس نعم اپنے سابق کو ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہے اور بلی نفی کے ایجاب کے ساتھ مخصوص ہے اور ائی اثبات بعد الاستفہام کے لیے ہے اور اس کو نفی لازم ہوتی ہے اور اجل و جبر اور ان مخبر کی تصدیق کے لیے ہیں۔ **توضیح:** حروف ایجاب چھ حروف ہیں۔ جن میں نعم اپنے ماہل بیان کردہ بات کو قرار دینے اور اس کو ثابت کرنے کے لیے ہوتا ہے چاہے وہ بات ایجابا ہو یا سلبا۔ استفہاماً ہو یا خبراً اسی وجہ سے لوگوں نے کہا کہ اگر الست برکم کے جواب میں نعم کہہ دیا جائے تو کفر ثابت ہو جائے۔

مصنف نے یہاں مقررہ لما سبقہا کہا مُصَدِّقٌ لِّمَا سَبَقَهَا کہنے سے گریز کیا، اس لیے کہ تصدیق صرف خبر کے لیے ہوتی ہے جب کہ نعم خبر اور استفہام دونوں کو عام ہے۔

بلی: بلی مخصوص ہے نفی کے ایجاب کے ساتھ یعنی بلی نفی سابق کو باطل کر کے اس کو موجب بنا دیتا ہے جیسے الست برکم کے جواب میں قالوا بلی پوچھا گیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو بلی سے جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں ہے کہ آپ ہمارے رب نہیں ہیں، بلکہ آپ ہی ہمارے رب ہیں۔

ای: ای استفہام کے بعد اثبات کے لیے آتا ہے اور ای کو قسم لازم ہے یعنی ای کے بعد قسم ضرور ہوگی البتہ فعل صراحاً موجود نہ ہوگا جیسے ای و ابی اور ای واللہ چون کہ فعل قسم کی صراحت جائز نہیں ہے لہذا ای اقسامت بری نہیں کہا جائے گا۔

ای کبھی تصدیق کے لیے اور کبھی نعم کے معنی میں بھی آتا ہے، لیکن شاذ ہونے کی وجہ سے مصنف نے تعرض نہیں کیا۔

اجل و جبر: اجل اور جبر اور ان مخبر کی تصدیق کے لیے ہوتے ہیں خواہ خبر موجباً یا منفیاً ہو یہ

تینوں حروف استفہام اور ان تمام چیزوں کے بعد کہ جس میں طلب کے معنی ہوتے ہیں نہیں واقع ہوتے۔ پس اقام زید کے جواب میں اجل یا جبر نہیں بولا جائے گا۔ اُن کبھی دعاء کی تصدیق کے لیے بھی مستعمل ہو جاتا ہے جیسے کسی نے حضرت ابن زبیر سے کہا تھا لعن اللہ ناقۃ حملتہ البیک کہ اللہ اس اونٹنی پر لعنت کرے جو مجھے لا دکر تمہارے پاس لائی تو حضرت نے فرمایا ان، وراکبھا کہ ہاں اور اس کے سوار پر بھی لعنت ہو۔ اور کبھی استفہام کے بعد بھی آتا ہے جیسے شاعر کا قول

لیت شعری هل للمحب شفاء من جوی حُبہن ان اللقاء

ترجمہ: اے کاش مجھ کو معلوم ہوتا کہ عاشق کو ان کی محبت کی سوزش سے وصل ہی شفاء ہے۔

حروف الزیادۃ اِنْ وَاَنْ وَمَا وَاَمَّا وَاَوْمِن وَاَلْبَاء وَاَللَّامُ فَاَنْ مَعَ مَا النَّافِیۃ وَقَلَّتْ مَعَ مَا الْمَصْدَرِیۃ وَلَمَّا وَاَنْ مَعَ لَمَّا وَبِیْنَ لَوْ وَالْقَسْم وَقَلَّتْ مَعَ الْكَافِیۃ وَمَا مَعَ اِذَا وَمَتَى وَاِیَّ وَاِیْن وَاِنْ شَرْطًا وَبَعْضُ حُرُوفِ الْجَرِّ وَقَلَّتْ مَعَ الْمِضَافِ وَلَا مَعَ الْوَارِ بَعْدَ النَّفِیِّ وَاَنْ الْمَصْدَرِیۃ وَقَلَّتْ قَبْلَ اُقْسِمُ وَشَدَّتْ مَعَ الْمِضَافِ وَمِنْ وَاَلْبَاء وَاَللَّامُ تَقْدِمُ ذَكَرَهَا.

ترجمہ: حروف زیادۃ اِنْ اور اَنْ اور مَا اور اَمَّا اور اَوْمِن اور اَلْبَاء اور اَللَّام ہیں پس اِنْ مانافیہ کے ساتھ زائد ہوتا ہے اور اِنْ کی زیادتی ما مصدریہ اور لَمَّا کے ساتھ کم ہوتی ہے۔ اور اَنْ لَمَّا کے ساتھ زائد ہوتا ہے اور اَوْقَسَم کے درمیان بھی۔ اور اَنْ کی زیادتی کاف کے ساتھ کم ہوتی ہے اور مَا اِذَا اور مَتَى اور اِیَّ اور اِیْن اور اِنْ کے ساتھ زائد ہوتا ہے اس حال میں کہ یہ کلمات شرط ہوں۔ اور بعض حروف جر کے ساتھ بھی ما زائد ہوتا ہے اور مَا کی زیادتی مضاف کے ساتھ کم ہوتی ہے۔ اور لَا کی زیادتی نفی کے بعد واو کے ساتھ اور اَنْ مصدریہ کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور اُقْسِم سے پہلے کم لَا کی زیادتی ہوتی ہے۔ اور لَا کی زیادتی مضاف کے ساتھ شاذ ہے، اور مِنْ اور بَاء اور لَام کا ذکر گذر چکا۔

حروف الزیادۃ: حروف زیادۃ سات ہیں اِنْ اور اَنْ اور مَا اور لَا اور مِنْ، بَاء، لَام۔ حروف زیادۃ کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساقط ہوجانے سے اصل معنی میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔ ان کے زیادہ ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کلام عرب میں ان کا کوئی فائدہ نہیں ہے، بلکہ بہت سے فوائد ہیں، چنانچہ لفظی فائدہ کلام میں حسن پیدا کرتا ہے اور معنوی فائدہ تاکید ہے اگر حروف زیادۃ بے فائدہ ہو جائیں تو ان کا ذکر عبث ہو جائے حالانکہ یہ قرآن میں بھی موجود ہیں اور کلام الہی عبث سے محفوظ ہے۔

اِنْ کی زیادتی تین مواقع سے ہوتی ہے اِنْ مانافیہ کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے جیسے مَا اِنْ رَاِیْتُ زَیْدًا دوسرا موقع ہے ما مصدریہ کے ساتھ لیکن ما مصدریہ کے ساتھ تو ان کی زیادتی کم ہوتی ہے جیسے انتظر مَا اِنْ

جلس القاضی جو مدة جلوس القاضی کے معنی میں ہے اور تیسرا موقع ہے لَمَّا کہ لَمَّا کے بعد ان کی زیادتی ہے جیسے لَمَّا ان قام زید اور اَنَّ لَمَّا کے بعد اکثر زیادہ ہوتا ہے جیسے فَلَمَّا اَنْ جَاءَهُ الْبَشِيرُ اور واو قسم کے بعد اَنْ مفتوحہ زیادہ ہوتے ہیں جیسے وَاللّٰهُ اَنْ لَوْ قَامَ زَيْدٌ قَمْتُ اور کاف کے بعد اَنْ مفتوحہ زیادہ ہوتا ہے، لیکن کاف کے بعد کم استعمال ہے۔ جیسے كَاَنْ ظِيْبَةٌ تَعْطُو الْي نَاضِرُ السَّلْمِ پورا شعر یوں ہے یومسا توافينا بوجه مقسم ÷ كَاَنْ ظِيْبَةٌ تَعْطُو الْي نَاضِرُ السَّلْمِ . ترجمہ ہے: جس دن محبوب ہمارے پاس حسین چہرہ کے ساتھ آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ہرنی ہے جو سلم درخت کی ہری بھری شاخ کی طرف گردن لمبی کیے ہوئے ہے۔ پس گویا مواقع اَنْ مفتوحہ بھی تین ہوئے۔ لَمَّا، واو قسم اور کاف۔

مَا: ما کی زیادتی اذا کے بعد جیسے اذا ما تخرج اخراج اور متنی کے بعد جیسے متنی تذهب اذهب اور ائی کے بعد جیسے اَيَّمَا تَدْعُو اَفَلَهُ الْاَسْمَاءُ الْحَسَنِيَّةُ اور ابن کے بعد جیسے اينما اجلس اور اِن کے بعد جیسے وَاَمَّا تَرِيْنٌ مِّنَ الْبَشَرِ اِحْذَا ہوتی ہے، ان کلمات خم کے بعد ان کی زیادتی ان کلمات کے شرط کے معنی کے لیے ہونے کے ساتھ مشروط ہیں پس جب ان کلمات کا استعمال غیر شرط کے طور پر ہوگا تو ما کی زیادتی ان کے بعد نہ ہو سکے گی۔

وبعض حروف الجر: کچھ حروف جر کے بعد بھی ما کی زیادتی ہو جاتی ہے جیسے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لَنَسْتَ لَهُمْ يَسْ بَاءِ اس کے بعد ما زائد ہے اسی طرح مِمَّا خَطَبْنَا تَهُمْ اَعْرَفُوا . پس من کے بعد ما کی زیادتی ہے۔

وقلت مع المضاف: مضاف کے بعد ما کی زیادتی بہت کم ہوتی ہے، جیسے غضبت من غير ما جرم۔

ولا مع الواو: لا کی زیادتی واو عاطفہ کے ساتھ نفی کے بعد ہوتی ہے جیسے ما جاء نبي زيد ولا عمرُ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد غير المغضوب عليهم ولا الضالين غير آیت میں لا نافية کے معنی میں ہے۔ اسی طرح نہی کے بعد بھی لا کا واو عاطفہ کے ساتھ زیادہ کرنا ہوتا ہے جیسے لا تضرب زيدا ولا عمرو.

وان المصدرية: ان مصدریہ کے بعد بھی لا کی زیادتی ہوتی ہے جیسے ما منعك الا تسجد اذا مرتك.

وقلت قبل اقسام: اقسام سے پہلے لا کی زیادتی تو ہوتی ہے، لیکن کم ہوتی ہے جیسے لا اقسام بيوم القيامة.

و شدت: لا کی زیادتی مضاف کے ساتھ شاذ ہے جیسے فی بئر لا حور سوری و ما شعر. حور پر لا زائد ہے۔ ترجمہ ہے کہ وہ ہلاکت کے کنویں میں چلا اور نہیں جانا۔ من، باء، لام کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

و حرفا التفسیر ائی و آن فان مختصة بما فی معن القول.

ترجمہ: تفسیر کے دو حروف ہیں ائی اور ان پس ان مخصوص ہے اس کے ساتھ جو قول کے معنی میں ہو۔

توضیح: یہ دونوں حرف ہر مبہم کی تفسیر کے لیے آتے ہیں خواہ وہ مفرد ہو یا جملہ جیسے جاء فی رجل ای زید اور قطع رزقہ ای مات. البتہ ان سے تفسیر اسی چیز کی ہوتی ہے جو قول کے معنی میں ہو یعنی ان کے ذریعہ ایسے فعل مقدر کے مفعول کی تفسیر ہوتی ہے جو قول کے معنی میں ہو جیسے و نادیناہ ان یا ابراہیم.

مذکورہ بالا اختصاص اکثر حالات کے اعتبار سے ہے ورنہ ان کے ذریعہ فعل ظاہر یعنی لفظی کے مفعول کی بھی تفسیر کی جاتی ہے جیسے مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِي بِهِ اَنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ.

حروف مصدر ما و ان و ائ و فلا و لان للفعلیة و ان للاسمیة.

ترجمہ: حروف المصدر ما و ان و ائ ہیں پس شروع کے دو فعلیت کے لیے ہیں اور ان اسمیت کے لیے ہے۔

توضیح: ما اور ان جملہ فعلیہ کو مصدر کی تاویل میں کرتے ہیں اور ان جملہ اسمیہ کو مصدر کی تاویل میں کر دیتا ہے۔ اول کی مثال جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَ صَافَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ مَعْنٰی میں ہر جہا ہے دوسرے کی مثال جیسے اَعْجَبْنِي اِنَّكَ قَاتِمٌ مَعْنٰی میں قیامک کے ہے۔

حروف التحضیض هَلَا وَا وَّلَوْلَا وَّلَوْ مَا لَهَا صَدْرُ الْكَلَامِ وَيَلْزَمُهَا الْفِعْلُ لَفْظًا اَوْ تَقْدِيرًا.

ترجمہ: حروف تحضیض هلا اور الا اور لولا اور لو ما ہیں، جو صدارت کلام کو چاہتے ہیں اور ان کو فعل لازم ہوتا ہے خواہ لفظ ہو یا تقدیراً۔

توضیح: حروف تحضیض هلا اور الا اور لو ما ہیں صدارت کلام کو اس لیے چاہتے ہیں، تاکہ ابتدائے کلام سے ہی تحضیض پر دلالت کریں اور یہ حروف فعل پر ہی اس لیے داخل ہوتے ہیں کیوں کہ تحضیض بغیر افعال کے ممکن تصور نہیں ہے، البتہ اتنا ہے کہ مضارع میں برائے تحضیض اور ماضی میں برائے

ملا مت ہوتے ہیں۔

حروف التوقع قد وهي في المضارع للتقليل.

ترجمہ: - حروف توقع قد ہے اور وہ مضارع میں تقلیل کے لیے آتا ہے۔

توضیح: - معلوم ہونا چاہیے کہ قد جب ماضی اور مضارع پر داخل ہوتا ہے تو اس میں تحقیق کے معنی لازم پائے جاتے ہیں پھر معنی تحقیقی کے ساتھ تقریب اور توقع کے معنی کی بھی ملاوٹ ہو جاتی ہے، پس جب قد ماضی پر داخل ہو تو وہ تین معنوں کے لیے ہوتا ہے تحقیق، تقریب اور توقع، قد قامت الصلوة جو معنی میں ہے قد حصل عن قريب ما تتوقعه کے اور کبھی تحقیق تقریب بلا توقع ہوتی ہے جیسے قد ركب الامير ایسے آدمی سے کہنا جسے ركب امیر کی توقع نہ ہو۔

اور مضارع میں بھی تحقیق کے ساتھ تقلیل کے معنی مل جاتے ہیں جیسے ان الكذوب قد يصدق اور کبھی تحقیق محض کے لیے تقلیل سے قطع نظر کرتے ہوئے قد مضارع پر داخل ہوتا ہے جیسے قد نرى تقلب وجهك في السماء.

حرف الاستفهام الهمزة وهل لهما صدر الكلام تقول ازيد قام واقام زيد
وكذلك هل والهمزة اعم تصرفا تقول ازيدا ضربت واتضرب زيدا وهو اخوك
وازيد عندك ام عمرو واثم اذا ما وقع واقتن كان و او من كان.

ترجمہ: - استفہام کے دو حرف ہمزہ اور هل ہیں ان دونوں کے لیے صدارت کلام ہوتی ہے تم کہتے ہو ازيد قام اور اقام زيد اور اسی طرح بل اور ہمزہ تصرف کے اعتبار سے زیادہ عام ہے تم بولتے ہو ازيد اضربت اور اتضرب زيدا وهو اخوك اور ازيد عندك ام عمرو اور اثم ما وقع اور اقتن كان اور او من كان.

توضیح: - استفہام کے دو حرف ہیں ایک ہمزہ اور دوسرے هل، دونوں صدارت کلام کو چاہتے ہیں، تا کہ شروع سے ہی شک پر تنبیہ کا فائدہ دیں، ہمزہ استفہام جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں کے شروع میں آسکتا ہے، چنانچہ اول کی مثال ازيد قائم اور دوسرے کی مثال اقام زيد ہے، اسی طرح هل بھی جملہ اسمیہ اور فعلیہ دونوں کے شروع میں آسکتا ہے جیسے بل زيد قائم اور هل قام زيد.

والهمزة اعم تصرفا: چون کہ ہمزہ استفہام میں اصل ہے، اس لیے اس کا موقع استعمال زیادہ ہے بمقابلہ هل کے پس کلام میں فعل کے ہوتے ہوئے بھی ہمزہ اسم پر داخل ہو سکتا ہے، جیسے ازيد اضربت جب کہ ال فعل کے ہوتے ہوئے اسم پر داخل نہیں ہو سکتا ہے، چنانچہ هل زيد اضربت کہنا صحیح

نہیں ہے، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہل قد کے معنی میں ہوتا ہے اور قد مختص بالفعل ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہَلْ اَنْبَىٰ عَلٰى الْاِنْسَانِ حِيْنَ مَعْنٰى فِيْ قَدِّ اَتَىٰ كَيْفَ، لہذا جن ترکیبوں میں فعل موجود ہوگا، تو ہل کو عہد سابق یا آجائے گا۔

اور وہ قد کے معنی میں ہونا جو مختص بالفعل ہوتا ہے پس ہل فعل کے لیے بے تاب اور اس کا مشتاق ہو جائے گا، لہذا جب کلام میں فعل موجود ہے تو فعل پر ہی داخل ہوگا اسم پر داخل نہیں ہوگا، چنانچہ ہل زید خروج کہنا صحیح نہیں ہے، بلکہ ہل خروج زید کہا جائے گا اور اسی طرح ہل زیدا ضربت کے بجائے ہل ضربت زیدا کہا جائے گا۔

اچھا جب کلام میں فعل نہ ہوگا تو ہل کو عہد سابق یا نہیں آئے گا اور فعل سے اس کا ذہول ہو جائے گا پس بغیر فعل کے وجود کے اسم پر داخل ہونا صحیح ہوگا جیسے ہل انتم مصلون۔

اور ہمزہ موقع انکار میں استعمال ہوتا ہے جب کہ ہل انکار کے لیے نہیں آتا، لہذا اتضرب زیدا وهو اخوك کہنا صحیح ہے جب کہ ہل تضرب زیدا وهو اخوك کہنا درست نہیں ہے، ہمزہ برائے انکار اس لیے درست ہے کہ یہ اس چیز کے اثبات کے لیے ہے جس پر برائے انکار داخل ہوتا ہے، کیوں کہ مستفہم عنہ اتضرب زید وهو اخوك جیسی ترکیب میں محذوف ہے اور وہ ہے اترضی بضربك زید وهو اخوك پس حسب حال وہ حرف ہے جو استفہام میں طاقتور ہو اور یہ ہمزہ ہے۔

نیز ہمزہ ام متعلقہ کے مقابلہ میں آسکتا ہے، جب کہ ہل نہیں آسکتا جیسے ازید عندك ام عمرو ایسا اس لیے ہے کہ اس ترکیب میں مستفہم عنہ متعدد ہے پس اس کا شایان شان وہ ہوگا جو باب استفہام میں اصل ہے۔ البتہ ہل ام مقطوعہ کے مقابلہ میں آسکتا ہے، کیوں کہ ام مقطوعہ کی ترکیب میں مستفہم عنہ متعدد نہیں ہوتا، اسی طرح ہمزہ ثم اور فاء اور واو پر داخل ہو سکتا ہے جب کہ ہل داخل نہیں ہو سکتا، کیوں کہ ہل ہمزہ کی فرغ ہے، لہذا اس جیسا اس کا تصرف نہیں ہو سکتا، اول کی مثال اثم اذا وقع اور ثانی کی مثال اقمین کان اور ثالث کی مثال اومن کان میتا۔

حُرُوفُ الشَّرْطِ اِنْ وَلَوْ وَاَمَّا لَهَا صَدْرُ الْكَلَامِ فَاِنْ لِلْاِسْتِقْبَالِ وَاِنْ دَخَلَ عَلٰى الْمَاضِي وَلَوْ عَكْسُهُ وَتَلْزِمَانِ الْفِعْلِ لَفِظًا اَوْ تَقْدِيرًا وَمِنْ ثَمَّ قِيلَ لَوْ اَنَّكَ بِالْفَتْحِ لِاَنَّهُ فَاعِلٌ وَاِنْتَطَلَقَتْ بِالْفِعْلِ مَوْضِعَ مُنْتَطَلِقٍ لِيَكُونَ كَالْعَوَضِ فَاِنْ كَانَ جَامِدًا جَازًا لَعَدَّرَهُ وَاِذَا تَقَدَّمَ الْقِسْمُ اَوَّلَ الْكَلَامِ عَلٰى الشَّرْطِ لَزِمَهُ الْمَاضِي لَفِظًا اَوْ مَعْنٰى فَيُطَابِقُ وَكَانَ الْجَوَابَ لِلْقِسْمِ لَفِظًا مِثْلَ وَاللّٰهُ اِنْ اَتَيْتَنِيْ اَوْ لَمْ تَاتِنِيْ لَا كَرَمْتِكَ.

ترجمہ: - حرف شرط ان اور لو اور اما ہیں ان کے لیے صدر کلام ہے پس ان استقبال کے لیے ہے، اگرچہ ماضی پر داخل ہو اور لو اس کے برعکس ہے اور دونوں کو فعل لازم ہوتا ہے خواہ لفظاً ہو یا تقدیراً اور اسی وجہ سے کہا جاتا ہے لو انک فتح کے ساتھ اس لیے کہ وہ فاعل ہے اور انطلقت مطلق کی جگہ میں ہے، تاکہ وہ عوض کی طرح ہو جائے پس اگر خبر جامد ہو تو جائز ہے فعل کے متعدد ہونے کی وجہ سے اور جب قسم شروع کلام میں شرط پر مقدم ہو جائے تو اس کو ماضی لازم ہوگا خواہ لفظاً ہو یا معنی پس وہ مطابق ہوگا اور جواب قسم کا لفظاً ہوگا جیسے واللہ ان اتیتی یا لم تاتنی لا کر منک۔

توضیح: - حروف شرط تین ہیں ان اور لو اور اما۔ یہ تینوں صدارت کلام کو چاہتے ہیں، تاکہ اول امر سے ہی اس بات پر دلالت کریں کہ اول ثانی کے لیے سبب ہے۔

پس ان برائے استقبال آتا ہے، اگرچہ وہ ماضی پر داخل ہو جیسے ان خرجت خرجت اور لو اس کے برعکس ہے یعنی وہ ماضی کے لیے آتا ہے چاہے فعل مضارع یعنی مستقبل پر داخل ہو۔ جیسے لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم۔

وتلزمان: ان اور لو دونوں کو فعل لازم ہے خواہ فعل لفظاً ہو جیسے ان تکرمتی فا کر مک اور لو طلعت الشمس فالنهار موجود یا تقدیراً ہو جیسے وإن أخذ من المشکرین استجارک پس ان کے بعد استجارک فعل محذوف ہے جس کی تفسیر استجارک ثانی کر رہا ہے۔ اور قل لو انتم تملکون پس اصل عبارت ہے قل لو تملکون تملکون پس جب تملکون اول حذف کر دیا تو ضمیر متصل، ضمیر منفصل سے بدل گئی۔

ومن ثم قيل: چونکہ ان اور لو کو فعل لازم ہے کہا جاتا ہے کہ لو انک فتح کے ساتھ ہے، کیوں کہ لو انک فعل محذوف کا فاعل ہے۔ اور وہ مثبت ہے، کیوں کہ لو کے بعد فعل لازم ہے۔ اچھا لو انک کے فاعل ہونے پر اس کا بفتح ہونا یوں دال ہے کہ فاعل اسم مفرد ہوتا ہے اور دال علی المفرد وہ ان مفتوحہ ہی ہوتا ہے، کیوں کہ وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر مفرد کے حکم میں ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بولا جاتا ہے لو انطلقت پس اگرچہ اصل یہ ہے کہ ان کی خبر مفرد ہو جس کے مناسب اسم فاعل مطلق تھا، لیکن بجائے اسم فاعل مطلق خبر لانے کے انطلقت کو لایا گیا حالاًں کہ یہ جملہ ہے اس لیے کہ یہ فعل محذوف من حیث اللفظ عوض بن جائے گا پس عبارت ہوگی لو ثبت انک منطلق انطلقت۔ پس فعل محذوف کا عوض دو طرح کا ہے من حیث المعنی اور من حیث اللفظ۔ من حیث المعنی تو ان مثبت فعل مقدر کے معنی پر دلالت کرتا ہے، لہذا افضل محذوف کا من حیث المعنی عوض تو خود ان ہوا اور وہ فعل جو خبر کی جگہ واقع ہے وہ من حیث اللفظ اس کا عوض ہوا

پس اُن اور انطلقت جو موقع خبر میں واقع ہے دونوں کا عوض ہوئے عین کوئی نہیں ہے۔

دھیان رہے یہ سب کچھ تب ہے جب خبر کی جگہ واقع ہونے والا فعل اس خبر کے مصدر سے بنا ہو یا یوں کہا جائے کہ فعل کا خبر کی جگہ واقع ہونا اس وقت صحیح ہے جب خبر مشتق ہو جیسے مطلق مشتق ہے ورنہ اگر خبر جامد ہو جیسے ولو ان ما فی الارض من شجرة اقلام کہ اقلام خبر جامد ہے تو چون کہ اس خبر سے جامد ہونے کی وجہ سے فعل کا مشتق کرنا ممکن نہیں ہے، لہذا اس خبر کی جگہ فعل لانا جو فعل مزدوف کا عوض ہو جائے صحیح نہیں ہے۔ بلکہ خبر کا ذکر کرنا ضروری ہوگا چنانچہ مثال مذکور میں اقلام کو اسی وجہ سے ذکر کر دیا گیا۔

و اذا تقدم القسم: جب قسم شروع کلام میں ہی شرط پر مقدم ہو جائے تو قسم کو یہ بات لازم ہے کہ اس کے بعد واقع ہونے والا شرط ماضی ہو خواہ لفظ ماضی ہو یا معنی اور یہ شرط اس لیے ہے کہ تاکہ وہ حرف شرط کا معمول نہ ہو سکے، یعنی جس طرح اس کا عمل جواب میں منقطع ہو گیا ہے تو شرط کے ماضی ہونے کی وجہ سے اس میں بھی حرف شرط کا عمل نہ ہو سکے گا۔

فیطابق: پس شرط جواب کے مطابق ہو جائے گی کہ جس طرح حرف شرط جواب میں عامل نہیں ہے، اسی طرح شرط میں بھی عمل سے محروم ہے۔ اور جواب لفظاً صرف قسم کا جواب ہوگا شرط اور قسم دونوں کا نہیں، تاکہ ایک ہی شئی کا مجزوم اور غیر مجزوم ہونا لازم نہ آئے معنی بھلے وہ دونوں کا جواب ہو۔ جیسے واللہ ان اتیتی لا کر متک ماضی لفظاً کی مثال اور واللہ لم تاتنی لا کر متک ماضی معنی کی مثال۔

وان توسط بتقدیم الشرط او غیرہ جاز ان يعتبر وان یلغی کقولک انا واللہ ان تاتنی اتک وان اتیتی واللہ لاتیئک وتقدير القسم کاللفظ مثل لئن أخر جوا لا یخرجون وان اطعموهم واما للتفصیل والتزیم حذف فعلها وعوض بینها وبين فانها جزء مما فی حيزها مطلقاً وقيل هو معمول المحذوف مطلقاً مثل اما يوم الجمعة فزید منطلق وقيل ان كان جائز التقديم فمن الاول والا فمن الثاني.

ترجمہ:- اور اگر قسم شرط کی تقدیم کی وجہ سے یا اس کے علاوہ کی وجہ سے وسط کلام میں ہو جائے تو جائز ہے کہ قسم کا اعتبار کیا جائے اور شرط کو لغو قرار دے دیا جائے (یا اس کے الٹا) جیسے تمہارا قول انا واللہ ان تاتنی اتک وان اتیتی واللہ لاتیئک اور قسم کی تقدیر لفظ کی طرح ہے جیسے لئن أخر جوا لا یخرجون وان اطعموهم اور اما تفصیل کے لیے ہے اور لازم کر لیا گیا ہے، اس کے فعل کا حذف اور عوض میں کر دیا گیا اما اور اس کے فاء کے درمیان ایسے جزء کو جو اس کے جواب کے حیز میں ہو مطلقاً اور کہا گیا ہے کہ وہ محذوف کا معمول ہے مطلقاً جیسے اما يوم الجمعة فزید منطلق اور کہا گیا کہ اگر وہ جائز

التقديم هو الاول سے ہے ورنہ پس ثانی سے۔

وان توسط: اگر قسم شرط یا غیر شرط کی تقدیم کی وجہ سے وسط کلام میں واقع ہو جائے تو قسم یا شرط کا اعتبار کیا جانا اور قسم یا شرط کا لغو قرار دیا جانا دونوں امر جائز ہیں۔ اس لیے کہ قسم واجب الرعايت صدر کلام میں ہوتی ہے اور صدارت فوت ہو چکی ہے، لہذا قسم اور شرط دونوں کا معاملہ برابر ہو گیا۔ پس کسی کو کسی پر ترجیح نہیں لہذا قسم اور شرط دونوں میں سے کسی کا بھی اعتبار اور دوسرے کو ملغی اور بطلان العمل قرار دیا جاسکتا ہے، جیسے انا واللہ ان تاتیني ائتك جزم کے ساتھ اس میں شرط کا اعتبار کیا گیا ہے اور قسم کا ملغی ہوا ہے اور ان التیتی واللہ لا تینتک اس میں قسم کا اعتبار ہے اور شرط کا الغاء ہے۔

وتقدير القسم: قسم مقدر بمنزلہ قسم ملفوظ کے ہوتی ہے جیسے لئن اخرجوا لا ینخرجون پس یہاں قسم واللہ محذوف ہو، لہذا اعتبار قسم کا ہے شرط کا نہیں ہے ورنہ جزاء لا ینخرجون میں جزم واجب ہوتا ہے ان شرطیہ کی وجہ سے اور اللہ کا ارشاد وَاِنْ اطَعْتُمْهُمْ اِنَّكُمْ لَمَشْرُكُونَ۔ یہاں بھی قسم واللہ محذوف ہے چنانچہ قسم کا ہی اعتبار ہے شرط کا نہیں دلیل یہ ہے کہ جزا کے جملہ اسمیہ ہونے کی صورت میں فاء ضروری ہوتی ہے اور وہ یہاں نہیں ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر شرط سے پہلے قسم چاہے ملفوظ ہو یا مقدر قسم کا ہی اعتبار ہوگا بشرطیکہ وہ صدر کلام میں ہو۔

واما: اما دو طرح کا ہوتا ہے ایک تفصیلیہ جو متکلم کے اجمال کی تفصیل کرتا ہے جیسے کہا جائے جاءك اخوتك اما زيد فاكرمه واما بكر فاهنته، واما خالد فقد اعرضت عنه۔

دوسرا برائے استیناف ہے جس سے پہلے کوئی بات مجملاً مذکور نہیں ہوتی۔
خبر: وہ آقا جو برائے تفصیل ہوتا ہے تو اس کے بعد مذکور ہونے والا فعل لڑو یا محذوف ہوتا ہے، اور فعل محذوف کے عوض آقا اور اس کی فاء کے درمیان اس کلام کا جزء لے آیا جاتا ہے جو اس کے جواب کے خیر میں ہوتا ہے چاہے اس جزء کا فاء پر مقدم کرنا درست ہو۔ یا مقدم کرنا درست نہیں مطلقاً کا یہی حاصل ہے۔ ممنوع ہو جیسے اما زيد فانہی ضارب یا نہ ہو جیسے اما زيد منطلق یہ ابو العباس اور مبرد کا مذہب ہے جو مصنف کے نزدیک مختار ہے، ایسا اس لیے ہے تاکہ شرط و جزء کا لگاتار ہونا لازم نہ آئے اس طرح فصل ہو جاتا ہے۔ اب وہ جزء جو فعل محذوف کی جگہ آئے گا خواہ مبتدا ہو جیسے اما زيد فمنطلق یا وہ فاء کے مابعد کا معمول ہو جیسے اما يوم الجمعة فزيد منطلق پس يوم الجمعة منطلق کا معمول ہے۔

وقيل هو معمول: اس کے قائل مبرد ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ اما کا مابعد فعل محذوف کا مطلقاً معمول ہے خواہ اس لفظ کی فاء پر تقدیم درست ہو یا نہ ہو جیسے اما يوم الجمعة فزيد منطلق پس مذہب اول یعنی سیبویہ کے مسلک پر تقدیر عبارت مهما يكن من شيء فزيد منطلق يوم الجمعة ہے، اور

مذہب ثانی یعنی مبرد کے مذہب پر مہما یکن من شیء یوم الجمعة فزید منطلق ہے۔
پس مذہب اول پر مہما یکن من شیء فعل شرط کو حذف کر کے اما کو اس کا قائم مقام بنا دیا اور یوم
الجمعة لا کر اما اور فاء میں فصل کر دیا تاکہ شرط و جزا کے حرفوں کا لگا تار ہونا لازم نہ آئے۔
اور مذہب ثانی پر یوم الجمعة فعل شرط کا معمول ہے، لہذا شرط کے حذف ہونے اور اما کے قائم
مقام ہونے کے بعد اما یوم الجمعة فزید منطلق ہی بچا۔

وقیل: اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر اما اور فاء کے درمیان واقع ہونے والا جزء یعنی لفظ فاء پر مقدم
ہو سکتا ہو تو وہ جزء جزاء ہوگا جیسا کہ قسم اول میں ہے اور اگر اس لفظ کی فاء پر تقدیم کسی بھی وجہ سے منع ہو تو وہ
فعل محذوف کا جزء ہوگا کیوں کہ تقدیم علی الفاء کے ناجائز ہونے کی وجہ سے اب وہ لفظ جزء جزاء نہیں ہو سکتا
پس اس کا تعلق قسم ثانی سے ہوگا۔

قسم اول کا مصداق اس لفظ کا جو کہ اما اور فاء کے درمیان ہے جزء جزاء ہونا اور ثانی کا مصداق اس
لفظ کا فعل محذوف کا معمول ہونا ہے۔

حرف الردع کلا وقد جاء بمعنى حقاً.

ترجمہ:- حرف ردع کلا ہے اور کبھی کلا بمعنی حقاً بھی آتا ہے۔

توضیح:- ردع کے معنی جھڑکنا، مجر کو جھڑکنے کے لیے کلا کا استعمال ہوتا ہے جیسے رب
ارجعون لعلی اعمل صالحاً فیما ترک کلا۔ اور کبھی حقاً کے معنی میں بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا
ارشاد کلا ان الانسان لیطغی۔

تاء التانیث الساکنۃ تلحق الماضي لتانیث المسند الیه فان کان ظاهراً غیر
حقیقی مخیر واما الحاق علامۃ التثنیۃ والجمعین فضعیف.

ترجمہ:- تائے تانیث ساکنہ ماضی کو لاحق ہوتی ہے مسند الیہ کی تانیث کے لیے پس اگر ظاہر
غیر حقیقی ہو تو اختیار ہے اور بہر حال تانیث اور دونوں جمع کی علامتوں کا لاحق کرنا ضعیف ہے۔

توضیح:- تائے تانیث ساکن فعل ماضی کو مسند الیہ کے مؤنث ہونے کی وجہ سے لاحق ہوتی
ہے جیسے ضریت واکومت ہند۔ تائے تانیث کو ساکنہ کے ساتھ مقید کیا اس لیے کہ تائے تانیث مخرکہ
اسم کو مسند الیہ ہونے کی وجہ سے لاحق ہوتی ہے، تائے تانیث ساکنہ، فعل ماضی کو اس لیے لاحق ہوتی ہے کہ
ساکنہ خفیف ہے اور فعل ثقیل ہے، لہذا خفیف، ثقیل کو عطا کر دیا گیا توازن کی رعایت میں البتہ تائے تانیث
ساکنہ فعل مضارع کو لاحق نہیں ہوتی، اس لیے ماضی کی قید لگائی ہے۔

یہ حکم تب ہے جب مسند الیہ مؤنث ظاہر حقیقی ہو یا مسند الیہ مؤنث اسم ضمیر ہو اور اگر مسند الیہ مؤنث اسم

ظاہر غیر حقیقی ہو، تو تائے تانیث ساکنہ کے لحوق میں اختیار ہے لائق کرنا اور نہ لائق کرنا دونوں طرح صحیح ہے جیسے طلوع الشمس اور طلعت الشمس، تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔ تشنیہ اور جمع مذکر اور جمع مؤنث کی علامت فعل کے ساتھ لائق کرنا ضعیف اور غیر پسندیدہ ہے، اس لیے کہ شئی اور جمع کی علامت مسند الیہ میں خوب ظاہر ہوتی ہے پس فعل میں شئی اور جمع کی علامت کے لحوق کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہذا اگر فعل کے ساتھ شئی اور جمع کی علامتیں لائق کی جاتی ہیں تو تعدد فاعل کی صورت لازم آتی ہے، البتہ اسم فعل میں اس کی اجازت ہے جیسے ہاتیا اور ہاتوا اور تعالیا اور تعالوا، کیوں کہ یہ علامتیں ضمیر نہیں ہیں بلکہ ایسے حروف ہیں جو شروع امر سے ہی فاعل کے تشنیہ اور جمع مذکر اور مؤنث پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ تائے تانیث ساکنہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مسند الیہ مؤنث ہے۔

التنوين نونٌ ساكنةٌ تتبع حركة الآخر لا لتأكيد الفعل وهو للتسكين والتسكير والعوض والمقابلة والترنم ويحذف من العلم موصوفاً بابن مضافاً الي علم آخر.

ترجمہ:- تنوین ایسا نون ساکن ہے جو آخر کی حرکت کے تابع ہوتا ہے نہ کہ فعل کی تاکید کے لیے اور تنوین تمکن کے لیے اور تکمیل اور عوض اور مقابلہ اور ترنم کے لیے ہوتی ہے اور تنوین کو حذف کر دیا جاتا ہے علم سے درانحالیکہ وہ موصوف ہوا ایسے ابن کے ساتھ کہ جو دوسرے علم کی طرف مضاف ہو۔

توضیح:- تنوین دراصل مصدر ہے جس کے معنی نون کو داخل کرنا، پھر نون ساکن کا ہی نفس تنوین نام رکھ دیا گیا۔ پس تنوین نون ساکن ہوتا ہے اصل کے اعتبار سے پس اگر اس پر کوئی حرکت آتی ہے تو وہ کسی عارض کی وجہ سے ہوگی، لہذا وہ حد تنوین سے خارج نہ ہوگی۔ اور وہ کلمہ کے آخر کی حرکت کے تابع ہوگی جو فعل کی تاکید کے واسطے نہیں ہوگی، اس قید کی وجہ سے نون خفیفہ سے احتراز ہو گیا جو فعل کے آخر میں فعل کی تاکید کے واسطے لائق ہوا کرتی ہے۔

تنوین کی پانچ قسمیں ہیں: پہلی قسم تنوین تمکن ہے جیسے زید۔ اسم متمکن کہتے ہیں کہ جو اسم فعل کے اس طرح مشابہ نہ ہو کہ وہ منع اعراب میں مؤثر ہو۔ دوسری قسم تکمیل ہے اور تنوین تکمیل کہتے ہیں جو اپنے مدخول کی نکارت پر دلالت کرے جیسے صبر اور جمل تیسری قسم تنوین عوض ہے جو مضاف الیہ کے عوض میں ہوتی ہے جیسے حینئذ اور یومئذ چوتھی قسم ہے تنوین مقابلہ جو جمع مؤنث سالم کے آخر میں مذکر سالم کے نون کے مقابلہ میں لائق ہوتی ہے جیسے مسلمات یہ چاروں اقسام اسم کے ساتھ مخصوص ہیں، پانچویں قسم تنوین ترنم جو آیات اور مصرعوں کے آخر میں لائق ہوتی ہے، اشعار خوانی میں عمدگی پیدا کرنے کے لیے۔ یہ قسم اسم فعل حرف سب کو عام ہے۔ اقلیٰ الیوم عاذل والعنابن ÷ و قولی ان اصبت لقد اصابن پس عتاب اسم ہے اور اصابن فعل ہے۔ شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ اے ملامت کرنے والی تو غصہ اور ملامت کو ذرا کم کر

اور کہہ اگر میں درستی کو پہنچوں کہ پہنچ گیا۔

ويحذف من العلم: وہ علم جو ایسے ابن کے ساتھ موصوف ہو جو خود دوسرے علم کی طرف مضاف ہو تو ایسے علم سے ثنویں برائے تخفیف حذف کر دی جاتی ہے نیز علم کی ثقالت اور کثرت استعمال اور لفظ کی درازی کی وجہ سے۔ جیسے جاءني زيد ابن عمرو۔

نون التاكيد خفيفة ساكنة ومشددة مفتوحة مع غير الالف تختص بالفعل المستقبل في الامر والنهي والاستفهام والتمنى والعرض والقسم وقلت في النفي ولزمت في مثبت القسم وكثرت في مثل اما تفععلن وما قبلها مع ضمير المذكرين مضموم ومع المخاطبة مكسور وفيما عدا ذلك مفتوح وتقول في التثنية وجمع المؤنث اضربان واضربانان.

ترجمہ:- نون تاکید خفیفہ ساکنہ اور مشددہ مفتوحہ غیر الف کے ساتھ ہوتا ہے، جو فعل مستقبل کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے امر اور نہی اور استفہام، تمنی اور عرض نیز قسم میں اور نون تاکید ثنی میں کم پائی جاتی ہے اور نون تاکید جواب قسم مثبت میں لازم ہوتی ہے، اور اما تفععلن جیسے میں بکثرت ہوتی ہے اور جمع مذکر کی ضمیر کے ساتھ نون تاکید کا ماقبل مضموم ہوتا ہے اور واحد مؤنث حاضر کے ساتھ مکسور ہوتا ہے اور مذکورہ بالا مقامات کے علاوہ میں ماقبل نون تاکید کا مفتوح ہوتا ہے، تم بولتے ہو تثنیہ اور جمع میں اضربانان اور اضربانان۔

نون التاكيد: نون تاکید دو قسموں پر ہے۔ خفیفہ اور ثقیلہ۔ خفیفہ کو فرغ ہونے کے باوجود مقدم کیا، کیوں کہ وہ خفیف ہے اور ثقیلہ کو اصل ہونے کے باوجود مؤخر کیا، کیوں کہ وہ دشوار ہے۔ پس خفیفہ ساکنہ ہوتی ہے، کیوں کہ بناء میں اصل سکون ہے اور ثقیلہ مفتوحہ ہوتی ہے، مشددہ کے ثقل اور فتح کے خفیف ہونے کی وجہ سے۔ خفیفہ کا ساکنہ اور ثقیلہ کا مفتوحہ ہونا اس بات کے ساتھ شرط ہے کہ وہ نون تاکید الف کے ساتھ نہ ہو، کیوں کہ الف کے ساتھ ہونے کی صورت میں نون تاکید مکسور ہوگا کیوں کہ الف زائدہ کے بعد واقع ہونے میں نون ثنویہ کے مشابہ ہوتا ہے اور نون ثنویہ مکسور ہوتا ہے، لہذا وہ بھی مکسور ہوگا۔

تختص بالفعل المستقبل: نون تاکید فعل مستقبل کے ساتھ امر و نہی استفہام اور عرض و قسم میں مخصوص ہوتا ہے یعنی فعل مستقبل امر و نہی وغیرہ ہو کیوں کہ نون تاکید طلب کی تاکید کے لیے مستعمل ہے اور طلب انہی اشیاء میں پایا جاتا ہے۔

اور وہ فعل مستقبل جو منفی ہو تو اس میں نون تاکید کم مستعمل ہے، اس لیے کہ وہ طلب کے حسی سے خالی ہوتا ہے البتہ نون تاکید کی نفی میں اجازت نہی کے ساتھ مشابہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ جیسے لا تفععلن کذا۔

ولزمت فی مثبت القسم: جواب قسم جب مثبت ہو تو نون تاکید لانا لازم ہے جیسے واللہ لافعلن
 کذا اس لیے کہ قسم محل تاکید ہے۔ لہذا جب اس کلام کو امر منفصل یعنی قسم سے مؤکد کیا گیا تو پھر امر متصل سے
 اس کی تاکید بدرجہ اولیٰ لائی جائے گی یعنی نون تاکید سے کیوں کہ وہ اس کلام سے متصل ہو کر تاکید کرتی ہے۔
 وکثرت فی مثل الخ: اما تفععلن جیسے میں نون تاکید بکثرت استعمال ہے اما تفععلن جیسے
 سے مراد ہر ایسی شرط ہے جس کے حرف کی تاکید مازائدہ سے ہو، اس لیے کہ جب عرب حروف کی تاکید
 غیر مقصود ہوتے ہوئے بھی لاتے ہیں تو پھر فعل کی تاکید جو کہ مقصود ہوتی ہے بدرجہ اولیٰ لائی جائے گی، تاکہ
 مقصود کا غیر مقصود سے انقش ہونا لازم نہ آئے۔

وما قبلها: جمع مذکر میں خواہ غائب ہو یا حاضر نون تاکید کے ما قبل مضموم ہوگا، تاکہ ضمہ اس واؤ کے
 حرف پر دلالت کرے جو اتقائے ساکنین کی وجہ سے گر گیا ہے، اس کے مسلک کے اعتبار سے جس کے
 نزدیک اتقاء ساکنین علی حدہ میں دونوں ساکنوں کا کلہ واحدہ میں ہونا شرط ہے۔ یا بعد الضمہ واو کے نقل
 ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کے نزدیک جو اتقائے ساکنین علی حدہ میں شرط مذکور کے قائل نہیں ہیں۔

اور واحد مؤنث حاضر میں نون کا ما قبل مکسور ہوگا تاکہ وہ یاء محذوفہ پر دلالت کرے جو اتقائے ساکنین
 کی وجہ سے حذف ہوئی ہے یا بعد الکرہ یاء کی ثقالت کی وجہ سے۔ اور ان دونوں موقعوں کے علاوہ نون تاکید
 کا ما قبل مفتوح ہوگا، تاکہ تخفیف حاصل رہے۔ تم ثنیہ میں اضربان الف کے اثبات کے ساتھ بولتے ہو،
 تاکہ واحد کے ساتھ اشتباہ نہ ہو اور جمع مؤنث میں اضربان بولتے ہو الف کی زیادتی کے ساتھ تاکہ لگاتار
 تین نونوں کا اجتماع نہ ہو جائے، نون خفیہ ثنیہ اور جمع مؤنث میں نہیں آتا، تاکہ اتقاء ساکنین علی غیر حدہ
 لازم نہ آئے۔

ولا تدخلهما الخفيفة خلافا لیونس وهما فی غیرهما مع الضمیر البارز
 کالمنفصل فان لم یکن فکالمتصل ومن ثم قیل هل ترین وتروون وترین واغزون
 واغزون والمخففة تحذف للساکن وفي الوقف فیرد ما حذفت والمفتوح
 ما قبلها تقلب الفاء فقط.

ترجمہ:- اور ثنیہ اور جمع مؤنث پر نون خفیہ داخل نہیں ہوتا مخالفت کرتے ہوئے یونس کی اور
 وہ دونوں ثنیہ اور جمع کے علاوہ میں منفصل کی طرح ضمیر بارز کے ساتھ ہوں گے۔ پس اگر اس میں ضمیر بارز نہ
 ہو تو وہ متصل کی طرح ہیں، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے هل ترین اور تروون اور ترین اور اغزون اور اغزون
 اور اغزون اور نون خفیہ ساکن کی وجہ سے حذف کر دی جاتی ہے اور وقف میں بھی پس اس چیز کو لوٹا دیا جاتا
 ہے جو حذف کیا گیا ہوتا ہے اور وہ کہ جس کا ما قبل مفتوح ہوتا ہے الف سے بدل جاتا ہے۔

توضیح:- تشنیہ اور جمع مؤنث پر نون خفیفہ داخل نہیں ہوتا ہے، کیوں کہ اگر تشنیہ اور جمع پر نون خفیفہ داخل ہوتا ہے تو اتقاء ساکنین علی غیر حدہ لازم آتا ہے، جو درست نہیں ہے، البتہ یونس نحوی کے نزدیک نون خفیفہ کا داخل ہونا دونوں پر صحیح ہے رہی بات اتقاء ساکنین علی غیر حدہ کی تو وہ یونس کے نزدیک درست ہے، جیسا کہ وقف میں درست ہے۔

وطی غیر ہما: تشنیہ اور جمع مؤنث کے علاوہ جو صیغے ہیں وہ دو طرح کے ہیں یا تو ان کے ساتھ ضمیر بارز ہوگی یا نہیں پس اگر ان صیغوں میں ضمیر بارز ہو تو ان صیغوں کا نون کلمہ منفصلہ کے حکم میں ہوگا یعنی واؤ اور یا حذف ہو جائیں گے اور ضمہ اور کسرہ آجائے گا۔ ایسے صیغے صرف دو ہیں ایک جمع مذکر دوسرے واحد مؤنث حاضر جیسے اغزؤں اور اغزؤں ازمین اور ازمین۔

اور اگر اس صیغے میں ضمیر بارز نہیں ہے جیسے کہ واحد مذکر میں ہوتا ہے تو نون تاکید کلمہ منفصلہ کے حکم میں ہوتا ہے لہذا لام کلمہ جو حذف ہو چکا تھا لوٹ آئے گا اور مفتوح ہوگا جیسے ازمین، اور اغزؤں۔

ومن ثم قيل: اس وجہ سے کہ نون تاکید غیر ضمیر بارز کے ساتھ متصل کی طرح ہوتا ہے بولا جاتا ہے هل تروين ياء کے فتح کے ساتھ اس لیے جب نون غیر ضمیر بارز کے ساتھ کلمہ متصل کی طرح ہو گیا تو آخر کے سکون کا زوال لازم ہوگا لہذا جو کچھ سکون کی وجہ سے حذف ہو چکا تھا، وہ سب لوٹ آئے گا۔ پس هل تروين يائے مفتوحہ کے ساتھ بولا جائے گا اور نون اتصال میں الف تشنیہ کے مشابہ ہے، لہذا نون کے ساتھ لام کلمہ میں تعلیل نہیں کی جائے گی جیسا کہ الف تشنیہ متصلہ کے ساتھ لام کلمہ میں تعلیل نہیں ہوتی۔ چنانچہ بولا جاتا ہے هل ترويان۔ اور ترويان واو کے ضمہ کے ساتھ کیوں کہ واو مدہ نہ ہونے کی وجہ سے اتقاء ساکنین سے محفوظ ہے پس حذف نہ ہوگا جیسے کہ اخشوا القوم میں واو ضمہ کے ساتھ ہے۔

اور تروين ياء کے کسرہ کے ساتھ۔ اغزؤں واو کے محذوفہ کے اعادہ کے ساتھ کیوں کہ کلمہ متصلہ کے مانند نون تاکید کے ہونے کی وجہ سے آخر کا سکون ختم ہو گیا اور اغزؤں اور اغزؤں واو اور یاء کے حذف کے ساتھ پہلی تین مثالیں مضارع کی اور بعد کی تین امر کی مثالیں ہیں۔

والمخففة: نون خفیفہ جب کسی ساکن کے بعد ہو تو اتقاء ساکنین سے بچنے کے لیے حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے اضربن القوم سے اتصال کے وقت حذف ہو کر اضرب القوم ہو جائے گا البتہ نون خفیفہ کا حکم باقی رہے گا، لہذا لام کلمہ جس طرح اس کے ہوتے مفتوح تھا اب بھی رہے گا۔

وفي الوقف: اور جب اس کلمہ کے لام کلمہ پر وقف کرنا ہو کہ جس کو نون خفیفہ لاحق ہوئی ہے تو نون خفیفہ حذف ہو جائے گا اور نون خفیفہ کے لاحق ہونے سے جو حرف علت حذف ہوا ہے وہ اتقاء ساکنین کے دور ہو جانے کی وجہ سے واپس آجائے گا بشرطیکہ نون خفیفہ کا قبل مفتوح نہ ہو جیسے اضربوا، اضربن سے

اور اضر بن سے اضر بی اور اگر نون خفیفہ کا قبل مفتوح ہو تو حالت وقف میں نون الف سے بدل جاتا ہے تنوین پر قیاس کرتے ہوئے کہ جس طرح وہ حرف جس پر تنوین مفتوح ہو حالت وقف میں الف سے بدل جاتا ہے، اسی طرح نون خفیفہ کا قبل فتحة ہونے کی صورت میں حالت وقف میں الف سے بدل جائے گا، پس اضر بن وقفاً اضر بناً ہو جائے گا۔

فِيَا حَنَّانُ وَبِأَمْنَانُ لَكَ الْحَمْدُ وَالْمُنَى عَلَى الْعَبْدِ الْفَقِيرِ فِي
الْبَدَايَةِ وَالنَّهَائَةِ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ وَهُوَ حَسْبِي وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.

عتیق الرحمن احمد قاسمی بہرائچی

بروز و شنبہ ۲۱/۱۲/۱۴۲۶ھ